یُورپ کا عصرِ جدید

جلد دوم

سلسلۂ نصابیات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

یورپ کا عصرِ جدید

جلد دوم

تصنیف

سی۔ اے۔ فائف۔ ایم۔ اے

ترجمہ

قاضی تلمذ حسین صاحب، ایم۔ اے

رکن شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی

و

مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی

سابق رکن شعبہ تالیف و ترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی و حال مددگار معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ سرکار عالی

۱۳۵۵ھ م ۱۳۴۵ف م ۱۹۳۶ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

یورپ کا عصر جدید جلد دوم

وسطی یورپ سنہ ۱۸۱۲ء میں
نپولین کے براہ راست ماتحت
توابع
انگریزی میل
۰ ۵۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۳۰۰
برطانیہ عظمیٰ
لندن
ڈنمارک
فرانسیسی شہنشاہی
پیرس
برسٹ
بروسلز
انٹورپ
ہمبرگ
برلن
ڈرسڈن
بوہیمیہ
موراویا
دریائے ڈینیوب
پست
سلاوونیا
میونک
معاہدہ سوئس
میلان
وینس
فلارنس
روما
جنوا
مارسیلز
طولون
کارسیکا
(علاقہ فرانس)
بورڈو
تولوز
کاتالونیہ
سارا گوسا
میڈرڈ
اوپورٹو
دریائے ڈورو
ڈانزگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یورپ کا عصر جدید

جلد دوم

باب اول

۱۸۱۴ء کی رجعت شاہی۔ ناروے۔ نیپلز۔ وسٹ فیلیا۔ اسپین۔ اسپینی نظام سلطنت کا پلٹ دیا جانا۔ پادریوں کی فتح۔ فرانس میں رجعت شاہی۔ منشور۔ امیروں اور پادریوں کا قبض و دخل بیجا۔ خاندان باربن کے خلاف ترقی پذیر مخاصمت۔ موتمر وائنا۔ ٹیلیرینڈ اور دول اربعہ۔ مسئلہ پولینڈ۔ مسئلۂ سکسنی نظریۂ استحقاق وراثت۔ روس و پرشیا کے خلاف خفیہ معاہدہ۔ تسویہ صوبجات اٹلی۔ نپولین کا البا سے روانہ ہونا اور فرانس میں اُترنا۔ اس کے اعلانات۔ نپولین، بمقام گرینوبل، لینز، و پیرس۔ موتمر وائنا کا یورپ کو فرانس کے خلاف متحد کرنا۔ اطالیہ میں میورٹ کی کارروائی۔

نپولین کا جارحانہ روش اختیار کرنا۔ جنگ ہائے لگنی، کواتربرس، واٹرلو۔ پیرس کے معاملات۔ نپولین کا سنٹ ہلینا کو بھیجا جانا۔ ولنگٹن

اور فوشے۔ فرانسیسی مملکت کی مجوزہ حوالگی کے متعلق دلائل۔ معاقدۂ مقدس کا معاہدہ۔ پیرس کا معاہدۂ ثانی۔ موتمر وائنا کے کام کا انجام۔ جرمانیہ کی منفقیت۔ موتمر وائنا اور معاہدات ۱۸۱۵ء کا اندازہ۔ بردہ فروشی۔

بنی نوع انسان کی زیادہ حال کی تاریخ میں، جن واقعات نے قوموں کے دلوں پر ہیبت ناک اثر پیدا کر دیا، اور جن سے یہ معلوم ہونے لگا کہ کوئی ایسی قوت منکشف ہوئی ہے جو اپنے راست عمل کے ذریعہ سے بڑی سے بڑی انسانی کوشش کو باطل کر دیتی ہے، ان واقعات میں شان و شکوہ اور قوت و وحشت کے اعتبار سے روس کے حملہ میں نپولین کی فوج کے نیست و نابود ہو جانے سے بڑھ کر کوئی واقعہ نہیں ہے۔ یہ ایک طبعی امر تھا کہ جس نسل نے یہ دیکھا ہو کہ ایک کے بعد دوسری سلطنت منہدم ہوتی چلی جا رہی ہے، اور حق کی ہر ایک نئی خلاف ورزی کے بعد فاتح کی قوت میں ظاہرا استحکام پیدا ہوتا جاتا ہے، اسے ۱۸۱۲ء کی تباہی میں یہی نظر آئے گا کہ یورپ کی نجات کے لئے خدائے قادر و توانا نے ظاہر و عیاں طور پر اپنا ہاتھ بڑھا دیا ہے۔ اس وقت سے اب تک ستر برس گزر چکے ہیں جو خطرات اس وقت ایسے نظر آتے تھے کہ وہ بنی نوع انسان کے مستقبل کو گھیر لینگے اب وہ کسی قدر خیالی سے معلوم ہونے لگے ہیں، اور جو قربانیاں اس وقت سستی سمجھی گئی تھیں وہ اب گراں سمجھی جانے لگی ہیں۔ آخری دو نسلوں کی تاریخ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ غاصب کی روا روی کی اطاعت سے یورپ کو ہر شے کا نقصان نہیں اٹھانا پڑا تھا، اور اس کے مخالفوں کی فتح سے ہر شے ہاتھ میں نہیں آگئی۔ اب اس گمان کا دبا دینا آسان نہیں ہے کہ ۱۸۱۲ء میں اگر نپولین کو کامیابی ہو گئی ہوتی تو بنی نوع انسان کے مستقل مفاد کو اس سے بہترین فائدہ ہوتا یا نہیں؟ اس کی شہنشاہی پہلے ہی اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ انجام کار میں اس کا منتشر ہو جانا یقینی تھا۔ اس شہنشاہی کے زوال کی تاخیر و تعجیل پر معاملات کا اتنا انحصار نہ تھا جتنا انحصار معاملات کے اس نظم پر تھا جو اس شہنشاہی کی جگہ لینے کے لئے تیار تھا۔ ۱۸۱۲ء میں نپولین کی فتح کے بعد روس سے لئے ہوئے صوبجات میں ایک پولینڈی بادشاہی

قائم ہو جاتی۔ فاتح کی کسی فیاضی یا ایک زوال یافتہ قوم کے ساتھ کسی ہمدردی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے سیاسی محل و موقع کی ضروریات کی وجہ سے پولینڈ کی تنظیم اس طرح سے ہوتی کہ مشرق میں وہ فرانسیسی فوقیت کے لئے پشتے کا کام دیتا۔ غلامان وابستۂ اراضی آزاد ہو جاتے۔ امرا ایسے کسانوں کی بجا نفرت جس نے ۱۷۷۲ء کی تقسیم کو آسان بنا دیا، اور اُس وقت سے اِس وقت تک پولینڈ کی ہر ایک شورش کو مہلک ثابت کر دیا ہے۔ یہ نفرت اس زرعی اصلاح سے ساکت ہو جاتی، جو خود نپولین کی بے نظیر قوت و ذہانت سے عمل میں آتی اور اس سے زیادہ تابناک امیدوں کے ساتھ رائج کی جاتی کہ پولینڈ کی تاریخ میں کسی وقت بھی ایسی امیدوں نے کسانوں کی تاریک زندگی کو روشن نہ کیا تھا۔ ۱۸۰۷ء میں جن خیالات نے نپولین کے ہاتھ کو روک دیا، اور اسے امارت وارسا میں دفع قیود کے نتیجۂ عمل پر قانع بنا دیا، ان خیالات کا ۱۸۱۲ء کے بعد کچھ دخل نہ رہتا جب کہ روس اس کے پہلو میں ایک مفلوج مگر شدید دشمن کے طور پر ہوتا، اور ہمیشہ اس تاک میں لگا رہتا کہ سرحد کے ورے عمومی بد دلی کی ذرا سی بھنک بھی ملے اور وہ اس سے نفع اٹھائے۔ پولینڈی امرا کی ارث یعنی اُن کی سیاسی خود مختاری، قائم رکھی جا سکتی تھی مگر پولینڈی قوم کے عامۃ الناس کو زمیندارانہ خود مختاری کی برکت عطا ہو جاتی۔ یہ بحال شدہ بادشاہی اگرچہ نپولین ہی کے خاندان کے کسی رکن کے زیر حکومت ہوتی مگر چند برسوں کے اندر اندر۔ وہ غالباً اتنی کافی اندرونی قوت حاصل کر لیتی کہ وہ نپولین کی شہنشاہی کے زوال یا خود نپولین کی وفات کے بعد بھی قایم رہتی۔ انگلستان، آسٹریا اور ٹرکی کے لئے یہ کوئی غیر ممکن کام نہ ہوتا کہ یورپ کے انتظام ثانی کے وقت وہ اس بادشاہی کو الگزنڈر کو ہضم نہ کرنے دیتے، بشرطیکہ روس کے انہدام کے بعد واقعی باب عالی کے زوال کی نوبت نہ آجاتی، اور فرانس کی قومیت کے تحت یونانی، بلغاروی اور رومانوی بادشاہیاں نہ قایم ہو جاتیں۔ پس نپولین کے زوال کے بعد وسطی و مشرقی، یورپ کی تین مطلق العنان بادشاہیوں کے پہلو میں کم از کم ایک قوم ایسی باقی رہ جاتی جس میں آزادی کے روایات موجود ہوتے، اور پولینڈ کی مثال سے، جس نے معاشری زندگی کی عمیق مگر ناقابل علاج پستی سے بلندی

حاصل کی ہوتی، روس کے فرمانرواؤں ہیں، دوسری نصف صدی کے وقفہ اور ایک دوسری تباہ کن جنگ کے وقوع کے بغیر غلامان و البتہ اراضی کے آزاد کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی۔ تاریخ کی واقعی رفتار کے ساتھ، واقعات کے امکانی نتائج کا مقابلہ کرنا، اور جو واقعات بر وقت، دنیا کی اخلاقی حکمرانی کو بظاہر حق بجانب ثابت کرتے تھے، ان کی وجہ سے جو اچھائی ضایع ہوگی، اور جو برائی عائد ہوگی، انکا اندازہ کرنا، تخیل و تصور کے لئے بے کار کام نہیں ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہو سکتا ہے کہ رائے قائم کرنے میں احتیاط برتی جائے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ ہمیں امر واقعی کی خود رایانہ و خیالی تعبیر سے باز رکھے جس نسل نے نپولین کا زوال دیکھا تھا، صرف وہی ایک نسل ایسی نہیں ہے جس نے خدائے قادر مطلق کو اپنی مرضی کو پورا کرتے دیکھا ہو، اور صرف اسی نے فطرت و تاریخ کے طوفان برق و باد میں نہایت سچی نظر سے انسانی مساوات و وداد کے مقدس خطوط کا پتا چلایا ہو۔

۱۸۱۴ء کا انتظام

نپولین کی شہنشاہی فی الواقع گزر گئی تھی۔ جمہوریت کے پہلے سپاہیوں نے جو فتوح حاصل کئے تھے، وہ بھی شہنشاہ کی آخری قسمتوں کے ساتھ فرانس کے ہاتھ سے نکل گئے تھے مگر ۱۸۱۴ء میں جو رجعت شاہی عمل میں آئی، وہ اس سیاسی نظم کی رجعت نہیں تھی جو انقلابی جنگ کے شروع ہونے کے قبل براعظم میں موجود تھا۔ جن طاقتوں نے نپولین کو پست کیا تھا وہ بھی اپنے اپنے وقت پر اسی شوکت و توسع کے طریق کی حصہ دار تھیں جس نے یورپ کی قدیم سرحدوں کو محو کر دیا تھا۔ روس نے فنلینڈ، بسیربیا، اور پولینڈ کے بیشتر حصص کو لے لیا تھا، آسٹریا نے وینس، ڈالمیشیا، اور سالزبرگ پر قبضہ کر لیا تھا، اور پرشیا نے ۱۷۹۲ء اور ۱۸۰۶ء کے درمیان اپنی مملکت میں اتنی وسعت پیدا کر لی تھی کہ اس کا رقبہ دو چند سے زاید ہو گیا تھا۔ فاتح درباروں کی حکمت عملی میں اب یہ امر داخل نہیں رہا تھا کہ جن حکومتوں کو انھوں نے خود بے دخل کر دیا ہے انھیں بحال کر دیں۔ ۱۸۱۴ء کا انتظام جہاں تک بحالی کے نام کا سزاوار تھا، وہ صرف انھیں ممالک تک محدود تھا جو نپولین اور اس کے خاندان کے حکمرانوں سے لئے گئے تھے۔ ان ممالک میں اگرچہ جمہوریوں اور کلیسائی حکمرانوں کے حقوق کو فراموش کر دیا گیا تھا مگر قدیم خاندانوں کے استحقاق کو

دریا دلی سے تسلیم کر لیا گیا تھا۔ خود فرانس، جزیرہ نمائے اسپین، ہالینڈ، وسٹ فیلیا، پڈمانٹ، اور ٹسکینی میں جلا وطن خاندانوں نے پھر فرمانروائی حاصل کر لی۔ ان ملکوں کو ان کے موروثی حکمرانوں کو واپس کر دینے میں حلفا کو اپنی جیب سے کچھ خرچ نہیں کرنا پڑا اور اس سبب سے انھیں یہ موقع مل گیا کہ وہ ۱۸۱۵ء کے کام کو جائز حکومت اور قومی خود مختاری کی بحالی کے عام الفاظ سے تعبیر کریں۔ واقعاً حق وراثت اور حق قومی کے دعاوی وہیں یاد رکھے گئے تھے جہاں انھیں نظر انداز کرنے کے لئے کوئی محرک قلبی موجود نہیں تھا لیکن، جہاں حکمت عملی کے انتظامات سے ان کا تصادم ہوتا تھا، وہاں اُن پر بہت کم لحاظ کیا گیا۔ ناروے ڈنمارک کی بادشاہی کا جزو تھا، اس کے متعلق ۱۸۱۲ء میں نپولین کے خلاف تائید کے معاوضہ میں، الگزنڈر نے سویڈن کے ولی عہد برنیڈوٹ سے وعدہ کر لیا تھا،

ناروے

حلفا نے اس معاملت کی تصدیق کر دی۔ جب نپولین کو زوال ہوا برنیڈوٹ نے فوراً ہی اپنے انعام کا مطالبہ کیا۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوا کہ اہل ناروے نے (جنھیں ان کے بادشاہ نے چھوڑ دیا تھا) اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اس پر معترض ہوئے کہ یورپ کے آزاد کرنے والے انھیں بھیڑوں کے گلہ کی طرح سے کسی کے حوالہ کر دیں۔ حلفا اپنے معاہدے پر قائم رہے۔ اپنی نئی رعایا کو مغلوب کرنے کے لئے برنیڈوٹ کو مدد دینے کے لئے ایک برطانی بیڑا روانہ کیا گیا، اور (اپریل سے اگست تک کی) مختصر مقاومت کے بعد اہل ناروے مجبور ہو گئے کہ تن بہ تقدیر اپنی قسمت پر راضی ہو جائیں۔[1] یورپ کی دوسری انتہا پر نپولین کا ایک دوبیرا سپہ سالار بحال شدہ جابر بادشاہوں کے درمیان بدستور

نیپلز

اپنے تخت پر قائم رہا۔ میورٹ، شاہ نیپلز نے ایسے وقت میں نپولین کا ساتھ چھوڑا کہ وہ آسٹریا سے مخالفہ و صلح کر سکے۔ برطانیہ عظمیٰ اگرچہ فوجی تعہد میں شامل تھی، مگر وہ اس معاہدے کی فریق نہیں تھی اور اس نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس کی جانب سے میورٹ کی آئندہ تائید کا انحصار اس شرط پر

[1] مباحث پارلیمنٹ جلد بست و ہفتم صفحہ ۶۳۴ - ۸۳۴ ۔

ہوگا کہ وہ اطالیہ کے اندر نپولین کی فوجوں کے خلاف باعزاز کوشش و سعی کرے۔
میورٹ نے اس شرط کو پورا نہیں کیا تھا اور بہت آہستہ آہستہ کرکے برطانی حکومت
کو اس کی غداری کے ثبوت ہاتھ آرہے تھے، اور وزیر اعظم لارڈ لیورپول کا یہ میلان
بھی نہیں تھا کہ سرزمین اطالیہ پر سسلی کے فرڈیننڈ کی مملکت کے حق کی تائید کرکے
وائنا میں نئی مشکلات پیدا کرے [1]۔ پیرس کے بحال شدہ خاندان باربن کیجانب
سے ٹیلیرینڈ کا ارادہ یہ تھا کہ موتمر کے ختم ہونے کے قبل، میورٹ پر سیاسی حملہ
میں اپنی پوری قوت صرف کردے مگر سردست میورٹ کیے مواقع اس کے حریف کے
مواقع سے فائق معلوم ہوتے تھے۔ اس طرح جنوبی اطالیہ ایک قسمت کے دھنی سپاہی
کے ہاتھ میں رہ گئی جو برنیڈوٹ کے برعکس خفیہ طور پر نپولین کا دوست اور تخت
کے واپس لینے میں نپولین کی کوشش کی تائید کے لئے آمادہ تھا۔

برنیڈوٹ کے ساتھ مخالفین کی قرار دادنے (جو صلح پیرس کے شرائط میں
شامل کردی گئی تھی) موتمر وائنا کے فیصلہ کے لئے اس کے سوا اور کچھ باقی نہ چھوڑا
کہ وہ پولینڈ، سیکسنی اور نیپلز کی قسمت کا تصفیہ کردے اور جرمانیہ میں جس قسم کا
سیاسی اتحاد قائم ہونا چاہئے اسے متعین کردے۔ یہ قرار پاگیا تھا کہ صلح پیرس
پر دستخط ہونے کے دو مہینے کے اندر موتمر کا اجتماع ہوگا لیکن یہ وقفہ ناکافی
ثابت ہوا، اور اس کے قبل ہی کہ سب سے پہلے آنے والے مدبرین وائنا
پہنچکر ان مشاوروں کا آغاز کریں، جو موتمر کے باضابطہ افتتاح کے قبل ہونے

[1] ولنگٹن، اتمامی مراسلات۔ جلد دہم صفحہ ۶۸ہم کاسلری صفحہ ۱۴۵۔ دفاتر سسلی، جلد ۹۔
آئندہ کے شاہ لوئس فلپ کو اس کے خسر فرڈیننڈ نے اس غرض سے انگلستان
بھیجا تھا کہ اس وقت جو فرمانروا اور وزرا انگلستان میں وارد ہورہے تھے،
ان کے درمیان میورٹ کے خلاف سازش کے تخم بوئے۔ انھی کارروائیوں
کے متعلق اس کا عجیب وغریب بیان اور اس کے ساتھ شہزادہ متولی کے لئے
لوئس ہیزدہم کی دی ہوئی خفیہ علامت، جو خود کچھ لکھنے سے خائف تھا، انھیں
دفاتر کی جلد ۹۹ میں موجود ہے۔

والی تھیں، وہاں موسم خزاں شروع ہو چکا تھا۔ اس اثناء میں یورپ کو ایک خاص منظران درباروں کی وجہ سے دیکھنا پڑا جن کی بحالی پر اس قدر سرکاری شکر و امتنان کا اظہار ہوا تھا۔ اس کے قبل کہ شاہ لوئس ہیزدہم پیرس کو واپس آتا جلاوطن خاندان شمال جرمانیہ اور اسپین میں اپنے اپنے تختوں پر دوبارہ متمکن ہو چکے تھے۔ جنگ لیپزگ نے جیوں ہی وسٹ فیلیا کی بادشاہی کا شیرازہ منتشر

وسٹ فیلیا کی بحالی

کیا اور نپولین کو رائن کے پار بھگایا، ہینوور اور ہسی میں فوراً ہی رجعت قہقری کی کارروائی شروع ہوگئی۔ یہ ضرور تھا کہ ہینوور کو اپنے فرمانروا کی بذات خاص موجودگی کی مسرت نہیں حاصل تھی، اس کی خصوصیت خاص عدیدی تھی، اور یہاں رجعت قہقری حکومت سے زیادہ ذی امتیاز طبقات کا معاملہ تھی مگر ہسی میں ایک ایسا حکمران واپس آیا جو مجسم حق خداداد تھا، وہ ۱۷۹۲ء میں فرانسیسی سران انبوہ سے بڑی شدت سے لڑا تھا، اور اسکی سرکش مطلق العنانہ طبیعت نے ایک نسل کے انقلابات اور جنگ جینا کے بعد خود اس کے ممالک کے ہاتھ سے نکل جانے کا مطلق کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔ ۱۸۱۴ء کے آخر میں جب اس والی کی وفادار رعایا نے کیسل کی سڑکوں پر شان ظفرمندی کے ساتھ اس کی گاڑی کھینچی، اس وقت وہ ستر برس کا بڈھا ہو چکا تھا۔ اپنی آمد کے دوسرے ہی دن اس نے یہ حکم دیا کہ ہسی کے وہ سپاہی جو جنگ جینا کے بعد طویل رخصت پر بھیجدیئے گئے تھے، حاضر آویں اور یکم نومبر ۱۸۰۶ء کو قلعہ و شہر میں جو شخص جہاں متعین تھا وہیں موجود ہو۔ چند ہفتوں بعد گزشتہ سات برس کے تمام اصلاحات یک قلم باطل کر دیئے گئے۔ ضابطہ نپولینی ملک کا قانون نہیں رہا۔ خیالات زمانہ کے علی الرغم ذات کے قدیم آزاردہ امتیازات اور ساتھ ہی ذی امتیاز طبقات کے لئے خاص عدالتیں پھر قائم ہوگئیں۔ کسانوں پر جاگیری بار پھر عائد کر دیئے گئے۔ سرکاری زمینوں کے خریداروں کو مجبور کیا گیا کہ وہ زمینیں واپس کر دیں اور رقم خریداری میں سے انھیں کچھ واپس نہ ملے۔ اعشاریہ سکہ ملک سے باہر نکال دیا گیا۔ محصول کا قدیم طریق مع اپنے مکروہ مستثنیات کے پھیر جاری کیا گیا۔ وہ تمام ترقیات اور منصب کے

وہ تمام عطیات جو جیروم کی حکومت نے کئے تھے، سب منسوخ کر دیے گئے۔ ہر ایک عہدہ دار اور ہر ایک سرکاری ملازم اسی جگہ پر بحال کر دیا گیا، جس جگہ پر وہ یکم نومبر ۱۸۰۶ء کو تھا۔ عام سپاہیوں کی چوٹیاں اور صفوف جو قدیم دور میں رائج تھیں ان کی بھی تجدید کی گئی[1]۔

اہل ہسی اور ان کے شمال مغربی جرمانیہ کے ہمسایوں کے ساتھ ان کے حکمران زمانہ قدیم سے بہت کم پاس و لحاظ کا برتاؤ کرتے تھے، اور اگر انھوں نے ایک ایسے خاندان کا خیر مقدم کیا جس کا دستور یہ رہا تھا کہ وہ فی کس ایک معینہ رقم لے کر ان لوگوں کو ہنداؤں یا شمالی امریکہ کے انڈین سے لڑنے کے لئے کرایہ پر دیدیں، تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا تھا کہ یہ لوگ جروم بونا پارٹ اور اس کے عیاشوں اور سود خواروں کے فرانسیسی غول کے مقابلہ میں اپنے وطنی کام لینے والوں کو ترجیح دیتے تھے۔ یورپی رجعت قہقری میں دوسرا منظر اس سے بہت زیادہ المناک تھا۔ فرڈینینڈ شاہ اسپین نے جب ۱۸۱۴ء کے موسم بہار میں پرینیز کو قطع کیا اور شمالی اسپین میں اس کے جلوس کے ساتھ جس عام جوش کا اظہار

اسپین میں بادشاہی کی بحالی

ہوتا رہا اس سے اپنی قوت کا یقین کر کے اس نے معاً یہ عزم کر لیا کہ ۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت کو الٹ دے اور جنگ سے قبل جیسی مطلق العنان بادشاہی موجود تھی، ویسی ہی بادشاہی پھر قائم کرے۔ قوم نے جس قرارداد کو قبول کر لیا تھا، اس کے خلاف ہاتھ اٹھانے میں اگر بادشاہ کو کچھ تامل ہوا ہو تو اس کے حاشیہ نشیں درباری اور اہل کلیسا نے اسے مٹا دیا، ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے یہ ظاہر کیا کہ ۱۸۱۲ء کی کارٹس، چند بیباکوں پر مشتمل تھی جو قادس کی سڑکوں پر سے جمع کر لئے گئے تھے، جنھوں نے یہ کام اپنے سر لیا تھا کہ تاج کی اہانت

---

[1] ہینوور میں عقوبت جسمانی کا طریق بھی پھر جاری کیا گیا اور ۱۸۱۸ء کے آخر تک گاہ بگاہ اس پر عمل بھی ہوتا رہا۔ نیز پہیوں پر ہڈی توڑ کر موت کی سزا دینے کا طریقہ بھی جاری ہوا۔ ملاحظہ ہو جیکسن : اسفار جلد دوم، صفحہ ۱۵ و ۶۹۔

کریں، کلیسا کو لوٹیں اور مذہب کیتھولک کی ہستی کو خطرے میں ڈال دیں، حالانکہ اس کارٹس میں نقائص جو کچھ بھی رہے ہوں، مگر یہ وہی کارٹس تھی جسے انگلستان اور روس دونوں نے اسپین کی جائز حکومت کی حیثیت سے تسلیم کر لیا تھا۔ بادشاہ کے ویلنشیا میں داخل ہونے پر بڑے گرجا کے پادریوں نے اپنے طبقہ کی خواہشوں کا اظہار اس سپاسنامۂ اطاعت میں کیا جسے انھوں نے فرڈینینڈ کے حضور میں پیش کیا تھا۔ ان کی طرف سے خطاب کرنے والے نے آخر میں یہ کہا کہ "ہم اعلیٰحضرت سے یہ التجا کرتے ہیں کہ حضور والاعدالت اختیار مذہبی اور اس کلیسائی نظم کے بحال کرنے کے لئے جو حضور کی روانگی کے قبل اسپین میں موجود تھا، نہایت ہی زبردست کارروائیاں اختیار فرماویں۔" بادشاہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ "یہ خود میری خواہشیں ہیں اور جب تک یہ پوری نہ ہو جائیں گی، میں آرام نہ لونگا۔"[1]

پادریوں کی فتح کا بہت جلد اعلان ہو گیا۔ ۱۱ مئی کو بادشاہ نے ویلنشیا میں ایک اعلامنامہ شایع کیا، جس میں ۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت اور کارٹس کے ہر ایک حکم کو باطل قرار دیا تھا اور جو شخص عملاً، تقریراً یا تحریراً اس نظام سلطنت کی حمایت کرے، اسے غداری کی سزاؤں کا متوجب قرار دیا تھا۔ بادشاہ نے یہ ذمہ داری لی تھی کہ جس وقت امن عامہ بحال ہو جائے گا وہ فوراً ایک نئی کارٹس طلب کرے گا، اخراجات کو قوم کی نگرانی میں دے دیگا اور ذات و ملک کی حفاظت میں کسی طرح کا خلل نہ آنے دے گا۔ فرڈینینڈ کے دعاوی حریت کی یہ ایک نمایاں شرح تھی کہ جس دن یہ اعلان شایع ہوا تھا، اُسی دن مطابع کا احتساب بحال کر دیا گیا مگر بادشاہ نے اسپینی قوم کے اوپر اپنی قوت کا غلط اندازہ نہیں کیا تھا۔ اسپین میں فرڈینینڈ کی دوبارہ آمد کے بعد جس قسم کی دیوانہ وار غیر موجہ وفاداری کا طوفان برپا ہوا، وہی کیفیت نظام سلطنت کے باطل کر دینے کے بعد بھی نمودار ہوئی۔ اسپینیوں کے عامۃ الناس سیاسی آزادی کے معنے تک سے نابلد تھے۔ انھوں نے بادشاہ کی شان اس طرح بڑھائی جس طرح کوئی وحشی

---

[1] ولنگٹن، مراسلات۔ جلد دوازدہم، صفحہ ۲۰۔

اپنے ظلم کی شان بڑھاتا ہے۔ ان کے جذبات اس طبقۂ قسیس کے تابع تھے جو انھی پادریوں کی طرح توحش پسند اور ناعاقبت اندیش تھے جنھوں نے ۱۷۹۹ء میں نیپلز کے کسانوں کو جنوب اطالیہ کے جمہوریت پسندوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا۔ تیس نہایت ہی ممتاز حریت پسندوں کو گرفتار کر کے فرڈیننڈ کے لئے مثال قائم کرنے کی دیر تھی کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں آئینی حکام اور شہریوں کے خلاف شور برپا ہو گیا۔ عوام الناس نے پادریوں کی سرکردگی میں عدالت اختیار مذہبی کا جھنڈا لے کر ان تختیوں کو جو ۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت کے اقرار میں لگائی گئی تھیں غارت کر دیا اور بازاروں میں بلند آگ روشن کر کے حریت پسندوں کی تحریروں کو جلا دیا۔ جو لوگ ابھی تھوڑے ہی زمانہ قبل، عمومی تحسین و آفریں کے مرجع بنے ہوئے تھے، ان سے قید خانے بھر دیے گئے۔

۱۸۱۲ء کے نظام سلطنت کی وفاشعاری کے لئے جو کچھ بھی قول و قرار ہوئے ہوں مگر یہ صاف عیاں تھا کہ قوم کے دلوں پر اس نظام سلطنت کا حقیقی اثر نہیں تھا اور اسے باطل کر دینے میں فرڈیننڈ نے اسپینیوں کے حصۂ کثیر کی خواہش کو پورا کیا تھا۔ اگر کوئی عاقل و مستعد کار بادشاہ ہوتا تو مذہبی وارفتگی کے اس جوش سے غالباً یہ کام لیتا کہ ۱۸۱۲ء کے غیر دانشمندانہ انتظامات کے بجائے کوئی بہتر انتظام قائم کر دیتا، مگر فرڈیننڈ ایک جاہل و مکار مسخرہ تھا، اس میں سیاسی عدل و فیاضی کا تصور اس سے زیادہ نہیں تھا جتنا صحرا کے چوپایوں میں ہوتا ہے، وہ اس زوال یافتہ کارٹس، کے بجائے صرف یہ کر سکتا تھا کہ محل کے ندیموں اور گناہوں کا اعتراف قبول کرنے والوں کی حکومت قائم کر دے۔ برطانیہ عظمیٰ کے نمایندوں کا بادشاہ پر یہ زور دینا بے کار ثابت ہوا کہ وہ اپنے آئینی وعدوں کو پورا کرے اور جو لوگ بے وجہ قید خانوں میں ڈال دیے گئے ہیں، انھیں آزاد کر دے[1]۔ پادری اسپین اور بادشاہ دونوں کے مالک بنے ہوئے تھے

پادریوں کا صاحب اختیار ہونا

[1] ولنگٹن، اتمامی مراسلات۔ جلد نہم صفحہ ۳۲۸۔

فرڈینینڈ کے وزرانے جب مالی ضرورت سے مجبور ہو کر طبقۂ قسیسین کے بے دلانہ مطالبات کی مقاومت کی تو پھر اُن پادریوں کا اثر یوماً فیوماً خود ان وزرا کو بھی مغلوب کرنے لگا۔ ۲۳ مئی کو بادشاہ نے ایک فرمان پر دستخط کر دیے کہ تمام اسپین میں کل خانقاہیں بحال کر دی جائیں، اور ان کی اراضیاں انھیں واپس ملجائیں۔ ۲۴ جون کو پادریوں کے محصول سے معاف ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ ۲۱ جولائی کو کلیسا نے اپنی سرتاج فتح حاصل کی کہ عدالت اختیار مذہبی پھر قائم کر دی گئی۔ اسی اثنا میں فوج بغیر تنخواہ کے پڑی رہی اور بعض جنگوں میں تو واقعی اسے کھانا تک نہیں ملا۔ ملک بے قاعدہ جنگ کرنے والے گروہوں کے رحم و کرم پر تھا، کیونکہ دشمن کے ناپدید ہو جانے کے بعد سے یہ لڑنے والے عام قزاق بن گئے تھے اور اپنے ہی اہل ملک کا شکار کر رہے تھے۔ تجارت نیست و نابود ہو گئی تھی، زراعت ترک کر دی گئی تھی، بے شمار دیہات تباہ حالت میں پڑے ہوئے تھے۔ گزشتہ کئی برس سے تمام آبادی اپنے مصائب کا جو انتقام وحشیانہ جنگ و جدل کے ذریعہ سے اپنے حملہ آور سے لے رہی تھی اس کی وجہ سے خود لوگوں میں وحشت پیدا ہو گئی تھی۔ یورپ کے تمام ممالک میں اسپین ہی وہ ملک تھا جس میں انقلابی دور کے واقعات نے ایک ایسا اثر چھوڑا تھا جو خالص عیب و خرابی کے نہایت ہی قریب پہنچا ہوا تھا۔

جزیرہ نمائے اسپین کی رجعت قہقری کے مقابلہ میں فرانس کی رجعت قہقری فرزانہ و باوقار تھی، لوئس ہیزدہم کم از کم ایک عالم اور دنیا کا سمجھنے والا شخص تھا، قدیم ایام میں ایسے مصاحبوں کے ساتھ جن کے نام اب تقریباً فراموش ہو گئے تھے، اُس نے والٹیر کے تصانیف میں شغف و انہماک دکھایا تھا، اور اپنے وقت کی خوش طرز حریت کا ذکر مذکور کیا کرتا تھا۔ اپنی جلاوطنی میں اُس نے کسی قدر عزت و وقار کے ساتھ شاہانہ انداز کو قائم رکھا تھا بلکہ یہ بھی یقین کیا جاتا تھا کہ چھ برس تک انگلستان میں رہنے سے اس نے کسیقدر سیاسی عقل و دانش بھی حاصل کر لی تھی۔ اگر اس میں قوت اخلاق نہیں تھی[۱] تو بھی

[۱] اس نے پشگرو کو جو عاجزانہ خط لکھا تھا، اور جو مسودات لوئس ہیزدہم صفحہ ۶۳ ہم میں موجود ہیں

کم از کم اس میں کسی قدر تدبیر اور ذوق کا مادہ موجود تھا۔ اور اگر وہ ایک اعلیٰ فلسفی نہیں تھا تو بھی وہ ایک کامل مقلد ابیوقیورس ضرور تھا (یعنی فرقۂ خرمیہ سے تھا)۔ وہ اپنے بھائی کاؤنٹ ارٹائس کے تعصب کو ناپسند کرتا تھا۔ وہ جلاوطنوں کے لئے کچھ ایثار کرنے کے بجائے انھیں بے وقوف بنانے کی طرف زیادہ مائل تھا، اور اس کی طبیعت کا تمامتر رجحان یہ تھا کہ وہ طبقۂ قسیس کا ایک غیر صادق حلیف بن جائے اور یہ قسیس مشکل ہی سے یہ توقع کر سکتے تھے کہ وہ فرانس میں اس عیش پرستی کا لطف اٹھا سکیں گے جو برادرانِ دینی کو اسپین میں حاصل ہے۔ لیکن بادشاہ سے یہ نہو سکا کہ وہ اپنی ہی سی لاپروائی ان جلاوطنوں میں بھی پیدا کر دیتا جو اس کے ساتھ واپس آئے تھے، اور نہ اسمیں اتنی قوت تخیل تھی کہ وہ بحیثیت شاہ فرانس کے اپنے کو قوم کی فوجی شان و عظمت اور اس عمومی فوج کے ساتھ جس نے یہ شان و عظمت حاصل کی تھی متحد کر دیتا۔ لوئس کے دل میں شاہی امتیاز خاص کے بہت بلند تصورات جاگزیں تھے، لیکن اگر اس میں یہ قابلیت ہوتی کہ وہ عام قوم کے مفاد کے اعتبار سے حکمرانی کرتا تو یہ امر اس کے ایک کامیاب حکمراں ہونے میں مانع نہوتا۔ فرانس میں اب بہت ہی معدودے چند جمہوریت پسند رہ گئے تھے، شہنشاہی کی مرکزی تنظیمات پورے زوروں پر تھیں، اور اگرچہ نپولین کی حکومت کے آخری مہینوں میں، تعلیمیافتہ طبقات میں آئینی مخالفت کا ایک سخت جذبہ پیدا ہو گیا تھا، مگر ایک قابل و محب وطن باربن بادشاہ جو اپنی نئی حیثیت کو قبول کر لیتا، اور ایک طبقہ کے نفع کے لئے نہیں بلکہ قوم کے نفع کے لئے اپنے اختیار کو کام میں لاتا، وہ شاید ایسا اقتدار حاصل کر لیتا جو ۱۷۸۹ء سے قبل کے تاج کے اقتدار سے بہت زیادہ پست نہوتا، لیکن لوئس اگرچہ ذی عقل شخص تھا مگر وہ ناتجربہ کار اور بے عمل تھا۔ وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اپنی وزارت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس کا مقابلہ اس جواب سے کرو جو اس نے ۱۷۹۶ء میں وینس کی سینات کو دیا جو تہیرز میں موجود ہے۔

ایسے لوگوں کو قبول کرلے اور تمام ملک میں انتظامی عہدوں پر ایسے لوگوں کو بحال رکھے جنھوں نے نپولین کے تحت خدمت کی ہو مگر جب جلاوطنوں اور امیروں نے کاونٹ ارٹائس کی سرکردگی میں، خدمات سرکاری میں اپنے کو آگے بڑھایا، اور خاندان باربن کی بحالی سے ایسا کام لیا گویا وہ انھیں کے طبقہ کی فتح تھی، تو اس وقت بادشاہ نے صرف کمزور مقاومت دکھائی اور اسے روا رکھا کہ تنگ ترین طبقاتی مقاصد ایک ایسی بادشاہی کا اعتبار کھو دیں جس کے بہترین روایات طبقۂ امراء کے ساتھ نہیں بلکہ سلطنت کے ساتھ متحد کرتے تھے۔

شاہ لوئس ہیژدہم نے ۴؍جون ۱۸۱۴ء کو جو نظام سلطنت شایع کیا اور جو منشور کے نام سے مشہور ہے[1] فرانسیسی قوم نے اس کا اچھا خیر مقدم کیا۔ اگرچہ یہ اس نظام سلطنت سے کم آزادانہ تھا جسے لوئس شانزدہم نے ۱۷۹۱ء میں قبول کیا تھا، پھر بھی اس نے فرانسیسی قوم کو نیابتی حکومت کی ایک ایسی صورت عطا کی جس سے نپولین کے تحت قوم ناآشنا تھی۔ اس نظام سلطنت نے دو تشریعی ایوان قایم کئے، جن میں سے ایوان اعلیٰ ان امرا پر مشتمل تھا جنھیں بادشاہ اپنی مرضی سے نامزد کرتا تھا، خواہ یہ نامزدگی مادام الحیات امارت کے طور پر ہو یا موروثی افراد کے طور پر ہو۔ ایوان ادنیٰ قومی انتخاب سے مرتب کیا گیا تھا مگر یہ انتخاب ایسا تھا جس میں ملکیت کی ایسی بلند شرط لگی ہوئی تھی[2] کہ دو شخصوں میں سے صرف ایک شخص کو حق رائے حاصل تھا۔ تاج نے قوانین کے تجویز کرنے کا اختیار بالکلیہ اپنے لئے محفوظ رکھا۔ دونوں ایوانوں کی اہلیت و قابلیت کی اس شدید تحدید کے باوجود محصولوں سے انکار کرنے، اور پیش شدہ کارروائیوں پر بحث کرنے اور انھیں مسترد کرنے کے اختیار کی

---

[1] "مانیٹر" ۵؍جون، برطانی و غیر ملکی سرکاری کاغذات ۱۸۱۲ء تا ۱۸۱۴ء جلد دوم صفحہ ۹۶۰۔

[2] براہ راست محصولوں میں تیرہ پاؤنڈ سالانہ کی ادائی۔ کوئی ایسا شخص منتخب نہیں ہو سکتا تھا جو چالیس پاؤنڈ سالانہ براہ راست محصولوں میں نہ دیتا ہو۔ منشور نے یہ اتنی بڑی شرط عائد کی تھی کہ ایک صوبے میں پچاس آدمی بھی قابل انتخاب نہیں تھے۔

وجہ سے ایوان ادنیٰ کو ایسا حقیقی اختیار حاصل تھا جو قنصلیت کے آغاز کے وقت سے فرانس میں کسی نیابتی جماعت کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ نپولین کا قائم کردہ طبقۂ امرا، مرتبہ میں فرانس کے قدیم امیروں کے برابر قرار دیا گیا، اگرچہ بہ حیثیت امیر کے ان میں سے کسی کو بھی حکامی امتیاز سے زیادہ کچھ حاصل نہیں تھا۔ انقلاب کے آغاز کے وقت سے جن لوگوں نے سلطنت کی زمینیں خرید کی تھیں ان کے مقبوضات کی ضمانت کی گئی۔ مذہبی آزادی، قانون کے روبرو مساوات، اور خدمت سرکاری میں تمام طبقات کو اجازت داخلہ، یہ وہ اصول تھے جنھوں نے جمہوریت اور شہنشاہی کے زمانہ میں نہایت گہری جڑ پکڑ لی تھی، اور ان اصولوں کے متعلق یہ اعلان کر دیا گیا کہ وہ فرانس کے قانون عامہ کا جزو ہوں گے۔ اور ان نہایت ہی مطبوع و مرغوب حقوق کے ساتھ لوئس ہیژدہم کے منشور نے، آزادی مطابع کے مدتوں کے بھولے ہوئے اصول کو بھی ایک محدود صورت میں قائم کر دیا، ایک ایسے دستور سلطنت کے تحت قدیم امرا کو بہت کم موقع تھا کہ وہ فرانسیسی قوم کے عامۃ الناس پر کسی قسم کی قانونی فوقیت کی شان دکھا سکیں، لیکن قانون میں جس

امراء کا دخل بیجا

امر کی کسر تھی، وہ کاونٹ ارٹائس اور اس کے رفقا کی رائے میں نظم و نسق ملکی کے ذریعہ سے عمل میں آسکتا تھا۔ فرانس کی تمام تنظیموں میں سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ عمومی تنظیم فوج تھی، اس لئے امرا نے اپنی پہلی کوششیں فوج ہی کے خلاف منعطف کر دیں، جس قدر فوجوں کی ضرورت تھی، اس میں مالی مشکلات نے بہت کمی کر دی تھی۔ لہذا چودہ ہزار عہدہ دار اور سرجنٹ نصف تنخواہ پر برطرف کر دیے گئے مگر کفایت شعاری کی اس کارروائی کے عمل میں آنے کی دیر نہیں تھی کہ جلاوطنوں کے ایک غول کے غول

---

۱ نپولین کے بیس مارشلوں (مشیروں) میں سے چودہ مارشل اور اس کے سیناتیوں میں سے تین خمس سیناتی ایوان امرا میں طلب کئے گئے تھے۔ خارج شدہ سیناتیوں کے نام "وابیل" جلد دوم صفحہ ۱۰۰ پر ملینگے مگر پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ "وابیل" کی تاریخ کو فریقانہ افسانوں کے مجموعہ سے زیادہ وقعت نہ دے۔

کو جس نے جمہوریت کے مقابلہ میں شاہزادہ کانڈے کی فوج میں یا لاونڈی میں خدمت
کی تھی، ہر درجہ کے فوجی منصبوں سے سرفراز کر دیا گیا۔ بحری عہدہ دار جو فرانس
کی ملازمت ترک کر کے اُس کے دشمنوں کی ملازمت میں داخل ہو گئے تھے وہ
انھیں عہدوں پر بحال کر دیے گئے جو غیر ملکی بیڑوں میں انھیں حاصل تھے[1] وہ
سہ رنگی نشان جس کے تحت جیمپز سے لے کر مانٹمارٹر تک فرانس کی ہر ایک
لڑائی لڑی گئی تھی، اسے خاندان باربن کے سفید علم سے نیچا دیکھنا پڑا، حالانکہ
یہ وہ علم تھا کہ کوئی ایک سپاہی بھی زندہ موجود نہیں تھا جس نے اس کے
تحت کوئی فتح حاصل کی ہو۔ سپہ سالار "دیو پانٹ" جو صرف اس بات کے لئے
مشہور تھا کہ ۱۸۰۸ء میں اس نے بیلن کو حوالہ کیا تھا، وزیر جنگ مقرر کیا گیا۔
شہنشاہی دستہ محافظ محل کی خدمت سے ہٹا دیا گیا اور قدیم باربنی شاہی کی
"فوج خانگی" پھر بحال کر دی گئی اور اُس کے امتیازات اور علامات وہی رکھے
گئے جن کا تعلق ۱۷۸۹ء سے قبل کے دور سے تھا۔ نوجوان اُمرا، جنھوں نے
کبھی ایک گولی بھی چلتے نہیں دیکھی تھی، وہ اس مورد عنایت جیش میں بھرے گئے
جہاں معمولی برق انداز اور سوار فوج کے لفٹنٹ کا عہدہ رکھتے اور اسی منصب
کی تنخواہیں پاتے تھے۔ ادھر فرانس کے ہر ایک گاؤں میں نپولین کا کوئی
نہ کوئی شکستہ سپاہی اس حکومت پر لعنت بھیج رہا تھا جس نے اسے اس کے
رفقا سے علیحدہ کر دیا تھا، ادھر دربار پیرس میں فوجی آداب و مراسم کے اُن
تمام جزئیات کی تجدید ہو رہی تھی جو پرانی جنتریوں یا درباری درزیوں
کی یادداشتوں اور از کار رفتہ بہادروں کے حفظ و یاد سے جمع ہو سکتے تھے۔
عوام کو گویا یہ یقین دلانے کے لئے کہ گزشتہ بائیس برس کے اندر کچھ واقعہ ہی
نہیں ہوا ہے، مارکوئس ڈی چین سینٹ، جو ۱۰ اگست ۱۷۹۲ء کو ٹیولیرز کا گورنر تھا
اور جو مردوں کی لاشوں کے اندر چھپ کر اپنی جان بچا لے گیا تھا[2] وہ محل کے

[1] احکام، "مانیٹر" ۲۶ مئی۔
[2] یہ بیچارہ اپنی جان اور اپنے حقیر بقائے دوام کے لئے حسین و دلیر گریس ڈالرمپل ایٹ

عہدہ داروں کا سرکردہ بن کر پھر اپنی جگہ پر آگیا۔
جلاوطنوں اور امیروں کے لئے یہ سب معمولی ظفرمندیاں تھیں مگر وہ
اس کے لئے کافی تھیں کہ بحال شدہ شاہی کو غیر ہردلعزیز بنادیں۔ ان لوگوں
کا نپولین کے سپہ سالاروں کے خاندانوں کے ساتھ بہ اہانت پیش آنا، جن لوگوں
نے ۱۷۸۹ء کی تحریک عظیم میں حصہ لیا تھا ان پر مقدمات چلانا، اور سلطنت نے
جن زمینوں کو ضبط کرکے فروخت کر دیا تھا، ان کے کاشت کار مالکوں کو
دھمکی دینا، تمام باتیں بھی ان لوگوں کے لئے آپنی ہی مضر ثابت ہوئیں۔ جماعت قسیس
بھی اپنے طبقے کے مفاد کے لئے لوئیس ہیژدہم کی حکومت کو بے اختیار

پادریوں کا دخل بیجا

کرنے میں ان لوگوں سے کچھ پیچھے نہیں تھی۔ یہ خیال کرنا تو
عبث تھا کہ کلیسا کی زمینیں واپس مل جائیں گی یا فرانس
میں عدالت اختیار مذہبی جاری ہو جائے گی مگر کم از کم اتنا ہو سکتا تھا کہ دربار
پر کچھ تقدس کا رنگ چڑھا دیا جائے اور پیرش (حلقۂ مذہبی) کا پادری خود اپنے
دیہات میں میئر (صدر بلدہ) یا وزیر پولیس کے گماشتہ کے برابر ہیبتناک شخص
بن جائے۔ لوئیس ہیژدہم فی نفسہ متشکک اور عیش پسند شخص تھا، لیکن یہ امر اس
کے لئے اس کا مانع نہ ہوا کہ اس نے اساقفہ کے نام ایک خط شائع کیا جس میں
اپنی بادشاہی کو مریم عذرا کے خاص تحت مصالحت میں دے دیا، اور نیز ولی مری
کے مجسمہ کو پیرس کی سڑکوں پر جلوس کے ساتھ گشت کرایا، اور اس جلوس میں
مارشل (مشیر) سولٹ اور دربار کے دوسرے نیا جنم لینے والے جیکوبن
(انتہا پسندوں) نے مشعل برداروں کی خدمت انجام دی اور عوام کے
تمسخر کو دلیری سے برداشت کیا۔ بادشاہ کے پادریوں کے مطیع ہو جانے
کی دوسری علامت یہ تھی کہ اس نے ایک فرمان یہ شائع کیا کہ اتوار اور تہواروں
کو خرید و فروخت نہ ہو۔ خالص آرام کے دن کے فوائد جو کچھ بھی ہوں مگر اس
قانون کو جو ایوانوں میں پیش نہیں ہوا تھا یہ سمجھا گیا کہ یہ پادریوں کی جانب سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کا رہین منت ہے۔ یاد داشت مسز جی۔ ڈی، الیٹ، صفحہ ۷۹۔

قوم کے عادات و اطوار میں ایک مغرورانہ مداخلت ہے، اور اگرچہ اس سے دولتمندوں کو کسی قسم کی بے آرامی نہیں ہوئی مگر چھوٹے درجہ کے تاجروں کے کثیر التعداد پھیری کرنے والے طبقہ کو واقعی نقصان ہوا۔ پادری اور جلاوطن جو ۱۸۱۵ء میں برسرِ اقتدار ہو گئے تھے، انھوں نے فرانسیسی قوم کو جو نقصانات پہنچائے، وہ ان نقصانوں کے مقابلہ میں محض بے حقیقت تھے، جو قوم نے نپولین کے ہاتھوں بلا شکوہ و شکایت برداشت کئے تھے، مگر شہنشاہی کی شان

خاندان باربن کے خلاف مخاصمت کی ترقی

و شوکت، اس کی مطلق العنانہ حکمرانی کی قوت و جودت رخصت ہو چکی تھی۔ اس کے بجائے ایک ایسا خاندان حکمراں تھا جو بیس برس سے فرانس سے بے تعلق رہا تھا، جو صرف اس لئے واپس آیا تھا کہ ایک نامقبول و خطرناک طبقہ کے ساتھ خود کو متحد کرے اور یہ ثابت کر دے کہ وطن میں جس غیر متوقع گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال ہوا، وہ اسے اس امر سے باز نہیں رہ سکتا کہ چند ماہ گذر جانے پر وہ بالکل اجنبی اور بے پروا بن جائے۔ بادشاہ اگر فوج کو اپنا بنا لیتا تو قوم کی لاپروائی خاندان باربن کی شاہی کو خطرہ میں ڈال دیتی، مگر یہاں دربار نے تلخ ترین عداوت بھڑکا دی تھی۔ کارنٹ کے طرز کے جمہوریت پسندوں تک کو ایک لمحہ کے لئے جس موافقت کا امکان نظر آ گیا تھا وہ ایک ہاتھ پھیرنے میں غائب ہو گیا[۱]۔ ہر مہینے فوجی سازشوں کی افواہیں قوی ہوتی جاتی تھیں۔ ولنگٹن جو اب پیرس میں برطانی سفیر تھا، اس نے اپنی حکومت کو دار الصدر کے تغیر پذیر جذبات، خارج شدہ عہدہ داروں کے اجتماع اور ٹیولیز پر حملوں کے امکان سے متنبہ کر دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ سچ یہ ہے کہ فرانس کا بادشاہ فوج کے بغیر بادشاہ نہیں ہے۔ ولنگٹن نے زیادہ فوری خطرے کو دیکھا[۲]

---

[۱] کارنو کی کتاب "خدمتِ شاہی میں معروضہ" Memoire adresse' au Roi صفحہ ۷-
[۲] ولنگٹن کے مراسلات، جلد دوازدہم، صفحہ ۲۴۸ ولنگٹن کے نقدی معاملات کی وجہ سے یہ خیال

مگر فرانس میں جو تحریک جاری وساری تھی اس کے عمق و ہمہ گیری تک پہنچنے سے وہ قاصر رہا۔ اس تحریک نے ۱۸۱۴ء کے ختم ہونے کے قبل ہی، ان صوبوں کے سوا جہاں باربن بادشاہی کو ہمیشہ تائید حاصل رہی تھی، اور ہر جگہ سے اس کے اثر کو زائل کر دیا اور عام قوم کو اس امر پر تیار کر دیا تھا کہ جس حکمران کی نسبت ابھی حال میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس کا زوال ہو گیا ہے، اس کا پھر خیر مقدم کرے۔ صلح کے موکد ہونے کے بعد، چند مہینوں تک پیرس اور میڈرڈ نے سیاسی دنیا کی توجہ کو منقسم کر لیا تھا، ستمبر کے آخر میں یورپی دلچسپی کا مرکز وائنا کی طرف منتقل ہو گیا۔ دول کی عظیم الشان مجلس اس قدر تعویق کے بعد آخر الامر جمع ہوئی۔ زار روس، شاہان پرشیا، ڈنمارک، بویریا اور ورٹمبرگ اور یورپ کے تقریباً تمام ہی ممتاز مدبرین، شہنشاہ فرینس اور اس کے وزیر مٹرنک کے گرد جمع ہو گئے، اور مٹرنک ہی کو عام رضامندی سے اس موتمر کی صدارت پیش کی گئی۔ لارڈ کاسلری، انگلستان کی اور ٹیلرنیڈ، فرانس کی نمایندگی کرتے تھے۔ رسوما نکلی اور دوسرے روسی مدبرین اپنے آقا کی بلاواسطہ ہدایت میں کام کرتے تھے جو کبھی کبھی بذات خود بھی دوسرے دول کے وزرا سے مراسلت کرتا تھا۔ ہارڈنبرگ، شاہ فریڈرک ولیم سے کسی قدر زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کیا جاتا ہے کہ وہ فرانسیسی قوم کو سمجھتا تھا، مگر اس کے برعکس جب زیادہ نازک اور اس لئے زیادہ مدبرانہ ہمدردیوں کا سوال پیش آتا تھا تو اس میں اکثر افعال و آراء دونوں اعتبار سے غائر نظری کی بہت کمی ظاہر ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک فاتح طاقت کے سفیر اور ایک بحال شدہ خاندان کے مشیر کی نازک حیثیت رکھتے ہوئے اس نے فرانس کی دیہاتی آبادی کو اس قسم کے برتاؤ سے سخت آزردہ کر دیا کہ اس نے ۱۷۸۹ء کے "امرائے عظام" کی سی روش اختیار کی، اور ان لوگوں کے ہرے بھرے کھیتوں پر کتوں کا غول لئے ہوئے شکار کھیلتا پھرتا تھا۔ یہ معاملہ اسقدر سخت ہو گیا کہ لوئیس ہیزدہم کی حکومت کو ولنگٹن سے یہ اصرار کرنا پڑا کہ وہ شکار کھیلنا ترک کر دے۔ (ٹیلرنیڈ، ولوئیس ہیزدہم۔ صفحہ ۱۴۱)۔ عمومی جذبات میں نظر غائر کی یہ کمی لازماً بعض شدید غلطیوں پر منجر ہوئی مثلاً البا سے نپولین کی واپسی کے متعلق ولنگٹن جو کچھ معلوم کر سکا وہ یہ تھا کہ اس نے غلط اطلاع پر عمل کیا یا اسے کوئی اطلاع ہی نہیں پہنچی، اور بادشاہ بغیر دشواری کے ذرا دیر میں اسے تباہ کر دے گا۔ مراسلات جلد دوازدہم صفحہ ۲۶۸۔

آزاد تھا، اسٹین بھی موجود تھا مگر کسی سرکاری حیثیت سے نہیں۔ نیچے درجہ کے ایلچیوں اور بڑے درباروں کے اتاچیوں نے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں اور ان نمایندوں کے غول میں اور اضافہ کر دیا تھا، جو چھوٹے درجہ کی سلطنتوں اور ان قوموں کی طرف سے آئے تھے، جن کا سیاسی وجود اب باقی نہیں رہا تھا، یہ سب وائنا میں بھر گئے تھے ان کشیدگیوں کو رفع کرنے کے لئے جو پہلے ہی بہت صاف نظر آنے لگی تھیں مٹرنک نے یہ عزم کیا کہ اپنے مہمانوں کی نہایت ہی شاندار دعوتیں کرے، اور اگرچہ آسٹروی سلطنت دیوالیہ ہو گئی تھی اور بعض اضلاع میں قوم سخت تکالیف میں مبتلا تھی اس پر بھی کچھ زمانہ تک اس غرض کے لئے دس ہزار پاؤنڈ (ڈیڑھ لاکھ روپیہ) کا خرچ روزانہ ہوتا رہا۔ مٹرنک کے مہمان بھی اس کی شان وشکوہ اور عیش ونشاط کی تقلید کرنے کی سعی کرتے تھے، اور یورپ کے متولین، مہینوں، عیش ونشاط نائے ونوش، رقص وسرود اور سیر وتماشہ کا لطف اٹھاتے یا انھیں برداشت کرتے رہے، اس میں فرق ایک نماز سے پڑا جو اپنے نیئے آقا کا تشکر حاصل کرنے کے لئے ٹیلرینڈ کے جوش کی وجہ سے لوئیس شانزدہم کے قتل کی برسی کے دن بڑی ادب واحترام کے ساتھ انجام پائی[1] ان فراموش شدہ آرائش وزیبائش اور مردہ شجاعت وبسالت کے بے کیف وبے مزہ طوماروں میں صرف ایک واقعہ ایسا ہے جس سے کچھ روشنی نظر آتی ہے، بیتھوون اس وقت وائنا میں موجود تھا، حکومت نے مجلس کے عظیم الشان کمرے اس کے حوالے کر دیئے اور اس نغمہ ساز کو یہ اجازت دے دی کہ وہ اپنے بے ضرر ذوق کو پورا کرلے کہ اس وقت وائنا میں جتنے فرمانروا اور امرائے عظام موجود تھے، سب کے نام فرداً فرداً دعوت کا خط بھیجے۔ اس وقت کے ان ضیاء بار مخلوقات کے بہت کچھ شخصی اظہار امتنان اور کسی قدر مادی عنایت نے موتمر کے زمانہ کو اس سرگردان ومصیبت زدہ کی زندگانی کے لئے

[1] موتمر کے زمانہ میں وائنا کی حالت کا ایک بہت اچھا انگریزی بیان، سربرآوردہ طبیب ڈاکٹر آربرائٹ کے اشعار ہنگری میں ملے گا۔ اس کا نپولین کے لڑکے سے ملنا جو اس وقت صرف پانچ برس کا بچہ تھا، ایک عجیب خوشنما و پر درد ٹکڑے میں بیان کیا گیا ہے۔

ایک روشن ورق بنا دیا جس کی غربت نے اپنے اسی قسم کے غیر فانی تحائف سے بنی نوع انسان کو مالا مال کر دیا ہے۔

ٹیلرنیڈ اور دول اربعہ

موتمر کو انتشار خیالات کی ضرورت تھی، کیونکہ جو مشکلات اس کے سامنے تھے وہ اس قدر عظیم الشان تھے کہ فرمانرواؤں کے آجانے کے بعد بھی یہ ضروری معلوم ہوا کہ باقاعدہ اجلاس کا افتتاح نومبر تک کے لئے ملتوی کر دیا جائے۔ صلح پیرس کے خفیہ دفعات کے بموجب حلفائے خالی شدہ مملکتوں کا انفصال اپنے لئے محفوظ کر لیا تھا، اگرچہ ان کے طے کردہ نتائج کے لئے عام موتمر کی باضابطہ منظوری کی شرط رکھی گئی تھی۔ پس، آسٹریا، انگلستان، پرشیا اور روس کے سفرا (وزرا) نے ابتدا ہی میں یہ عزم کر لیا کہ وہ تمام ملکی مسایل کا تصفیہ باخود ہا کر لیں گے اور جب ان کے فیصلے بالکل مکمل ہو جائیں گے صرف اسوقت انھیں فرانس اور دوسری طاقتوں کے سامنے پیش کریں گے[1]۔ ٹیلرنیڈ نے اس انتظام کی خبر پاکر یہ اعتراض کیا کہ فرانس اب خود حلفا میں سے ایک حلیف ہے اور اس نے یہ مطالبہ کیا کہ یورپی سلطنتوں کی تمام جماعت کھلی ہوئی موتمر میں جمع ہو، لیکن چاروں دربار اپنے عزم پر قائم رہے اور انھوں نے ٹیلرنیڈ کے بغیر ہی اپنی ابتدائی نشستیں شروع کر دیں، مگر فرانسیسی مدبر نے ایک تلمیح کی صورت میں درحقیقت اصلی سیاست حالت کو بیان کر دیا تھا۔ دول عظمیٰ اب اپنے مقاصد میں اس درجہ منقسم ہو گئے تھے کہ ان کے مقصد مشترک یعنی اتحاد بمقابلہ فرانس کا قدیمی رابطہ اب مغرب میں اس محرک سے کم رہ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے خلاف فرانس کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ دو آدمی موتمر میں ایک معینہ مقصد کے ساتھ آئے تھے، الگزنڈر نے یہ عزم کر لیا تھا کہ امارت وارسا کو

---

[1] برطانیہ و ممالک غیر کے سرکاری کاغذات ۱۵-۱۸۱۴ء صفحہ ۵۵۴۔ ٹیلرنیڈ اور لوئیس ہیزدہم صفحہ ۱۳
کلوبرٹ جلد نہم صفحہ ۱۶۷۔ اسٹین مصنفہ سیلی جلد سوم صفحہ ۲۲۸۔
وفاتر۔ براعظم جلد ۷۔ ۲ ر اکتوبر۔
گنز کی کتاب "غیر مطبوعہ خطوط" Dipeches Inidites
جلد اول صفحہ ۱۰۷

امارت وارسا شمل سابق آسٹریا اور پرشیا کے درمیان تقسیم کر دی جائے۔ مٹرنک مضطرب تھا کہ اور جو کچھ بھی ہو مگر کریکو کا قلعہ زار کے ہاتھ میں نہ جانے پائے۔ اسٹین، ہارڈنبرگ بلکہ خود الگزنڈر کے روسی مشیروں تک نے صدق دل سے زار کی تجویز کی مخالفت کی اور یہ مخالفت نہ صرف وارسا پر پرشیا کے حقوق کی بنا پر تھی بلکہ اُس شورانگیزی کے خوف کی بنا پر تھی جو نظم غالب پولینڈی پارلیمنٹ کی وجہ سے نئی سلطنت سے باہر کے پولوں میں برپا ہو جاتی لیکن شاہ فریڈرک ولیم اس کا عادی نہ تھا کہ وہ اپنے حلیف کی خواہشوں پر دو قدح کرے اور زار کی طرف سے وارسا کے عوض میں سکسنی کو پیش کر دینے سے اتنا ہوا کہ پرشیاوی وزرا کو (جو اپنے آقا سے زیادہ صادق نہیں تھے) یہ توقع ہو گئی کہ وہ جو کچھ حوالہ کریں گے اس کے لئے اُنھیں ایک بیش قیمت معاوضہ مل جائے گا۔

مسئلۂ سکسنی کیلش کے معاہدے کے موجب جو اس وقت ہوا تھا، جب (۲۷ فروری ۱۸۱۳ء کو) نپولین کے خلاف پرشیا نے اپنی فوجیں روس کی فوجوں کے ساتھ ملا دی تھیں، زار نے یہ ذمہ لیا تھا کہ وہ پرشیاوی بادشاہی کو اس حد وسعت تک بحال کر دے گا جو ۱۸۰۵ء میں اسے حاصل تھی۔ موتمر کے افتتاح کے قبل یہ معلوم تھا کہ زار یہ چاہتا ہے کہ کل سکسنی شاہ فریڈرک ولیم کو دے کر اس مقصد کو پورا کرے، سکسنی کا فرمانروا وہ شخص تھا جس نے اشتراکیت راین کے دیگر شرکائے برعکس، لیزگ میں نپولین کے آخری انہزام کے وقت تک اس کی تائید کی تھی۔ اس وقت سے شاہ سکسنی قید کی حالت میں تھا اور اس کے ممالک پر حلفا کا قبضہ تھا، پس اسطرح سکسنی کے مسئلہ نے پہلے ہی تمام یورپی حکومتوں کی توجہ حاصل کر لی تھی اور وائنا میں جتنے وزرا موجود تھے سب اس مسئلہ کے متعلق کم و بیش ایک واضح رائے لے کر آئے تھے۔ کاسلری جسے یہ ہدایت دی گئی تھی کہ وہ الگزنڈر کی خطرناک آز و حرص کے مقابلہ میں پرشیا اور آسٹریا کے اتحاد کو ترقی دے، وہ اس پر رضامند تھا کہ پرشیا، سکسنی کو ملحق کر لے بشرطیکہ وہ اس کے معاوضہ میں

ہارڈنبرگ کو یہ حکم دے دیا کہ وہ روسی تجویز کے متعلق اپنی مخالفت کو واپس لے لے اس طرح مٹرنک نے یہ دیکھا کہ پولینڈ کے مسئلہ پر پرشیا نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور اس وقت تک شاہ لوئیس ہیژدہم کا جواب بھی آ گیا اور اس سے ٹیلرینڈ اس قابل ہو گیا کہ وہ آسٹروی وزیر کو یہ یقین دلا دے کہ اگر روس و پرشیا کی مقاومت ضروری ہو جائے گی تو وہ ایک فرانسیسی فوج کی تائید پر اعتماد کر سکتا ہے۔ مٹرنک نے اب سیکسنی کے مسئلہ پر اپنی حیثیت کو بالکل بدل دیا اور (۱۰ ار دسمبر کو) ہارڈنبرگ کو یہ لکھا کہ جس حد تک پرشیا نے وارسا کو قربان کر دینا پسند کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے شہنشاہ فرینسس نے قطعی ممانعت کر دی ہے کہ سیکسنی کی بادشاہی کے پانچویں حصہ سے زیادہ کا الحاق ہو سکے۔ کاسلری نے (جو روس کے ابرام و اصرار اور شاہ فریڈرک ولیم کے انقیاد سے بدمزہ ہو گیا تھا) ٹیلرینڈ کو اس سے قبل اپنی تائید نہ کرنے کے لئے معاف کر دیا، اور شمالی طاقتوں کے راستہ میں دقت حائل کرنے کے لئے اس نئی تجویز میں جوش کے ساتھ شامل ہو گیا۔ سابق مشترکیت راین کا سربرآوردہ رکن شاہ بویریا، پرشیا اور اتحاد جرمانیہ کے خلاف ہمہ تن مستعد ہو گیا۔ اسٹین اور ۱۸۱۳ء کے محبان وطن، اس دربار کے ضبط شدہ حقوق کے خلاف جس نے ہمیشہ نپولین کی جانب داری کی تھی پرشیا کے زیر سیادت جرمانی قومیت کے دعاوی پر جس قدر زور دیتے تھے، اسی قدر مشترکیت راین کے مدبرین پرشیا کی حرص و ہوس اور انتہا پسندی پر تبرا بھیجتے اور یورپ سے یہ درخواست کرتے تھے کہ وہ شاہ سیکسنی کی ذات سے موروثی حق اور قومی خود مختاری کے متحدہ اصولوں کی حمایت کرے۔

مسئلہ حق وراثت

ٹیلرینڈ کا مقصد حاصل ہو گیا۔ اس نے روس اور پرشیا کو منفرد کر دیا اور نہ صرف انگلستان و آسٹریا کو بلکہ چھوٹے درجہ کی جرمانی سلطنتوں کی کل جماعت کو اپنی جانب میں کھینچ لیا۔ اب ضرورت صرف اتنی رہ گئی کہ کوئی فقرہ یا تخیل ایسا مل جائے، جو یورپ کی رائے میں نئے معاقدے کو اصول کے معاقدے کے طور پر تبرک بنا دے اور جو معاملات

پروا نہیں معلوم ہوتی اور درحقیقت وہ اس پر پوری طرح حاوی بھی نہیں ہے[1]
اور اس پر اس نے اپنے اس اندیشہ کا اضافہ کیا کہ انگریزی سفیر میں یہ اخلاقی
سستی اسی معاملت کی وجہ سے پیدا ہوئی جو اس کے ہموطنوں نے ٹیپو سلطان
کے ساتھ کی۔ لیکن عام یورپ کے لئے انگلستان کے اس حریت پسند فریق
کے لئے جو اہل سیکسنی اور اہل پرشیا کو دو ممیز قومیں خیال کرتا تھا، ٹوریوں
کے لئے جو اس امر کو بھول گئے تھے کہ نپولین نے والیِ سیکسنی کو بادشاہ بنایا
تھا، شہنشاہ آسٹریا کے لئے جسے مطلق یہ خواہش نہ تھی کہ پرشیا وی سرحد
پریگو سے اور زیادہ قریب ہوجائے اور سب سے بڑھکر چھوٹے درجہ کے ان
جرمانی درباروں کے لئے جو اتحاد جرمانی کی طرف ایک ایک قدم کے آگے بڑھنے
سے ڈرتے تھے، ان سب کے لئے ٹیلرنیڈ کا اعلام شعاری وہ بہترین اعلام تھا
جسے کوئی ایجاد کرسکتا ہو۔ اس کی صلاح بارور ہوئی۔ ۳ر جنوری کو ہارڈنبرگ
کے پرغیظ تہدید جنگ کے الفاظ زبان سے نکلنے کے بعد، فرانس، انگلستان
اور آسٹریا کے نمایندوں کے درمیان ایک خفیہ معاہدے[2] پر دستخط ہوگئے،
جس میں ان دولتوں نے اقرار کیا تھا کہ اگر ضرورت ہوگی تو وہ صلح پیرس کے
اصولوں کی مدافعت میں، روس اور پرشیا کے خلاف میدان میں آئیں گے۔
مہم کی تجویز مرتب ہوگئی تھی، فوجوں کی تعدادیں معین ہوگئی تھیں، بویریا پہلے
ہی مسلح ہوچکی تھی، ہڈمانٹ، ہینوور اور بابِ عالی تک کو محالفہ کے آئندہ
ارکان کے طور پر نامزد کر لیا گیا تھا۔

غالباً یہ یقین کرنا فرانسیسی وزیر کے حق میں ناانصافی ہوگی کہ واقعی اس کی
خواہش اتنے وسیع پیمانہ پر آتش جنگ کے مشتعل کردینے کی تھی۔ نپولین کیطرح
ٹیلرنیڈ کو خود جنگ کی خاطر جنگ کا شوق نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصود زیادہ تر
یہ تھا کہ فرانس کو ایک مفتوح و متنفر طاقت کی حیثیت سے نکال کر اس کا درجہ

[1] ٹیلرنیڈ صفحہ ۲۸۱۔

مسئلہ میں ٹیلرنیڈ کے حلیفوں کو اس سے زیادہ حاصل ہو گیا، جتنا انھوں نے مطالبہ کیا تھا۔ شاہ سیکسنی اپنے تخت پر بحال کر دیا گیا، اور اُسے ورسٹون اور اپنی نصف مملکت کے قریب اپنے پاس رکھنے کی اجازت مل گئی۔ اسکی مملکت کا باقی حصہ پرشیا کو مل گیا۔ سیکسنی میں اور مزید توسع کے معاوضہ میں پرشیا کو دریائے رائن کے بائیں کنارے پر کچھ ملک عطا کر دیا گیا اور اسطرح ونسٹ فیلیا کے دوبارہ حاصل شدہ صوبوں کو ملا کر یہ بادشاہی رقبہ و آبادی

پرشیا کو صوبجات رائن کا مل جانا

کے اعتبار سے اس حد پر پہنچ گئی جس حد پر ۱۸۰۵ء میں تھی لیکن رائن کی دوسری طرف پرشیا کو جو مملکت دی گئی، وہ اگرچہ بروقت سیکسنی کے نصف دوم کا ایک حقیر معاوضہ سمجھی گئی مگر حقیقت میں وہ بہت ہی گراں قیمت ہدیہ ثابت ہوئی۔ اس لئے فرانس کے مقابلہ میں جرمانیہ کو خود اس کی سرزمین کیلئے محافظ و پشتیبان کا کام دیا۔ اس سے سلطنت کی زندگی میں ایک ایسا عنصر داخل ہو گیا جو اس اعیانی اور پروٹسٹنٹ طرز کا نہایت ہی نمایاں عکس تھا جسے قدیم پرشیاوی صوبوں میں غلبہ حاصل تھا، یہ ایک کیتھولک آبادی تھی، جو اپنی سیاسی رایوں میں آزاد خیال اور بیس برس تک فرانس کے ساتھ متحد رہنے سے فرانس کی معاشری زندگی سے مانوس ہو گئی تھی۔ اس سے پرشیا کو ایک ایسی شے مل گئی جو بویریا اور جنوب کے ساتھ مشترک ہونے سے کچھ زائد تھی اور آئندہ اپنی سرکردگی میں جرمانیہ کو متحد کر لینے کے کام کے لئے جو وصف اس میں نہیں تھا وہ وصف اس میں پیدا کر دیا۔ پولینڈ اور سیکسنی کے مشکلات جنھوں نے عملاً یورپ کے امن کو خطرے میں ڈال دیا تھا، وہ ماہ جنوری کے ختم ہونے کے قبل طے ہو گئے۔ فروری کے اوائل میں لارڈ کاسلری وائنا سے روانہ ہو گیا تاکہ انگریزی دارالعوام کے سامنے اپنی کارگزاریوں کی روئداد پیش کرے اور اپنی حکمت عملی کا حق بجانب ہونا ثابت کرے۔ موتمر میں اس کی جگہ ڈیوک ولنگٹن نے لی۔ اب مسئلہ نیلز، جرمانیہ کے لئے ایک متفقہ نظام سلطنت کا بنانا، اور اُن سے کمتر درجہ کے سیاسی اہمیت کے

شاہی پسند تھی[1] اور جہاں مینا اور دوسرے اعلیٰ عہدہ دار مقاومت کر سکتے تھے،

گرینوبل کیجانب حرکت

نپولین پہاڑوں میں گھستا ہوا شمال کو بڑھا اور مقصود اس کا یہ تھا کہ وہ گرینوبل کے راستہ سے لینز میں جا رہے، اس ضلع میں بہت تھوڑی فوج تھی اور کوئی سپہ سالار اس فوج پر اثر ڈالنے کے قابل وہاں موجود نہ تھا۔ ڈافینی کے کسان زیادہ تر ان زمینوں کے قبضہ دار تھے جو کلیسا اور اُمرا سے لی گئی تھیں وہ شاہان باربن سے مکدر و کبیدہ تھے اور عام طور پر فرانس کے کسانوں کے مانند انھیں اپنے جس ملک سے محبت تھی اُس کی شان و شکوہ کو وہ نپولین کے نام اور اسی کی ذات سے منسوب کرتے تھے۔ یہ مختصر سا گروہ جب پہاڑوں کے اندر ہو کر چلتا تو دیہاتی اس کے گرد جمع ہو جاتے اور اپنی گاڑیاں اور گھوڑے پیش کرتے جس سے نپولین اس قابل ہو گیا کہ وہ ان دیہاتوں لوزستانی سڑکوں پر چالیس میل یومیہ کے حساب سے سفر کر سکے۔ ان پہاڑی راستوں کو روکنے کے لئے کوئی فوج کہیں نظر نہ آئی، کوچ کے پانچویں دن یہ ہوا کہ نپولین کے سواران محافظ کو، جو کوچ کرنے والے کالم کے آگے بڑھتے جاتے تھے گرینوبل سے بیس میل جنوب، لانیور کے دیہات میں، پیادوں کے دستہ سے دوچار ہونا پڑا جو خاندان باربن کا سفید طرہ لگائے ہوئے تھا۔ سپاہیوں کی دونوں جماعتیں مل گئیں اور سڑکوں پر باتیں کرتی ہوئی چلیں، جو عہدہ دار شاہی پیادوں کی قیادت کر رہا تھا اُسے یہ خوف ہوا کہ اس کے سپاہی اس سے متاثر ہو جائیں

---

[1] بالکلیہ نہیں مگر زیادہ تر اس وجہ سے کہ انگلستان کے ساتھ نپولین کی جنگوں نے ان بندرگاہوں کی تجارت کو تباہ کر دیا تھا، ملاحظہ ہو ڈاؤٹ کی .... میں مارشل برون کی رپورٹ صفحہ ۱۷۳۔ اور "تیرز" جلد ہیز دہم صفحہ ۲۴۰ میں مارسیلز کی وہ حیرت انگیز تصویر جو خود اس نے اپنی پرانی یاد سے کھینچی تھی۔ بارڈیو بھی اسی وجہ سے شاہی پسند تھا۔

"مظالم سفید" White Trror

وہ انھیں گرینوبل کی سڑک پر واپس لے گیا۔ نپولین کے نیزہ بردار بھی واپس آگئے اور رات بغیر کسی مزید آمد و شد کے گزر گئی۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت نیزہ بردار جب پھر گرینوبل کی طرف آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ فوج پیادہ سڑک کی مدافعت کے لئے جمی ہوئی ہے انھوں نے چلا کر یہ کہا کہ نپولین قریب ہے اور پیادوں سے یہ التجا کی کہ وہ فیر نہ کریں فوراً ہی نپولین کا کالم بھی نظروں کے سامنے آگیا۔ اس کے مصاحبوں میں سے ایک مصاحب گھوڑا بڑھا کر شاہی سپاہیوں کے سامنے پہنچا، انھیں مخاطب کیا اور نپولین کو اشارے سے دکھلایا۔ دستے کے لوگ پہلے ہی سے متزلزل ہوگئے تھے اور بغاوت کرنے والے عہدہ دار نے باز گشت کا حکم دے دیا تھا، اب سپاہیوں نے اپنے شہنشاہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا انھوں نے شہنشاہ کے چہرے پر نظر کی اس کی آواز کو سنا اور دوسرے لمحہ میں صفیں درہم برہم ہوگئیں سپاہی چلاتے اور روتے ہوئے اس سرگروہ کی طرف لپکے جسے فطرت نے بڑائی کرنے کی نہایت نمایاں قوت دیکر پیدا کیا تھا اور پھر اسے لوگوں کی محبت حاصل کرنے کا حیرت انگیز ملکہ بھی عطا کر دیا تھا۔

اس پہلے معرکہ سے ہر بات کا فیصلہ ہو گیا۔ نپولین نے کہا کہ "چھ روز میں ہم ٹیولیرز میں ہوں گے۔" فتح کا دوسرا اقرار بھی بہت جلد ہو گیا۔ خط مصاف کے ساتویں دستے کے قائد کرنل لیبیڈویر نے گرینوبل میں علانیہ اپنے کو نپولین کا جانب دار ظاہر کر دیا اور لانیور کے وقوعہ کے چند ہی گھنٹہ بعد سڑک پر اپنے آدمیوں کو لئے ہوئے نپولین سے ملاقی ہوا۔ نپولین اسی دن شام کو گرینوبل پہنچ گیا شہر میں تمام دن شور و شر برپا رہا۔ صوبہ دار بھاگ گیا۔ سپہ سالار نے اپنی فوج کا کچھ حصہ باہر بھیجدیا اور دروازوں کو بند کر لیا۔ نپولین کے پہنچنے پر عوام مشعلیں لے لے کر فصیل پر جمع ہو گئے۔ دروازہ توڑ ڈالا گیا۔ اور سپاہیوں اور کام کرنے والوں کا ایک ملا ہوا مجمع نپولین کو شان فتحمندی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ شہر میں لے گیا۔ شہر کے تمام غریب تر طبقات نے جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ متوسط طبقات اگرچہ کلیسا اور

خاندان بار بن کے مخالف تھے مگر نپولین کی واپسی میں اُنھیں فرانس کے لئے اتنے صاف خطرات نظر آ رہے تھے کہ اُنھیں غریب طبقوں کی ایسی مسرت نہیں محسوس ہوئی[1] وہ عقب میں رہے نہ انھوں نے نپولین کا خیر مقدم کیا، نہ خیر مقدم کرنے والوں کے کام میں حارج ہوئے۔ رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن صبح کو نپولین نے شہر کے حکام اور خاص خاص باشندوں کو اپنے حضور میں باریاب کیا اور ان سے ایسے الفاظ میں خطاب کیا جو اس کی حکمت عملی کے ہر ایک اعلان مابعد کے ماحصل تھے۔ اس نے کہا کہ "وہ اس لئے آیا ہے کہ فرانس کو واپس آنیوالے امرا کی زیادتیوں سے بچائے، اس قلت کے خلاف جو گذشتہ صدی کے امتیازات اور جاگیری بار کو پھر قائم کرنا چاہتی تھی، ۱۷۸۹ء کے حقوق کو برقرار رکھے۔ فرانس نے باربنوں کا تجربہ کرلیا ہے، اور اس نے بہت اچھا کیا کہ ایسا کیا مگر یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ باربن شاہی نے خود کو اس لایق نہیں ثابت کیا کہ وہ اپنے بدترین مویدین یعنی پادریوں اور امیروں سے اپنے کو الگ کرلے۔ صرف وہی خاندان انقلاب کے معاشری کام کو قائم رکھ سکتا ہے جو اپنے تخت کے لئے انقلاب کا منت کش ہے۔ خود اپنی نسبت یہ کہا کہ اسنے اپنی مصیبت سے عقل حاصل کی ہے۔ وہ فتح پر تبرا کرتا ہے۔ وہ فرانس کو بیرونی امن اور اندرونی آزادی عطا کرے گا۔ وہ معاہدۂ پیرس اور ۱۷۹۲ء کی سرحدوں کو قبول کرتا ہے۔ جن ضروریات نے سابقہ ایام میں اُسے ایک فوجی شہنشاہی قائم کرنے پر مجبور کیا تھا، اُن سے آزاد ہو کر اب وہ آئینی حکومت کے لئے فرانسیسی قوم کی خواہش کو تسلیم کرتا اور اس کے آگے سر جھکاتا ہے۔ اب اس وقت سے وہ صرف ایک آئینی بادشاہ کے طور پر حکمرانی کرے گا اور یہ چاہیگا کہ اپنے لڑکے کے لئے صرف ایک آئینی تاج چھوڑ جائے"۔

یہ زبان بہت ہی خوب انتخاب کی گئی تھی۔ اس نے کسانوں اور کام کرنے والوں کو مطمئن کر دیا، جو امرا کا پامال ہونا دیکھنا چاہتے تھے، اور اس سے

[1] ہربرٹ سنٹ پرکس، نپولین بمقام گرینوبل، صفحہ ۱۰۔

بدرجۂ اقل یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ اُن جذبات پر حاوی ہے جو زیادہ متمول اور زیادہ تعلیمیافتہ طبقات کے دلوں میں سب سے زیادہ حاوی تھے، یعنی صلح کی آرزو اور سیاسی آزادی کی تمنا۔ اس میں یہ بھی مدنظر رکھا گیا تھا کہ یہ نامطبوع اثر نرم ہوجائے کہ ایک جلاوطن حکمراں سپاہ کے زور سے فرانس پر مسلط کیا جارہا ہے۔ درحقیقت فوجی تحریک بجد و غایت قطعی تھی۔ لیکن عام تحریک بھی اس سے کچھ کم نہ تھی حامیان شاہی غضبناک ہوگئے تھے مگر عمل سے ناکارہ تھے۔ تمام طبقات کے ذی فہم اشخاص علیحدہ رہے، اور ان پر یہ غمگین خیال طاری تھا کہ جنگ اور مصیبت پھر واپس آجائے گی[1] مگر جس وقت سے نپولین نے گرینوبل کو چھوڑا عام قوم اُسی کی جانب تھی۔ کہیں بھی مقاومت کا کوئی موثر مرکز نہیں تھا۔ شہنشاہی کے زمانہ میں جو صوبہ دار اور دوسرے ملکی حکام مقرر ہوئے تھے ان کا بیشتر حصہ بھی اپنے عہدوں پر قائم تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ باربنی رجعت عمل سے انھیں خطرہ لاحق ہے مگر ہنوز وہ اپنی جگھوں سے ہٹائے نہیں گئے تھے۔ لوئیس ہیزدہم کے متعلق اُن کی وفاداری کے اقرار جبری اقرار تھے، اور اپنے قدیم آقا کے متعلق ان کا احساس اطاعت بہت بڑھا ہوا تھا، خواہ وہ اُسے خارج ہی کر دینے کی کوشش کیوں نہ کرتے۔ اس طبقہ سے جس کی بزدلی و عبودیت کی بے شمار مثالیں تاریخ میں موجود ہیں[2] نپولین کو بہت کم کچھ خوف ہو سکتا تھا۔ مارشل اور اعلیٰ عہدہ دار جنھیں شاہی کی حفاظت تفویض تھی، ان میں سے جو لوگ صدق دل سے باربنوں کی خدمت گزاری کے خواہاں تھے، وہ اپنے سپاہیوں کے درمیان اپنے کو بے بس پاتے تھے۔ لینز کے قائد میکڈانلڈ کو اپنے سپاہیوں سے اس وجہ سے بھاگنا پڑا کہ وہ اسے قید نہ کرلیں۔ کاونٹ ارٹائیس جو اس کے ساتھ شامل ہونے کیلئے

---

[1]۔ برینگر: "سوانحمری" صفحہ ۳۷۳۔

[2]۔ "مانیٹر" ان لوگوں کے اور نیز فوج کے وہ قابل حقارت محضرات ملاحظہ ہوں جو ۱۰ مارچ سے ۱۹ مارچ تک لوئیس ہیزدہم کے حضور میں پیش کئے گئے اور ۲۷ مارچ کے بعد سے نپولین کے حضور میں۔

آیا تھا، اُسے یہ معلوم ہوا کہ اپنے خاندان کی جو خدمت وہ کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ اپنے کو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ کرلے۔ نپولین، لینز میں ۱۰ ارمارچ کو داخل ہوا، اور اب اس نے باقاعدہ شہنشاہ کا منصب اور فرایض اختیار کیے اس کے اولین فرامین میں انقلاب کے خیالات وجذبات کی اس التجا کی تجدید کی گئی تھی جو البا کے چھوڑنے کے بعد سے اس کی ہر ایک سرکاری ملفوظ کی کلید تھی۔ اپنی رجعت کے زمانہ کو کالعدم قرار دے کر لینز کے فرامین نے فرانس سے ہر ایک اس جلا وطن کو خارج کر دیا جو جمہوریت یا شہنشاہ کی اجازت کے بغیر واپس آیا تھا۔ ان فرامین نے عہدہ داروں کے اس تمام گروہ کو خارج کر دیا جسے لوئیس ہیژدہم کی حکومت نے فوج میں داخل کر دیا تھا۔ یکم اپریل ۱۸۱۴ء سے حکام کی جتنی تقرری یا برطرفی ہوئی تھی ان سب کو ان فرامین نے جائز قرار دیا، اور ۱۷۸۹ء کی مجلس ترکیبی کے قانون کے حوالہ سے ان امارتوں کے سوا جنہیں خود شہنشاہ نے عطا کیا تھا تمام امارتوں کو منسوخ کر دیا۔

اس وقت سے سب باتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ مارشل نے جو پیرس سے یہ تعرض کرتا ہوا روانہ ہوا تھا کہ نپولین لوہے کے پنجرے میں قید کیے جانے کا سزاوار تھا[1] جب لینز سے کچھ دور رہ گیا تو اسے یہ معلوم ہوا کہ قوم اور فوج شہنشاہ کی طرف ہے اور فوج کے نام ایک تخاطب میں اُن نے خود بھی اسی سے وابستہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ نپولین کے فرانس میں اترنے کی خبر جس وقت دارالصدر میں پہنچی لوئیس ہیژدہم نے دونوں ملتوی شدہ ایوانوں کو فوراً ہی طلب کیا۔ ایوانوں کا اجتماع ۱۳ ارمارچ کو ہوا۔ آئینی فریق نے اگرچہ شاہ لوئیس کی حکومت کی متعدد کارروائیوں کو رجعت پسندانہ قرار دے کر انکی مخالفت کی تھی مگر وہ صدق دل سے منشور کا وفادار تھا اور اس فریق نے آئینی

---

[1] یعنی اس وجہ سے کہ اس نے اپنی آزادی سے برا کام لیا۔ نے کے مقدمے کے وقت دو درباریوں نے یہ بیان کیا کہ اس نے یہ کہا تھا کہ وہ "نپولین کو لوہے کے پنجرے میں لائے گا" نے اس سے انکاری تھا۔ نے کی کارروائی جلد دوم صفحہ ۱۰۵، ۱۱۳۔

آزادی کی حمایت میں بوناپارٹ کی فوجی مطلق العنانی کی مقاومت کے لئے اپنی دلی تائید بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے میں عجلت کی۔ بادشاہ خود ایوان تشریعی میں آیا اور اپنے بھائی کاونٹ آرٹاکیں کے ساتھ مل کر ایک ایسے منظر کے ساتھ جس کا افسانہ وار اثر پڑا، نظام سلطنت کی وفاشعاری کا اعلان کیا۔ لیفیت اور پارلیمنٹی حریت پسند سرگروہوں کو یہ امید تھی کہ وہ پیرس کے قومی گارڈ (محافظین) میں سے اتنی کافی فوج طیار کر لیں گے کہ وہ نپولین کو روک سکے۔ لیکن اس سے کچھ نہ ہو سکا۔ قومی گارڈ جو پیرس کے متوسط طبقوں کا نمائندہ تھا، وہ قطعاً منشور اور آئینی حکومت کی جانب داری میں تھا مگر اس کے پاس نہ سرگروہ تھے نہ کوئی جنگی تنظیم تھی، اور نہ اس میں فوجی جوش و جذبہ تھا۔ باقاعدہ فوجیں جو نپولین کے خلاف بھیجی گئیں انھوں نے پیرس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی سہ رنگی نشان لگائے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل گئیں۔ درباری دھمکیوں کے بعد اب حیرانی و بے بسی کے عالم میں آگئے۔ ۱۹ر مارچ کی شب میں شاہ لوئیس ٹیولیرز سے فرار ہو گیا۔ نپولین دوسرے روز شام کو دارالصدر میں داخل ہوا، سپاہ اور عوام نے شورِ خوش آمدید کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ مگر یہاں اس عام مسرت کا اظہار نہیں ہوا جو لینز اور دورانِ راہ کے متعدد چھوٹے چھوٹے قصبات میں ہوا تھا۔

نپولین کا پیرس میں داخل ہونا ۲۰ر مارچ

فرانس فتح کر لیا گیا، یورپ عقب میں رہ گیا۔ ۱۳ر مارچ کو تمام دول عظمیٰ کے سفرا نے جو وائنا میں جمع تھے، ایک اعلام نامہ شائع کیا جس میں نپولین بوناپارٹ کو بنی نوع انسان کا عام دشمن قرار دے کر اس پر لعنت بھیجی تھی اور اُسے خارج الذمہ قرار دیا تھا۔ وہ تمام سیاسی عمارت جسے ٹیلرنیڈ نے اس قدر دانائی سے طیار کی تھی خاک میں مل گئی۔ فرانس پھر تنہا ہو گیا اور تمام یورپ اس کے خلاف متحد تھا۔ معاملات پھر اُسی صورت حال پر آ گئے جس حال میں وہ ۱۸۱۴ء کے ماہ مارچ میں تھے جب کہ شوموں کے معاہدے پر دستخط ہوئے تھے جس نے دول کو پابند کر دیا تھا کہ بشرط ضرورت وہ فرانس کے خلاف اپنے مسلح اتحاد کو بیس برس تک قائم رکھیں۔ اس معاہدے کی اب باقاعدہ تجدید کی گئی۔ چاروں دول عظمیٰ نے

یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ اپنے تمام قابل الوصول ذرائع نپولین کے خلاف صرف کردینگی تاآنکہ وہ پریشانی پیدا کرنے کے بالکلیہ ناقابل ہو جائے اور ہر ایک دولت نے یہ اقرار کیا کہ وہ کم از کم ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی قوت میدان میں مستقلاً قائم رکھیگی وائنا میں ڈیوک ولنگٹن کی موجودگی کی وجہ سے حلفا کو یہ موقع مل گیا کہ وہ بلاتاخیر فرانس کے حملہ کے متعلق اپنے عام تجاویز قرار دے لیں۔ یہ طے پایا کہ متحدہ فوجیں تین گروہوں میں جمع ہوں، اِن میں سے ایک گروہ جو ولنگٹن اور بلوچر کے تحت انگریزی و پرشیادی افواج پر مشتمل ہو ندرلینڈ کے راستہ سے فرانس میں داخل ہو دوسرے دو گروہ جوزار اور شہزادہ شوارزنبرگ کے زیرِ قیادت ہوں، وہ وسطی اور بالائی رائن کی طرف سے بڑھیں۔ سیاسی غیر عزمی کا کہیں ادنیٰ نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ نپولین نے آشتی و مصالحت کے پیغام لے کر جن قاصدوں کو مختلف درباروں میں بھیجا وہ اپنے مراسلات کے حوالہ کئے بغیر سرحدوں ہی سے پلٹا دئے گئے۔ شہنشاہ کی یہ کوشش بے کار ثابت ہوئی کہ وہ امکانِ صلح کا کوئی قریب نظر قائم رکھ سکے۔ ایک قلیل وقفہ کے بعد اس نے خود ہی فرانس کو اپنے دشمنوں کے صحیح عزم سے آگاہ کر دیا۔ مدافعت کے لئے نہایت ہی جان فرسا کوششیں عمل میں آئیں۔ پرانے سپاہی اپنے گھروں سے واپس بلائے گئے۔ خاص خاص شہروں میں اسلحہ اور سامانِ جنگ کے کارخانوں نے بعجلت تمام اپنا کام شروع کر دیا۔ شہنشاہ نے انتظام و انضباط اس مستعدی کے ساتھ اور اُس درجہ جزویات پر حاوی ہو کر کیا کہ اُس کی زندگی کا کوئی دور اس پر فوق نہ لیجا سکا موقع کی حالت نے اس کی طبیعت میں ایک نئی جودت و ذہانت پیدا کر دی اور باقاعدہ مدافعت کے انتظام میں اس تمام تخیل و عمل کو نمایاں کر دکھایا جنھوں نے اس کے حملے اور حیرت افزا تجویزوں سے دنیا کو خیرہ کر دیا تھا۔ جیسا کہ اسوقت تک ہوتا رہا تھا، اب یہ نہیں رہا تھا کہ قوم اُس کی مہموں کی محض تماشہ دیکھنے والی ہو۔ فرانس کی آبادی، اس کا قومی گارڈ، اس کا ہمہ گیر داخلہ افواج، اور ان سب کے ساتھ اس کی فوج اور اس کا شہنشاہ، سب غیر ملکیوں کو فرانیسی سرزمین سے نکالنے کے لئے تھے۔ مدافعتی جنگ کی ہر ایک کارروائی دارالصدر کے

گرد توپ خانوں کے اجتماع سے لیکر واسجز اور آردنس کی جھاڑیوں میں دشتی محافظین اور نشانہ بازوں کے نصب کرنے کی کارروائی تک باری باری سے شہنشاہ کے خیالات کو اپنی جانب متوجہ کرتی رہیں[1]۔ اگر فرانس اس کے عزم یا اس کی دیوانگی میں شریک ہوتا، اگر حلیفوں کو ابتداہی میں کوئی ایسا سردار نہ مل گیا ہوتا جو ان کے ۱۸۱۴ء کے آسٹروی سرگروہ سے فائق ہوتا، تو جس جنگ میں وہ اب داخل ہوا چاہتے تھے، وہ بے انتہا مشکل اور خطرے کی جنگ بن جاتی اور اس کا آخری نتیجہ شاید مشکوک ہو جاتا۔

اس کے قبل کہ نپولین یا اس کے مخالفین حرکت کرنے کے لئے طیار ہوتے، اطالیہ میں مخاصمات برپا ہو گئے۔ ۱۸۱۴ء کے موسم سرما میں میورٹ (شاہ نیپلز) کی نمایندگی ایک ایلچی کے ذریعہ سے ہوئی تھی۔ ٹیلرنیڈ نے اسے تخت سے اُتارنے کی جو کوششیں کی تھیں وہ ان سے آگاہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ ۱۸۱۴ء میں حلفا کیساتھ مصنوعی اتحاد کے دوران میں اس نے جو دغا شعاری کی تھی، برطانیہ عظمیٰ کی حکومت کو اس کا یقین ہو گیا تھا، اور اب وہ بھی فرانس کے ساتھ شریک عمل ہونے پر مائل تھا[2]۔

میورٹ کی مہم اور اس کا زوال اپریل ۱۸۱۵ء

بقائے دولت کے احساس نے اسے اس طرف مائل کیا کہ وہ اپنی بادشاہی کے زوال کا انتظار کرنے کے بجائے اطالوی خود مختاری کا علم بلند کر کے ہر شے کو معرض خطر میں ڈال دے۔ نپولین کی واپسی نے اس کے زوال میں اور تعجیل کی۔ جو وقت نپولین، البا کو چھوڑنے کے قریب تھا، میورٹ نے جو اس کے ارادے سے واقف تھا آسٹریا سے یہ اجازت مانگی کہ اس فرضی مقصد یعنی فرانسیسی باربنوں پر حملہ کرنے کے لئے جو اس کے رقیب فرڈینڈ کو بحال کرنا چاہتے تھے، وہ (میورٹ) فوج کی ایک جماعت شمالی اطالیہ کے اندر سے ہو کر لیجانا چاہتا ہے۔ آسٹریا نے یہ اعلان کر دیا کہ شمالی اطالیہ میں فرانسیسی خواہ نیپلزی فوج کے داخلہ کو وہ فعل جنگ سے

---

[1] مراسلات نپولین، جلد بست و ہشتم صفحہ ۱۷۱۔ ۲۶۷ وغیرہ۔

[2] برطانیہ اور ممالک غیر کے سرکاری کاغذات ۱۸۱۴-۱۵ء کاسلری جلد نہم صفحہ ۵۱۲۔ ولنگٹن، اتمامی مراسلات جلد نہم صفحہ ۲۴۴۔ دفاتر برِ اعظم جلد ۱۲، ۲۶ فروری۔

تعبیر کرے گی۔ میورٹ کو جیوں ہی فرانس میں نپولین کے اُترنے کا حال معلوم ہوا اُس نے حلفاً سے یہ اقرار کیا کہ وہ اُن کے ساتھ وفادار رہنے کا ارادہ رکھتا ہے مگر ساتھ ہی نپولین کے پاس بھی دوستی کے یقین دلانے والے پیغام بھیجے اور معاً پاپائی ریاستوں پر حملہ کر دیا۔ اُس نے نپولین کے ہدایات کا انتظار کئے بغیر کارروائی شروع کر دی اور غالباً اس ارادے کے ساتھ ایسا کیا کہ نپولین اگر فتحیاب ہو کر اپنی شہنشاہی کو دوبارہ قائم بھی کر لے تب بھی وہ خود تمام اطالیہ کو لے لے۔ ۱۰ اپریل کو آسٹریا نے اس کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ میورٹ آگے بڑھتا گیا اور بولونا میں داخل ہو گیا اور اب وہ علانیہ اطالیہ کے اتحاد اور اس کی خود مختاری کا اعلان کرنے لگا۔ شہروں اور تعلیم یافتہ طبقوں کا خیال عام طور پر اس کی جانب داری میں معلوم ہوتا تھا۔ آسٹریوں کے ساتھ چند غیر منفصل معرکوں کے بعد میورٹ واپس ہو گیا اور جب وہ نیپلز کی سرحد کی طرف ہٹا تو اس کی فوج گھٹتی گئی۔ اس مبارزت کا خاتمہ عاجل و کامل تباہی پر ہوا اور ۲۲ مئے کو ایک انگریزی و آسٹروی فوج نے شاہ فرڈینڈ کے نام سے شہر نیپلز پر قبضہ کر لیا۔ میورٹ اپنے خاندان کو پیچھے چھوڑ کر خود فرانس کو بھاگا اور اس امر کی بے کار سعی کی کہ نپولین کی آخری عظیم الشان جدوجہد میں اس کے ساتھ شریک ہو سکے، اور بہ حیثیت بادشاہ کے جس عزت کو اس نے زایل کر دیا ہے، بہ حیثیت سپاہی کے اس کی تلافی کرے[1]۔

قانون ایزادی ۲۲ اپریل ۱۸۱۵ء

تمام یورپ سے جنگ کی طیاری کے دوران میں، نپولین کو یہ ضروری معلوم ہوا کہ حریت کی خواہش جو فرانس میں پھر اس قدر زوروں سے پیدا ہو گئی تھی، اس کا کچھ اطمینان کر دے۔ وہ بہت

[1] مراسلات نپولین جلد بست و ہشتم صفحہ ۱۱۱ و ۱۲۷۔ جس حکم سے اُسے پیرس میں آنے کی ممانعت کی گئی تھی، اس پر ۱۹ اپریل کی تاریخ غلط درج ہو گئی ہے، غالباً یہ ۲۹ مئی ہے۔ نیپلز کو فرڈینڈ کی واپسی کے انگریزی بیانات اور اس کے ساتھ متعدد اعلانات وغیرہ کی اصلیں "دفاتر" میں موجود ہیں، "سسلی" جلد ۱۰۳ و ۱۰۴۔ یہ اس وجہ سے خاصکر دلچسپ ہیں کہ ۱۷۹۹ء میں فرڈینڈ نے جو مظالم کئے اور اُن سے انگلستان پر جو اثر پڑا اس کا اظہار ہوتا ہے۔

خوشی سے تمام سیاسی تغیرات کو اس وقت تک کے لیئے ملتوی کر دیا کہ غیر ملکیوں پر
اس کی فتح سے لوگوں کے دلوں میں اس کی بے ردوکد فوقیت پھر بحال ہو جائے
لیکن بہر طور اس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ وہ اپنے اس نہایت ہی خطرے کے موقع پر
۱۷۸۹ء کی ایسی کسی مجلس ترکیبی کی زحمت میں نہیں پڑے گا۔ اور شاہ لوئیس کے منشور
کے ذریعہ سے آزادی عطا کرنے کے فعل سے اسے ایک نظیر مل گئی کہ وہ بذریعہ فرمان
ایک ایسا نظام سلطنت بنائے جو شہنشاہی کے موجودہ قوانین کے نتیجہ کا کام دے۔
نپولین جب پیرس کی طرف آرہا تھا اس وقت جن آزاد خیال مدبروں نے شاہ
لوئیس کی جانب داری کا اعلان کیا تھا، ان میں ایک سب سے زیادہ نمایاں و ممتاز
شخص بنجمن کانسٹینٹ بھی تھا جس نے عین اسی روز کہ شہنشاہ دارالصدر میں داخل
ہوا ہے، ایک مضمون شایع کیا اور اس نے نہایت سختی کے ساتھ شہنشاہ پر حملہ کیا۔
نپولین نے کانسٹینٹ کو ٹوئیلرز میں بلایا اور اسے یہ یقین دلایا کہ اب آئندہ اس
کی یہ خواہش نہیں ہے اور نہ اسے یہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرانس میں مطلق العنان
حکومت قائم رکھے اور اس نے کانسٹینٹ سے خواہش کی کہ ایک نظام سلطنت کے
مرتب کرنے کا کام وہی اپنے ذمہ لے۔ کانسٹینٹ نے شہنشاہ کو کسی حد تک صادق
یقین کر کے پیش کردہ تجاویز کو قبول کر لیا اور اپنی شخصی وضعداری کو کسی قدر
نقصان پہنچا کر اس کام کو شروع کیا جس میں نپولین نے کسی نوع سے اسے پوری آزادی
نہیں دی[1]۔ کانسٹینٹ کی محنتوں کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو ۱۸۱۵ء کے قانون ایزادی"
کے نام سے مشہور ہے۔ اس قانون کے ممتاز دفعات "منشور" کے دفعات سے
مشابہ تھے، دونوں میں ایک نیابتی حکومت اور ذمہ دار وزراء کے قائم کرنے کا دعویٰ
کیا گیا تھا، دونوں میں مذہبی آزادی اور ذات و جائداد کی حفاظت کی ذمہ داری
کے معمولی فقرات شامل تھے۔ خاص خاص فرق یہ تھے کہ ایوان امراء بالکلیہ
موروثی بنا دیا گیا تھا، اور شہنشاہ نے منشور کی اس دفعہ کے تسلیم کرنے سے قطعی

---

[1] بنجمن کانسٹنٹ کی کتاب "یادداشت متعلقہ واقعات صد روزہ"

انکار کر دیا تھا کہ سیاسی جرموں کی سزا کے طور پر ضبطی کو منسوخ کر دیا جائے۔ دوسری طرف کانسٹینٹ نے قطعی طور پر مطابع کے احتساب کو فنا کر دیا اور یہ قاعدہ قرار دیکر کہ مطابع کے جرائم معمولی جوری والی عدالتوں میں فیصل ہوں گے، رائے کے آزادانہ اظہار کی کسی حد تک واقعی ضمانت کر دی۔ کانسٹینٹ حقیقتاً یہ یقین کرتا تھا کہ اپنے جو دستاویز مرتب کی ہے وہ نپولین کو ایک آئینی بادشاہ کی حالت میں لے آئے گی ایک حریت پسند مدبر کی حیثیت سے اس نے شہنشاہ پر یہ زور دیا کہ وہ اس تجویز کو ایک نیابتی مجلس کے سامنے پیش کرے جہاں اس کی جانچ ہو اور اس میں ترمیم ہو سکے۔ اس سے نپولین نے انکار کر دیا اور اپنے فرمان کے لئے ایک طرح کی قومی منظوری حاصل کرنے کے لئے استثارے کے مفروضہ سے کام لینے کو ترجیح دی۔ یہ قانون ۲۳ اپریل ۱۸۱۵ء کو شایع کیا گیا۔ اس کے بعد رائے دہی کی فہرستیں تمام صوبوں میں کھول دی گئیں اور فرانس کی آبادی سے (جس کا بیشتر حصہ لکھنے پڑھنے سے عاری تھا) یہ چاہا گیا کہ وہ "ہاں" یا "نہیں" میں اس سوال کا جواب دے کہ آیا رعایا کو پارلیمنٹی حکومت دینے کے متعلق نپولین کی تجویز سے اُسے اتفاق ہے یا نہیں؟

شہنشاہ کوئی سا امر محال بھی فرانسیسی قوم کے سامنے پیش کر دیتا اس کے لئے چند لاکھ رایوں کا حاصل کر لینا کچھ دشوار نہ تھا مگر تعلیم یافتہ قلت کے اندر جو خود اپنے سیاسی نظریات رکھتے تھے، فرمان کے ذریعہ سے اس اصلاح کی اشاعت اثر بد پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ شہنشاہ نے جس آمرانہ طرز پر فرانس کو آزادی دینے کا

ایوان جون میں طلب کئے گئے

انداز اختیار کیا اس سے زیادہ قوی کوئی ثبوت اس کی عدم صداقت کا نہیں ہو سکتا تھا۔ نئے نظام سلطنت کی تائید میں ایک آواز بھی بلند نہیں ہوئی۔ درحقیقت یہ کارروائی اپنے مقصود میں ناکام رہ گئی۔ نپولین کی غرض یہ تھی کہ وہ ایک ایسا جوش پیدا کرے کہ غیر ملکیوں کے ساتھ اس موت وحیات کی کشمکش میں تعلیمیافتہ طبقات اور کسان سب اس کے گرد جمع ہو جائیں، لیکن اس کے برعکس اسے یہ معلوم ہوا کہ اس نے اپنے معاملہ کو نقصان پہنچا دیا ہے۔ عام رائے کی مخاصمت

اس قدر سخت ہو گئی تھی کہ نپولین نے اسی میں دانائی سمجھی کہ وہ حریت پسند فریق کیطرف دست سبقت بڑھائے، اور اس نے اپنے بھائی جوزف کو لیفیٹ کے پاس یہ تحقیق کرنے کے لئے بھیجا کہ کن شرائط پر وہ اس کی تائید حاصل کر سکتا ہے[1]۔ لیفیٹ نے "قانونِ ایزادی" کی ہیئت کو سخت مردود قرار دے کر، یہ کہا کہ شہنشاہ عام اعتماد صرف اسی طرح حاصل کر سکتا ہے کہ وہ فوراً ہی ایوانوں کو طلب کرے۔ یہ عین وہی بات تھی جس سے نپولین اسوقت تک بچنا چاہتا تھا جب تک کہ وہ انگریزوں اور پرشیاویوں کو شکست نہ دے دے اور درحقیقت نئے نظام سلطنت کے قبول کرنے کے متعلق ابھی تک قوم کی رائے بھی حاصل نہیں ہوئی تھی مگر ضرورت کی نزاکت شہنشاہ کے میلانات اور قانون کی ہیات پر غالب آ گئی۔ لیفیٹ کا مطالبہ منظور کر لیا گیا۔ فوری انتخاب کے لئے احکام صادر ہو گئے، اور ایوانوں کا اجلاس اوایل جون میں یعنی اس سے چند روز قبل قرار پا گیا جب شہنشاہ بہ اغلب وجوہ جنگ کے آغاز کرنے کے لئے شمالی سرحد کو جانے والا تھا۔

لیفیٹ نے صداقت سے صلاح دی تھی مگر نپولین کو اس کے اتباع سے بہت کم فائدہ ہوا۔ عام قوم کو انتخابات پر وہ اعتقاد نہ تھا جو لیفیٹ اور اس کے دوستوں کو تھا۔ بعض مقامات میں ایک شخص بھی مقام رائے دہی پر نہ آیا۔ اکثر جگہوں میں امیدواروں کا انتخاب چند کوڑی رایوں سے ہوا۔ حامیان شاہی بر بنائے اصول غیر حاضر رہے، عام آبادی علی العموم صرف آئندہ جنگ کے خیال میں غرق تھی۔ اسنے سیاسیات کے ادعا کرنے والوں کو آزاد چھوڑ دیا کہ وہ اس انتخاب کے دن جس طرح چاہیں کام چلائیں۔ جو نائبین منتخب ہوئے ان میں متعدد ایسے تھے جنھوں نے انقلاب کی سابق مجلسوں میں نشست کی تھی اور سرکاری زلہ رباؤں اور سپاہیوں میں ملی ہوئی، ایک معقول جماعت ایسے لوگوں کی تھی جن کا معلوم و معروف مقصد نپولین کی طاقت کو گھٹانا تھا۔ صرف ایک جماعت ایسی تھی جس کے مقصد کی نمایندگی نہیں ہوئی تھی اور وہ خاندان باربن تھا جسے ابھی حال میں یہ کام سپرد ہوا تھا کہ وہ

---

[1] لیفیٹ، یادگار جلد پنجم صفحہ ۴۱۲۔

قدیم و جدید فرانس کو اپنے گرد جمع کرے۔

نپولین نے انتخابات کے متعلق اپنے کو پریشان نہیں کیا، بلکہ جنگ کی تیاریوں میں برابر سرگرم رہا اور مئی کے آخر تک دو لاکھ آدمی میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ حلفا کی تاخیر اگرچہ بنظر در آگئی تھی مگر اس سے ان کے مخالف کو جارحانہ اقدام کا موقع مل گیا۔ شہنشاہ کا مقصود یہ تھا کہ نسبتاً ایک چھوٹی فوج مشرقی سرحد کی نگہبانی کے لئے چھوڑ کر خود سوا لاکھ آدمیوں کو لئے ہوئے نذرلینڈز میں ولنگٹن اور بلوچر پر جا پڑے اور اس کے قبل کہ وہ اپنی فوجیں متحد کر سکیں انھیں پامال کر دے۔ اسی مقصد سے فوج کا بیشتر حصہ بتدریج شمالی سڑکوں پر پیرس للی اور موبازنہ کے نقاط پر جمع کیا گیا۔ اب دارالصدر کو چھوڑنے کے قبل شہنشاہ کے لئے سلطنت کے دو کام انجام دینا تھے۔ ایک جدید نظام سلطنت کا نصب اولین اور دوسرے ایوانہائے وضع قوانین کا افتتاح۔ اول الذکر جو ۲۶ مئی کے لئے معین ہوا تھا، اور جکی نسبت

قدیم مجلس قومی

یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ قدیم فرینکی "مجلس قومی" کی تجدید ہے، وہ ماہ آئندہ کے اوائل تک ملتوی کر دیا گیا۔ یکم جون کو یہ باوقار رسم غیر معمولی شان و شوکت کے ساتھ اسی میدان قواعد کے موقع پر ادا کی گئی جہاں پچیس برس قبل شاہ لوئیس شانز دہم اور اس کی قوم نے انقلاب کے تقریبات میں سب سے زیادہ باشکوہ اور سب سے زیادہ اثر انداز تقریب "قانون متفقیت" کا جشن منایا تھا۔ فرانس کے ہر ایک حلقہ انتخاب، ہر ایک جماعت عامہ اور افواج کے نائبین ایک وسیع بارگاہ میں جو میدان کے جنوبی جانب بنائی گئی تھی، شہنشاہ کے گرد جمع ہوئے، اس سے باہر گارڈ (محافظین) اور دوسری رجمنٹوں کے پچیس ہزار سپاہی صف بستہ تھے، اور ان کے عقب میں اہل پیرس مور و ملخ کی طرح جمع تھے۔ استشارے میں جو رائیں دی گئی تھیں جب ان کا مجموعہ شمار کیا گیا اور اس کا اعلان ہو چکا تو شہنشاہ نے نئے نظام سلطنت کا حلف اٹھایا اور اپنی سیاسی بلاغت کی قادر الکلامی کا ایک نمونہ دکھا دیا۔ سلطنت کے اعلیٰ عہدہ داروں نے بھی اپنی اپنی باری میں حلف لئے۔ نماز ادا کی گئی اور اس کے بعد نپولین نے اس محصور بارگاہ سے نکل کر میدان قواعد میں سپاہیوں کو ان کے علم عطا کئے اور ایک ایک رجمنٹ جب

اس کے سامنے سے گزرتی تو وہ کوئی نہ کوئی مختصر اور دل ہلا دینے والا فقرہ اس سے کہتا جاتا تھا۔ یہ منظر نہایت شاندار تھا مگر خود سپاہیوں کے سوا اور ہر طرف جمعیت پر افسردگی و مایوسی کا اثر دوڑ گیا تھا شہنشاہ کی تقریر نے یہ ظاہر کر دیا کہ وہ دل میں اب بھی مطلق العنان ہے، جو شورِ تحسین بلند ہوا وہ بھی جبراً و قہراً تھا، یہ سب کارروائی مضحکہ خیز اور بے اصل معلوم ہوتی تھی[1]

ایوانہائے تشریعی کا افتتاح چند روز بعد عمل میں آیا، اور ۱۱ر جون کی شب میں نپولین، شمالی سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی آخری مہم میں جو فوجیں اس کے مقابل تھیں ان کا محل وقوع کچھ عجیب طرح سے اس فوج کے محل وقوع کے مشابہ تھا جس پر نپولین کو ۱۷۹۶ء میں پہلی اطالوی فتح حاصل ہوئی تھی اس وقت میں اہل آسٹریا اور اہل سارڈینیا جن کا انحصار مختلف قاعدۃ الجیش پر تھا سارڈینوی دارالصدر کے راستوں کو گھیرے ہوئے تھے، اور اس سے انھوں نے حملہ آور کو یہ دعوت دی کہ وہ ان کے قلب میں داخل ہو جائے اور ان کے دونوں شکست خوردہ بازوؤں کو بازگشت کے دو مختلف السمت راستوں پر بھگا دے۔ اب اس وقت انگریز اور پرشیاوی بروسلز کو گھیرے ہوئے تھے، انگریز مغربی جانب اسٹنڈ پر قائم تھے اور پرشیاوی مشرقی جانب کولون پر اور ان کا خفیف سا اتصال باہمی ان چوکیوں کے سلسلے کے ذریعہ سے تھا جو تقریباً اسّی میل پھیلی ہوئی تھیں شہنشاہ نے ۱۷۹۶ء کی تدبیر پر عمل کیا۔ اس نے یہ عزم کر لیا کہ بلجیم میں شارلیرائے کی وسطی سڑک کی طرف سے داخل ہو اور اپنی اصل فوج کا بار بلوچر پر ڈال دے کیونکہ اگر وہ ایک مرتبہ اپنے رفیق سے جدا ہو گیا تو پھر اس کی بازگشت اُسے مشرق کی جانب لینز کی طرف لے جائے گی اور بروسلز کے گرد کے میدان کارزار سے اُسے خارج کر دے گی۔ نپولین کا یقین یہ تھا کہ بلوچر جب مشرق کی طرف ہٹا دیا جائے گا تو پھر وہ (نپولین) انگریزی سپہ سالار کو نہ صرف بروسلز سے نکال دے گا بلکہ ممکن ہے کہ مغرب جانب گھوم کر وہ اس کے اور سمندر کے درمیان حایل ہو جائے

حاشیہ: نپولین کی تجویز

[1] میو دے بلیتو۔

اور برطانیہ عظمیٰ سے اس کے رسل و رسایل کو منقطع کر دے[1]۔

۱۳ جون کی شب میں فرانسیسی فوج نے جس کی تعداد ایک لاکھ انیس ہزار آدمیوں کی تھی، اپنا اجتماع مکمل کر لیا تھا اور ہیو ناٹ اور فلپی وایل کے گرد جمع ہوگئی۔ ولنگٹن، بروسلز میں تھا، اس کی فوج جس میں پینتیس ہزار انگریز اور تقریباً ساٹھ ہزار ولندیزی، جرمانی اور بلجیمی[2] شامل تھے وہ شارلیرائے کی سڑک کے مغرب جانب اڈنیرڈ (واقع دریائے اسکلٹ) تک ملک کی حفاظت کر رہی تھی۔ بلوچر کا صدر مقام نیمر میں تھا۔ اس کے تحت میں ایک لاکھ بیس ہزار پرشیاوی تھے جو شارلیرائے نیمر اور لیز کے درمیان متعین تھے۔ انگریزی اور پرشیاوی دونوں سپہ سالار اس امر سے آگاہ تھے کہ بہت بڑی فرانسیسی فوج سرحد کے قریب آگئی ہے مگر ولنگٹن کا خیال تھا کہ نپولین ابھی تک پیرس میں ہے اور اسکا یقین یہ تھا کہ جنگ کا آغاز شہزادہ شوارزنبرگ کے الساس میں بڑھنے سے ہوگا۔ یہ بھی اس کا قطعی یقین تھا کہ نپولین اگر بلجیم میں داخل ہوگا تو وہ حلفاکی قلب پر حملہ آور نہ ہوگا بلکہ انگریزوں کے انتہائی میمنہ پر سمندر کی جانب سے حملہ کرے گا[3]۔ چودہ تاریخ کو پرشیاوی بیرونی چوکیوں نے یہ اطلاع دی کہ فرانسیسی

---

[1] نپولین بنام نے۔ مراسلات جلد بست و ہفتم ۳۴۴۔

[2] "مجھے ایک نہایت ہی کمزور بے سروسامان بدنام فوج ملی ہے، اور عہدہ دار بھی نہایت ناتجربہ کار ہیں" (مراسلات، جلد دوازدہم صفحہ ۳۵۰) چنانچہ اپنی فتح کے بعد ہی اس نے لکھا تھا کہ "میں فی الواقع یہ یقین رکھتا ہوں کہ اپنے پرانے اسپینی پیدلوں کو مستثنیٰ کرکے مجھے نہایت ہی بدتر سوار اور نہایت بے سروسامان فوج دی گئی ہے جس کے عہدہ دار بھی نہایت ہی ناقص ہیں۔ ایسی فوج کبھی جمع نہ ہوئی ہوگی" (مراسلات جلد دوازدہم صفحہ ۵۰۹)۔

[3] اسی لئے اس نے اپنی فوجوں کو اس سے زیادہ جانب غرب اور بلوچر سے دور رکھا جتنا اس صورت میں ہوتا کہ وہ نپولین کی واقعی تجویز کو جانتا ہوتا گر انگریزوں کے سمندر سے منقطع ہو جانے کی حفاظت کی بھی ویسی ہی ضرورت تھی جیسی بلوچر کے شکست کھا جانے کی حفاظت ضروری تھی۔ ڈیوک اسے ایک مختلف فیہ مسئلہ سمجھنے سے کبھی باز نہ رہا کہ آیا نپولین کو یہ کرنا چاہئے تھا

(بقیہ برصفحہ آئندہ)

بیومانٹ کے گرد جمع ہوئے ہیں۔ اسی دن کچھ اور بعد شارلیرائے کی طرف بڑھنے کے صاف آثار نظر آنے لگے۔ پرشیاوی وہاں سے ہٹادیے گئے اور وہ لگنی کی جانب پسپا ہوگئے، اور اب اسی موقع پر بلوچر اپنی تمام فوجوں کو اپنی حد رسائی کے اندر لے آیا۔ ولنگٹن کو ۱۵ کی سہ پہر تک یہ نہ معلوم ہوا کہ فرانیسیوں نے کسی قسم کی بھی نقل وحرکت کی ہے۔ ان کی پیش قدمی کی خبر پاکر اس نے مشرق جانب میں اپنی تمام فوجوں کے اجتماعی نقل وحرکت کا حکم دیا تاکہ وہ بروسلز کی سڑک کو گھیرے اور پرشیاوی سپہ سالار کے ساتھ اتحاد عمل کرسکے برطانی فوج کا ایک چھوٹا سا حصہ اس شب میں کواٹر براس میں مستحکم ہوگیا اور ۱۶ کی صبح کو ولنگٹن خود سوار ہوکر لگنی کو گیا، اور بلوچر سے امداد کا وعدہ کیا، بلوچر کی فوجیں پہلے ہی صف آرا ہوچکی تھیں اور فرانیسیوں کے حملہ کے انتظار میں تھیں۔ لیکن حملہ آور کا یلغار اس قدر تیز ہوا کہ انگریز میدان کارزار میں پہنچ نہ سکے بلکہ دوپہر کو کواٹر براس میں واپس آنے پر ولنگٹن نے یہ دیکھا کہ خود اس کی فوج بڑی سرگرمی سے مشغول جنگ ہے، نپولین نے بروسلز کی سڑک کی طرف نے کو بھیجدیا تھا کہ انگریزوں کو روکے رکھے اور اگر ممکن ہو تو دارالصدر میں داخل ہوجائے۔ ادھر اس نے خود ستر ہزار آدمیوں سے بلوچر پر حملہ کردیا۔ پرشیاوی سپہ سالار اس امر میں کامیاب ہوگیا کہ اپنے حملہ آوروں سے زیادہ تعداد میں فوج لے آئے مگر فرانیسی فوج زیادہ تر ان مردان کار پر مشتمل تھی جو دوبارہ فوج میں واپس بلائے گئے تھے اور ماسکو والی مہم کی فوج کے بعد سے خود نپولین نے کبھی اس سے بہتر فوج کی سربراہی نہیں کی تھی۔ بلوچر اور اس کے سپاہیوں نے اگرچہ ۱۸۱۳ء کی سی پامردی بلکہ اس سے زیادہ بے جگری کے ساتھ مقابلہ کیا مگر یہ سب بے سود ثابت ہوا۔ پرشیاوی جن دیہاتوں میں جمے ہوئے تھے وہاں بہت خونریز دست بدست جنگ ہوئی۔ کبھی مدافعین دبے، کبھی حملہ آور دبے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ وہ اپنی پوری فوج بروسلز اور سمندر کے درمیان لاڈالے۔ (یادگار تصنیف شدہ ۱۸۴۲ء۔) ولنگٹن، اتمامی مراسلات، جلد نہم صفحہ ۵۳۰۔

مگر آخر الامر پرشیاوی تیرہ ہزار کا نقصان اٹھا کر جنگ سے ہٹ گئے اور میدان دشمن کے ہاتھ رہا۔ اگر فاتحین اسی رات کو تعاقب جاری رکھتے تو حلفا کا معاملہ تباہ ہو جاتا۔ لیکن جنگ میں محنت حد سے زیادہ کرنا پڑی تھی یا یہ کہ نپولین نے اپنے دشمن کی قوت اجتماع کا اندازہ حد سے کم کیا تھا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ بلوچر لامحالہ مشرق جانب نیمر کی طرف ہٹ جائے گا، لیکن درحقیقت یہ پرشیاوی شمال جانب بھاگتے اور اپنے حلیف کے ساتھ اپنے منقطع سلسلہ رسل و رسایل کو بحال کرنے کے لئے ناخنوں تک کا زور لگا رہا تھا۔

جنگ کواٹر براس
۱۶ر جون

کواٹر براس میں اس دن کی جنگ کا نتیجہ فرانسیسیوں کے ناموافق رہا۔ اس کے قبل کہ برطانی کسی معقول قوت کے ساتھ اس اہم نقطہ پر قبضہ کر سکیں نئے اسے اپنے قبضہ میں لانے کے موقع کو کھو بیٹھا، اور جب جنگ شروع ہوئی تو برطانی پیدلوں کے مربع نئے کے سواروں کے سامنے بے تکان سینہ سپر ہو گئے، اور انھیں پے در پے اپنی باڑھوں سے پسپا کر دیا، تا آنکہ متواتر کمکوں نے دونوں جانب کی تعداد برابر کر دی۔ ان کے ختم ہونے تک فرانسیسی مارشل حیران اور دل شکستہ ہو کر اپنے سواروں کو ان کی اصلی جگہ پر واپس لے گیا۔ سپہ سالار ڈی آرلن کی جیش جسے نپولین نے اپنے اور نئے کے درمیان اس غرض سے متعین کیا تھا کہ جدھر زیادہ ضرورت پڑے ادھر مدد کرے، اسے اولاً نئے کی طرف سے ہٹا کر لگنی میں مدد کے لئے بلایا گیا اور جب وہ وہاں جنگ شروع کیا چاہتی تھی اسے پھر کواٹر براس میں طلب کیا گیا جہاں وہ اس وقت پہنچی جب جنگ کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ دونوں میدانوں میں سے کسی میدان میں بھی اگر یہ جیش موجود ہوتی تو غالباً مہم کا نتیجہ بدل جاتا۔

بلوچر، ۱۶ر کی شب میں بے کار ہو گیا تھا، اور قریب قریب بے ہوش سا پڑا تھا، اس کے مددگار نیسینو نے نہ صرف فوج کو بچا لیا بلکہ شمال جانب کو ایک یادگار زمانہ نقل و حرکت کے ذریعہ سے (جس سے پرشیاویوں کا سلسلہ

پھر برطانیوں کے ساتھ قائم ہو گیا) تمام نقصانات کی تلافی اور تلافی سے بھی زیادہ کر دکھایا۔ ۱۶ ار کی شب اور ۱۷ ار کی صبح کو بے کار رہنے کے بعد جس کی کوئی توجیہ نہیں معلوم ہوتی، نپولین نے پرشیاویوں کا تعاقب مارشل گروچی کے سپرد کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ دشمن کو کسی وقت نظر سے اوجھل نہ ہونے دے، مگر بلوچر اور نیسینو اس سے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے، اور دیور کے قریب اتنی کثیر فوج جمع کرلی تھی کہ گروچی اب اپنے سے بالاتر فوج کو انگریزوں کے ساتھ متحد ہونے سے روک نہیں سکتا تھا، خواہ وہ اپنے تینوں دشمنوں میں ہر ایک کی صحیح صحیح نقل و حرکت سے واقف ہی کیوں نہ ہوتا، پس اس نے اپنے آقا کے خطرے کے صحیح احساس کے ساتھ دوسرے روز صبح کو اس سے پھر مل جانے کی کوشش کی۔

ولنگٹن نے پہلے ہی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ لگنی میں بلوچر کو شکست ہو جائیگی اور اسے یہ بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ پرشیاوی بہر نہج شمال کی طرف ہٹ آئے گا، پس ولنگٹن خود ۱۷ ار کو کواٹر براس سے واٹرلو کو آگیا، اور اب نپولین اور فرانسیسی فوج کا جم غفیر بھی اس کے عقب میں چلا۔ واٹرلو میں وہ جنگ کے لئے صف آرا ہوا اور بہادر پرشیاوی کے اس وعدے پر یقین کیا کہ دوسرے دن وہ بھی اسی جانب کو بڑھے گا۔ ایسا کرنے میں بلوچر نے یہ خطرہ اپنے سر لیا کہ اگر نپولین اپنے اصل حملہ کا رخ بدل دیتا اور مشرق جانب مڑ جاتا یا پرشیاویوں کی آمد کے قبل ہی ولنگٹن کو پامال کر دیتا اور ایک فاتحانہ فوج کے ساتھ اس سڑک پر قبضہ کر لیتا جو برو سلز سے لوین کو جاتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس کا (بلوچر کا) سلسلہ رسل و رسایل منقطع ہو جاتا اور اس کی نصف فوج گرفتار ہو جاتی۔ شوارزنبرگ کے ایسے سپہ سالار کو اس قسم کے خیالات لینز کی طرف واپس لیجاتے مگر بلوچر اور نیسنو نے ان خیالات کو ہوا میں اڑا دیا۔ اپنے رفیق کی محنت و مستعدی کے بجا اعتماد میں ولنگٹن تیس ہزار انگریز اور چالیس ہزار ولندیزی جرمانی اور بلجیمی سپاہیوں کے ساتھ نپولین کے حملہ کا انتظار کرتا رہا جس کے پاس چوہتر ہزار کار آزمودہ سپاہی تھے۔ انگریزی فوجوں کا محل وقوع غلہ کے کھیتوں کے ایک ہلکے ڈھال پر

دو میل تک پھیلا ہوا تھا، اور شارلیرائے سے بروسلز کو جو شاہراہ جاتی ہے اُسے زاویہ قائمہ کی صورت میں منقطع کرتا تھا۔ ہیوگوناٹ کا قلعہ جو ڈھال سے کسیقدر نیچے داہنی جانب تھا اور لاہے سنٹ کا گاؤں جو وسط میسرے کے سامنے سڑک پر تھا، یہ دونوں مستحکم بیرونی چوکیوں کا کام دیتے تھے۔ فرانسیسی دوسری جانب سامنے کی ڈھال پر صف بستہ ہوئے۔ یہ مقام اس قدر کھلا ہوا تھا کہ اگر ۱۷ ارکی شام میں شدید بارش نہ ہو گئی ہوتی تو میدان کے تقریباً ہر ایک گوشہ میں توپخانہ آزادی کے ساتھ ٹھہر سکتا تھا۔

اتوار کے دن ۱۸ر جون کو ۱۱ بجے جنگ کا آغاز ہوا۔ نپولین نے اپنے داہنے جانب پرشیاویوں کے اجتماع سے بیخبر اور انگریزی فوج کی استقامت سے ناواقف، یہ یقین کر لیا کہ ولنگٹن نے اپنے اس تہور سے فتح اس کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ لاہے سنٹ کے قریب انگریزی فوج کو توڑ کر آگے نکل جائے اور اس طرح ولنگٹن کو مشرق جانب ہٹادے اور پوری فرانسیسی فوج کو اپنے دونوں شکست خوردہ دشمنوں کے درمیان میں داخل کردے۔ پہلی نقل وحرکت یہ ہوئی کہ ہیومنٹ کی عمارتوں پر حملہ کیا گیا اور یہ اس غرض سے تھا کہ ولنگٹن کو حملہ کے اصل نقطہ سے دوسری طرف پھیر دیا جائے۔ انگریزی سپہ سالار اس چوکی کی مدافعت کے لئے اسقدر دستے بھیجتا رہا جو اس کی مدافعت کے لئے کافی ہوتے مگر اس سے زیادہ اس نے کچھ نہ کیا۔ دو گھنٹہ کی غیر منفصل جنگ اور توپخانہ کی سخت آتشباری کے بعد نے نے دی آرسن کی جیش کو حکم دیا کہ وہ قلب و میمنہ کے حملہ عظیم کے لئے بڑھے۔ جب فرانسیسی کالم ڈھال کے قریب تک آپہنچے تو سپہ سالار پکٹن نے ایک بریگیڈ کی سرکردگی میں ان پر حملہ کیا۔ پہلے گرنے والوں میں یہ انگریزی سپہ سالار بھی تھا مگر اس کے آدمیوں نے دشمن کو پیچھے ہٹا دیا اور اسیوقت اسکاٹلینڈ کے قبیلہ گرے کے سپاہی بائیں طرف سے اُتر کر فرانسیسی پیدل اور اُن کے معاون سوار دونوں کو توڑتے ہوئے نکل گئے اور مقابل کی ڈھال پر بہت اوپر تک بڑھکر نے کی چالیس توپوں کو اس کے قبل بےکار کر دیا کہ وہ خود اپنی باری میں فرانسیسی گراں سلاح سواروں سے مغلوب ہو کر پیچھے ہٹادیے گئے

انگریزوں کا نقصان کثیر ہوا مگر دشمن کا حملہ بھی بالکلیہ ناکامیاب ہو گیا اور ہزاروں قیدی پیچھے رہ گئے۔ اب پیدلوں کی جنگ میں وقفہ ہوا اور نپولین کا توپ خانہ پھر انگریزوں کے قلب پر گولے برسانے لگا۔ ادھر نے نے ایک نئی اور پہلے سے بڑھی ہوئی کوشش کے لئے نئی فوجیں ترتیب دیں۔ ۱۱ بجے کے قریب بائیں جانب پھر حملہ ہوا، لاے سنٹ لے لیا گیا اور سواروں کے بہت وسیع انبوہ انگریزوں کو ڈھال کی طرف دبا لائے اور سطح مرتفع پر انگریزی صف کے عین محاذ تک چڑھ آئے ولنگٹن نے ان کے مقابلہ کے لئے سوار نہیں روانہ کئے بلکہ خود پیادوں کے صبر و تحمل پر اعتماد کیا اور بجا اعتماد کیا۔ ساعت پر ساعت گزرتی گئی اور یہ بہادر اپنی جگہ پر جمے رہے اور دشمنوں کے گھوڑوں کی تاخت سے اپنی صفوں میں تباہی و موت کے ہولناک منظر کا ان پر کچھ اثر نہ پڑا۔ جہاں کہیں صفوں میں کچھ جگہ کھلی رکھی تھی یا جہاں فرانسیسی سواروں کے حملے پسپا کر دیئے گئے تھے، وہاں نپولین کے توپخانے تمام سہ پہر میں آتشباری کرتے رہے۔

آخر الامر پرشیاویوں کی آمد کا اثر عیاں ہونے لگا۔ نپولین نے ان کے طلایہ کو سویرے ہی دن میں دیکھا تھا اور ان کو روکے رکھنے کے لئے کاونٹ لوبو کو سات ہزار آدمی دیکر فوج سے الگ کر دیا تھا مگر یہ چھوٹا سا پرشیاوی گروہ بڑھتے بڑھتے ایک فوج بن گیا، اور دن چڑھنے تک یہ ضروری ہو گیا کہ فرانسیسی پیدلوں کے چند نہایت ہی اعلیٰ حصص کاونٹ لوبو کی کمک کے لئے بھیجدیئے جائیں۔ اس پر بھی پرشیاویوں کے نئے کالموں کی آمد کی خبریں آتی رہیں۔ چھ بجے نپولین طیار ہو گیا کہ انگریزوں پر ایک آخری عظیم الشان حملے میں اپنی انتہائی قوت صرف کر دے اور اس کے قبل کہ وہ اپنے حلیفوں سے مل کر جنگ کو عام بنا دیں انھیں برباد کر دے۔ شہنشاہی گارڈ کے دو کالم جن کی تائید ایک ممکن الحصول زجمنٹ سے ہو رہی تھی، داہیں اور بائیں جانب سے انگریزی قلب کی طرف آگے بڑھے، داہنے جانب کا کالم، ولنگٹن کے مقابل اور بازو کے طوفان گولہ باری سے غیر مغلوب برطانی ڈھال کے عین سرے تک پہنچ گیا، اور اس چوراہے کے چالیس گز کے اندر آگیا جہاں انگریزی گارڈ چھپا بیٹھا تھا۔ اسوقت

ولنگٹن نے بندوق چلانے کا حکم دیا۔ فرانسیسی پلٹے، انگریز حملہ کے ساتھ ہی بڑھے اور دشمن کو پہاڑی کے نیچے تک ہٹا لے گئے، اور پھر کچھ دیر کے لئے اپنی جگہ پر آگئے۔ فرانسیسی گارڈ کے بائیں کالم نے بھی اسی جرارت کے ساتھ حملہ کیا اور اسے بھی یہی روز بد دیکھنا پڑا، اب کہ فرانسیسی پہاڑی کے دامن میں دوبارہ اپنے کو مرتب کرنے کی فکر کر رہے تھے، ولنگٹن نے عام پیشقدمی کا حکم دے دیا۔ برطانی پیادوں اور سواروں کی تمام صف وادی میں در آئی۔ ان کے سامنے دشمن کی حیران و پریشان اور سخت ضرر رسیدہ فوج محض ایک منتشر انبوہ ہوکر رہگئی۔ صرف پرانے گارڈ کی پلٹنیں جو حملہ آور کالم کے عقب میں ٹہری ہوئی تھیں، مضبوطی کیساتھ قایم رہیں۔ بلوچر نے مشرق کی طرف سے ہلاک کن ضرب لگائی اور جس سڑک کی طرف فرانسیسی بھاگ رہے تھے، ادھر دباؤ ڈال کر شکست کو بالکلیہ تباہی و ہزیمت میں بدل دیا۔ ولنگٹن کی فوجیں جس تعاقب کی کوشش سے در ماندہ ہوچکی تھیں اسے پرشیادیوں نے یادگار زمانہ جرائت اور ہولناک کامیابی کے ساتھ تمام رات جاری رکھا، صبح ہوتے ہوتے فرانسیسی فوج فراریوں کے ایک ہجوم سے زیادہ نہیں رہگئی تھی۔

نپولین، بھاگ کر فلپی وایل پہنچا اور اس نے اس مقام پر اور نیز لون میں اپنی ہزیمت یافتہ فوجوں کے لئے ایک جاء اجتماع متعین کرنے کی کسی قدر موثر کوششیں کیں۔ لون سے بہ عجلت تمام وہ پیرس گیا اور وہاں ۲۱ کو دن نکلے پہنچا واٹرلو کی شکست کی توضیح کے متعلق اس کا اعلام اطلاعی اس دن صبح کو ایوانوں کے سامنے پڑھا گیا۔ ایوان ادنیٰ نے فوراً ہی شہنشاہ کے خلاف اعلان رائے کردیا اور اس سے انخلاع کا مطالبہ کیا۔ اب اگر نپولین آمر مطلق نہ بنجائے تو اس کا معاملہ تباہ ہوچکا تھا، کارنٹ اور لوسئین بوناپارٹ نے اس امر پر زور دیا کہ وہ ایوانو کو برطرف کر دے اور خود اپنی مستحکم قوت ارادی کے بھروسہ پر سب کچھ خطرے میں ڈال دے مگر شہنشاہ کے مشیروں کہیں اُن لوگوں کو تائید نہیں حاصل ہوئی۔ دوسرے روز نپولین نے اپنے لڑکے کے حق میں انخلاع کر دیا مگر فرانس پر ایک غیر موجود جانشین کے مسلط کرنے اور خود اپنے وزراء کو قائم رکھنے کی کوشش

بے کار ثابت ہوئی۔ یہ بھی اتنا ہی بے کار ثابت ہوا کہ کارنٹ نے (جو ۱۷۹۳ء کی یادوں کو دل میں جگہ دیئے ہوئے تھا)، مجلس سے یہ درخواست کی کہ وہ جنگ کو جاری رکھے اور پیرس کے مدافعت کے سامان کرے۔ ایک عارضی حکومت برسرِ اقتدار ہو گئی۔ بے عملی اور مباحثہ میں دن گزرتے گئے اور متحدین فرانس کے اندر بڑھتے آئے۔ ۲۸ جون کو پرشیاوی دار الصدر کے شمال میں نمودار ہوئے اور جب انگریز بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے تو وہ دریائے سین کے قریب میں ان قلعہ بندیوں کی زد سے ورے ہٹ گئے جنھیں نپولین نے سنٹ ڈینس اور مانٹ مارنی کی جانب کو گھیر دیا تھا، ڈیوسٹ نے پیرس کے تقریباً تمام سپہ سالاروں کے ساتھ مدافعت کو ناممکن قرار دے دیا۔ ۳ جولائی کو حوالگی پر دستخط ہو گئے فرانسیسی فوج کے ماباقی سے یہ چاہا گیا کہ وہ لوایر کے پار ہٹ جائے۔ عارضی حکومت نے اپنے کو شکست کر دیا، متحدہ فوجیں دار الصدر میں داخل ہو گئیں، اور

حلیفوں کا پیرس میں داخل ہونا۔ ۷ جولائی

دوسرے روز دار النائبین کے ارکان جب اپنے ایوانِ جمعیت کو آئے تو دیکھا کہ دروازے بند ہیں اور سپاہیوں کا ایک دستہ ایوان پر قابض ہے۔ نام کے لئے بھی فرانس سے اس کی آئندہ حکومت کے متعلق کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔ لوئس ہیژدہم بلا تامل اپنے تخت پر بحال کر دیا گیا۔ نپولین، جو امریکہ جانے کے ارادے سے روشفور کو چلا گیا تھا، وہاں وہ اتنی دیر ٹھہرا رہا کہ فرار ناممکن ہو گیا اور پھر برطانی جہاز بلرفن پر سوار ہو گیا اور ایک دوسرے تھمسٹاکلس کے طور پر خود کو انگلستان کے شہزادہ متولی کی فیاضی کے سپرد کر دیا۔ جس شخص نے بالاعلان یہ کہا ہو کہ دس لاکھ آدمیوں کی جان کوئی شے نہیں ہے[1]، اسے یہ اعتماد تھا کہ انگریزی قوم اتنی بیوقوف یا اتنی ناکارہ ہے کہ وہ اس کے لئے کوئی پسندیدہ جائے پناہ مہیا کر دے گی تاکہ وہ پھر وہاں سے نکل بھاگے اور یورپ کو خون میں غرق کر دے۔ لیکن اب ۱۸۱۴ء کا سین یاد ہو گیا تھا۔ جس شخص کی پاسبانی کی کوئی فرماں روا ہمت نہیں کر سکتا تھا اور جسے کسی قلعہ کی دیوار بنی نوع انسان کی

[1] مٹرنک، جلد اول صفحہ ۱۵۵۔

توجہ سے علیحدہ نہیں کرسکتی تھی، اس کے قید خانہ کے لئے خط استوا سے ورے سمندر کا کوئی جزیرہ ہی موزون ہوسکتا تھا۔ نپولین، سنٹ ہلینا کو پہنچایا گیا۔ وہاں اس نے اس انسانی مصیبت میں کسی قدر شرکت کی جسے وہ اس قدر نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا، تا آنکہ چھ برس بعد موت نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

فتح نے اس قدر جلد منہ دکھایا کہ متحدہ حکومتوں نے ابھی صلح کے شرائط بھی طیار نہیں کئے تھے۔ جب جنگ واٹرلو واقع ہوئی ہے اس وقت تک زار اور شہنشاہ آسٹریا ہنوز ہیڈلبرگ میں تھے۔ وہ ہینسی سے آگے نہیں بڑھے تھے کہ انھیں یہ خبر پہنچی کہ پیرس نے اطاعت قبول کر لی۔ اب یہ دونوں بہ عجلت تمام دارالصدر کو آئے جہاں ولنگٹن پہلے ہی سے وہ اختیار عمل میں لا رہا تھا جن کا استحقاق اسے اپنی غیر معمولی کامیابیوں اور حلفا کے تمام موجود المقام نمایندوں پر اپنی عظیم الشان سیاسی فوقیت کی وجہ سے حاصل ہو گیا تھا۔ انگریزی اور پرشیاوی فوجوں کے پیرس میں داخل ہونے کے قبل اس نے لوئس ہیژدہم کو آمادہ کر لیا تھا کہ وہ خود کو رجعت پسند فریق سے علیحدہ کر لے اور موجودہ عارضی حکومت کے سرگروہ شاہ کش فوش کو وزارت کے لئے طلب کرے۔ فوش ۱۷۹۳ء میں بمقام لینز بعض نہایت ہی ستمگارانہ جرموں کا مرتکب ہوا تھا، اور اس نے بعد میں فرانس کی ہر ایک حکومت کے تحت میں بعض نہایت ہی بدترین کام انجام دیے تھے "صد روزہ حکومت" کے دوران میں نپولین کے وزیر پولیس کی حیثیت سے اپنی قدیم جگہ پر واپس آجانے کے بعد اگر اس نے دوران مہم میں فی الواقع دشمن سے غدارانہ مراسلت قائم نہیں رکھی تو بھی جس قدر جلد ممکن ہوا اس نے لوئس ہیژدہم کی بحالی کے متعلق سازش شروع کر دی۔ اقتدار کے لئے اس کا واحد حق صرف یہ تھا کہ فرانس کے ہر ایک جندارمہ اور ہر ایک جاسوس نے کسی نہ کسی وقت میں اس کے گماشتے کے طور پر کام کیا تھا، شاہ کش کی حیثیت رکھتے ہوئے برسر اقتدار ہونے میں ممکن تھا کہ وہ انتہا پسندوں اور بوناپارٹ کے حامیوں کو خاندان بار بن کی دوسری واپسی کے متعلق ہموار کر لیتا۔ یہی وہ شخص تھا جسے

ٹیلر نیڈ کی رفاقت میں، ڈیوک ولنگٹن نے بدرجۂ مجبوری لوئس ہیژدہم کا وزیر تجویز کیا تھا۔ یہ کہا گیا تھا کہ یہ تقرر دقت آمیز ہے گر یہ ضروری تھا اور کاؤنٹ اڑٹائس کی پسندیدگی کے ساتھ بادشاہ نے اس خون آشام نام کو ملاقات کے لئے بلایا اور اسے وزیر مقرر کر دیا۔ احتیاج نے درباریوں کی دورہینی کو دبا دیا مگر اُسں سے لوئس شانزدہم کی اس غمزدہ لڑکی کی نفرت فرو نہ ہو سکی جسے نپولین اپنے خاندان کا ایک ہی شخص کہا کرتا تھا۔ ڈچس اینگولیم، فوشں کو لینز کے قتلہائے عام کے لئے معاف کر دیتی مگر اس نے ایک ایسے وزیر سے گفتگو کرنے سے انکار کر دیا جسے وہ اپنے باپ کے قاتلوں میں سے ایک قاتل قرار دیتی تھی۔

انگریز ابھی پیرس کے سواد ہی میں تھے اور جمعیت کے مستند ایلچی ابھی کہیں دوسری جگہ گفت و شنود میں مشغول تھے کہ فوشں نے ولنگٹن سے نجی مراسلت شروع کر دی تھی۔ ولنگٹن کا بادشاہ سے اس کی سفارش کرنے کی وجہ دلی یہ تھی کہ بعض حلفا مخفی طور پر لوئس ہیژدہم کی طرف سے لاپروا تھے یا اس کی جانب سے کچھ عناد رکھتے تھے جس سے ڈیوک کو یہ یقین ہو گیا کہ لوئس نے اگر فرمانرواؤں کی آمد کے قبل اپنا تخت واپس نہ پالیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ اسے کبھی بھی واپس نہ پائے[1] اس وقت میں فوشں ہی ایک شخص تھا جو ٹیولرز کے راستہ کو کھول دے سکتا تھا۔ اگر اس کے دست سبقت سے انکار کر دیا جاتا تو وہ یا تو کارنٹ کو یہ اجازت دیدیتا کہ وہ پیرس کے باہر جانبازانہ مقاومت کرے یا خود مع فوج اور جمعیت کے لابر کے پار ہو جاتا اور وہاں ایک جمہوری حکومت قائم کر دیتا۔ اگر لوئس ہیژدہم کے تخت میں فوشں اور ٹیلر نیڈ وزارت میں متحد رہتے تو پھر نہ تو جنگ کا اندیشہ باقی رہتا اور نہ حلفا میں سے کسی کی جانب سے حکمران خاندان کے تغیر کا خیال پیش ہوتا۔ ڈیوک کی آزادانہ کارروائی کی وجہ سے زار کے پیرس آنے کے قبل ہی لوئس ہیژدہم

[1] ولنگٹن۔ مراسلات، جلد دوازدہم صفحہ ۶۴۹۔

پیرس پر قابض ہو چکا تھا، اور اب صلح کی قطعی توکید میں خود حلفا کے اس اختلاف

شرائط صلح کے متعلق اختلاف باہمی

باہمی کے سوا کوئی امر مانع نہیں رہا کہ کیا شرائط منوانا چاہئے
پرشیا جسے نپولین سے اس قدر سخت نقصان پہنچا تھا،
اُس کا مطالبہ یہ تھا کہ یورپ کو اب دوسری مرتبہ خاندان
باربن کی بے بود ضمانت سے خود کو دھوکہ نہ دینا چاہیئے
بلکہ فرانسیسی بادشاہی سے الساس اور لورین، نیز شمالی
علقوں کے ایک سلسلہ کو علیحدہ کر کے امن کی حقیقی ضمانت حاصل کرنا چاہیئے۔
انگلستان کے وزیر اعظم لارڈ لورپول نے یہ بیان کیا کہ اس ملک میں مروجہ رائے
یہ ہے کہ فرانس کو لوئیس چہاردہم کی خاص مفتوحہ ممالک سے محروم کر دینا موزوں
و بجا ہوگا لیکن اس نے یہ اضافہ کیا کہ نپولین (جو اس وقت تک آزاد تھا)،
قید ہو جائے تو انگلستان اس شرط سے ملک کی دائمی حوالگی سے باز آ جائے گا کہ
فرانس پر غیر ملکی فوجیں اس وقت تک قابض رہیں کہ وہ اپنے خرچ سے
نذرلینڈز کے سرحدی صوبوں کو دوبارہ درست کر دیں[1]
مٹرنک بھی کچھ زمانہ تک پرشیا دمی وزیر ہی کی سی باتیں کرتا رہا۔
صرف الگزنڈر ایک شخص تھا جو اول ہی سے فرانس کی مملکت کی کسی تخفیف
کے خلاف رہا اور اس نے دول کے ان اعلانات کی طرف رجوع کرنے
کی التجا کی کہ جنگ کا واحد مقصد نپولین کا تباہ کرنا اور اس نظم کا بحال کرنا تھا
جو صلح پیرس سے قائم ہوا تھا۔

حوالگی ممالک کے موافق و مخالف دلائل

مدبروں نے فرانس سے سرحدی صوبوں کی علحدگی کے
موافق و مخالف دلائل، بڑی شرح و بسط سے قلمبند کئے تھے،
مگر ان دلائل میں نفس مطلب جو کچھ تھا وہ بہت مختصر طور پر
بیان ہو سکتا ہے۔ ایک طرف اسٹین اور ہارڈ برگ یہ
زور دے رہے تھے کہ ۱۸۱۴ء میں بے کم و کاست مملکت پر خاندان باربن

[1] ولنگٹن، اتمامی مراسلات، جلد یازدہم صفحہ ۲۴-۳۲۔ مجوزہ سرحد کے نقشہ جات، دفاتر برا عظم جلد ۲۳۔

کی بحالی فرانس کے لیئے اس امر میں مانع نہ ہوگی کہ وہ چند ماہ بعد خود کو اس فوجی مطلق العنان کے زیر حکومت کر دے جس کی زندگی اپنے ہمسایوں پر حملہ کرنے میں گزری تھی، جبتک فرانسیسیوں کے پاس قلعوں کا ایک ایسا سلسلہ ہے کہ وہ جب چاہیں جرمانیہ یا ندرلینڈز میں ایک فوج کثیر داخل کر دیں، اس وقت تک یہ توقع عبث ہے کہ کسی خاندان کے تحت میں بھی امن زیادہ دنوں تک قائم رہے گا، اور آخری بات یہ ہے کہ ان تر کتازیوں کا ہدف چونکہ انگلستان و روس نہیں بلکہ جرمانیہ ہے اس لیئے جرمانیہ کو سب سے مقدم حق حاصل ہے کہ حفاظت عامہ کے سامان کرنے میں اس کے مقاصد پر لحاظ کیا جائے۔ دوسری جانب شہنشاہ کی دلیل یہ تھی اور ڈیوک ولنگٹن نے اسے اور بھی زیادہ زور کے ساتھ بیان کیا تھا[1] کہ شاہان باربن کی حالت قطعاً مایوسی کی ہو جائیگی اگر اُن کی رجعت غیر ملکی فوجوں کے ذریعہ سے ہونے کے ساتھ ہی فرانسیسی صوبے بھی جاتے رہیں، فرانسیسی قوم اگرچہ نپولین کی مطیع ہو گئی تھی مگر اس نے فی الواقع حلفا کی مقاومت نہیں کی حالانکہ اس میں اس مقاومت کی پوری قابلیت تھی، کسی نئی تعدی یا انقلابی خطرے کو مؤثر طور پر اسی طرح روکا جا سکتا ہے کہ فرانس کے کچھ حصہ پر متحالف فوج اس وقت تک قابض رہے جب تک کہ قوم کسی زوردار حکومت کے تحت میں امن وسکون نہ حاصل کر لے۔ انھیں دلائل پر کل یادداشتیں جولائی اور اگست میں دول عظمیٰ کے سفرا میں آتی جاتی رہیں، برطانی کابینہ نے جو پہلے پرشیاوی رائے کی طرف مائل تھا، ولنگٹن کے پرسکون فیصلے کو قبول کر لیا اور زار کا جانبدار ہو گیا۔

پرشیا کا تنہا رہ جانا

مٹرنک کثرت کی طرف آرہا، ہارڈنبرگ جب اسطرح تنہا رہ گیا تو وہ اپنے مطالبات میں ایک ایک مطالبہ چھوڑتا گیا تا آنکہ آخر میں اس پر راضی ہو گیا کہ فرانس کی ۱۷۹۱ء کی سرحد کے ساتھ ۱۸۱۴ء کی صلح کی رو سے جو چھٹ بڑھا دی گئی ہے

---

[1] مراسلات، جلد دوازدہم صفحہ ۵۹۶۔ اٹیٹن، مصنفہ سیلی۔

اسے وہ چھوڑ دے۔ چیمبری اور فرانسیسی سوائے کا بقیہ حصہ، جرمانی جانب میں لینداو اور سارلائیس اور بلجیمی سرحد پر فلپی ولی اور بعض دوسرے مقامات ان اقطاع کی طور پر متعین کر دیئے گئے، جن کو حوالہ کرنا تھا۔ لویس ہیز دہم کو متحالف حکومتوں کی قرار داد سے ستمبر کے آخر کے قریب مطلع کیا گیا۔ جزئیات کے مراسلات دو مہینے اور چلتے رہے، ادھر خود فرانس میں وزارت کا تغیر ہو گیا اور قطعی صورت میں معاہدہ صلح پر (جو پیرس کے معاہدہ ثانی کے نام سے مشہور ہے) ۲۰ نومبر تک دستخط نہ ہو سکے۔ فرانس مملکت کے زیادہ نقصان کے بغیر بچ نکلا لیکن اسے تاوان ادا کرنے پر مجبور کیا گیا جو کل چار کروڑ یا زائد کے قریب تھا، اور اس امر پر راضی ہونا پڑا کہ اس کے شمالی صوبوں پر ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کی ایک متحالف فوج قابض رہے جس کی میعاد پانچ برس سے زائد نہ ہو اور اس قبضہ کے اخراجات فرانس خود اپنی جیب سے ادا کرے۔ فنون لطیفہ کے جو کام دوسری قوموں سے لئے گئے تھے اور جنھیں ۱۸۱۴ء میں حلفا نے فرانس کو اپنے وہاں رکھنے کی اجازت دیدی تھی، وہ پہلے ہی ان کے جائز مالکوں کو واپس دئے جا چکے تھے۔ ۱۸۱۵ء میں فاتحین کے کسی فعل نے اس سے زیادہ ناگوارا اور اس سے زیادہ بے وجہ شکایت نہیں پیدا کی۔ حلفا کے پیرس میں داخل ہونے اور صلح کی قطعی توکید کے درمیان ایک ایسے معاہدے پر دستخط ہوئے جس نے اپنی حقیقی بے اہمیت کے مقابلہ میں عجیب و غریب شہرت و وقعت حاصل کر لی ہے۔ ۱۸۱۲ء کے ہولناک واقعات کے بعد سے زار کی طبیعت پر

معاہدہ معاقدہ متقدس ۲۶ ستمبر

بہت گہرا مذہبی رنگ چڑھ گیا تھا۔ اس کی خانگی زندگی ویسی ہی اوباشانہ رہی جیسے پہلے تھی مگر اس کے استغراق مذہبی کی طمانینت خود اس استغراق اور صوفیت اور دوسروں کے تصنعات سے بہت خوبی کے ساتھ ہو جاتی تھی، لیکن یہ استغراق اگرچہ متعدد کمزوریوں کے غل وغش سے ملوث تھا، پھر بھی وہ سچا ضرور تھا، اور اگر نظر کے دوسرے حسیات کی طرح یہ بھی بالطبع ایسی شکلوں میں اپنا ظہور چاہتا تھا جو قوی تر طبایع کے نزدیک بالکل تماشہ

معلوم ہو۔ الگزنڈر نے ۱۸۱۴ء میں سفارتی فوجی کامیابیوں کے دقفہ میں مذہب کی اطاعت شعاری کے بہت سے کام علانیہ انجام دئے تھے، اب پیرس کے دوسرے قبضہ کے بعد اس نے مذہبی و سیاسی عقیدے کا ایک اعتراف تیار کیا جس میں بخیال خود اس نے ان اعلیٰ اصولوں کو مدون کیا تھا جن کے بموجب یورپ کے فرمانروا، نپولین کی ناپاکیوں سے نجات پاکر، آئندہ روئے زمین پر امن و نکوکاری کی حکومت قائم رکھیں[1]۔ یہ دستاویز جو ایک مذہبی برادری کے اقرارنامہ کے مشابہ تھی "معاقدہ مقدس" کے معاہدہ کا مسودہ تھی۔ یہ قرارداد، جس کی پابندی ایمان پر عائد ہوتی تھی، صرف فرمانرواؤں کے لحاظ کرنے کے لئے تھی، ان کے وزرا اس کے پابند نہ تھے، اور کہا جاتا ہے کہ اسے شہنشاہ فرنسس اور شاہ فریڈرک ولیم کے سامنے پیش کرتے وقت زار نے بڑی ہی راز داری کی شان سے کام لیا۔ شاہ پرشیا ایک متقی شخص تھا اس نے واقعی دل سے اس معاہدے پر دستخط کر دیے مگر شہنشاہ فرنسس میں عملی مذاق موجود تھا، اس نے کہا کہ اگر اس کاغذ کا تعلق مذہب کے عقائد سے ہے تو وہ اسے اپنے اعتراف گناہ قبول کرنے والے قسیس کے سامنے پیش کرے گا اور اگر امور سلطنت سے اس کا تعلق ہے تو وہ اسے پرنس مٹرنک کے سامنے پیش کرے گا۔ اعتراف گناہ قبول کرنے والا پادری زار کی اس سیاسی انجیل کی بابت کیا خیال کرتا، یہ معلوم نہیں ہے، مگر وزیر نے جو رائے دی وہ ہمدردانہ رائے نہیں تھی۔ مسٹر ٹنک نے یہ کہا کہ "یہ ایک لغویت ہے" اور

---

[1] برطانی و غیر ملکی سرکاری کاغذات، ۱۸۱۵-۱۶ء۔ جلد دوم صفحہ ۲۱۱۔ دوسری دفعہ نہایت ہی خاص ہے:۔ "تینوں بادشاہوں کا یہ بیان ہے کہ مسیحی قوم کا جس سے خود ان کا اور ان کی رعایا کا تعلق ہے سوائے خدا کے اور کوئی مقتدر نہیں جس کے ہاتھ میں ساری قوت ہے۔ خدا سے مراد حضرت مسیح، اعلیٰ و ارفع ذات کا فعل uerbe اور کلمہ حیات ہے۔ تینوں بادشاہ اپنی رعایا سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں چاہئے کہ ان اصول پر پابندی سے عمل پیرا ہوں جن کی حضرت مسیح نے انسانوں کو تعلیم دی۔"

اس کے آقا نے بادل نخواستہ اس پر دستخط کر دئے۔ انگلستان کا معاملہ اور بھی بدتر ہوا۔ چونکہ شہزادہ متولی پیرس میں موجود نہیں تھا اس لئے الگزنڈر کو "معاقدہ مقدس" کے دفعات کاسلری کو سپرد کرنا پڑے۔ کاسلری کے لئے دنیا میں تمام چیزوں سے زیادہ ناقابل فہم شئے مذہبی جوش تھا۔ اس نے انگلستان کے وزیراعظم کو لکھا کہ "حقیقت یہ ہے کہ شہنشاہ کا دماغ پوری طرح صحیح نہیں ہے"[1] لیکن زار کی صحت دماغ اور خلل دماغ کی بحث سے علیحدہ ذمہ دار وزیر کے سوا شہزادہ متولی یا کسی دوسرے شخص کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ برطانیہ عظمیٰ کے نام سے کسی معاہدے پر دستخط کر دے خواہ اس سے کچھ مقصود ہو یا نہ ہو۔ کاسلری سخت حیرانی میں پڑ گیا۔ ایک جانب اسے یہ اندیشہ تھا کہ وہ ایک زبردست حلیف کو آزردہ کر دیگا۔ دوسری طرف وہ نظام سلطنت کے اشکال ظاہری کی خلاف ورزی کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ پس مصالحت باہمی کی ایک صورت نکالی گئی۔ معاقدہ مقدس کے معاہدہ کو شہزادہ متولی کے نام کے ثبت ہونے کا شرف تو نہیں حاصل ہوا مگر زار کو ایک خط موصول ہوا جس میں یہ مندرج تھا کہ مذہب و اخلاق کے اس امام اعظم (یعنی شہزادہ متولی) کو شخصی طور پر زار کے اصولوں سے موافقت ہے۔ اس کے بعد شاہان نیپلز و سارڈینیا کے دستخط ثبت ہوئے، اور وقت مقررہ پر مسخرہ و بندہ شکم لوئیس ہیژدہم اور دنی و ذلیل فرڈیننڈ (شاہ اسپین) کے ناموں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ صرف دو حکمرانوں کو اس معاقدے میں داخل ہونے کے لئے

---

[1] ۔ ولنگٹن، اتمامی مراسلات، جلد یازدہم صفحہ ۱۷۵۔ ہمہ گیر امن و صلح کے لئے زار کی تمنا و آرزو کے متعلق کاسلری نے جو کچھ بیان کیا ہے، اس سے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ عالم عیسوی کو متحد کرنے میں زار کا خیال ٹرکی پر حملہ کرنے کا تھا۔ کاسلری کے بیان کے بموجب مٹرنک کا بھی یہ خیال تھا کہ "یہ صاف عیاں ہے کہ زار کا دماغ متاثر ہو گیا ہے" مگر اس کی عجیب و غریب وجہ یہ دی گئی ہے کہ "اس کا تمام تر خیال امن و نکو خواہی پر مرکوز تھا اور حال میں اس نے اسے تمام مسائل پر دوستدار و معقول شخص پایا ہے" (ایضاً)۔ لیکن اس وقت ایک عام خیال یہ پھیلا ہوا تھا کہ الگزنڈر، عنقریب ترکی پر حملہ کیا چاہتا ہے۔ گنز، جلد اول صفحہ ۱۹۷۔

زار کی طرف سے دعوت نہیں دی گئی۔ ایک پوپ کو اور یہ اس وجہ سے کہ اسے عیسوی مذہب کے اندر ضرورت سے زائد اقتدار حاصل تھا، دوسرے سلطان کو کہ انھیں مطلقاً اس قسم کا کوئی اقتدار نہیں حاصل تھا۔

یہ ہے اس معاقدہ مقدس کے معاہدے کی تاریخ جس کی نسبت محفوظ طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ زار اور شاہ پرشیا کے سوا اس سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو بغیر مسکرائے ہوئے اس کا خیال کر سکتا۔ یہ عام یقین غلط ہے کہ یہ معاہدہ آزادانہ اصولوں کے خلاف ایک عظیم الشان شاہی اتحاد تھا کیونکہ اولاً تو ۱۸۱۵ء کے قبل اس قسم کا کوئی اتحاد موجود نہیں تھا اور دوئمش یہ کہ زار جو اس معاہدے کا بانی مبانی تھا وہ اس وقت میں خود اپنے ملک اور دوسرے ممالک میں حریت کا پرجوش دوست تھا۔ یہ ضرور ہے کہ دفعات کے بموجب جس ارتباط دول کا انتظام کیا گیا تھا، اس پر اسی دن دستخط ہوئے جس دن معاہدہ پیرس پر دستخط ہوئے مگر یہ ارتباط جس میں "معاقدۂ مقدس" کے برعکس انگلستان بھی شامل تھا، نپولین کو حصول اقتدار سے دائماً محروم رکھنے اور فرانس میں قائم شدہ حکومت کے بحال رکھنے کی نسبت تھا۔ حلفا نے یہ اقرار کیا تھا اگر انقلاب یا اغتصاب پھر فرانس کو تہ و بالا کرے اور دوسری سلطنتوں کے سکون میں مخل انداز ہو تو دول باتحاد یکدگر کارروائی کرینگے اور انھوں نے یہ بھی ذمہ لیا تھا کہ اگر افواج احتلال پر کسی قسم کا حملہ ہوگا تو وہ اپنی پوری قوت سے اس کی مقاومت کریں گے۔

دول اربعہ میں معاہدہ ۲۰ نومبر

نپولین کے خلاف جدوجہد سے یورپ میں ایک ساعت کے لیے جس قسم کا متفقی اتحاد پیدا ہوتا نظر آتا تھا، اور بعض اطراف میں اس کے قیام جدید کا جو یقین تھا، یہ دونوں امور اس معاہدہ اربعہ کی آخری دفعہ میں نہایت نمایاں طور پر ظاہر کیے گئے تھے۔ اس دفعہ میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ تین یا اس سے زائد برسوں کے اختتام پر ایک موتمر منعقد کرنے کے بعد چاروں دول عظمیٰ کے فرمانروا یا ان کے وزرا مقررہ وقفوں کے ساتھ اپنے اجلاس منعقد کرتے

رہیں گے اور جو امور قوموں کے سکون و خوشحالی اور بقائے امن یورپ کے تیقن کے لئے سب سے زیادہ موزون ہونگے' ان پر غور کریں گے۔

غرضکہ فرانس میں ۱۸۱۵ئ کے کام کا خاتمہ اس طرح پر ہوا کہ اس مفتوح قوم پر ناواجب سختی یقیناً نہیں ہوی مگر اس کے ساتھ ہی کسی قدر نقصان سے بھی وہ محفوظ نہیں رہی۔ اس اثنا میں وائنا کی موتمر میں تجدید جنگ کی وجہ سے خلل پڑ گیا تھا' مگر اس نے اپنے کاموں کو پھر شروع کر دیا اور انھیں تکمیل کو پہنچا دیا تھا۔ نپولین جب واپس آیا ہے اس وقت اول درجہ کی اہمیت کے مسائل میں سے

جرمانی متفقیت

ایک مسئلہ یعنی جرمانیہ کی متفقی تنظیم' باقی رہ گیا تھا۔ ۱۸۱۴ئ کے موسم بہار میں یہ کام ایک خاص جرمانی مجلس کو سپرد ہوا تھا' جس میں آسٹریا اور پرشیا اور تین چھوٹے درجہ کی سلطنتوں کے نمایندے شامل تھے لیکن مجلس کے پہلے ہی اجلاس میں یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ مسئلہ کس قدر دشوار طلب تھا' اور اکثر اطراف و جوانب میں اس کے حل کرنے کا میلان کس قدر کم تھا۔ جن مقاصد کے لئے اسٹین کے ایسے مدبرین ایک موثر متفقیت کے خواہاں تھے' وہ نہایت ہی عیاں و عملی مقاصد تھے۔ وہ اولاً یہ چاہتے تھے کہ جرمانیہ اس قابل ہو جائے کہ وہ غیر ملکی حملہ کے خلاف خود اپنی مدافعت کر سکے۔ ثانیاً یہ کہ نپولین نے جن چھوٹے درجہ کے حکمرانوں کو مطلق العنان بنا دیا تھا' ان کی رعایا کے لئے اب خودسرانہ جور و تعدی کے خلاف ضمانت ہو جائے۔ جرمانیہ کو فرانس کے ہاتھوں دوبارہ فتح ہو جانے سے محفوظ رکھنے کے لئے' یہ ضروری تھا کہ معاقدے کے چھوٹے بڑے ارکان اپنی جداگانہ فرمانروائی میں سے کچھ کچھ کم کریں اور ایک ایسا مرکزی اقتدار قائم کریں کہ جنگ و مصالحات کا حق تنہا اسی کو ہو۔ چھوٹے درجہ کے حکمرانوں کی رعایا کو اغیار کے ناواجب عمل سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ لازمی تھا کہ ہر ایک جرمانی سلطنت کے باشندوں کو بعض معینہ ملکی حقوق اور نیابتی حکومت کی کسی صورت کا تیقن دلا دیا جائے اور رعایا جب اپنے فرمانرواؤں کے خلاف التجا کرے تو مرکزی اقتدار ان حقوق وغیرہ کو بزور نافذ کر سکے۔ ایک وقت ایسا تھا جب جرمانی اتحاد کی

اس قسم کی کوئی شکل قریب الحصول معلوم ہوتی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب پرشیا نے نپولین کے ساتھ اپنی آخری کشمکش کا آغاز کیا تھا، اور زار کی فوج کا سپہ سالار فرانس کے جرمانی شاہان ماتحت کو ان کے تخت گاہوں سے ہٹا دینے کی دھمکی دے رہا تھا (فروری ۱۸۱۳ئ)، مگر اس وقت بھی کسی مدبر نے یہ اطمینان نہیں حاصل کیا تھا کہ پرشیا اور آسٹریا کسی متفقی حکومت کی اطاعت پر کس طرح سے متحد ہونگی اور جس وقت سے آسٹریا نے ماتحت حکمرانوں سے شرائط طے کئے، اس وقت سے جرمانیہ کے مرکز میں کسی حقیقی موثر اتحاد کے قائم کرنے کی بہت کم کوئی امید باقی رہ گئی۔ اسٹین نے وائنا کے موتمر میں ایک مرتبہ پھر یہ تجویز کی کہ شہنشاہ کا لقب اور اس کا مدتوں کا گم شدہ اقتدار بحال کر دیا جائے۔ مگر اس کی جرمانی اتحاد کی تجویزوں کو ترقی دینے کی طرف مٹرنک نے مطلق کسی قسم کا میلان نہیں ظاہر کیا، اور ادھر چھوٹے درجہ کے بعض حکمرانوں نے اپنی رعایا پر اپنی فرمانروائی میں ایک شمہ برابر کمی سے بھی صاف انکار کر دیا۔ کسی متفقی سلطنت کے قایم کرنے کی راہ میں مشکلات بہت تھے اور غالباً ناقابل حل مشکلات تھے، جو مدبرین اس کے لئے بے چین تھے ان کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اور جو اغراض ومقاصد اس کے خلاف تھے وہ تقریباً عام تھے۔ اسٹین نے یہ دیکھ لیا کہ یہ کام بے بنیاد ہوگا اور اس لئے اس کے انجام کے قبل ہی اس سے علٰحدہ ہوگیا۔ قانون متفقیت[له] جس پر ۸ جون کو دستخط ہوئے اس کے بموجب ایک متفقی ڈایٹ قائم کی گئی، ارکان معاقدے کے لئے اغراض مشترک کے خلاف محالفے کرنا ممنوع قرار پایا، اور یہ اعلان کیا گیا کہ ہر سلطنت میں نظام سلطنت قایم کر دیا جائے گا، مگر اس نے مختلف حکمرانوں کو عملاً معاقدے سے آزاد چھوڑ دیا۔ اس نے ڈائٹ کے ارکان کی نامزدگی بالکلیہ حکومتوں کے ہاتھ میں دیدی، اس میں عمومی انتخاب کا ایک شائبہ بھی نہیں رکھا اور اس میں کوئی ایسی شرط نہیں شامل کی گئی کہ کسی انفرادی سلطنت کا فرمانروا آئینی حکومت

له۔ کلوبر، جلد دوم صفحہ ۵۹۸۔

کے اصول سے انحراف کرنا چاہے تو اس اصول کو نافذ کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ آیا یہ متفقہ فرانس یا روس کے حملہ کی صورت میں جرمانیہ کو کسی حد تک محفوظ رکھتی یہ صرف تصور و تخیل کا معاملہ ہے، کیونکہ ۱۸۱۵ئہ کے بعد سے ایک طولانی زمانہ امن کا قائم رہا مگر چھوٹے درجہ کی سلطنتوں کے لئے آزادی کا تیقن کرنے کے بجائے یہ ڈائٹ جو اور ہر ایک مقصد کے لئے بیکار تھی، ہر ٹرنک کے ہاتھ میں آزادانہ رائے کی دارو گیر اور مطابع کی آزادی کے دبانے کے لئے ایک آلہ بن گئی۔ حسب معمول جرمانی معاملات کا تصفیہ سب سے آخر میں ہوا، اور جب آخرالامر یہ معاملات طے پا گئے تو موتمر نے اپنی قرار دادوں کے تمام مجموعے کو ایک عظیم اختتامی قانون میں مدون کیا[1] جس میں ایک سو اکیس دفعات تھے، اور جنگ واٹرلو کے واقع ہونے سے چند روز قبل اس پر دستخط ہوئے

موتمر کا اختتامی قانون ۱۰ ار جون

تھے۔ یہ قانون اور اس کے ساتھ پیرس کا معاہدہ ثانی دونوں ملکر وہ قانون عامہ بن گئے جنھیں لیکر یورپ ربع صدی کی جنگ سے باہر آیا اور ایک ایسے دور میں داخل ہوا جو تمام توقعات کے خلاف ایک طویل المدت امن کا زمانہ ثابت ہوا۔ دو زمانوں کی حد فاصل پر واقع ہونے کے سبب سے وائنا کی یہ توضیع قانون" تاریخ میں ایک نشان راہ بن گئی ہے۔ موتمر کے انتظامات پر بعض وقت اس طرح سے تنقید کی گئی ہے گویا وہ فلسفیوں کی کوئی جمعیت تھی جو صرف اس خیال پر جمی ہوئی تھی کہ بنی نوع انسان کی ترقی کو آگے بڑھائے اور اسے ایسی قوت حاصل تھی کہ یورپ کی ہر ایک حکومت کے خود غرضانہ محرکات کو فرد کر دے۔ حقیقت میں موتمر ایک ایسا اکھاڑا تھی جہاں قومی و خاندانی اغراض ہر ایسے ذریعہ سے جس سے واقعی جنگ کی نوبت نہ آجائے، اپنے اطمینان کے لئے کشاکش کر رہے تھے۔ یہ دریافت کرنا کہ یورپ کے لئے جو کچھ کرنا ممکن تھا آیا موتمر نے ان سب کی تکمیل کر دی تھی، یہ بمنزلہ اس دریافت کے ہے کہ آیا اس وقت

[1] کلوبر، جلد ششم صفحہ ۱۲، مع ضمیمہ جات کے۔ یہ ۲۰۵ صفحات پر حاوی ہے۔

میں حکومتیں خود اپنی حرص و ہوس اور اپنے منافع کے مواقع کو بھول گئی تھیں اور صرف بنی نوع انسان کی بہبود کا خیال کرتی تھیں۔ روس بغیر جنگ پولینڈ سے دست بردار نہ ہوتا اور آسٹریا بھی جنگ کے بغیر وینس اور لمبارڈی کو نہ چھوڑتی۔ ۱۸۱۴-۱۵ء کی وہ واحد کارروائیاں جن میں فی الواقع مفادِ عام حاوی مقصد تھا وہ صرف وہ کارروائیاں تھیں جو ان سلطنتوں کو تقویت دینے کے لئے اختیار کی گئی تھیں جو براہِ راست فرانس کے حملہ کے لئے روا تھیں یا جن سے یہ امید تھی کہ خود فرانس نئے تصادمات کے پیدا ہونے سے بچ جائے گا۔ ہالینڈ اور بلجیم کا اتحاد اور جنیوا کی جمہوریت کا سارڈینیا کے ساتھ الحاق وہ ذرائع تھے جو سابق الذکر مقصد کے لئے اختیار کئے گئے تھے۔ ثانی الذکر مقصد کے لئے السانس و لورین پر تمام دعاوی کا ترک کرنا تھا۔ یہ وہ کارروائیاں تھیں جنھیں ۱۸۱۴-۱۵ء کے مدبرین آزادانہ عمل میں لائے اور اس سے ان کی پیش بینی کا مناسب طور پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہالینڈ کے ساتھ بلجیم کے الحاق کے متعلق یہ کہنا حد سے متجاوز ہونا نہیں ہے کہ اگرچہ یہ تجویز پٹ نے نکالی تھی اور بعد کی ہر ایک وزارت نے اسے پٹ کے نہایت ہی عاقلانہ تجاویز میں سے ایک تجویز سمجھ کر اسے قائم رکھا تھا مگر یہ بالکل ہی بے کار اور غیر موزون تھی۔ پندرہ برس تک مغربی یورپ کا سکون بے میل قوموں کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ دینے سے نہیں بلکہ جنگ سے بچنے کی عام خواہش کی وجہ سے قائم رہا، اور جب فرانس نے قرار واقعی طور پر ہالینڈ سے بلجیم کی آزادی کا مطالبہ کیا تو یہ مطالبہ معاً منظور کرنا پڑا۔ یہ بھی یقین نہیں آ سکتا کہ اگر جنگ دوبارہ برپا ہو جاتی تو جنیوا کی مخالف و بددل آبادی کو پڈمانٹ کی بادشاہی کے ساتھ ملا دینے سے یہ بادشاہی حملہ سے بچ جاتی۔ درحقیقت جنیوا کا الحاق نتائج کے اعتبار سے حاصل خیز رہا مگر یہ نتائج وہ نہیں تھے جن کی پیش بینی پٹ اور اس کے جانشینوں نے کی تھی۔ اس الحاق کا مقصود یہ تھا کہ فرانس کی مقاومت کے لئے خاندان سیوائے کو تقویت حاصل ہو جائے[1] اس سے خاندان سیوائے کو تقویت

---

[1] انگلستان اور آسٹریا کے درمیان ۱۴ر جون ۱۸۱۵ء کے معاہدے کے خفیہ دفعات کے

ضرور حاصل ہوئی مگر یہ تقویت آسٹریا کے مقابلہ میں اطالیہ کا مرد میدان نکر ہوئی۔ اس الحاق کا مقصود یہ تھا کہ جنیوا کے کثیر التجارت شہر کو فرانسیسی عمومیت کے اثرات سے علیحدہ کر لیا جائے، مگر درحقیقت اس سے خود پڈمانٹ کی سلطنت میں بدعت کا ایک قوی اثر داخل ہوگیا جس سے ایک طرف اس کی حکومت میں زیادہ دلیرانہ اور زیادہ قوی جذبہ پیدا ہوگیا اور دوسری طرف جنیوا کے مزہبی کے ایسے افراد کو (جو اب کسی آزاد جمہوریت کے باشندے بننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے تھے) متحدہ اطالیہ کے تصور کے درجہ عالی پر بلند کر دیا۔ جنیوا کی قدیم آزادی کو قربان کرنے سے موتمر نے خود نادانستہ طور پر تغیرات کے اس سلسلہ کا آغاز کر دیا ہے جس سے مٹرنک کا یہ مشہور مقولہ باطل ہو جانے والا تھا کہ اطالیہ محض ایک جغرافی سمجھے ہے۔

لیکن اگر بلجیم اور پڈمانٹ کے معاملات میں ۱۸۱۵-۱۸۱۴ء کی حکمت عملی سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدبرین کا ایک معمولی درجہ کا اجتماع مستقبل کا حال کس قدر کم دیکھ سکتا ہے، تو اس کے ساتھ ہی اس حکمت عملی سے جس نے جنگ واٹرلو کے باوجود، فرانس کو بلاکم وکاست اس کی مملکت پر قابض رہنے دیا، ان لوگوں کی پیش بینی پر کوئی عیب نہیں لگتا، اور ولنگٹن کے عدل وتحمل کو بالیقین اس سے برترین اعزاز حاصل ہوتا ہے جس کے مشوروں نے پلہ پھیر دیا تھا۔ اس قرار داد کی دانائی کے متعلق فی الواقع اکثر نیں وقال ہوئی ہے۔ جرمانی مدبرین اس وقت بھی یہی رائے رکھتے تھے اور اس کے بعد سے برابر یہی رائے رکھتے آئے ہیں کہ فرانس کو ہمیشہ کے لئے اس کے آلات حملہ آوری سے غیر مسلح کر دینے کا موقع بے کار ضائع کر دیا گیا۔ سرحدی قلعوں کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ پہلے مسودے میں، جنیوا آسٹریا کو ملنے والا تھا (ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۵۰) مگر اس اندیشہ کے پیدا ہو جانے سے کہ روس، بحر متوسط کی طرف آسٹریا کی وسعت کو روا نہ رکھے گا، ترمیم کر دی گئی جس کے بموجب آسٹریا سے نصف پڈمانٹ کا وعدہ کیا گیا اور اس کے معاوضہ میں جنیوا استاہ سارڈینیا کی طرف منتقل کیا گیا۔

الحاق کے متعلق جب ہارڈ ہنرگ کے دلائل کی شنوائی نہیں ہوئی تو اس نے پیشین گوئی کی کہ آئندہ السابس ولورین کی فتح کے لئے خون کی ندیاں بہ جائیں گی، اور اس کی یہ پیشین گوئی پوری ہوکر رہی لیکن ہارڈ ہنرگ اگر یہ جان سکا کہ آئندہ کی کشمکش عظیم سے قبل پچپن برس کا صلح کا زمانہ گزر جائے گا تو شاید اس سے زیادہ کسی اور شخص کو اس پر حیرت نہ ہوئی۔ جب پرشیا کے میٹز اور اسٹراسبرگ کے حاصل کر لینے پر بھی وہی زمانہ گزر جائے گا اس وقت یہ موقع ہوگا کہ ۱۸۱۵ء کے انتظام کو اس طرح ملعون قرار دیا جائے کہ اس میں آئندہ کی لڑائیوں کے جراثیم موجود تھے۔ اس وقت تک اس انتظام کے اثرات کو یہ حق حاصل ہے کہ انھیں صلح کا برقرار رکھنے والا تسلیم کیا جائے۔ اس امر سے انکار کرنا غیر ممکن ہے کہ ۱۸۱۵ء میں فرانس کی کل مملکت کو اس کے ہاتھ میں چھوڑ دینے سے حلفائے یہ پہلو بچا لیا کہ ایک پرجوش وہنوز نہایت ہی طاقتور قوم پر علامات شکست میں سے سب سے زیادہ تکلیف دہ علامت کا داغ لگا دیتے۔ بلجیم اور سرحد راین کا نقصان آئندہ تیس برس تک بہت کافی شدت کے ساتھ محسوس ہوتا رہا، اور فرانسیسی قوم کے ہر لمحہ جنگ میں کود پڑنے کے لئے تیار رہنے میں اس کا بھی اثر کچھ کم نہ تھا۔ اگر جنگ کے دوسرے محرکات کے ساتھ فرانس کے دو نہایت ہی گراں قدر صوبوں کے نقصان کا بھی اضافہ ہو جاتا تو معلوم نہیں جنگ کا شور کس قدر زیادہ قوی اور اسے روکنے کا کام کس قدر زیادہ مایوس کن ہو جاتا۔ اس کے بغیر بھی خطرہ بہت کافی تھا۔ آئندہ تیس برس میں کم از کم تین مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ قیام صلح کے خلاف پلہ جھک رہا ہے۔ جب باربن کا سقوط ہوا ہے اس وقت فرانس وروس کے درمیان ایک جارحانہ معاہدہ نظر کے سامنے تھا، لوئیس فلپ کے اولین برسوں میں کوئی کسر اس میں باقی نہ رہ گئی تھی کہ انقلابی فریق بلجیم اور اطالیہ کے لئے فرانس کو سرکے بل جنگ میں ڈھکیل دے۔ دس برس بعد شام کے بعیدی معاملات پر مخاصمات کا برپا ہو جانا صرف اس طرح رکا کہ وزارت برطرف کر دی گئی۔ اگر اس وقت میں السابس اور لورین غیر متحدہ جرمانیہ کے ہاتھ میں ہوتے، تو یہ یقین کرنا دشوار ہے کہ خاندان باربن کا تخت

الٹ نہ دیا گیا ہوتا، یا یہ کہ وہ عمومی جنگ سے اپنے زوال کو الٹ نہ دیتا، یا یہ کہ جنگی
فریق پر لوئیس فلپ کی کامیابی جو اس وقت بھی دشوار تھی جب کسی فرانسیسی زمین کا
دوبارہ فتح کرنا نہیں تھا، بالکل ناممکن ہو جاتی۔ درحقیقت وہ وقت آگیا جب
ایک نئے بونا پارٹ نے ان وسائل کو جنھیں یورپ نے بے گزند اس کے
ملک میں بحال رہنے دیا تھا، تداول و تعدی کے مبارزات میں مبدل کر دیا،
لیکن یہ فرض کرنا کہ ۱۸۱۵ء میں مجوزہ جوالگی فرانس کو اس قابل نہ رکھتی کہ نصف صدی
بعد وہ تنہا یا اپنے حلیفوں کے ساتھ کچھ حرکت کر سکتا، یہ ایک مشتبہ معاملہ پر قطعی
ظن کا قائم کرنا ہے، اور ۱۸۱۵ء کے بعد جرمانیہ جس حالت میں رہی اس کے
لحاظ سے جس طرح یہ ممکن تھا کہ یورپ میں واقعی جس زمانہ تک امن قائم رہا
اس سے اور زیادہ مدت تک یہ امن قائم رہتا، اسی طرح یہ بھی اغلب تھا
کہ السیس و لورین کا الحاق اس جانب منجر ہوتا کہ فرانس صوبجات رائن کو دوبارہ
فتح کرے، یا پرشیا اور آسٹریا میں جنگ چھڑ جائے۔

بردہ فروشی کی منسوخی کے متعلق موتمر میں انگریزوں کے مساعی

موتمر وائنا پر جن مسائل کا زور دیا گیا تھا، ان میں ایک مسئلہ ایسا تھا جس
میں قومی اغراض کی پیروی اور حکمت عملی کے حساب کتاب کو دخل نہیں تھا،
وہ مسئلہ افریقہ کی بردہ فروشی کا منسوخ کرنا تھا۔ برطانی فوج نے یورپ کے
معاملہ میں بیس برس تک سرگرم کار رہنے کے بعد، اپنے حلفاء سے کسی شے کے
طلب کرنے کا بہت معقول حق حاصل کر لیا تھا، اور یہ قوم نپولین کے شخصی زوال
کے ایک معاملہ کو چھوڑ کر یورپی معاملات کی حد وسعت
میں غالباً اس مسئلہ سے زیادہ گہری اہمیت کسی اور مسئلہ کے
ساتھ وابستہ نہیں کرتی تھی۔ ۱۸۱۴ء کی پارلیمنٹ میں
دلبرفورس کی ظفر مندی اور انگریزی بردہ فروشی کی
معدومیت کے بعد قوم اس قابل نفرت ظلم کو جسے اسنے
خود بہت دنوں تک روا رکھا تھا، جس غیظ و غضب
سے دیکھتی تھی وہ یوماً فیوماً زیادہ شدید و وسیع ہوتا جاتا تھا۔ ۱۸۱۴ء تک
رائے عامہ کے اظہارات اس قدر بلند و قوی ہو گئے تھے کہ حکومت اگرچہ

خود جوش سے مبرا تھی مگر اسے مجبور ہونا پڑا کہ وہ اپنے مطالبات میں بردہ فروشی کی بین الاقوامی ممانعت کو سب سے مقدم جگہ دے۔ برِاعظم میں ایسے سادہ دل مدبرین بھی موجود تھے جو یہ یقین کرتے تھے کہ قوم کے قلب و ایمان کا یہ شور محض تجارتی ریاکاری کا ایک شائبہ تھا۔ ٹیلر ینڈ کی دور بینی اس سے بہت مغائر تھی مگر اُسے بھی اس معاملہ میں دوسروں کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہمدردی نہیں تھی، اس نے انگریزی قوم کی اس حالت کی نسبت یہ کہا کہ یہ ایک طرح کا سودا ہے۔[1] غیر ملکی درباروں میں اس سے پہلے ہی اس بارے میں کچھ نہ کچھ ہو چکا تھا۔ سویڈن سے ۱۸۱۳ء میں بردہ فروشی کی ممانعت کرا دی گئی تھی اور ہالینڈ سے اس کے دوسرے سال میں۔ فرانس نے پہلے معاہدہ پیرس میں یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس تجارت کو پانچ برس کے اندر مسدود کر دیگا۔ صرف ایک اسپین بےقید رہ گیا اور یہ امر درحقیقت ناقابلِ برداشت تھا کہ انگریز غلام رکھنے والے اپنے اس قابلِ ملامت منافع کے ترک پر صرف اس لئے مجبور کیئے جائیں کہ وہ منافع شاہ فرڈینڈ کی رعایا کے ہاتھوں میں آ جائیں۔ یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ اسپین کی نوآبادیوں میں جتنے غلام موجود تھے، وہاں ان سے زیادہ کی ضرورت تھی، مگر بہر نوع اسپین کے پاس یہ عذر نہیں تھا کہ اس سے تجارت کی ایک پرانی اور نفع بخش شاخ سے دست بردار ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ غلاموں کی تجارت اسپین کے قبضہ میں جو کچھ بھی آ گئی تھی، صرف انگریزی بردہ فروشی کی منسوخی کی وجہ سے تھی۔ ۱۸۰۸ء کے قبل، ایک صدی سے کوئی اسپینی جہاز ساحل افریقہ پر نہیں دیکھا گیا تھا، بجز ۱۷۹۸ء کے ایک جہاز کے جسے گدارائے نے ترتیب دیا تھا۔[2] فرانسیسی تجارت کا معاملہ یہ ہوا کہ سینیگال اور گوری کے قبضہ کی وجہ سے وہ تجارت ساقط ہو گئی تھی اور راس بلینکو سے راس فارموسا تک دو ہزار میل کے ساحل بحر بردم و لحم کی ملعون تجارت

---

[1] ۔ ٹیلر ینڈ، صفحہ ۲۷۷۔
[2] ۔ برطانی و غیر ملکی سرکاری کاغذات، ۱۸۱۵-۱۶ء، صفحہ ۹۲۰۔

کے بجائے' دیسیوں کے ساتھ جائز تجارت بتدریج پیدا ہوتی جاتی تھی انگریزی قوم کو توقع یہ تھی کہ کاسلری ان تمام دول سے جو دائنا میں جمع ہوئے ہیں' بردہ فروشی کی عام و فوری ممانعت حاصل کر لیگا. سفیر نے استقلال سے کام لینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی گر وہ اس نتیجہ کے حاصل کرنے سے قاصر رہا. فرانس اگرچہ اور جلکھوں میں کسی قدر تاخیر کا خواستگار تھا گر پرتگال کے مانند اس خط کے شمال میں اس تجارت کی فوری منسوخی پر اس نے آمادگی کا اظہار کیا. لیکن جس حکومت پر انگلستان کو سب سے زیادہ دعویٰ تھا یعنی حکومت اسپین' اس نے اس قید کے قبول کرنے یا آٹھ برس کے اختتام کے قبل آخری ممانعت کی پابندی کرنے سے قطعاً انکار کر دیا. کاسلری نے اس وقت یہ تجویز کی کہ لندن اور پیرس میں سفرا کی ایک مجلس کو یہ بین الاقوامی فرض سپرد کیا جائے کہ وہ بعجلت تمام بردہ فروشی کو ختم کرا دیں' اس باب میں کاسلری کو جو کارروائی مدنظر تھی وہ یہ تھی کہ غلاموں کی تجارت کرنے والی سلطنتوں کو سزا یہ دی جائے کہ ان کے برآمد مال کا عام اخراج کر دیا جائے. اسپین اور پرتگال نے اس کے خلاف باضابطہ تعرض کیا اس تہدید کو قریب قریب جنگ کے مساوی قرار دیا. یہ تجویز ساقط کر دی گئی اور انگلستان کے سفیر کو صرف اس پر قناعت کرنا پڑی کہ وہ بردہ فروشی پر موتمر سے ایک موقر ملامت حاصل کرلے کہ یہ تجارت اصول تمدن اور حق انسانی کے منافی ہے. (فروری ۱۸۱۵ء)

نپولین کے البا سے واپس آجانے کی وجہ سے اس کام کا ایک قدم اور آگے بڑھ گیا. نپولین انگریزوں کی بے صبری کو سمجھتا تھا اور اس کا یقین یہ تھا کہ وہ اس قوم کی دوستی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں کر سکتا کہ موتمر کے موقع پر ٹلیرینڈ نے جو قیود قائم رکھی ہیں انھیں برطرف کر دے' اور فرانسیسی بردہ فروشی کو فوراً ہی اور ہمیشہ کے لئے منسوخ کر دے. یہ کام مکمل ہوگیا. اور انگلستان کا بارن حلیف اپنی دوسری بحالی کے بعد اس کام کو پلٹ نہیں سکتا تھا جسے غاصب نے انجام دیدیا تھا. صرف اسپین اور پرتگال نے

اس تجارت کو جاری رکھا جسے یورپ کی متفقہ آواز نے معیوب و مذموم قرار دیدیا تھا، اسپین نے اس تجارت کو بلا کسی قید کے جاری رکھا اور پرتگال نے اسے اس خط کے صرف جنوب جانب محدود رکھا۔ ان ملکوں کی حکومتوں نے اپنے حق بجانب ہونے کے متعلق دعویٰ یہ کیا کہ خود برطانیہ عظمیٰ نے اس وقت تک اس امتناعی قانون کے منظور ہونے کی مقاومت کی جب تک کہ اس کی نوآبادیوں میں غلام اس سے زیادہ مہیا نہ ہو گئے جتنے اس کے رقیبوں کی آبادی میں اس وقت ہیں۔ یہ سچ تھا گر کل سچ بھی نہیں تھا۔ اس باب میں رائے کامل کا حال اس وقت تک نہیں معلوم ہوا، اور انگریزوں کے احساس کی صداقت کی قدر اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ بیس برس بعد قوم نے اپنی دولت کا ایک حصہ اس غرض کے لیے وقف نہ کر دیا کہ غلاموں کو رقیت سے خلاصی دلائے اور غلام رکھنے کی اہانت کو انگریزی قوم سے محو کر دے۔ ۱۸۳۳ء کے "آزادی غرب الہند" کے لحاظ سے جب دیکھا جائے تو اسپینون کا انگریزی تاریخ کا حوالہ دینا بالکل مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے مگر انگلستان میں انصاف کے حامیوں کو جتنی مدت تک مخالفت کا سامنا رہا اسے یاد کر کے ان ملکوں کی لعنت ملامت میں ہمیں کسی قدر نرمی سے کام لینا چاہیے جو اب تک ایک ناقص مقصد کی حمایت کر رہے تھے۔ یہ روش خود ہم پر ذیر میں ظاہر ہوئی۔ جو تاریکی ابھی دوسری جگہوں میں چھائی ہوئی تھی وہ بہت دنوں تک خود ہم پر بھی طاری رہ چکی تھی۔

۱۸۱۵ء کے بعد ارتباط یورپ۔ غیر ملکی حکمت عملی کے متعلق اگزیڈرا
مسٹرنک، اور انگریزی وزارت کے جذبات۔ المالیہ میں مٹرنک کی کارروائی
اور سسلی و اسپین میں انگلستان کی کارروائی۔ فرانس میں رجعت قہقری۔ رشلو
اور جدید ایوان نے کا قتل۔ قید اور دارو گیر۔ پارلیمنٹ میں حد سے بڑھے
ہوئے شاہ پرستوں کا طرز عمل۔ مسودہ انتخاب اور موازنہ پر مناقشات۔
ایوان کا التوا۔ معاملہ گرینویل، ایوان کی برطرفی۔ انتخابی قانون اور ۱۸۱۸ء
کی مالی قرارداد۔ یورپ میں عام طور پر صلح کے اولین برسوں کے خصوصیات۔
پرشیا میں ایک نظام سلطنت کا وعدہ۔ مطلق العنانی و امتیاز کے جانبداروں
کی طرف سے ہارڈنبرگ کی مخالفت۔ شمالز کا رسالہ عام جرمانیہ میں آئینی
اصلاح میں تاخیر۔ وارٹبرگ کی تقریب رجعت قہقری کی ترقی۔ زار
کا اب سخت گیری کی طرف مائل ہونا۔ ایک لاشیپل کی موتمر۔ فرانس کا تخلیہ
یورپ میں مٹرنک کا ترقی پذیر اثر۔ پرشیا کے متعلق اس کی کارروائی۔
کوٹزیبو کا قتل۔ کارلسباڈ کی دستاویز اور جرمانیہ میں سخت گیری کی کارروائیاں
رشلو اور ڈکاز۔ ڈیوک بری کا قتل۔ فرانس میں رجعت قہقری کی ترقی۔

تقریباً بیس برس کے لئے بوناپارٹ کی زندگانی نے، یورپی تاریخ کو ایک ایسا اتحاد مقصد عطا کر دیا تھا جو ایک واحد زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس کی زبردست شخصیت کے فنا ہوتے ہی یہ اتحاد معاً معدوم نہیں ہو گیا۔ یورپ کی طاقتیں مشترک جد و جہد میں ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر قریبی طور پر مل گئی تھیں اور نئے قائم شدہ نظم کو برقرار رکھنے میں ان کے اغراض کا اس قدر گہرا تعلق تھا کہ یہ حکومتیں غیر ملکی معاملات سے نکل جانے کا خیال نہیں کر سکتی تھیں اور نہ قومی حکمت عملی کے چشمے دفعتاً مختلف سمتوں پر رواں ہو سکتے تھے۔ متحدہ فوج برابر فرانس پر قابض تھی، بار بن خاندان کی حمایت کرنا عام یورپ کا مقصد ظاہر کر دیا گیا تھا، جن شرائط کے تحت میں فوج احتلال کی تعداد گھٹائی جا سکتی تھی یا احتلال کا زمانہ کم کیا جا سکتا تھا، ان کا مقرر کرنا خود حلفا پر منحصر تھا۔ پس اس طرح فرانس عام یورپی غور و فکر کا موضوع

فرانس سے متعلق یورپ کا ارتباط

بن گیا تھا، پیرس میں ایک بین الاقوامی کونسل (مجلس) قائم کی گئی جو چاروں دول عظمیٰ کے سفیروں پر مشتمل تھی۔ صلح کے موکد ہو جانے کے بعد اب پہلی مرتبہ اتحاد کی شکل کو قائم رکھا گیا تھا۔ لوئیس ہیزدہم کی حکومت کے نام مراسلات مجتمعۃً تمام طاقتوں کے نام سے بھیجے جاتے تھے۔ سفرا کی کونسل (مجلس) معینہ وقفوں کے بعد جمع ہوتی تھی اور اس میں نہ صرف فوج احتلال اور ادائی تاوان سے متعلق کارروائی عمل میں آتی تھی بلکہ فرانسیسی حکومت کی خانگی حکمت عملی اور جمعیت اور قوم کے اندر فریقوں کی حالت اور سیاسی رائے کے علامات پر بھی بحث ہوتی تھی۔

بحال شدہ بار بن شاہی پر اس طرح نظر رکھنے میں، دربارہائے یورپ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرتے تھے جتنا کرنے کے وہ معاہدے کی رو سے پابند تھے، مگر صرف فیصلہ انگیز سفارتی معاملات کے لئے صرف پیرس ہی ایک میدان نہیں تھا، یورپ کے اکثر چھوٹے درجہ کے دارالصدر میں دول عظمیٰ میں سے

فرانس سے باہر دول کا عمل

ہر ایک کو اپنی کسی نہ کسی غرض کی پیروی کرنا تھی یا خود اپنے اصول حکومت کو جاری کرنا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تقلیب کا ایک دور شروع ہو گیا ہے۔ بہت سی سلطنتوں میں نظام سلطنت کے عطا کیے جانے کے وعدے ہوئے تھے، اور بعض میں نظام سلطنت قائم بھی ہو گئے تھے۔ اسپین اور سسلی میں وہ تیسرے مرحلہ پر پہنچ گئے تھے یعنی اب رد کیے جا رہے تھے۔ یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی کہ جو مدبرین یورپ میں نپولین کے اقتدار کے جانشین ہوئے تھے، وہ خود کو کمزور تر ہمسایوں کے معاملات سے بالکلیہ علیحدہ رکھیں گے، اور جب کہ قرب و جوار کی شورانگیزی سے خود انھیں خطرہ ہو تو پھر تو بہت ہی کم ایسا ہو سکتا تھا۔ ایک اعتبار سے برطانوی، آسٹروی اور روسی حکومتوں کے مقاصد یکساں تھے اور یکساں ہی رہے، وہ یہ کہ سب اس امر پر عزم بالجزم کیے ہوئے تھے کہ کسی قسم کی انقلابی تحریک کی ہمت افزائی نہ ہونے پائے۔ ۱۷۹۳ء کے تجربہ کے بموجب انقلاب کی نسبت یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ وہ جارحانہ جنگجوئی کے مرادف ہے۔ جیکوبین (انتہا پسند) لامذہبی، خلل انداز امن عامہ، یہ سب کے سب بین الاقوامی مجرمین کے ایک ہی گروہ کے مختلف نام تھے اگرچہ اس گروہ کا اصلی مولد و منشا فرانس تھا مگر وہ دوسرے ملکوں میں بھی بنی نوع انسان کے امن کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔ مضرت رسانی کے ان اشتعال انگیزوں کے خلاف تمام دربار ایک تھے۔

لیکن اس حد پر آ کر رشتۂ اتفاق ٹوٹ جاتا تھا، یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ انقلابی آشوب اور آئینی حریت کے انتقاع میں، ایک وسیع دقیقہ حائل ہوتا ہے اور سر برآوردہ طاقتوں کے مدبرین قوموں اور حکمرانوں کے صحیح تعلق فیمابین کی نسبت کسی نہج سے ایک سی رائے نہیں رکھتے تھے۔ ۱۸۱۵ء کے حکمرانوں میں نظریہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ آزاد خیال، شہنشاہ الگزنڈر تھا۔ ۱۸۱۵ء کے موسم بہار ہی میں وہ اعلان کر چکا تھا کہ امارت وارسا کی خود مختاری و قومیت "بادشاہی پولینڈ" کے نام سے بحال کر دی گئی، اور سال کے ختم ہونے سے قبل

اس نے اُسے ایک نظام سلطنت عطا کر دیا، جس کے موجب بعض نیابتی جمعیتیں قائم کی گئیں اور نئی بادشاہی کے لئے خود اسی کی فوج اور نظم ونسق کا انتظام کر دیا جس میں کوئی غیر پول داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ پولینڈ میں پارلیمنٹی زندگی کا اجرا سلسلہ اصلاحات کا وہ پہلا قدم تھا، جس کا دھندلا سا خاکہ الگزنڈر نے تیار کیا تھا، اور جس سے انجام کار میں خود روس کو ایک نظام سلطنت عطا ہو جاتا اور وہاں کے غلامان وابستہ اراضی آزاد ہو جاتے[1] چونکہ الگزنڈر کے سینہ میں خود اپنی قوم کے لئے اس قسم کی امیدیں جوش زن تھیں اور جب تک یہ امیدیں قائم رہیں وہ نہ صرف سچی تھیں بلکہ پر جوش بھی تھیں، اس لئے وہ دوسرے ممالک میں بھی آئینی حکومت کے معاملہ کا دوستدار رہتا تھا۔ زار کی غیر ملکی حکمت عملی میں بے غرضانہ محرکات کیساتھ حرص و ہوس بھی ملی ہوئی تھی۔ یہ غیر ممکن تھا کہ الگزنڈر اس معاقدے کو بھول جاتا جو ابھی اس قدر حال میں انگلستان اور آسٹریا نے اس کے خلاف قائم کیا تھا۔ وہ فرانس کو اپنی جانب رکھنے کے لئے مضطرب تھا، وہ اپنے اس اطمینان قلب کے ترک کرنے کی طرف بھی مائل نہیں تھا کہ اطالیہ میں قومی توقعات کی تائید کر کے آسٹریا کو کمزور کر دے[2] اور اسے یہ امید تھی کہ روس کو قوی شدہ اور افضل النظم اسپین کا حلیف بنا کر انگلستان کی بحری طاقت کا کچھ توڑ قائم کرلیگا۔ زار کے گماشتے اطالیہ اور جرمانیہ میں بھر گئے تھے مگر میڈرد سے زیادہ کسی شہر میں روسی سفیر سرگرم کار نہیں تھا۔ سپہ سالار تیشیف جو ۱۸۱۴ء میں اس عہدے پر مقرر ہوا تھا، سازشوں میں اپنی غیر معمولی مستعدکاری کی وجہ سے اپنے تمام رفقا اور لندن کے کابینہ کے لئے

---

[1] - برتھارڈی، جلد سوم ۲- ۱۰- ۶۶۶-

[2] - یہاں مختلف اقسام کے روسی گماشتوں کا سیلاب آگیا ہے جس میں سے بعض علانیہ ہیں اور بعض خفیہ مگر سب ایک ہی بولی بولتے ہیں اور سب "نظام سلطنت اور آزادانہ اصول" کا وعظ کہتے ہیں، اور یہ کوشش کرتے ہیں کہ آزادی پسندوں کی آنکھیں شمال کی جانب اٹھ جائیں ...... روسی سفیر کے نام جو ہدایات بھیجے گئے تھے ان کا ایک نسخہ آسٹریوں کے ہاتھ آگیا ہے۔" اے کورط، (سفیر متعینہ نیپلز) بنام کاسلری، ۷ر دسمبر ۱۸۱۵ء۔ دفاتر بستنلی، جلد ۴- ۱۰-

ایک ہولناک شخص بن گیا مگر اسپین کے داخلی معاملات کے لحاظ سے اس کا اثر مفید تھا، اور یہ اثر بحر متِ ان اصلاح کن وزیروں کی تائید میں صرف ہوتا تھا جنھیں شاہ فرڈینڈا اپنے ندیموں اور مرشدوں کے خوش کرنے کے لئے بزو دئے تمام معزول کر دیتا، اگر اس پر یہ خارجی دباؤ نہ ہوتا۔

آسٹریا کے حاوی الاقتدار وزیر پرنس مٹرنک کی نظر میں، الگزنڈر، کسی جیکوبین (انتہا پسند) سے کم نہ تھا۔ ۱۷۹۲ء کے بعد سے اگرچہ آسٹروی سلطنت کی سرحدیں پانچ مرتبہ بدلیں مگر وہ اندرونی تغیر کی ہر ایک تحریک سے نمایاں حد تک پاک رہی شہنشاہ فرینسس ترقی کے لئے مقاومت مجسم تھا۔ وزیر کی یہ بے نظیر حیثیت جس درجہ ۱۸۱۳ء کے شدید نازک موقع پر ماہرانہ تدبر دکھانے کی وجہ سے حاصل تھی، اس کے مقابلہ میں یہ وجہ بھی کچھ کم نہ تھی کہ وہ اپنے آقا کے جذبات و خیالات سے بھی موافقت رکھتا تھا۔ فرینسس، اگر کوئی صاحب ذہانت شخص نہیں تھا تو مٹرنک مضبوط اخلاق کا شخص ضرور تھا، اور ایک معقول مدت تک یہ دونوں اس میں کامیاب رہے کہ اپنی واضح العلامت آسٹروی حکمت عملی کا نقش یورپ پر جما دیں۔ ان کے اثر کو یہ قوت کسی بعیدی مبدا سے نہیں حاصل ہوئی تھی بلکہ اس کا باعث زیادہ تر یہ تھا کہ وہ ان تمام اصولوں سے جو خود ان کے اصول نہیں تھے مستقلاً بیزار تھے۔ مٹرنک نے اپنے نظم کو یکساں سادگی وقطعیت کے ساتھ بیان کر دیا تھا، کہ اس کی کوشش یہ ہے کہ نہ کوئی بدعت کی جائے اور نہ زمانہ گزشتہ کی طرف رجعت ہو بلکہ جو شے جہاں ہے وہیں قائم رکھی جائے۔ قدیم آسٹروی قلمرو میں ایسا کرنا کچھ دشوار نہیں تھا کیونکہ وہاں چیزوں میں حرکت کا میلان ہی نہیں تھا اور وہ خود ہی جہاں تھیں وہیں قائم تھیں[1] مگر باہر شمال وجنوب دونوں جانب وہ

---

[1] مٹرنک کے بعض بلند مرتبہ انگریز حامیوں نے اس کی اس استغالیت کے لئے ایک اعلیٰ وجہ قرار دی ہے، وہ یہ کہ اسے یہ خوف تھا کہ اگر قومیت کے خیالات پیدا ہو جائیں گے تو آسٹروی بادشاہی کے غیر جرمانی اجزا، یعنی بوہیمیا، ہنگری، کروشیا وغیرہ اس سے ٹوٹ کر خود مختار

خیالات اپنا کام کر رہے تھے جو مٹرنک کی رائے کے بموجب کبھی دنیا میں داخل ہی نہ ہونا چاہیے تھے مگر جب سوء اتفاق سے انھوں نے داخلہ حاصل کر لیا تو اب حکومتوں کا کام یہ تھا کہ تمام قابل الحصول ذرائع سے ان کے اثر کی مقاومت کریں۔ اسٹین اور پرشیاوی جنگ حریت کے دیگر سرگروہوں نے جرمانیہ کو قومی اتحاد، پارلیمنٹ، اور رائے عامہ کے ذریعہ سے سلطنت کے عاملانہ اختیارات کے تحرک کی امیدوں سے جوش دلا دیا تھا، ان شمالی بدعتوں کے مقابلہ میں

جرمانیہ میں مٹرنک کی حکمت عملی۔

مٹرنک نے متفقی نظام سلطنت کی تکوین کی صورت میں پہلے ہی فتح حاصل کر لی تھی۔ شاہ پرشیا کی کمزوری و بزدلی نے پہلے یہ ظن غالب پیدا کر دیا تھا کہ اگرچہ وہ اپنی رعایا سے اس وقت نظام سلطنت کا وعدہ کر رہا ہے، مگر زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ وہ دار و گیر کے سلسلہ میں اور حریت پر ڈایٹ کی لعنت نازل کرنے میں دوسری جرمانی حکومتوں کے ساتھ متحد ہو جائے گا۔ مستحفظ مدبرین کے خیال کے مطابق اطالیہ میں بھی اسی قسم کے خطرات موجود تھے اور وہاں بھی اسی قسم کے علاجوں کی ضرورت تھی۔ آسٹریا، وینس کے حصول کی وجہ سے، اب الپس کے ورے اس سے چہار چند ملک رکھتی تھی جتنی ۱۷۹۲ء میں اس کے قبضہ

اطالیہ میں مٹرنک کی حکمت عملی۔

میں تھی مگر آبادی اب وہ ساکت و قانع جماعت نہیں رہی تھی جو میریا تھریسا کے زمانہ میں تھی۔ نپولین کی اطالیہ کی بادشاہی اور فوج نے قوم کو جنگجوئی سکھا دی تھی، اور ان میں سیاسی اغراض اور زیادہ مردانہ وصف پیدا کر دیا تھا۔ خود مٹرنک کے سپہ سالار جب ۱۸۱۴ء میں ملک میں داخل ہوئے تو انھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ممالک بن جائیں گے، مگر مٹرنک کے تحریرات میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ اس وقت میں یہ اندیشہ اس کے دل میں گزرا ہو۔ اس کی ۱۸۱۵ء والی الماوی حکمت عملی کی ایک عالیشان پیش بین تدبر کی حیثیت سے تعمیم کرنا، یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک زمانہ کے خیالات کی تعبیر دوسرے زمانہ کی تاریخ سے کی جائے۔

اطالویوں سے خود مختاری کا وعدہ کر لیا تھا۔ ایک برس بعد میورٹ کی تاخت فی الواقع اطالوی اتحاد ہی کے نام سے ہوئی تھی۔ یہ سب ناخوش آیند فتوحات تھے اور آسٹریا کے اطالوی صوبوں کے اندر اور خاص کر ان عہدہ داروں میں جنھوں نے نپولین کے تحت خدمت کی تھی، انقلابی جذبہ کے موجود ہونے کے علامات کی کمی نہیں تھی میٹرنک اپنی حکومت کے فرائض کے متعلق بالکل صاف تھا (اس کے خیال کے بموجب) یہ ہو سکتا تھا کہ اطالویوں کے لئے ایک نائب السلطنت ہو جس کا دربار ملان میں ہو، دیسی عہدہ داروں کی ایک جماعت ہو جو چھوٹے درجہ کے معاملات کا انصرام کرے، ایک نمایشی اجتماع یا کونسل بھی ہو، جسے کسی قسم کے حقوق، اختیارات یا فرائض حاصل نہ ہوں۔ اگر اس سے انھیں اطمینان نہ ہو تو پھر وہ باغی تھے، اور حکومت کا کام جاسوسوں، پولیس اور سپیلبرگ کے قید خانوں کے ذریعہ سے چلنا چاہیئے تھا[1]

اس نظام حکومت کی پشت پر بہت بڑی جنگی قوت موجود تھی لہذا لمبارڈی اور وینس کے آشفتہ سروں سے تو اسے کچھ خطرہ نہ تھا۔ البتہ میٹرنک کو پورے ملک اطالیہ پر اسی سلسلے کو پھیلانا اور بذریعہ معاہدات یہ دوگانہ غرض نکالنی باقی تھی کہ ایک طرف تو ان علاقوں میں آئینی حکومت کا قلع قمع کر دیا جائے اور دوسری طرف کوہستان الپس سے انتہائے صقالیہ تک تمام اطالیہ پر سلطنت آسٹریا کی سیادت قایم کر دی جائے یہ منصوبہ ایسا ہوس آمیز تھا کہ وی آنا کی موتمر کے روبرو میٹرنک کو اپنا یہ منشا ظاہر کرنے کی جرات نہ پڑی۔ کیونکہ سچ یہ ہے کہ یہ منصوبہ صریحاً عہد نامہ پیرس کے متناقض اور موتمر وی آنا کی اس قرارداد کے خلاف تھا کہ مقبوضات آسٹریا کے باہر اطالیہ کے علاقوں میں صرف آزاد ریاستیں رہنی چاہیں۔ میٹرنک نے سب سے پہلے جس فرمان روا پر جال پھینکا وہ نیپلز کا بادشاہ فرڈی نینڈ تھا ادھر مورا کے

اطالیہ کو آسٹریہ کے زیر اثر لانے کا منصوبہ

---

[1] واقع موریو یا۔ جاسوسیت کے نظم کیلئے کتاب موسومہ "Carte Segrete Lella Polizia Austrica" دیکھنا چاہیئے، یہ کتاب پولیس کی ان رپورٹوں پر مشتمل ہے جو ۱۸۴۸ء میں بمقام ملان اطالویوں کے ہاتھ آگئی تھی

اقتدار کا خاتمہ ہوا اور ادھر ۱۵ ء جون ۱۸۱۵ء کو شاہ فرڈی نینڈ کے آسٹریا کے ساتھ
ایک حلف نامے پر دستخط کر دئے جس میں بصیغہ راز ایک یہ شرط بھی درج تھی کہ یہ فرماں روا
اپنی باز یافتہ ریاست میں کوئی اس قسم کی تبدیلی نہ کریگا جو، اس ریاست کے قدیم شخصی بادشاہی کے
اصول کے خلاف ہو یا اُن اصول کے معارض ہو جنہیں آسٹریا کے بادشاہ نے اپنی
اطالوی مقبوضات کی حکومت کے لئے اختیار کیا ہے[1] واضح رہے کہ اس واقعے
سے دو سال پہلے برطانیہ کلاں نے فرڈی نینڈ کو صقالیہ میں آئینی حکومت منظور
کرنے پر مجبور کیا تھا اور اس وقت بھی وہ نیپلز میں اس قسم کی حکومت قائم کرنے کے
وعدے کر رہا تھا۔ لیکن مذکورۂ بالا عہد سے صقالیہ کا آئین از خود منسوخ ہو گیا اور
ادھر نیپلز والے منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ معاہدے کی ایک اور خفیہ
شرط کی رو سے متعاہد بادشاہوں نے یہ بھی! قرار کیا کہ اطالیہ کے تحفظ اور امن امان
سے متعلق جو کوئی اطلاع کسی فریق کو ملے گی وہ اسے دوسرے فریق کے گوش گزار کر دیگا۔
جس کے معنی یہ تھی کہ میٹرنک نے لمبارڈی میں اس کام کیلئے جو عملہ مقرر کیا تھا اس میں
فرڈی نینڈ کے جواسیس اور کوتوالی والوں کا اور اضافہ ہو گیا۔ قریب قریب اسی طرح
کی شرطیں آسٹریا کے ماتحت بن کر ریاست ہائے ٹسکنی، موڈینا اور پارمہ نے قبول
کر لیا۔ لیکن سارے کی ساری اطالیہ کو آسٹریا کے ماتحت شیرازہ بند کرنے کی تجویز میں
پینڈمونٹ اور پاپا کی مزاحمت نے رخنہ ڈال دیا۔ پائیس ہفتم کو آسٹریہ کی یہ ریشہ دوانی
جو اول اول ۱۸۱۷ء میں اور دوبارہ موتمر وی آنا میں کی گئی تھی کہ پاپا کی حکومت کو
بونونا اور راونا سے محروم کر دیا جائے، بہت ناگوار گزری ادھر شاہ سارڈینہ پر
ہر چند انگریزوں نے بھی زور ڈالا کہ میٹرنک کی دعوت اتحاد کو قبول کر لے مگر اس نے
بڑی اصابت رائے سے اپنی ملک کی آزادی قائم رکھی اور پچھلے معاہدوں میں تو اسکی

---

[1] ملاحظہ ہو بیانکی۔ ''استیوریا دوکومین تاتا'' جلد اول صفحہ ۲۰۔ اس خفیہ دفعہ کے ملخص سے نیپلز کے
انگریز سفیر اے کورٹ کو مطلع کر دیا گیا جو اپنے خط بنام کاسل ریا مورخہ ۱۰ جولائی ۱۸۱۵ء میں لکھتا ہے
کہ ''مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ آسٹریہ اور نیپلز میں دوستانہ تعلقات اس وقت
موجود ہیں کوئی شے جو ان تعلقات میں ممد ہو، وہ بلا استثنیٰ حکومت برطانیہ کے کمال اطمینان کا باعث
ثابت ہوگی'' ''ایگوروٹز'' مرتبہ صقالیہ جلد ۱۰۴۔

دلیل اسے ملتی یا نہ ملتی اس وقت تو سب سے قوی دلیل اُسے یہ میسر آگئی کہ زارِ روس اس کا حامی اور موئد بن گیا۔ ؏ا

اس زمانے میں حکومت برطانیہ کا جو طرز عمل رہا اس پر نہ صرف خود انگلستان کے بعد کے اہل الرائے نے بلکہ یورپ کی ہر قوم کے تاریخ نویسوں نے سخت گرفت کی ہے۔ شاید پٹ کی نیکنامی کے حق میں یہی بہتر ہوا کہ وہ اس کام کی تکمیل پانے تک زندہ نہیں رہا جس کے لئے تیرہ سال تک اس نے عرق ریزی کی تھی۔ چنانچہ اب، نپولین کے استبداد کے مقابلے میں ہمت و حق پرستی کے ساتھ جد و جہد کرنے کا سہرا تو پٹ کے سر ہے لیکن ایسا فیصلہ کرنے کی بدنامی جو حقوق آزادی کا قاطع ہو پٹ کے جانشینوں کے سر پڑی۔ حالانکہ یہ باور کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں پائی جاتی کہ قوت کا توازن درست کرتے وقت پٹ کسی ایک قوم یا ریاست کے حقوق یا میلان کی اپنے جانشینوں کی بہ نسبت زیادہ رعایت ملحوظ رکھتا۔ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ جنوا کی جمہوری ریاست کو فنا کرنے اور کیتھولکی بلجیم کو ہالینڈ کے پروٹسٹنٹ بادشاہ کے پنجے میں دیدینے کی تجویز سب سے پہلے خود پٹ نے پیش کی تھی۔ فریدبرآں پٹ کو اس مقصد سے زیادہ کوئی شئے عزیز نہ تھی کہ فرانس کی طاقت کے توڑ پر آسٹریہ کو زیادہ قوی کیا جائے ؏۲ غرض اس میں کوئی کلام نہیں کہ ۱۸۱۵ء میں وزارت برطانیہ ٹھیک اسی راستے پر چل رہی تھی جس پر چلنے کا، ۱۷۹۳ء میں پٹ نے بادشاہ اور قوم کو جبراً پابند بنا دیا تھا۔ انگریزوں کی الف سے یا تک حکمت عملی اور سارے تدبر و تردد کا خلاصہ فقط فرانس کی مخالفت رہ گیا تھا۔ اندرونی معاملات میں حکومت کی پستی کا یہ حال تھا کہ عوام کالانعام کو انسان

انگریزی کی خارجی حکمت عملی کا اصلی نقشا۔

؏ا خطوطاتی و ریوک بس گسنٹ اُٹا۔ جلد اول۔ ان مذہبی اتحاد سے سارڈینیہ کے اہل الرائے نے میلزونیو کی نسبت زیادہ فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ سارڈینیا کے سفیر متعینہ پائے تخت روس نے لکھا ہے کہ ابھی شفیع عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) سے دائمی عہد و پیمان کرنے کے بعد ہم مٹرنک سے کیوں اور کس غرض سے رشتہ جوڑیں گے ؏۲ ملاحظہ ہوں گرن ویل کے خطوط کے وہ اقتباسات جنہیں ہم نے اس کتاب کی پہلی جلد ۱۸۹ میں نقل کیا ہے۔

بنانے کی، تعزیری قوانین کے شدائد میں اصلاح کی یا سرکاری مذہب کے نام سے پادریوں کے فائدے کی جو بیجا محصول اہل ملک پر عائد کی گئی تھی انھیں کم کرنے کی وقتاً فوقتاً اگر کوششیں کی گئیں تو برطانی وزرا محض سرد مہری اور تنگ نظری سے ان کی مخالفت کرتے رہے۔ وزارت کے اراکین پورا یقین رکھتے تھے کہ ناتجربہ کاروں کی عام پسند خواہشوں سے، حکومت جیسی کچھ بھی ہے، بہرحال زیادہ دانش مند ہے۔ خاصکر ان انگریز مدبروں کو اس رائے کی صداقت میں مطلق کوئی شک نہ تھا جو اس وقت ڈیوک ولنگٹن کی شرکت میں ممالک یورپ میں برطانوی حکمت عملی کے نومہ دار تھے۔ لارڈ کاسل ریا گو شاہان یورپ کی جبر و سفاکی وزرا بھی پسند نہ تھی لیکن اسی کے ساتھ وہ ان کی رعایا میں حریت جاری کرنے کے فوائد کا بھی معتقد نہ تھا۔[1] اس کے اثر کی نوعیت کا، جسے بعض دفعہ بہت بھیانک شکل میں پیش کیا گیا ہے ذیل کے طرز عمل سے جو اس نے صقالیہ اور ہسپانیہ میں اختیار کیا تھا، بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

صقالیہ میں برطانیہ کے سفیر لارڈ ولیم بن ٹنک نے شاہ فرڈی نینڈ کو ۱۸۱۳ء میں برطانیہ کے نمونے کی ایک مجلس ملکی (پارلیمنٹ) بنانے پر مجبور کیا تھا۔ کیوں کہ انگریزوں کے روپے اور فوجی مدد کے بغیر یہ بادشاہ ایک گھنٹہ بھی مسند فرماں روائی پر نہ رہ سکتا تھا لیکن جو پارلیمنٹ بنی، تجربے سے ثابت ہوا کہ اس میں نہ دوراندیشی تھی نہ کام کرنیکی قابلیت۔ بایں ہمہ اسکے اسقام بادشاہ سلامت (فرڈی ننڈ) کے مصائب سے کم تھے اور انگلستان کی زیر ہدایت اس کی از سر نو بہتر تنظیم بہت دشوار بات نہ تھی۔ مگر فرڈی نینڈ کو آئین آزادی سے دلی نفرت تھی اور جونہی نیپلز کا تخت دوبارہ اس کے ہاتھ آیا اُس نے صقالیہ کی پارلیمنٹ کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس مجوزہ تغیر کے متعلق لارڈ کاسل ریا اور اے کورٹ میں خط و کتابت ہوئی۔ یہ ولیم بن ٹنک کی جگہ فرڈی نینڈ کے دربار میں انگریزی

صقالیہ میں

---

[1] کاسل ریا۔ دہم۔ ۱۸۔ "اندیشہ یہ ہے کہ یہ تبدیلی (یعنی حصول آزادی) اتنی تیز نہ ہو کہ بوجہ خامی دنیا کی بہتری اور خوش حالی میں کوئی اضافہ نہ کر سکے مجھے پورا یقین ہے کہ یہ جو نیا اور بڑے جوکھوں کا خیال آج کل چل گیا ہے اس کو روکنا بہ نسبت اسے تیز کرنے کے بہتر ہے،،

سفیر مقرر ہوا تھا۔[1] یہ بالکل مسلّم تھا کہ انگریزی حکومت جس نے سقالیہ کی بادشاہی کو نپولین کی انتہائی قوت کے زمانے میں بچا لیا تھا، صقالیہ کے نئے آئین کو بھی شاہ فرڈی نینڈ کے فرامین سے بچا سکتی تھی بغیر اس کے کہ جنگی جہاز کی ایک کشتی حرکت میں لانی پڑے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ کاسل ریا برسوں سے یورپ کی ہر حکومت کے معاملات میں، کسی کو روپیہ دیکر کسی کا مؤید بنکر اور کسی کی تنبیہ کر کے دخل دیتا رہا تھا حتیٰ کہ اس نے برطانیہ کا جنگی بیڑا واقعی ناروے بھیج دیا تھا کہ وہاں والوں کو برنادوت کی اطاعت پر مجبور کرے۔ لیکن اس موقع پر اس نے یکایک عدم مداخلت کا اصول اختیار کیا اور اعلان کر دیا کہ جب تک فرڈی نینڈ اُن صقالویوں پر کوئی تعدی نہ کرے جنہوں نے انگلستان کی صلاح پر صقالیہ کے سیاسی معاملات میں حصہ لیا تھا یا جب تک وہ اہل صقالیہ کے حدود کو اُن حقوق کو بھی ۱۸۱۳ء سے پہلے انھیں حاصل تھے کم نہ کرے برطانیہ کلاں کو اس کے کاموں سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔ یہ شرطیں ازالعوام کی رضاجوئی کیلئے نیز اس خیال سے بڑھائی گئی تھیں کہ کوئی یہ الزام نہ لگائے کہ انگریز نہ صرف صقالیہ کے آئین کو چھوڑ کے الگ ہو گئے بلکہ صقالیہ والوں کو ایسی حالت میں چھوڑنے پر آمادہ ہیں جو اس سے بھی بدتر ہے جیسا کہ انگریزوں نے ہمدردی نبکر کوئی دخل نہیں دیا تھا باقی مذکورہ بالا شرایط سے جو منطقی نتیجہ برآمد ہوتا تھا اس کی طرف سے لارڈ کاسل ریا نے آنکھیں بند کر لیں یعنی یہ کہ وہ صقالیہ والوں کو ایسے فرماں روا کے حوالے کر رہا ہے کہ اگر اس کی کوئی (مذکورہ بالا نوعیت کی) روک تھام نہ کی جاتی تو کچھ تعجب نہ تھا کہ وہ رعایا کے سارے حقوق پامال کر ڈالے اور اُن سے اسی قسم کا

---

[1] سرکاری دستاویز میں۔ بابتہ ۱۸۱۶ء و ۱۸۱۷ء B اور E صفحہ ۵۵۳۔ نیز، ہٹرنگ جلد سوم

۸۰۔ کاسل ریا نے اوّل یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ صقالوی آئین میں انگریزی سفیر کے زیر اثر ترمیم کر دی جائے (ملاحظہ ہوں ہدایات بنام اے کورٹ مورخہ ۱۸ مارچ ۱۸۱۴ء جن پر "نہایت مخفی" لکھا ہے۔ (ریکورڈز: صقالیہ۔ جلد ۹۹) خود اے کورٹ صقالوی آئین کو دل سے ناپسند کرتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "میں اہل صقالیہ کو اس بات کا مطلقاً اور قطعاً اہل نہیں سمجھتا کہ سیاسی اختیارات ان کو سونپ دے جائیں" مراسلہ ۲۳ جولائی ۱۸۱۴ء۔

بے رحمانہ اور خونی انتقام لے جیسا کہ اس وقت لیا تھا جب کہ نلسن نے ۱۷۹۹ء میں اسے دوبارہ مسند حکومت پر متمکن کیا۔

انگلستان کی کارروائی ہسپانیہ میں۔

ہسپانیہ میں بھی برطانوی حکومت کی کارروائی نے ظاہر کر دیا کہ وہ لوگوں کا مستقبل شاہی درباروں کی رائے پر چھوڑنا چاہتی ہے۔ لارڈ کاسل ریا کو یہ اطلاع دے دی گئی تھی کہ ہسپانیہ کا فرڈی نینڈ بھی ۱۸۱۴ء میں اپنی واپسی پر وہاں کا آئین منسوخ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ "اگر محض آئین کا وجود معرض خطر میں ہے تو جو تبدیلی بھی امن و عافیت کے ساتھ عمل میں آئے گی میرے نزدیک ناممکن ہے کہ وہ موجودہ آئین سے بدتر ہو"۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس معاملہ میں انگلستان کی مداخلت ہسپانیہ کے رجعت پسند مذہبی علما اور قوم کے مقابلے میں غالباً کچھ کارگر نہ ہوتی۔ دوسرے فرڈی نینڈ اقرار کرتا تھا کہ مجھے مطلق العنان بادشاہی کو دوبارہ قائم کرنے کی کوئی آرزو نہیں ہے اور کاسل ریا ان باتوں سے دھوکے میں آگیا۔ اسے فرڈی نینڈ کی نسبت حسن ظن رہا کہ وہ بھی اسی قسم کا اعتدال آمیز طرز عمل اختیار کرے گا جیسا لوئی ہیجدہم نے فرانس میں "کارٹا" کو قبول کرنے میں دکھایا تھا۔ لہذا کاسل ریا کو توقع تھی کہ ہسپانیہ میں آیندہ بھی آئینی حکومت بحال رہے گی اس میں انتظامی حکام اور بڑے بڑے زمینداروں اور مذہبی پیشواؤں کے حسب منشا بعض رعایتیں ملحوظ رکھی جائیں گی[۲]۔ لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ واقعات نے بتا دیا کہ شاہ فرڈی نینڈ کے وعدے وعید کی حقیقت کیا تھی۔ انتظام اور استبداد کا ایک سیلاب ملک میں امنڈ آیا اور اس وقت سے انگریزی حکومت فرڈی نینڈ کی نالائقیوں کا

---

[۱] کاسل ریا۔ دہم۔ ۲۰۔ [۲] ملاحظہ ہو کاسل ریا جس میں اس کا یہ قول درج ہے کہ "اگر اعلیحضرت (شاہ ہسپانیہ) اس قصد مصمم کا اعلان کر دیں کہ وہ آئینی حکومت کے اہم اصول برقرار رکھیں گے تو وہ بلا تامل موجودہ انتظام کو درہم برہم کر سکتے ہیں اور ایسا نیا انتظام کر سکتے ہیں جو حکومت انتظامی کے زیادہ مستعدی سے کام کرنے میں ممد ہو اور بڑے بڑے زمینداروں اور پادریوں کو اختیارات میں مناسب حصہ دیا جا سکے"۔

کبھی اعتراف اور کبھی تاویل کر کر کے، ہمہ تن یہ کوشش کرنے لگی کہ جہاں تک ممکن ہو مطلق العنانی کی زیادتیوں کا سدباب اور ان لوگوں کی فی الجملہ کوئی دستگیری کرے، جو اس جبر و استبداد کا شکار ہو رہے تھے۔ چنانچہ برطانوی سفرا شاہان یورپ کے ہر دربار میں کچھ تو اپنے ہم وطنوں کی رائے عامہ کے اثر سے اور کچھ خود ان بازیافتہ ریاستوں کے بھلے کے لئے، اعتدال کی تاکید کرنے لگے۔ لیکن اس قسم کی تاکید تو میٹرنک بھی کر رہا تھا جو نہ ظلم و تعدی کو پسند کرتا تھا اور نہ یہ چاہتا تھا کہ مذہبی علما اور نو وارد مہاجرین کے مظالم سے ان ملکوں میں آئے دن انقلاب بپا ہوتے رہیں۔ پس یورپ میں اگر یہ خیال پیدا ہوا کہ غیر ممالک کی آئینی آزادی کے معاملہ میں آزاد انگلستان کے وزیروں کے بھی جذبات قریب قریب وہی ہیں جو آسٹریہ کے حکام کے ہیں، تو یہ کچھ بے بنیاد بات نہ تھی بایں ہمہ ایک فرق ان دونوں میں ضرور تھا۔ وہ یہ کہ میٹرنک نے تو ان فرماں رواؤں کو جو اس کے اثر میں آسکے، فی الواقع ممانعت کر دی تھی کہ وہ اپنی رعایا کو آزادی نہ دیں لیکن برطانیہ نے ان فرماں رواوں کو اتنا آزاد خیال اور وسیع النظر سمجھ کر جتنے وہ درحقیقت تھے نہیں، ان کے معاملہ میں مداخلت نہ کی اور ان کی آئینی حکومتوں کو برباد ہونے سے بچانے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض یورپ کی تین سربرآوردہ سلطنتوں کے اثرات کی نوعیت یہ تھی جو اوپر بیان ہوئی۔ پروشیہ کے پاس نہ انگلستان کے برابر بیڑا تھا، نہ آسٹریہ کے اطالوی تعلق، کی طرح اس کا کسی بیرونی علاقے میں اقتدار تھا اور نہ اس کا فرماں روا روس والے کی مثل ہوس اقتدار و جاہ رکھتا تھا۔ لہذا اس نے اپنے براہ راست تعلقات کو صرف فرانس کے معاملات تک محدود رکھا کیونکہ فرانس سے اس حد تک پروشیہ کی غرض وابستہ تھی کہ کوئی ہجدہم پر جو تاوان جنگ عائد کیا گیا تھا، وہ ہنوز واجب الادا تھا اس کے ادا ہونے کی کوئی صورت اسی وقت نکل سکتی تھی جب کہ خود فرانس میں امن و انتظام درست رہے اور یہ بات شروع سے یورپ کی ہر حکومت کی نظر میں تھی کہ فرانس کے اندرونی امن و انتظام میں رخنہ اندازی کا سب سے بڑا اندیشہ کاونٹ ارتوا اور اس کے دوستوں یعنی رجعت پسندوں کے گروہ سے ہے۔

انقلاب فرانس کی جوابی تحریک کا ہنگامہ وفساد اور کُشت وخون کے طوفان سے آغاز ہوا۔ جوں ہی جنگ واٹرلو کی اطلاع جنوبی فرانس میں پہنچی مارسیلز کے بادشاہ پسند بازاریوں نے ملکر شہر کی فوج کو نکال باہر کیا اور مما لک مصر کے مکانات پر جنھیں نپولین نے مصر سے لاکر یہاں بسایا تھا، حملہ آور ہوے۔ چنانچہ ان پردیسی خاندانوں کے تیرہ آدمی مارے گئے اور نپولین پسند شہریوں کی بھی قریب قریب اتنی ہی تعداد بلوائیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہوی [1]۔ چند ہفتہ بعد قصبہ نیسیم میں مار دھاڑ کا طوفان مچ گیا

بادشاہ پسندوں کی زیادتیاں جنوب فرانس میں۔ (جولائی و اگست)

یہاں مذہبی تعصبات کے جنون نے سیاسی انتقام کی تحریک کی۔ نیسیم کے طبقۂ متوسطین اور نواح میں کچھ آبادی پروٹسٹنٹ فرقے کی تھی اور انھوں نے نپولین کے ایلبا سے پھر نکل آنے کی بہت خوشیاں منائی تھیں کہ اس کے آنے سے اہل کلیسا کا زور ٹوٹے گا اور اس قسم کی مذہبی تعدی کے پھر شروع ہونے کا اندیشہ جاتا رہے گا جیسی شاہان بُوربن کے زمانے میں ہوتی تھی۔ لیکن ان کی نسبت کیتھولک مذہب والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی اور اس میں قصبے کے اراذل وانفار کے علاوہ ضلع کے آدھے سے زیادہ کسان اور سارے بڑے بڑے زمیندار شامل تھے۔ ڈیوک انگولیم نے دور "صد روز" کے آغاز میں مطوّعین کے دستے تیار کئے تھے اس امید میں کہ نپولین کے خلاف خانہ جنگی ہو تو اس میں حصہ لیں۔ بادشاہی سرداروں کی اطاعت قبول کرلینے کے بعد بھی پہلی فوج کے بعض دستوں پر دیہات والوں نے حملہ کیا اور انھیں درندوں کی طرح کھدیڑ کھدیڑ کے مارا تھا۔ یہی دیہاتی دوبارہ جمع ہوکر اب نیسیم میں داخل ہوے۔ مقامی جمعیت نے ان پر گولی چلائی لیکن پھر اُسے مجبوراً ہتیار ڈال دینے پڑے اور اس بے بسی کی حالت میں بھی اہل شورش نے بعض نہتے سپاہیوں کو نشانۂ بندوق بنایا (۱۷ جولائی) دوسرے دن مسلح بلوائیوں کے سرغنوں نے اپنی کامیابی سے کام لینا شروع کیا اور چند ہفتے تک ہر قسم کی ظلم وسفاکی نے، جس کا باضابطہ منصوبہ بنایا جاتا

[1] دیکھو دودے "لا تیر لور بلانک" صفحہ ۱۰۶۔ اس ہنگامے میں ایک سو سپاہی بھی مارے گئے لیکن مارسیلز یا اور مقامات میں قتل عام ہونے کی روائتیں بالکل فرضی ہیں۔

اور عام اعلان کیا جاتا تھا، نہ صرف نیسمے بلکہ گرد و نواح کے علاقے کو دور دور تک سخت دہشت و اضطراب میں مبتلا رکھا۔ حکومت نے اس کے سدباب میں سستی اور کمزوری سے کام کیا۔ مقامی حکام خود خوفزدہ ہو گئے اور ولنگٹن اور روسی سفیر کی حجت و فہمایش کے باوجود امن اُس وقت تک قائم نہ ہوا جب تک کہ اتحادیوں نے اس معاملہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لیا اور آسٹریہ کے سپاہیوں کا ایک جوق بھیجکر گار کے ضلع پر قبضہ نہ کر لیا۔ بادشاہ پسندوں کی خونخواری نے اسی قسم کے کرشمے جنوبی فرانس کے دوسرے علاقوں میں دکھائے۔ قصبۂ اوک ناں نے مارشل برُن کے قتل سے اپنی چہرے پر داغ ملامت لگایا۔ یہ وہ سپہ سالار ہے جس نے ۱۷۹۹ء کے ولنذیزی معرکوں میں روسیوں اور انگریزوں پر فتوحات نمایاں حاصل کی تھیں۔ اس کی راست بازی مسلم تھی اور گو نپولین نے اپنی عروج کے زمانے میں اس کے ساتھ بے اعتنائی کی لیکن وہی تھا جس نے دورصد روز میں مارسیلز میں انتظام رکھنے کا دشوار کام اپنے ذمے لیا تھا۔ اسی طرح تولوز میں ایک اور سپہ سالار جنرل رامل کو جو خود بھی بادشاہ پسند تھا خونخواروں کے ایک گروہ نے سخت مجروح کیا اور دم توڑتے وقت بے بسی کی حالت میں اُسے مُثلہ کرنے میں بھی باک نہ کیا۔

یہ جرائم گویا ۱۷۹۲ء کے قتل عام کا ضمیمہ تھے اور مجموعی طور پر بادشاہ پسندوں کے اسی ۱۸۱۵ء کے دور تخویف وسفاکی کو بائیس سال قبل کے جمہوری عہد ہیبت کے مماثل کہا گیا ہے۔ لیکن اس سے تمثیل دینے والوں کی تاریخی نظر کی صحت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ۱۸۱۵ء کی وحشیانہ حرکتیں بالکل مقامی اور محدود تھیں۔ ان کے خوف انگیز ہونے میں شبہ نہیں مگر وہ سب ملکر بھی مشکل سے کاریر یا فوشے کے ۱۷۹۴ء کے صرف ایک دن کے اوسط مظالم کے برابر ہوں گی۔ دوسرے حکومت وقت نے گو انھیں روکنے میں قابل اعتراض کمزوری دکھائی تاہم خود کوئی مجرمانہ کارروائی نہیں کی۔

انتخابات ۱۸۱۵ء

لیکن جب عوام الناس کے انتقام کا ارمان نکل چکا تو انقلاب فرانس سے رجعت کی زیادہ خطرناک اور دوسری منزل آئی۔ یعنی اگست ۱۸۱۵ء کے اواخر میں دار المبعوثین کا انتخاب عمل میں آیا۔ آزاد خیال

گروہ اور نپولین کے حامی فرانس کے مصائب اور اجانب کی ملک میں موجودگی سے اس درجہ بے دست و پا ہو چکے تھے کہ وہ نو اپنی کامیابی سے مطلق مایوس تھے ہوئی، بجد ہم کے وزیروں نے انتخاب کے موقعوں پر بالعموم جو توڑ جوڑ کئے جاتے ہیں اُن میں کچھ حصہ نہیں لیا۔ یعنی تا کی راند تو لا پروائی سے الگ رہا اور فوشے نے یہ چاہا کہ سیاسی فریقین میں برابر کا توازن رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف "اشد بادشاہ پسند" سارے ملک پر پھیل گئے اور انھوں نے انتخاب کی جد و جہد میں کمال جوش و سرگرمی سے کام کیا۔ گو ان کی تعداد کم تھی لیکن مقامی حکام کی زبردست قوت ان کے ساتھ تھی۔ "پرے فیت" (یعنی صاحبان ضلع) دل و جان سے کونٹ آرتوا کے طرفدار ہو گئے جس نے فی الواقع انھیں یہ باور کرایا کہ میں خاص بادشاہ کی حسب ہدایت کام کر رہا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مبعوثین کی ایک ایسی مجلس مرتب ہوئی جس کی نظیر فرانس میں صرف ایک ہی ملتی ہے یعنی پارلیمنٹ ۱۸۷۱ء جس کا انتخاب بھی بیرونی حملہ آوروں کے ملک پر دوبارہ قابض ہو جانے کے وقت ہوا جب کہ ایک دوسرے بونا پارٹ کی جابرانہ مطلق العنانی نے اسی قسم کی مصیبت کبریٰ کی نوبت پہنچائی۔ شرح اس کی یہ ہے کہ ۱۸۱۵ء کی مجلس کے لئے لوگ منتخب ہوئے ان میں سے اکثر ایسے دیہاتی تھے جن کا ۱۷۸۹ء سے قومی اور سرکاری معاملات میں کبھی نام تک نہیں سنا گیا تھا۔ جو جمہوری اور بادشاہی دور میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے کنج گمنامی میں چھپے بیٹھے رہے اور جن کا سیاسی مطمح نظر بجز اس کے اور کچھ نہ تھا کہ عہد انقلاب میں اُن کے گروہ اور ان کے مذہبی فرقے کو جو نقصان پہنچے تھے اب اُن کی تلافی کر دی جائے۔ اُن کے بادشاہ پسند ہونے کا سبب ہی یہ تھا کہ وہ جانتے تھے کہ بوربن بادشاہ ہی ان کے دعاوی مان سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنا نام "اشد بادشاہ پسند" رکھا تھا لیکن اس کے معنی صرف یہ تھے کہ بادشاہ وقت ان کے گروہ کے سوا اور کسی کو اپنا حلیف نہ بنائے۔ نپولین کی مراجعت سے قبل ہی وہ اپنے طرز عمل سے ظاہر کر چکے تھے کہ ان کا اصلی سرگروہ کونٹ آرتوا ہے نہ کہ بادشاہ۔ اور اگر بادشاہ ان کی مرضی کے مطابق نہ چلے تو پھر یہ دیکھنا ابھی باقی تھا کہ ان کی بادشاہ پسندی کا زور شور کیا صورت اختیار کرتا ہے۔

نئے انتخابات کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ تالی راند کی وزارت جو فرقہ آزاد خیال کے افراد پر مشتمل تھی عہدے سے برطرف ہوگئی۔ کونٹ آرتوا اور دوسرے درباری حضرات اس وقت تک توفوشے کی خدمات سے خوشی خوشی فائدہ اٹھاتے رہے جب تک کہ ان کی اپنی کامیابی مشتبہ رہی لیکن اب انھوں نے بھی دیہاتی مبعوثین کی ہاں میں ہاں ملائی جو اس انصاف کا بر ملاخون کرنے والے وزیر (فوشے) کے خلاف ہنگامہ کررہے تھے۔ تالی راند نے بے تامل اپنے دیرینہ دوست سے پیچھا چھڑایا اور خود بھی " اشد بادشاہ پسند" بن کے نئی مجلس کے سامنے آنے کی تیاری کی۔ لیکن انتخاب میں غلبہ پانے والوں کی نظر میں تالی راند اور اس کے بادشاہ کش ہمصفیر میں کچھ بہت فرق نہ تھا کیوں کہ اُس نے پادری ہونے کے باوجود شادی کی اور اس کی نسبت مشہور تھا کہ امیر انگھیان کے قتل میں ساز باز رکھتا تھا۔ چنانچہ مجلس کا اجلاس ہونے سے پہلے ہی اُسے مجبوراً اپنے منصب جلیل سے الگ ہونا پڑا۔ تالی راند کا جانشین ڈُک دُرشلیو مقرر ہوا جس کی زار رُوس نے

رشلیو کی وزارت ستمبر ۱۸۱۵ء

بوئی ہجد ہم سے سفارش کی تھی۔ رشلیو انقلاب فرانس کے آغاز ہی میں اپنے ملک سے نکل گیا تھا اور اکثر دوسرے مہاجرین کے برخلاف، وہ جس ملک میں پناہ گزیں ہوا وہاں کے معاملات میں نمایاں حصہ لیتا رہا تھا۔ اس نے پہلی مرتبہ سواروف کے ماتحت اسمٰعیل کے محاصرے میں ناموری پائی اور پھر بحر اسود کے روسی صوبوں کا والی مقرر کیا گیا جہاں اُڈیسہ اس کے عہد ولایت میں ایک بارونق شہر بنا۔ اس کی انتظامی قابلیت کا بڑا شہرہ تھا اور اس کے ذاتی اوصاف نہایت محمود و بے لوث تھے۔ اگرچہ انگریزی حکومت کو اول اول بہت اندیشہ ہوا کہ ایسا شخص جس کا زار روس سے اتنا گہرا تعلق ہے وزیر وائس بنایا جائے لیکن رشلیو کی صداقت و دیانت نے تھوڑے ہی دن میں تمام ممالک خارجہ میں اس کو معزز و محترم بنا دیا۔ غیر ملکی افواج کا بار فرانس پر سے کم کرانے میں، زار الکزنڈر سے رشلیو کے روابط بہت کام آئے۔ اپنی حق پسندی اور شخصی بادشاہی کے حقیقی مقاصد سے واقفیت کی بدولت وہ ایک ایسی مجلس کے مقابلے میں نہایت قابل قدر وزیر ثابت ہوا جو ایک رجعت پسند طبقے کے

جذبات وآرائی وکیل تھی۔ حالانکہ خود رشلیو آزادی کا کچھ بہت حامی نہ تھا۔ ان سب خوبیوں[1] کے باوجود رشلیو فرانس سے اتنے عرصے تک باہر رہا تھا کہ وہ یہاں کے نظم ونسق کی تمام جزئیات کو پورے استقلال واطمینان سے قابو میں نہ رکھ سکتا تھا۔ ۱۸۱۵ء کے سیاسی گروہ اور دوسرے اشخاص سب اس کے لئے اجنبی تھے اور کہتے ہیں کہ جب اس نے اپنے ساتھ کے وزرا اور عہدہ داروں کو مقرر کیا تو ان میں سے اکثر کی صورت بھی کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہی سبب ہوا کہ وزرا میں باہمی اتحاد تھا۔ بعض وزیر جیسے دِکازؔ اپنے ہر گروہ سے زیادہ حرّیت پسند تھے۔ بعض نپولین کے پرانے ملازم اور اب "اشد بادشاہ پسند" بن گئے تھے جیسے کلارک اور واد بلانک اور یہ کونٹ آرتوا کا آلۂ کار بنکر حکومت میں بھی اسی جوش انتقام کی روح پھونکنا چاہتے تھے جو انتخابات کے وقت پورا ظہور دکھا چکا تھا۔

نئی مجلس کا اجلاس ساتویں اکتوبر کو شروع ہوا۔ خاندانی امرا میں سے انیس[19] امیر جنھوں نے دَورِ صدروزہ میں نپولین کا ساتھ دیا تھا، مجلس ملکی سے خارج کر دئیے گئے اور ان کی جگہ بوربنوں کے خیرخواہوں نے لی لیکن واضح رہے کہ یہ امرا بہ حیثیت مجموعی شدید رجعت پسندوں کے مخالف تھے اور شاتو بریاں کی خونخوار تقریروں کے باوجود اور ماتحت مجلس کی اکثریت کے مقابلے میں انھوں نے رشلیو کے معتدل طرز عمل کا ساتھ دیا۔ مجلس مبعوثین کا پہلا ہی مطالبہ یہ تھا کہ غداروں کو ان کے کیفر کردار کی قرار واقعی سزا دی جائے[عله] پھر حکام شاہی سے ان کی پہلی آویزش اُن تجاویز کے متعلق ہوئی جو وزرا نے قیام امن وعافیت اور دوسری فتنہ انگیزی کی سزا کے واسطے پیش کی تھیں۔

مجلس ۱۸۱۵ء کا تشدد

اس میں اراکین مجلس نے وزیروں کی مخالفت اس لئے نہیں کی کہ یہ انسدادی تجاویز سخت تھیں بلکہ اس لئے کہ کافی سخت نہ تھیں۔ مثلاً وزیر کوتوالی دیکازؔ نے مشتبہ اشخاص کو بلا فیصلۂ عدالت

عله۔ ملاحظہ ہو مبعوثین کی افتتاحی تقریر (Journal des debato) مورخہ ۱۵ اکتوبر میں۔
اس اجلاس کے عام حالات کیلئے دیکھو (Duvergier de Havranne, III 257. اور (Viel castle IV 189.
کاسل ریانے آرتوا کے متعلق جو سخت رائے قائم کی تھی اس کے لئے دیکھو "ریگورڈز" (cost. 28. Sop, 21.

قید یا خارج البلد کرنے کا اختیار طلب کرنے کے ساتھ یہ تجویز بھی کی تھی کہ حکومت کے خلاف سازش، و فتنہ انگیزی کرنے والوں کو جرم کے درجہ کے اعتبار سے کم و بیش جرمانہ یا قید کی سزا دی جائے۔ اس نرم سزا کی تجویز سنکر اُن حضرات کا غصہ بھڑک اٹھا جن کے باپ بھائیوں کا گلوٹین پر سر قطع کیا گیا تھا۔ پس بعض نے سزائے موت کا مطالبہ کیا اور بعض نے کائینٹس کی جلا وطنی تجویز کی جب گذارش کی گئی کہ اتنی سخت سزا اقدام بغاوت، کو مسلح بغاوت کے مساوی بنا دے گی تو جواب ملا کہ اس صورت میں مسلح بغاوت کی سزا میں قدیم پدر کشی کی سزا یعنی قطع ید کا اضافہ کر لیا جائے تاکہ اقدام اور ارتکاب میں امتیاز قائم رہے۔ اس قسم کی بے اعتدالی بیش تر خاص خاص افراد کی طرف سے ظاہر ہوئی نہ کہ کسی پورے فرقے کی جانب سے پھر بھی مجلس کی آتش زبانی نے وزرا کو مجبور کیا کہ وہ اپنی تجاویز میں ترمیم کریں۔ چنانچہ بحث مباحثے کے بعد موت تو نہیں مگر کائینٹس کی جلا وطنی، فتنہ انگیزی کی سزا قرار پائی اور وزیر عدالت ام بار بے باربوا جو ۱۷۹۳ء میں جیکوبین کی فرقے کے ہاتھوں خود کائینٹس کی جلا وطن کا مزا چکھ چکا تھا اہل مجلس کو یہ اطمینان دلانے میں کامیاب ہوا کہ یہ سزا منظور کر لی گئی تو مجلس پر بیجا رحم و نرمی کا کوئی الزام عائد نہ ہوگا۔[1]

مارشل نے کا قتل

ابھی پر جوش مباحث کے دوران میں مارشل نے پر بغاوت و غداری کا مقدمہ پیش ہوا۔ ۲۴ر جولائی کو بادشاہ کی طرف سے نام نہاد عفو عام کا وہ فرمان جاری ہو چکا تھا جس میں انیس اشخاص کے نام تھے کہ ان پر سنگین جرائم کے الزام کی سماعت فوجی عدالت میں کی جائے اور اڑتیس ایسے تھے جن کے متعلق مجلس کو اختیار دیا گیا تھا کہ خواہ انہیں جلا وطن کر دے خواہ عام عدالتوں میں مقدمہ چلائے۔ نے کا نام پہلے انیس کی فہرست میں داخل تھا۔ حکومت نے اسے، بلکہ حق یہ ہے کہ سبھی کو جن کا نام اس فہرست میں تھا، ملک سے نکل جانے کا موقع دیا تھا اور لوئی ہجدہم خوب سمجھتا تھا کہ فرانس کے بعض ممتاز ترین افراد کو قتل کرا دینے سے اس کی حکومت کو کوئی دیرپا قوت پہنچنے کی امید نہیں ہو سکتی لیکن مہاجرین فرانس جو اب واپس آئے تھے

---

[1] جورنل دی دیباتؔ۔ مورخہ ۲۹ر اکتوبر۔

خاصکر اینگولیم کی ڈچس کا دل پتھر کا ہو گیا تھا اور ادھر انگریز حکام نے اس معاملے میں نہایت قابل افسوس حصہ لیا۔ چنانچہ لارڈ لورپول نے لکھا کہ "جب تک بادشاہ غداروں کا خون بہانے کی جرأت نہ کرے گا کوئی شخص اُس کی بادشاہی کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن چند مثالوں کی ہمت کئے بغیر حکومت قوت اور کسی تدبیر سے ظاہر نہیں ہو سکتی"[1] لابیدوئیر کو سزائے موت پہلے مل چکی تھی۔ ۹ نومبر کو نے فوجی عدالت کے روبرو لایا گیا اور لارڈ کاسل ریا اور اس کی بیوی کی شائستگی ملاحظہ ہو کہ آپ مقدمے کے وقت عدالت میں موجود تھے۔ اس فوجی عدالت کا صدر نے کا پرانا ساتھی جوردان تھا عدالت کی طرف سے اعلان ہوا کہ فرانس کے ایک خاندانی امیر کے مقدمہ غداری کی سماعت ہمارے حدود اختیارات سے باہر ہے[2] چنانچہ نے کا مقدمہ دارالامرا کے روبرو پیش ہوا۔ فیصلہ جو کچھ ہونا تھا وہ سب کو معلوم تھا اور سچ یہ ہے کہ قانونی طور پر اس سپہ سالار کے جرم سے بمشکل انکار ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر فیصلہ صادر کرنے والے وہی دہقان ہوتے جنہوں نے شاہان بوربن کی حمایت میں تیغ و آتش کا مقابلہ کیا تھا تو موت کا فتویٰ گو نہایت بے مہری سے تاہم بے لوث لبوں سے ادا ہوتا۔ مگر فرانس کے نصیب میں یہ ذلت لکھی تھی کہ ان امرا میں جنہوں نے نہ صرف نے کو مجرم بلکہ واجب القتل قرار دیا بعض وہ تھے جنہوں نے دور صدر وزیں خود نپولین کی ملازمت اور تنخواہ قبول کر لی تھی۔ اس موقع پر ولنگٹن کی معمولی لب کشائی بھی فرانسیسی سپہ سالار کی جان بخشی کرا سکتی تھی لیکن نے کے معاملے میں مداخلت کے معنے یہ ہوتے کہ ولنگٹن خود اپنی حکومت کی کارروائی کی براہ راست مخالفت کرے۔ جب انگلستان کا وزیر اعظم خود قیدی کی قبر تیار کر چکا تو ولنگٹن کا یہ کام نہ تھا کہ اسے بچائے۔ اس کی نسبت یہ حسن ظن رکھنا جائز ہو گا کہ اگر وہ اپنے طبعی میلان کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوتا تو نے کی

---

[1] ولنگٹن - S. D. x1-95 لارڈ لورپول اپنی اسی رائے پر اتنا مطمئن تھا کہ اس نے یہی حماقت اور کئی خطوں میں بھی کی ہے۔

[2] ملاحظہ ہو "حالات مقدمہ مارشل نے" جو اول ۲۱۲۔

جاں بخشی کی درخواست کرتا کیونکہ اس نے بلوشر کے اس ارادے کی شدت سے
مخالفت کی تھی کہ اگر نپولین گرفتار ہو گیا تو ہم اسے قتل کر ڈالیں گے۔ غرض مارشل نے
کے قتل کی ذمہ داری سب سے زیادہ جس فرد پر عائد ہوتی ہے۔ وہ لارڈ لورپول تھا
ساتویں دسمبر کو عدالت کے حکم کی تعمیل ہوئی۔ بمنظر عام سے ایک بچے
ہوئے مقام پر علی الصباح نے کے گولی مار دیگئی اور ارباب حکومت بہت خوش
ہوئے کہ ایک ناخوشگوار کام انجام کو پہنچا اور وہ کسی عام مظاہرے کے خطرات سے
محفوظ رہے۔ لیکن یہ ان کی بڑی سخت غلطی تھی۔ عہد ہیبت کی بڑی سے بڑی زیادتی
بھی اس کے بانیوں کو عوام کی نظر میں اس درجہ مطعون و ملعون نہ بنا سکی تھی جتنا نے
کے قتل نے خاندان بوربن کو بنا دیا۔ مقتول نہایت بہادر، لیکن بالکل اکھڑ اور نیم جرمن
سپاہی تھا[1] پھر بھی عوام الناس میں اس کی وہ شہرت ہوئی جو نپولین کے نام اور
افسانوں کے تقریباً برابر تھی۔ ماسکو سے مراجعت میں اس کی شجاعت کے ذکر میں وہ
آب و تاب پیدا ہوئی کہ واوست کی فتح جینا یا موربو کا میدان ہوہن لن ڈن بھی
اس کے سامنے ماند ہو گیا اور حق یہ ہے کہ یہ شہرت بیجا نہ تھی پھر اس خیال کیساتھ ساتھ
کہ بوربنوں کو اجانب کی تلوار نے فرانس پر متمکن کیا ہے اس بات کی یاد بھی قوم
فرانس کے دلوں میں اتر گئی کہ اس خاندان نے ہمارے "اشجع الشجاعین" کو قتل کرایا۔
حقیقت میں اگر لوئی ہجدہم ایسے نامی گرامی سپاہی کی خطا معاف کر دیتا یا ہلکی سزا پر

[1] ۔ گو نے محض جنگجو سپاہی نہ تھا۔ بلکہ ۱۸۳۳ء میں جو جنگی مشاہدات اس کے مسودات سے لیکر انگریزی
زبان میں شائع کئے گئے ہیں ان سے ثابت ہے کہ وہ کیسی دماغی قابلیت کا آدمی تھا۔ ان مشاہدات میں جا بجا اعلیٰ
ذہانت کی رائیں موجود ہیں اور جرمن سپاہی کی صلاحیت کے متعلق اس کا اندازہ اس زمانے میں جب کہ جرمن عام
طور پر شکست کھاتے اور حقارت سے دیکھے جاتے تھے، حیرت انگیز ہے وہ لکھتا ہے کہ جب فرانسیسی پیادے
تین قطاروں میں حملہ کریں تو چاہئے کہ اگلی دونوں صفوں کے باڑ چلاتے ہی تیسری قطار کے بندوق چلانے کا
انتظار کئے بغیر دشمن پر جھپٹ پڑیں۔ کیونکہ "جرمن سپاہی شدید ترین ضوابط جنگی کی تربیت پاکر اوروں
کی نسبت زیادہ ضابطہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس قسم کی باڑ زیادہ عرصہ تک چلائی جاتی رہی تو وہ حریف پر
بازی لے جائے گا" (صفحہ ۱۰۰) نے کے والدین نظاہر ورٹم برگ کے باشندے تھے جو السالس میں آ بسے تھے۔ ان کا
نام بھی در اصل نیو (بمعنی "نیا") تھا۔

اکتفا کرتا جس کی سیاسی کمزوری نے اسے ایک ایسا باغیانہ کام کرنے پر آمادہ کیا جسے اہل ملک عام طور پر قابل درگذر سمجھتے تھے تو یہ خود لوئی کی بڑی خوش نصیبی ہوتی۔ جلا وطن کر دیا جاتا تو مجرم کو قومی "شہید" کا رتبہ حاصل نہ ہوتا۔ قتل کو تو اہل دنیا کی عقل بالکل قابل اعتراض سمجھتی ہے۔ اور فرانس کی رائے عامہ نے حکومت کے اس فیصلے کو کبھی فراموش و معاف نہیں کیا۔

سطوت بادشاہی کی یہ مثال قائم ہونے کے دوسرے دن رشلیو نے معافی نامے کو بطور ایک مسودۂ قانون کے حکومت کی جانب سے مجلس مبعوثین میں پیش کیا۔ اس میں بادشاہ نے یہ جتا کر کہ ہمیں معافی دینے کا پورا حق حاصل ہے یہ منشا ظاہر کیا تھا کہ اس حق سے کام لینے میں مجلس کی رائے بھی شریک کر لیجائے۔ قانون میں ان ملزمین کے سوا جن کے نام ۲۴ جولائی کی فہرست میں درج تھے، باقی سب کو معاف کر دینے کی تجویز تھی۔ مگر خود مجلس میں چند تجویزیں پہلے ہی پیش ہو چکی تھیں جن کا نام تو معافی کی تجاویز ہی تھا، لیکن نوعیت بالکل دوسری تھی۔ واضح رہے کہ گو کارتا (منشور شاہی) کی رو سے وضع قوانین کی تحریک کا اختیار صرف بادشاہ کو حاصل تھا، تاہم مبعوثین عرائض اور گذارشوں کی صورت میں نئی تجاویز پیش کر سکتے تھے۔ اور اسی پیرائے میں مجلس کے فرقہ غالب نے نپولین کے طرفداروں سے مواخذۂ عام کی تجویزیں مرتب کی تھیں۔ چنانچہ ام لابوردونے کی تحریک یہ تھی کہ عہد صد روز میں جسقدر فوجی یا دیوانی عہدہ دار غاصب نپولین کی سرکار سے متعلق تھے ان سب پر مقدمہ چلایا جائے اور ایک خاص تاریخ سے پہلے تک جس کا تعین مجلس کر دے گی، تمام سپہ سالار، مقامی فوجوں کے سردار، اضلاع کے حکام، جنھوں نے نپولین کا ساتھ دیا، نیز ہر شخص جس نے لوئی شانزدہم کے قتل کی رائے دی اور "ایکت آدی شنیل" پر دستخط کر کے نپولین کی بادشاہی تسلیم کی، اس میں شامل تھے۔ اس دار و گیر کی وکالت جس دل خراش زبان میں کی گئی وہ اسی طرز گفتار کی صدائے بازگشت تھی جس نے خواہ مخواہ ۱۷۹۳ء کے کشت و خون کی نوبت پہنچائی تھی[1] اس شدت کے

قانون معافی ۸ دسمبر

[1] ملاحظہ ہوں لابوردونے کی تقریر کے اقتباسات، منقولہ "جورنل دے دے بات" ۱۹ نومبر

پیدا ہونے کا ایک سبب یہ تھا کہ محرکین کے گمان میں نپولین کی مراجعت ناگہاں اور غیر متوقع شئے نہ تھی بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ صاحبان جاہ و مناصب کی ایک جماعت نے سازش کرکے اسے بلایا اور وہی اب تک بادشاہی کا تختہ الٹنے کی سازباز کر رہی ہے۔ رشلیو نے اس شدت کو ہر چند یہ کہہ کر دبانا چاہا کہ خود بادشاہ کے منشا سے میں یہ اختلاف کر رہا ہوں نیز لوئی شانزدہم کے وصیت نامے میں جس عفو و درگذر سے کام لیا گیا تھا، اُسے یاد دلایا لیکن اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ جماعت منتخبہ جسے مجلس نے تجاویز معافی مرتب کرنے پر مقرر کیا تھا، جو تجویز لکھکر مجلس کے سامنے لائی اس میں اور لابورد ونے کر تحریک میں کچھ زیادہ فرق نہ تھا بلکہ اس میں یہ نامنصفانہ تجویز اور بڑھا دی گئی تھی کہ ملزمین پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں دیوانی مقدمات بھی دائر کئے جائیں تاکہ سلطنت کو جو نقصان نپولین کے واپس آنے سے پہنچا ہے اس کی تلافی کی جا سکے۔ یہ گویا کارٹا کی اُس دفعہ کا جس میں ضبطی کے طریقے کو قطعاً منسوخ کر دیا گیا تھا، صریحاً مضحکہ کرنا تھا۔ جماعت منتخبہ کی اس تجویز نے خود فرانس میں اور دول خارجہ کے وکلا میں عجب طرح کی پریشانی پیدا کر دی۔ اب رجعت پسندوں اور حکومت کے درمیان علانیہ جنگ ٹھن گئی رشلیو کی وزارت جو قیام امن کی ضامن تھی معلوم ہوتا تھا کہ بس کوئی دم کی مہمان ہے۔ مجلس نے سرکاری مسودے اور جماعت منتخبہ کی ترمیمات پر دوسری جولائی ۱۸۱۶ء کو غور و مباحثہ شروع کیا۔ بحث چار دن تک ہوتی رہی اور بار بار بادشاہ کا نام درمیان میں لانے کی بدولت وزیروں کو اتنی کامیابی ہو گئی کہ صرف نورائے کی بیشی سے ان کے مخالفین کی وہ پہلی دو ترمیمیں، جن میں شاہی معافی سے عہدہ داران صدر ور کو مستثنیٰ کرنے کی تجویز تھی مسترد ہوئیں۔ باقی دیوانی مقدموں کے پردے میں ضبطی کی تجویز تو اور بھی زیادہ آرا کی کثرت سے نامنظور ہوئی البتہ بادشاہ کشی کے متعلق ترمیم کے معاملے میں وزرا نے شکست کھائی۔ تاہم اس کو کچھ زیادہ اہم نہیں

بقیہ صفحۂ گذشتہ:- اسی قسم کی تقریروں کے اور بہت سے اقتباسات بھی اس اخبار میں جا بجا موجود ہیں۔

سمجھا گیا۔ اور رشلیو جو ان تجاویز کا مسترد ہونا ہی غنیمت سمجھا تھا جن کی رو سے صدہا اشخاص قتل و جلا وطنی یا ضبطی مال و املاک کے سزاوار قرار پا جاتے، اس بات پر رضامند ہو گیا کہ ۲۴ ویں جولائی کی دوسری فہرست کے ۳۸ ناموں کے ساتھ، وہ بادشاہ کُش ملزمین خارج البلد کر دیئے جائیں جنھوں نے نپولین کی بادشاہی تسلیم کر لی تھی۔ انھی میں منجملہ اور مشاہیر کے کمار نو بھی، جس نے وطن کی وہ کچھ خدمت انجام دی تھی جلا وطن ہوا اور اسی عالم غربت میں جان دی۔ ۲۴ جولائی کی پہلی فہرست میں نے اور لا بادوئیر کے سترہ ساتھیوں کے بھی نام تھے جن میں سے اکثر فرانس سے نکل گئے اور صرف ایک شخص نے قتل کی سزا پائی[1] لیکن یہ لوگ جو عفو عام سے پہلے ہی مستثنیٰ رکھے گئے تھے۔ یا بادشاہ کُشی کی سزا میں اب جلا وطن کئے گئے، اُس تعداد کا محض جزو قلیل تھے جن سے بادشاہ پسندوں نے انتقام لیا۔ کیونکہ قانونِ معافی کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ جن ملزمین کے خلاف نفاذ قانون سے پہلے قانونی کارروائی جاری ہو چکی ہے، انھیں اس قانون معافی سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اور جس وقت قانون نافذ ہوا ہے اس وقت تک قید خانے ملزمین سے معمور ہو چکے تھے جنھیں یہ عفو عام عدالتی سزا سے نہیں بچا سکتا تھا۔ دوسرے مجلس میں قانون کی منظوری ملنے کے بعد بھی وزیر جنگ کلارک نے اضلاع میں ہر طرف تار دوڑا کے چند اور اشخاص پر مقدمہ دائر کرا دیا۔ چنانچہ کم سے کم ایک نامی گرامی سپاہی جرنل ترا و کو تو سزائے موت اسی قسم کے مقدمے میں ملی جو قانون معافی کی منظوری اور نفاذ کے درمیان کے وقفے میں دائر کیا گیا تھا[2] بایں ہمہ جنوبی فرانس کے

[1] یعنی جبرنل موتوں دو ورنے۔ بعض ملزمین کے متعلق ان کی عدم موجودگی میں سزائے موت کا فیصلہ صادر ہوا اور بعض کو اس عجیب تاویل کی بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ وہ سلطنت الیا کی رعایا تھی اور اس لئے بادشاہ فرانس کے خلاف ان کا فعل بغاوت نہیں سمجھا جا سکتا۔
[2] اس موت کی سزا کو بادشاہ نے بارہ سال قید کی صورت میں بدل دیا تھا۔ لیکن ایک دوسرا فوجی سردار جنرل شارتران فی الواقع گولی سے اڑا دیا گیا اور بیان کیا گیا ہے کہ اس پر بھی مقدمہ اسی طرح قانون معافی کی منظوری کے بعد چلایا گیا تھا۔ اگرچہ اس بیان کی کوئی صاف شہادت نہیں ملتی۔ دیکھو دو ورجیر دی ہاران جلد سوم صفحہ ۳۲۵۔

فرانس میں جور و تعدی

سوا دوسرے مقامات پر سزائے قتل کی چنداں افراط نہ تھی البتہ بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی تھی جنھیں قید یا اخراج کی سزا کچھ تو عدالتوں کی طرف سے ملی اور کچھ ان مشتبہ اشخاص پر تمام اختیارات کی رو سے جو "حفظِ امن" کے قانون نے انتظامی عہدہ داروں کے تفویض کر دیئے تھے[1] اس قسم کی جور و تعدی میں مرکزی حکومت کا اتنا حصہ نہ تھا جتنا کہ مقامی عہدہ دار اور ضلع کے حاکموں کا۔ تاہم کلارک اور دو بلانک نے بھی اپنے اپنے محکموں میں اس قسم کی نظریں قائم کیں جن کی دوسرے عہدہ دار سرگرمی سے تقلید کرنے لگے۔ سارے ملک میں بادشاہ پسندوں کی انجمنیں بن گئیں اور انھوں نے اپنے اپنے ضلع کے حکام پر اسی قسم کا بے ضابطہ اقتدار قائم کر لیا جیسا کہ ۱۷۹۳ء میں جیکوبن گروہ کی جماعتوں نے حاصل کر لیا تھا۔ سرکاری ملازمت سے ہر درجے کے ہزاروں اشخاص خواہ مدارس و کلیات میں نوکر تھے یا دیوانی اور عدالتی یا فوج کے برّی اور بحری سررشتوں میں بالکلیہ برطرف کر دے گئے۔ اور انکی جگہ جن لوگوں کو مقرر کیا گیا وہ علانیہ رجعت پسندوں کے آورد ے تھے پھر،

[1] حکومت کی طرف سے قیدیوں کی بڑی سے بڑی تعداد جو قانون حفظ امن کے ماتحت گرفتار کئے گئے تین سو انیس ۳۱۹ بتائی گئی تھی اور یہ ان ۵۰، کے علاوہ ہے جن کی نسبت شہر بدر یا زیر نگرانی رکھے جانے کا فیصلہ سنایا گیا۔ عدالتوں نے جن لوگوں کو سزائے قید دی انکی صحیح تعداد کہیں قلمبند نہیں کی گئی۔ یہ پرانی روایت کہ ستر ہزار آدمی قید میں ڈال دئے گئے بے شبہ بہت لغو مبالغہ ہے۔ لیکن حکومت کی بتائی ہوئی تعداد کو اگر مان لیا جائے کہ کسی خاص وقت کے متعلق ہی صحیح ہے تو بھی اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ قید کئے جانے والوں کی جملہ تعداد کیا تھی کیونکہ فرانس میں سیاسی اضطراب کے زمانے میں جتنی جلد کوئی شخص قید سے رہا ہوتا ہے اتنی ہی جلد اس کی جگہ دوسرا قید میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس بارے میں راقم الحروف کو ذاتی تجربہ حاصل ہے کہ ۱۸۷۱ء میں خود اسے قید بھگتنی پڑی تھی۔ اور ان معاملات سے جو شخص ذاتی واقفیت رکھتا ہے وہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ گمان کرنا کہ مرکزی حکومت کو ہر شخص کے قید میں بھیجے جانے کے متعلق صحیح اطلاع ملتی ہوگی، بالکل مضحکہ انگیز اور باطل ہے۔

جو لوگ اپنی عہدوں پر برقرار رہے انھوں نے یہ نیا رنگ دیکھ کر اپنے پرانے ساتھیوں پر خود چھری چلائی اور نئے حاکموں کو خوش کرنے کے مرتدانہ جوش میں ان سے بھی دو قدم بڑھ جانے کی سعی کی۔ یہ حقیقت جس کا مشاہدہ جمہوریت اور نپولین کی بادشاہی کے زمانے میں ہوا تھا، اب پھر آشکارا ہوئی کہ گو نکوئی کی ایک حد ہوتی ہے، لیکن زشتی اعمال کی کوئی حد نہیں ہے۔ وہی لوگ جو کل اُن کسانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے پکڑواتے تھے جنھوں نے نپولین کی جبری فوجی خدمت سے اپنے بچوں کو بچانے کی کوشش کی تھی، آج اُن کی تلاش میں دوڑ رہے تھے جن پر نپولین کی طرفداری کا قبیح الزام تھا۔ پادریوں نے عام طور پر گروہ غالب کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا تھا اور حکام کے روبرو اپنے حلقے والوں کے خلاف زہر اگل رہے تھے جنھوں نے ان پادریوں کے ساتھ بے توقیری کا برتاؤ کیا تھا[1]
غرض، ہر چند فرانس کی تاریخ میں ۱۸۱۵ء کے عہد رجعت کے حال سے زیادہ تاریک صفحات موجود ہیں لیکن اس سے زیادہ قابل حقارت زمانہ کوئی نظر نہیں آتا۔ اور عہد جمہوریت کے تشدد اور عہد بادشاہی کی مطلق العنانی کی خرابی کا اس سے زیادہ عمیق ثبوت اور کیا ہوگا کہ ان زمانوں میں جو نسل پھلی پھولی اسی میں ایک گروہ تو ایسا پیدا ہوا جس نے بوربنوں کی اس دوسری بحالی کے موقع پر رذالت و فرومایگی کے عجیب و غریب کرشمے دکھائے اور پھر اسی نسل میں عام لوگ ایسے ہوئے جنھوں نے ان حرکتوں کو جائز رکھا۔

رجعت پسند مجلسی اصول اختیار کرتے ہیں

مجلس مبعوثین میں اشد بادشاہ پسندوں کو جن کی تعداد غالب تھی، قانون معافی اور قانون حفظ امن کے مباحث نے مجلسی طور طریق سے خوب آگاہ کر دیا اور اب انھوں نے وہ باقاعدہ طرز عمل اختیار کیا جس میں اظہار جوش و ہیجان کی بجائے اپنی اصلی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش تھی۔ ابھی تک عہد انقلاب اور اس کے ہر کام سے انتہائی نفرت کا

---

[1] دیکھو۔ مجلس مبعوثین کی عرضداشت ۱۸۱۶ء۔ پی ال کورٹ کے مجلدات کے شروع میں۔

جذبہ مجلس میں غالب تھا لیکن بادشاہ پسندوں کے امرا کی خواہش اول اول خواہ کچھ ہو، اب یہ تو ان کا ارادہ ہرگز نہ تھا کہ اسی سیاسی نظام حکومت کو بحال کردیا جائے جو ۱۷۸۹ء سے قبل قائم تھا کیونکہ اس کے معنی یہ ہوتے کہ دوبارہ شخصی بادشاہی قائم کردی جائے اور ان اختیارات سے جو خدا خدا کر کے طبقہ اُمرا کے قبضے میں آئے تھے، دست برداری کرلی جائے۔ اگر کونٹ آر توا تخت پر ہوتا تو مطلق العنان شخصی بادشاہی کا ایسا احیا ممکن تھا لیکن اس وقت، ولی عہد حکومت ہونے کے باوجود اسکی حیثیت وہی ایک سیاسی گروہ کے سردار کی سی تھی جو زمانۂ جوانی میں اسے حاصل تھی غرض لوئی ہجدہم کو تخت شاہی پر اور رشلیو کو مسند وزارت پر دیکھکر یہ اشد بادشاہ پسند حقوق مجلس کے حامی اور شاہی امتیازات کے مخالف بن گئے۔ واضح رہے کہ انقلاب سے پہلے بھی ان اُمرا کو سلطنت میں امتیاز حاصل تھا لیکن سیاسی قوت ان کے ہاتھ میں نہ تھی۔ یہ قوت بلا توقع ۱۸۱۵ء سے آئین اور نیابتی طرز حکومت کے اجرا سے ان کے ہاتھ آئی حالانکہ پہلی بادشاہی کے دور میں اس قسم کا اقتدار انھیں حاصل نہ تھا۔ نئے نئے سیاسی میدان نظر آنے لگے اور وہی لوگ جو چند روز پہلے سینٹ لوئی اور ہنری چہارم کی تعریف میں قصیدہ خوانی کیا کرتے تھے اب جہاں تک ہو سکے مجلس کے اختیارات بڑھانے اور اپنی موجودہ اکثریت کو آیندہ انتخابات میں مستقل رکھنے کے درپے نظر آنے لگے۔ اس دوسرے مقصد کے لئے سب سے مقدم یہ تھا کہ انتخاب مبعوثین کا ایسا قانون بنایا جائے جو بڑے بڑے جاگیرداروں کے مواقف منشا ہو۔ مگر یہ بھی محض مقصد کا ایک وسیلہ تھا اس سے بڑھ کر دوسری ضرورت جس سے براہ راست ایک مقصد اعظم حاصل ہو جاتا یہ تھی کہ دوبارہ کلیسا کی زمینداری کا طریقہ رائج اور اہل کلیسا کی ملکی اور مدنی فوقیت قائم کردی جائے۔

اتنا تو لوئی ہجدہم نے ہی اعتراف کیا تھا کہ کارٹا میں انتخاب مجلس کے ضوابط قابل ترمیم ہیں۔ پس بادشاہ پسند گروہ اطمینان سے انتظار کر رہا تھا کہ کب خود حکومت کی طرف سے اس بارے میں نئی تجاویز پیش ہوں۔ لیکن کلیسا کے متعلق یہ گروہ اس طرح خاموش نہ رہا بلکہ بادشاہ کی خدمت میں عرضداشت کی صورت میں بھیجے جانے کی مختلف

رجعت پسندوں کے منصوبے کلیسا کے متعلق۔

قرار دادوں پر بحث چھیڑ دی جن کا منشا یہ تھا کہ دوبارہ کلیسا ایک سرکاری نوعیت حاصل کر لے۔ مثلاً تجویز کی گئی کہ ولادت اور شادی بیاہ کا دفتر صرف گرجا کے پادریوں کے پاس رہے جیسا کہ انقلاب سے پہلے دستور تھا۔ ان کے سرکاری وظائف کی مقدار دگنی کر دی جائے۔ انھیں اجازت دی جائے کہ گرجا کے لئے ہبہ یا وصیت کے ذریعے ہر قسم کی املاک حاصل کر سکیں۔ گرجا کی تمام زمینیں جو ضبط کی گئیں مگر اب تک سرکار نے انھیں فروخت نہیں کیا تھا، واگذاشت کر دی جائیں؛ اور سب سے آخری تجویز یہ تھی کہ جامعۂ فرانسہ کو توڑ کر ملک بھر کے کل مدرسے اور کلیات اساقفہ کی نگرانی میں دیدیئے جائیں۔ اس سلسلے میں کلیسا کا ایک اہم مطالبہ نہ صرف مجلس نے منظور کیا بلکہ حکومت نے قبول کر کے اسے قانون بنا دیا۔ وہ یہ کہ طلاق کی قطعی ممانعت کر دی گئی اور آیندہ تقریباً ستر سال تک کوئی بڑی سے بڑی بدعنوانی بھی فرانس میں ایسی نہ سمجھی گئی کہ شوہر یا زوجہ کو عقد نکاح کی زنجیر سے نجات دلا سکے خواہ ان کا نکاح محض لایعنی شے ہی کیوں نہ رہ گیا ہو، بروے وصیت یا ہبہ جو املاک پادریوں کو پہنچیں انھیں حاصل کرنے کا پادریوں کو حق دیا گیا لیکن یہ شرط عاید کر دی گئی کہ ان کیلئے ہر صورت میں بادشاہی منظوری لازمی ہوگی۔ سرکاری خزانے سے جو مشاہرے پادریوں کو ملتے تھے انہیں بھی بعض وظائف کا (جب وہ بحق سرکار منتقل ہوں) اضافہ کر دیا گیا اگرچہ یہ اضافہ مجلس کے مطالبات سے کہیں کم تھا۔ اور حق یہ ہے کہ کلیسا کی حمایت میں جتنا جوش خروش دکھایا گیا تھا اس کے مد نظر، جو فوائد کلیسا کو حاصل ہوے وہ مقدار میں بہت کم تھے۔ اور یہ اہم ترین مسئلہ کہ کلیسا کی جو زمینیں سرکار نے فروخت نہیں کی تھیں اُن کا کیا ہو، اس وقت کے لئے ملتوی کر دیا گیا جب کہ مجلس میں موازنہ آمد و خرچ کی بحث چھڑے۔

بادشاہ پسندوں کی جس مجوزہ قانون انتخابات سے بہت کچھ امیدیں وابستہ تھیں، وہ ۱۸۱۵ء کے اواخر میں پیش ہوا۔ اس مسودے سے یہ بات بالکل نمایاں طور پر ظاہر ہوتی تھی کہ مجلس مبعوثین کی اُس آزادی کے متعلق، جو ظاہرا فرانس کو دی گئی تھی،

مسودۂ قانون انتخابات ۱۸ دسمبر ۱۸۱۵ء	خود وزرا کے خیالات کتنے مختلف اور پریشان ہیں۔ مسوّدے کی ترتیب وو بلانک کے سپرد ہوئی تھی جو سابق میں ایک ضلع کا حاکم

رہا تھا اور وہ اپنے آپ کو عہد نپولین کی شخصیت پسندی کے جملہ اثرات سے آزاد و بری سمجھتا تھا لیکن اس موقع پر مجلس وضع قوانین اور جماعت عاملہ (وزرا) کا باہمی تعلق جو اس کے ذہن میں آسکا وہ اسی قسم کا تھا جیسا کہ عکس و شخص میں ہوتا ہے یعنی یہ خیال ہی اس کے دل میں نہ گزرا کہ منشور شاہی (کارٹا) نے جو نیابتی حقوق و آئین منظور کئے ہیں ان کا مقصود یہ ہے کہ حکومت پر اثر ڈالنے کے لئے ایک آزاد قوت کو وجود میں لایا جائے۔ یا یہ کہ عام اہل ملک کو حکومت کے مقابلے میں اس سے زیادہ کوئی وقعت دی جائے جتنی کہ ایک مستقل اور مرتب عمارت میں کسی چھجے کی ہوتی ہے!

وویلانک نے مسودہ پیش کرتے وقت جو طرز بیان اختیار کیا وہ اگرچہ عجیب و غریب تھا لیکن اس میں صاف گوئی ضرور تھی۔ اس نے کہا کہ موں تسکیو اپنی تحریر میں جتاتا ہے کہ اختیارات ہمیشہ زیر نگرانی ہونے چاہئیں۔ پس انتخاب کا اختیار بھی حکومت شاہی کی نگرانی میں رہنا ضروری ہے[1] چنانچہ اس کے مسودے میں تجویز کی گئی تھی کہ تعلقے (کان تون) اور ضلع (ڈپارٹمنٹ) کے انتخاب کرنے والوں کے پہلو بہ پہلو سرکاری عہدہ دار بھی شریک انتخاب ہوں اور ان کی تعداد آزاد رائے دینے والوں سے زیادہ نہیں تو اتنی ضرور تجویز کی گئی تھی کہ وہ جدھر ہو جائیں اسی طرف انتخاب کا پلڑا جھک جائے۔ رائے کا حق تعلقے میں صرف ساٹھ سب سے دولتمند اشخاص کے لئے مخصوص کیا گیا تھا کہ وہ سرکاری عہدہ داروں کے ساتھ ملکر ضلع کے رائے دہندوں کا انتخاب کریں اور پھر یہ منتخبہ رائے دہندے بھی اسی طرح سرکاری عہدہ داروں کے ایک پرے کے ساتھ ہو کر اصل مجلس کے مبعوث منتخب کریں ۱۷۹۵ء کے آئین کا یہ اصول جس کی منشور شاہی نے تجدید کی تھی، وویلانک نے بھی تسلیم کر لیا اور اپنے قانون میں تجویز کی کہ سعوثین کا پانچواں حصہ ہر سال اپنے منصب سے کنارہ کش ہو جایا کرے۔ اس قانون کے مصنف کا اگر منشا یہ تھا کہ وہ اشد بادشاہ پسندوں کیلئے ایک بہترین آلہ اس غرض سے مہیا کر دے کہ اُن کا فرقہ وارانہ طرز عمل قابل قدر بلکہ آزادی کی حمایت نظر آنے لگے تو وہ اس سے بہتر قانون کا مسودہ مرتب نہ کر سکتا تھا۔

---

[1] جورنل دے دے بات۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۱۵ء

رائے دہندوں کے ایسے حلقے کو جن میں سرکاری وکیل عدالت کے حاکم اور بلدیات کے صدر نشین شامل ہوں معترضین محض نپولیانی شعبدہ بتاتے تھے اور یہ اعتراض حق بجانب تھا۔ اسی طرح رائے کا حق دولتمندوں کی معین تعداد سے مخصوص کر دینا وسیع النظری اور منشور شاہی کے منشا کے خلاف قرار دیا گیا اور ہر سال مبعوثین کی ایک خمس تعداد کی نئی بھرتی کے معنی بھی یہ سمجھے گئے کہ حکومت گروہ غالب پر اپنا دباؤ رکھنا چاہتی ہے۔ اور جمہور کی رائے عامہ کو کامل آزادی دینے سے ڈرتی ہے۔ بہر نوع اس مسودے کے متعلق صاف ظاہر تھا کہ مجلس یا تو اسے مسترد کر دے گی اور یا اس میں اتنی ترمیم کرے گی کہ اس کی نوعیت ہی بالکل بدل جائے۔ اسی موقع پر مجلس کی طرف سے جس ذیلی مجلس نے ترمیمات مرتب کرنے کا بیڑا اٹھایا، اس میں سب سے پہلے

وی لیل کی جوابی تجاویز۔

اس شخص کا اثر محسوس ہوا جو بہت جلد اشد بادشاہ پسندوں کے گروہ کا سب سے ممتاز رہنما اور روح رواں بن جانے والا تھا۔ مجلس ذیلی کا یہ سرگروہ ام وی وی لیل جوانی میں لوئی شانزدہم کی بحری فوج کا سردار تھا اور جب یہ بادشاہ معزول ہوا تو وہ ترک ملازمت کر کے جزیرۂ بوربن میں بس گیا تھا یہیں اس نے کچھ روپیہ پیسہ کمایا اور مالیات و تجارت کی جزئیات سے وہ واقفیت حاصل کی جو فرانس کے دیہاتی شرفا میں ایک نادر چیز تھی۔ نپولین کے دور بادشاہی میں وی لیل فرانس میں واپس آیا اور تولوز کے قریب اپنے وطن میں رہنے سہنے لگا۔ اور نپولین کے دوسرے زوال و دولت پر تولوز کی بلدیہ کا میر مجلس بنایا گیا ذاتی تجربات اور کچھ اس صوبے کا باشندہ ہونے کی بدولت وی لیل کی سیاسی آرا میں خاص قوت و حدّت کا رنگ آگیا تھا۔ اس کی واقفیت فرانس کے اسی جنوبی حصّے تک محدود تھی اور اس حصۂ ملک میں سنہ ۱۸۱۵ء کی رجعت حقیقت میں وہاں کے عام لوگوں کے دلی خیالات کا آئینہ بھی تھی چنانچہ دورِ صدر روز کے خاتمے پر حکومت کو اسی جنوبی فرانس میں اُن لوگوں کو ظلم و سفاکی کا شکار ہونے سے بچانے میں بڑی دقت پیش آئی جو نپولین کے حامی اور طرفدار رہے تھے۔ لیکن وی لیل کے ذہن میں یہ خیال سمایا ہوا تھا کہ جس طرح پرووینس اور لاواندیہ میں خوشحال مزارعین امرا اور علمائے مذہب کی پیروی پر آمادہ ہیں یہی کیفیت سارے

ملک۔ فرانس کی ہوگی۔ پس آیندہ حکومت کا جو تصوّر اُس نے قائم کیا تھا وہ جاگیرداروں کی ایک ایسی حکومت تھی جو بادشاہ کی شخصیت اور طبقۂ متوسط کی آزاد خیالی کے مقابلے میں، مزارعین کے جذبۂ مذہبیت اور قدامت پسندی سے قوت و مدد حاصل کرتی رہے۔ اسی لئے عوام کی قوت کو خارج کرنے کی بجائے وی لیسیل نے اسے اپنا مدد و معاون سمجھکر اس کا خیر مقدم کیا۔ اور حق رائے کے واسطے منشور شاہی میں جو آمدنی مشروط کی گئی تھی اس کا ایک ثلث مقرر کرنے کی تجویز کی۔ اور ابتدائی مجالس میں انتخاب کا حق ہر باشندۂ فرانس کو دینے کی تحریک کی جو پچاس فرانک سالانہ مالگزاری ادا کرتا ہو۔ البتہ دُہرے انتخاب کا یہ طریقہ اس نے بحالہ رہنے دیا کہ ابتدائی مجلسوں میں جو لوگ انتخاب ہوں صرف وہ دوبارہ مجلس مبعوثین کے اراکین کا انتخاب کریں۔ انتخاب کے ایسے حلقوں میں جو اتنے وسیع ہوں کہ اس میں زیادہ سے زیادہ تعداد خوش حال مزارعین کی شامل ہوجائے اور اسی کے ساتھ قصبات کے کم مایہ عوام کوئی حصہ نہ لے سکیں، وی لیسل کو یقین تھا کہ مجموعی طور پر انتخابات امرار اور علمار کے قابو میں رہیں گے حکومت کی یہ تجویز کہ ہر سال مجلس کا پانچواں حصہ رکنیت سے علیحدہ اور نیا انتخاب عمل میں آتا رہے، موجودہ گروہ غالب کی اغراض کے خلاف تھی لہذا اسے وی لیسل نے مسترد کردیا اور مطالبہ کیا کہ یہی مجلس بلا تغیر میعاد مقررہ تک کام کرتی رہے اس کے بعد پورے اراکین کا انتخاب وقت واحد میں کرلیا جائے۔

وی لیسل کی تجویز پر عملدرآمد کیا جاتا تو گمان غالب یہ ہے کہ پہلے ہی تجربے میں وہ ناکامیاب ثابت ہوتی وہ اضلاع جن میں ۱۸۱۵ء کے رجعت پسندوں کا دور دورہ تھا اتنے وسیع نہ تھے جتنا وی لیسل نے خیال کیا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ فرانس کے حصۂ اعظم میں مزارعین بجز جبر و تخویف کے اُمرا کی مرضی پر کبھی نہ چلتے۔ مجلس کے گروہ غالب کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوگیا، اگرچہ اپنی تقریروں میں وہ بڑے شد و مد کے ساتھ یہی ظاہر کرتے رہے کہ ہماری رائے عامۃ الناس کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ یہی سبب تھا کہ وی لیسل کی جسارت سے وہ گھبرا گئے اور

قانون انتخابات پر بحث کا نتیجہ۔

یہ سمجھنے لگے کہ اگر اتنے وسیع حلقوں میں انتخاب کا انحصار

مزارعین کی رائے پر چھوڑ دیا گیا تو قرینہ کہتا ہے کہ ایک بھی موروثی جاگیردار منتخب نہ ہوگا اور عجب نہیں کہ صرف جیکوبن اور نپولین پسندوں کا گروہ منتخب ہو جائے۔ تاہم ابتدائی انتخاب میں حق رائے کی سہل شرط کے خوش نما اصول کو چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ دوسرا اور اصلی انتخاب بڑے بڑے زمینداروں کے ہاتھ میں دے کر رائے عامّہ کے پہلے انتخابات کا توڑ کیا جا سکتا تھا۔ اس بات کی مثال حکومت نے خود مسوّدۂ قانون میں قائم کر دی تھی اور مجلس بھی اسی اصول کے مطابق ایسے اشخاص کی ایک جماعت تجویز کر سکتی تھی جو گویا اپنی ذاتی حق کی بنا پر اُن لوگوں کے ساتھ رائے دیں جنھیں ابتدائی مجلسوں میں آیندہ انتخاب کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔ البتہ حکومت نے تو اپنے فائدے کے واسطے یہ تجویز سوچی تھی کہ سرکاری عہدہ داروں کی فوج کی فوج انتخابات میں حصہ لے۔ مجلس نے اس کے خلاف یہ فیصلہ کیا کہ ہر ضلع کے حلقۂ انتخاب میں کل تقریباً ایک سو پچاس رائے دہندوں کی تعداد میں، پچاس آدمی اس ضلع کے بڑے بڑے زمیندار ہوں عام اس سے کہ وہ پہلے انتخاب میں رائے دینے کے واسطے منتخب کئے گئے ہوں یا نہیں۔ اس ترمیم کے ساتھ وی لیل کی تجویز مجلس نے منظور کر لی۔ وزرا کو بھی معلوم ہو گیا کہ محض ترمیموں کے نام سے مجلس نے ایک ایسا مسوّدۂ قانون مرتب کر لیا ہے۔ جو حکومت کے حق میں صریحاً مضر ہوگا۔ کیونکہ حق انتخاب کے ترمیمہ اصول سے آئندہ انتخاب بھی اسی گروہ کے ہاتھ میں رہے گا جو اس وقت کھلے بندوں بادشاہ اور وزرا کا حریف ہے۔ بہ الفاظ دیگر حکومت کی تجاویز اور مجلس کی قرار دادیں تو کوئی مصالحت ہو نہ سکتی تھی لہٰذا حکومت نے یہ معاملہ دارالامرا میں پیش کر دیا۔ امرا نے مجلس تحت کی ترمیمات مسترد کر دیں۔ تب رشلیو نے کام چلانے کے لئے ایک مسوّدہ پیش کیا کہ کم سے کم ہنگامی طور پر انتخابات کا فرانس میں کوئی ضابطہ تو ہو۔ مگر یہ مسوّدہ بھی مجلس میں منظور نہ ہوا۔ وضع قوانین کی ساری آئینی کل چلتے چلتے رُک گئی۔ مجلس مبعوثین اور وزرا کی جماعت علانیہ ایک دوسرے کے بالمقابل نظر آنے لگی اور صاف ظاہر ہو گیا کہ ان میں ایک نہ ایک کا شکست ہونا ناگزیر ہے۔ دول خارجہ کے جو سفیر پیرس میں بوربنوں کی احیائے حکومت کے نگران تھے آپس میں عہد و پیمان

کرنے لگے کہ آیا انھیں بادشاہ کو یہ مشورہ دینا مناسب ہوگا یا نہیں کہ اس مجلس کو فسخ کر دیا جائے۔

مگر قانون انتخابات کا مسوّدہ ہی، مجلس اور رشلیو کی وزارت کے درمیان واحد یا سب سے بڑی مابہ النزاع نہ تھا۔ موازنۂ مداخل و مصارف کے پیش ہوتے وقت اس سے بھی زیادہ زور شور کی مخالفت اور معرکے کے مسائل پیدا ہوئے۔ حکومت کو محض مالی تجاویز کے واسطے نہیں بلکہ قومی عہد شکنی کی ایک ایسی کوشش کے خلاف لڑنا پڑا جو اگر چل جاتی تو فرانس کو ان سلطنتوں کے روبرو قطعاً بے اعتبار و والیہ ثابت کر دیتی

موازنے پر معرکہ

جو ضمانت میں ابھی تک فرانس کے بعض حصّوں پر قبضہ کئے ہوئے تھیں۔ ۱۸۱۳ء میں ملک نے جو قرض لیا وہ ابھی تک جمع نہیں کیا گیا تھا۔ قرض کے اس حصے کی جو ۱۸۱۴ء کی گرمیوں سے پہلے حاصل کیا گیا تھا ان جنگلات سے جو پہلے کلیسا کی ملکیت تھے اور اب تک فروخت نہیں ہوے تھے، اور ان شاملات دیہ کی زمینوں سے کفالت کی گئی تھی جنھیں نپولین نے سرکاری مِلک قرار دے لیا تھا۔ مگر باقی رقم کی جس میں دور صد روز کے قرضے بھی شامل ہیں، کوئی خاص کفالت نہ بتائی گئی تھی۔ اب حکومت کی تجویز یہ تھی کہ تمام رقوم قرض کو ایک ہی مد میں داخل کر لیا جائے اور ان جنگلوں کی فروخت سے جو کلیسائی کہلاتے تھے، انھیں ادا کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ مگر یہ تجویز کونٹ آرتوا اور اس کے ندما کے حلقے میں شدید مخالفت کا موجب بن گئی۔ اگر کوئی مقصود جس کے لئے رجعت پسند اور کلیسائی گروہ دیوانہ وار جد و جہد کر رہا تھا، تھا تو وہ یہی کہ کلیسائی اراضی کو واگذاشت کرا یا جائے اور اگر کوئی گروہ جسے ہی مایہ رکھنے میں اہل مجلس کو ذرا بھی دریغ نہ تھا تھا تو اُن لوگوں کا گروہ جنھوں نے نپولین کو روپیہ قرض دیا تھا پس سرکاری دین ادا کرنے کی بجائے مجلس ذیلی نے تجویز پیش کی کہ ستمبر ۱۸۱۴ء کے اس قانون ہی کو منسوخ کر دیا جائے جس کی رو سے کلیسائی جنگلات کفالت میں دئے گئے تھے۔ اور پہلے اور پچھلے قرض خواہوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے دعاوی کے عوض میں اجناس کے ذخائر پر اکتفا کریں حالانکہ یہ ذخائر ظاہری قیمت سے

دو تہائی داموں کے بھی نہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ قرار داد کا منشاہی یہ تھا کہ حکومت فرانس واجب الاداد ین کا ایک ثلث دینے سے مکر جائے۔ رشلیو نے جب دیکھا کہ اس کی تجویز کو اس طرح مسخ کیا جا رہا ہے تو اس نے پوری تجویز ہی واپس لے لی۔ لیکن مجلس کا گروہ غالب اپنی اور کونٹ آرتوا کی منشا کے مطابق عمل کرانے پر تلا ہوا تھا، اس نے تجویز کا واپس لینا ہی تسلیم نہ کیا۔ یہ حکومت کی کھلی ہوئی توہین اور ساتھ ہی اختیارات پر ناجایز قبضہ کر لینا تھا۔ مجلس کی اس حرکت سے وہ بدنامی اور ایسی ہل چل ہوئی کہ سفیروں کے کہنے سے ڈیوک ولنگٹن نے لوئی ہجدہم کی خدمت میں ایک یادداشت پیش کی جس میں صاف صاف مطالبہ کیا گیا تھا کہ بادشاہ اپنے بھائی کی ریشہ دوانی کا سدِ باب کریں[1]۔ اغیار کی اس مداخلت نے اشد بادشاہ پسندوں کو تو مشتعل کر دیا مگر لوئی کو متعدی سے کام پر آمادہ کرنے میں وہ ناکام رہی کیونکہ بادشاہ سلامت کو ولنگٹن کی زجر و توبیخ سے زیادہ خوف بیگم انگولیم کی آزردگی کا رہتا تھا۔ غرض آخر میں ادائی قرض کا مسئلہ ملتوی چھوڑ دیا گیا۔ نہ حکومت کلیسائی جنگلوں کو بیچنے کی تجویز میں کامیاب ہوئی۔ مجلس کا منشا کہ قرضہ مار لیا جائے، پورا ہوا۔ مداخل و مصارف کا موازنہ جاگیرداروں کے حسب مراد بہت کچھ کٹ چھٹ کے آخر دوبارہ مرتب صورت میں پیش ہوا۔ مجلس کی

مجلسوں کا برخاست کیا جانا۔ ۲۹ر اپریل

اس قرار داد پر کہ کلیسا کی غیر فروخت شدہ اراضی کو واگذاشت کر دیا جائے، بادشاہ نے کوئی اعتنا ہی نہ کی اور جب حکومت کو سرکاری محکموں کو چلانے کی منظوری حاصل ہو گئی تو اس نے خوشی سے، دیگر قوانین وضع کرنے سے ہاتھ اٹھا لیا اور ۲۹ر اپریل کو مجالس وضع قوانین کو برخاست کر کے اس ہنگامے سے جو وضع قوانین کی بدولت ہوتا تھا، پیچھا چھڑایا۔

مجلسوں کے اجلاس ختم کرنے سے امید ہوتی تھی کہ اضلاع میں سزائے قید اور جاسوسی کا جو دَور ہے، وہ بھی موقوف ہو جائے گا۔ تعدّی کے حامی وزیر دوبلانک کو بھی عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ بایں ہمہ فرانس کے بھلا ئب کا

[1] ولنگٹن:— S. O. XII 809

سلسلہ ختم نہ ہوا۔ ۶ مئی کو گرے نوبل میں کسانوں میں ایک بغاوت برپا ہوئی اور
جنرل دوناڈیو کی اطلاع کے بموجب جو مقامی فوج کا سردار تھا اور جس کے مراسلے
نے وزرا کو اس واقعے سے آگاہ کیا، یہ بغاوت سخت کشت وخون کے بغیر فرو نہ ہوسکی۔
جنرل نے اپنے مراسلہ میں لکھا تھا کہ "گرے نوبل کے گرد ایک فرسنخ (لیگ) تک
سارے رستے بادشاہ کے دشمنوں کی لاشوں سے پٹے ہوئے ہیں[1]" تھوڑی ہی
دیر بعد یہ اطلاع ملی کہ فوجی عدالت نے ۲۴ قیدیوں کو سزائے موت کا مستوجب
قرار دیا اور ان میں سے ۶ قتل بھی کئے جا چکے ہیں۔ باقی ماندہ ۸ کی نسبت فوجی
عدالت نے سرکار سے رحم ومعافی کی سفارش کی تھی۔ لیکن دوناڈیو کے مراسلات نے
وزرا کو سخت اضطراب وہیجان میں مبتلا کر دیا۔ دکازے سب سے آزاد خیال
وزیر تھا لیکن خود اُس نے باقی قیدیوں کو قتل کرنے کے عاجلانہ حکم پر دستخط کر دئے۔
چنانچہ یہ سب مارے گئے اور جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تو حکومت کو معلوم ہوا
کہ دوناڈیو کی اطلاعیں نہایت بیہودہ مبالغوں سے لبریز تھیں اور وہ سرکشی
جسے اس نے پورے ضلعے کی بغاوت کی شکل میں دکھایا صرف تین سو مزارعین
کی طرف سے عمل میں آئی تھی جن میں نصف بے ہتھیار تھے جس
نے عجلت اور بیجا غضب ناکی سے دوناڈیو جنگی قانون نافذ کرنے پر تیار
ہو گیا تھا، اس حرکت نے بہت جلد اس میں اور وزرا میں بگاڑ ڈال دیا۔
وہ اشد بادشاہ پسندوں کا سورما بن گیا لیکن وزرا علانیہ یہ اعتراف کرتے
ہچکچاتے تھے کہ انھوں نے بے وجہ آٹھ آدمیوں کو قتل کرایا ہے۔ لہٰذا
گرے نوبل کے ظالمانہ افعال کی ساری ملامت ان کے حصے میں آئی جن کا ذمہ دار
درحقیقت دوناڈیو تھا۔ ادھر غالباً اسی دھوکے میں پھنسا لئے جانے کا
غصہ تھا جس نے دکازے کو کمربستہ کر دیا کہ اشد بادشاہ پسندوں کے جرگے
پر کاری ضرب لگائے۔ یہ وزیر بادشاہ کے مزاج میں بہت درخور حاصل
کرتا جاتا تھا اور اس وقت سے اُس نے بادشاہ کو برابر مجلس کے فسخ کرنے پر

---

[1] دیکھو یہ مراسلہ دُورجیر دی ہوران کی کتاب میں جلد سوم۔ صفحہ ۲۴۲۔

ابھارنا شروع کیا جس کے بغیر ملک کونٹ آرتوا اور اس کے رجعت پسند دوستوں کے اقتدار سے آزاد نہ ہوسکتا تھا۔

لوئی ہجدہم کی بڑی دلبستگی کسی ذاتی دوست کی صحبت تھی۔ نوجوان دکازے بہت اچھا ندیم تھا۔ وزیر کوتوالی ہونے کی وجہ سے اُسے یہ بھی موقع خوب حاصل تھا کہ بادشاہ سلامت کو طرح طرح کے دلچسپ واقعات اور گپ شپ کی باتیں سنائے جو مالیات اور آئین حکومت کے مباحث کی نسبت بہت زیادہ بوڑھے بادشاہ کے مناسب مذاق تھیں۔ لوئی رفتہ رفتہ دکازے کو بیٹے کی مثل عزیز رکھنے لگا۔ اور اپنے علمی شوق کو بھی اسے انگریزی پڑھا کے پورا کرتا تھا۔ اس پر دشمنوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ دکازے چپکے سے کسی گمنام انگریز سے انگریزی پڑھ لیتا ہے اور اپنی ترقی کو اعلیحضرت کی خوبی تعلیم سے منسوب کر کے لوئی کا منظور نظر بن گیا ہے۔ لیکن ڈکازے نے ان سطالیات کا جواب ظرافت کی بجائے زیادہ کارگر طریق پر دیا۔ اس نے اشد بادشاہ پسندوں کے خطوط کھول کھول کے بادشاہ کے سامنے رکھ دیئے اور ان سے لوئی کو معلوم ہوا کہ اس کے یہ جان نثار کس کس طرح اس کی کمزوریوں کا مذاق اڑاتے ہیں اسے جیکوبن فرقے کے ہاتھ میں محض گڈا بتاتے اور کیسا کیسا پیچ وتاب کھاتے ہیں کہ لوئی کی وجہ سے اس مبارک گھڑی کے آنے میں جب کہ کونٹ آرتوا سے تخت فرانس کی زینت ہو تاخیر ہو رہی ہے۔ لوئی کتنا ہی خوش طبع ہو اس قسم کے فقرے پڑھ کر فقط محظوظ نہ ہوسکتا تھا کہ "اُسے چاہیئے کہ یا تو آنکھیں کھولے اور یا ہمیشہ کے لئے انھیں بند کر لے!" ادھر اس عرصے میں دکازے کے گماشتوں نے جو اضلاع میں جا بہ جا مقرر تھے، ثبوت فراہم کر دیئے کہ بادشاہ پسندوں کا گروہ درحقیقت تعداد میں کم اور ملک کے اکثر حصوں میں لوگ اس سے ناخوش ہیں۔ مجلس کی بساط الٹنے کی تجویز وزرا اور بادشاہ کے چند خاص معتمد علیہ اشخاص کے روبرو پیش ہوئی۔ اگرچہ بیرونی سفیروں سے مشورہ نہیں لیا گیا لیکن یہ یقینی بات تھی کہ وہ اس تجویز کی مزاحمت نہ کریں گے۔ منصوبے کی پختت و پز اس خوبی سے ہوئی کہ حریف کو (یعنی آرتوا اور اس کے گروہ کو)

کانوں کان خبر نہ ہو سکی۔ آخر بادشاہ نے ہمت کی اور مجلس کا دوسرا اجلاس ہونے سے

مجلس مبعوثین کا انفساخ ۵ ستمبر ۱۸۱۶ء

جس کا وقت معین ہو چکا تھا، چند ہفتے قبل ۵ ستمبر کو اس حکمنامے (اور دونانس) پر دستخط کر دیئے جس نے اشد بادشاہ پسندوں کو ششدر کر دیا اور وہ دانت پیسکے رہ گئے۔ یعنی یہ سرکش مبعوثین برطرف اور مجلس کو فسخ کر کے اس کی بجائے ملک سے از سر نو حکومت کا ہاتھ بٹانے کی درخواست کی گئی۔

ایسے لوگوں سے چھٹکارا پانا فرانس کے حق میں اچھا ہی ہوا جو یاس و پریشانی کے وقت میں منتخب ہوئے تھے اور جن کی بدولت یا تو ملک پر اجانب کا قبضہ زیادہ طویل مدت تک قائم رہتا اور یا خود اہل ملک میں خانہ جنگی برپا ہو جاتی۔ اب دوبارہ جو انتخابات ہوئے وہ حکومت کے زیادہ موافق منشا تھے ۱۸۱۵ء کی مجلس میں جن مسائل پر بے کار شور و غوغا مچا تھا، نئی مجلس میں وہ قوم کے حسب مراد طے ہو گئے۔ ایک قانون انتخابات منظور ہوا جس نے بلا واسطہ انتخاب مبعوثین

قانون انتخابات ۱۸۱۶ تا ۱۸۱۸ء

کا قاعدہ بنا کر نیابتی اصول میں تازہ قوت اور اہمیت پیدا کر دی اگرچہ اس میں حق انتخاب کا وہ اونچا معیار جو منشور شاہی میں تھا، نیز حکومت کی ہر سال ایک خمس اہل مجلس کے از سر نو منتخب ہوتے رہنے کی تجویز بجنسہ تسلیم کر لی گئی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اس نئے قانون سے سارے فرانس میں رائے دینے والوں کی کل تعداد بمشکل سے ایک لاکھ تھی تاہم اس میں بھی ان لوگوں کی اکثریت کی گنجایش نکل آئی جو اہل کلیسا اور امرا کی رجعت پسندی کے دشمن تھے۔ کیوں کہ ان رائے دینے والوں میں جاگیرداروں کی نسبت ان کی تعداد زیادہ تھی جنھوں ساہوکاری، تجارت یا صنعت و حرفت سے دولت کمائی اور اعلیٰ متوسطین کہلاتے تھے۔ اور گو یا یہ لوگ تمام طور پر جمہوریت پسند نہ تھے پھر بھی ان میں آزاد خیالی تھی اور فرانس کے جدید آئین و اصول حکومت سے پختہ وابستگی رکھتے تھے کہ اُن کے پیشہ ورانہ حقوق اور ذاتی قدر و منزلت کا انحصار ہی اس کامیابی کو قائم و دائم رکھنے پر تھا جو ۱۷۸۹ء میں امرا کے کلی اقتدار و امتیازات مخصوص کے خلاف حاصل ہوئی تھی متوسطین

اہل شہر کی جاگیردار امیروں سے اسی شدید مخالفت کو دیکھکر نئی مجلس میں اشد بادشاہ پسندوں کے گروہ نے پہلی مجلس کی طرح اس دفعہ بھی کوشش کی تھی کہ رائے کا حق مزارعین تک وسیع کر دیا جائے جس میں انھیں امید ہوتی تھی کہ شاید کثرت تعداد ہی سے وہ دولتمند شہر والوں کو مغلوب کر لیں گے لیکن یہ کوشش نہ چل سکی اور قانون اسی شکل میں مجلس مبعوثین و اُمرا میں منظور ہو گیا جس میں حکومت کی طرف سے اس کا مسوّدہ پیش کیا گیا تھا۔ آیندہ نسل نے اس قانون کی نسبت یہ رائے قائم کی کہ وہ بہت محدود اور دولتمند خواص کے موافق مراد تھا لیکن اُس وقت تو اس قانون کا نفاذ آزادخیالی کی بڑی فتح سمجھا گیا اور یہ رائے واقعی کچھ بے اصل نہ تھی۔ برطانیہ کلاں کے متوسطین کو تو انتخاب میں اس قسم کا وزن و مرتبہ حاصل کرنے میں جو ۱۸۱۷ء کے قانون سے فرانس کے متوسطین کو حاصل ہوا) اور پندرہ سال تک انتظار کرنا پڑا

ساکھ قائم کرنے کی تدابیر۔

گذشتہ سال کے ہنگامی قوانین کی رو سے جو لوگ قید کئے گئے تھے اب ان میں سے بہت کم قید میں رہے اور گو حفظ امن کے قوانین کی کچھ اور مدت تک تجدید ضروری سمجھی گئی تاہم ان کو دوبارہ منظور کرتے وقت بہت کچھ نرم کر دیا گیا۔ پھر مجلس کو ملک کی ساکھ قائم کرنے اور غیر جمع شدہ دین کے اصل و سود ادا ہونے کا کوئی معقول انتظام کرنے پر توجّہ کرنی پڑی۔ قرض مار لینے کی تجویزوں کی اب کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ رشلیو گرجا والوں کو سالانہ بھتّا دینے پر جو کلیسائی جنگلات کے لگان کے مساوی ہو رضامند ہو گیا مگر خود یہ جنگل دین کی کفالت میں دے دئے گئے اور ان کی فروخت کا کلی اختیار حکومت کے تفویض ہو گیا۔ پھر جب تک یہ باک کر اصل کی رقم ادا ہو، قرض خواہوں کو ذخائر اجناس دے دئے گئے اور ان کی اصلی قیمت محسوب کی گئی نہ کہ فرضی۔ اس کارروائی کا نتیجہ بہت جلد ظہور میں آ گیا حکومت فرانس اس قابل ہو گئی کہ دول خارجہ کو مقررّہ تاوان جنگ ادا کرنے کے لئے نیا قرض لینے کی گفت و شنید کر سکے۔ فوج قابض کے واپس ہٹائے جانے کی صورت صرف یہی تھی کہ تاوان جنگ ادا کیا جائے چنانچہ ۱۸۱۷ء کے موسم بہار میں دول خارجہ کے تیس ہزار سپاہی فرانس سے ہٹائے گئے اگرچہ ولنگٹن نے اس کی کسی قدر

مخالفت بھی کی مگر زار نے رشلیو کو اس حد تک امید کرنے کا موقع دیا کہ اگر کوئی اور دشواری پیش نہ آئی تو آیندہ سال مملکت فرانس کا کامل تخلیہ عمل میں آجائے گا۔

اس طرح جذبات رجعت پسندی نے فرانس کو جن خطروں میں مبتلا کر دیا تھا وہ زائل ہوتے نظر آئے اور ۱۸۱۷ء کی خزاں میں ایک خمس مجلس کے نئے انتخابات نے رشلیو کی وزارت کو اور بھی تقویت پہنچائی اور انتہا پسندوں کو کمزور کر دیا۔ پھر چند ہی مہینے گذرے تھے کہ واٹرلو کی تیسری سالگرہ سے بھی پہلے زار تیار ہو گیا کہ بیرونی افواج کے فرانس سے بالکل ہٹا لئے جانے کی رائے دی۔ دول کے نام اے لاشاپل میں اپنے اپنے وکیل روانہ کرنے کے بلاوے بھیج دئے گئے اور پورا یقین تھا کہ عہد نامۂ پیرس مرتب کرتے وقت جو خیال کیا گیا تھا کہ فرانس کے بعض حصوں پر پانچ سال تک قبضہ رکھنا پڑے گا، مذکورہ مشاورہ میں اب اس رائے کو ترک کر دیا جائے گا الکزنڈر کی خیر اندیشی اور اس کے سفیر پوزو دی بورگو کی دوستانہ حمایت لوئی اور اس کی مملکت کے بڑے قوی ممد و معاون تھے۔ بورگو خود کورسیکہ کا باشندہ اور فرانس کی رعایا رہ چکا تھا اور اب فرانس میں عہدہ سفارت پانے کا آرزومند تھا۔ مگر ان سب سے بڑھ کر جس شئے نے حکومت فرانس کو بہت جلد دول خارجہ کی نظر میں قابل اعتماد بنا دیا، وہ رشلیو کی مصالحت آمیز حکومت تھی ادھر باشندگان فرانس کی مستعدی میں نپولین کے زوال دولت سے، کمی ہونے کی بجائے پھر اسی قسم کا ناگہانی جوش پیدا ہو گیا جس کا ۱۷۸۹ء میں تو بڑے زور شور سے ظہور ہوا لیکن سنین مابعد میں بالکل زائل ہو گیا تھا۔ اب جنگی ہزیمت کی افسردگی دور ہو رہی تھی۔ نئی دماغی ترقی اور سیاسی زندگی کا آغاز تھا اور ایسے خاندان شاہی کے ماتحت جسے اجانب کی تلوار نے بزور فرانس میں متمکن کیا اہل فرانس میں وہ بیداری پیدا ہو رہی تھی جس کا کوئی شائبہ اس وقت بھی ان میں نہ پایا جاتا تھا جب کہ ان کا سردار (نپولین) سارے یورپ میں اپنے احکام

۱۸۱۶ء تا ۱۸۱۸ء کی نوعیت

نافذ کرتا پھرتا تھا۔ جو لوگ دربار شاہی سے بیزار ہوں ان کے لئے مجلس ملکی میں بحث و تنقید کا قانونی حربہ نکل آیا تھا۔ خفیہ سازش اگرچہ ابھی تک لوگوں کے لئے باعث خوف و پریشانی تھی، لیکن صرف انھی کا کام رہ گئی تھی جن کی کوئی پرسش و وقعت نہ ہو۔ قابلیت والے لوگ مسلّمہ سرگروہوں کے ماتحت اپنی شیرازہ بندی کرتے یا ایک مشترک سیاسی غرض کے لئے متحد ہو رہے تھے۔ اخبارات جنکی نپولین کے زمانے میں خوشی کے سوا اور کسی چیز پر زبان نہ کھلتی تھی، رفتہ رفتہ ملک میں ایک قوت بن گئے۔ شاتوبری آں (Chatean -briand) اپنے گروہ کی طرف سے آئینی آزادی کی حمایت میں جو لمبی چوڑی تقریریں کیا کرتا تھا وہ اگرچہ پُر فریب تھیں اور اس کے گروہ کو موقع ملتا تو اپنی غرض کے لئے جبر و مطلق العنانی کے بدترین وسائل سے کام لینے میں دریغ نہ کرتا تاہم اس کا ایسی تقریریں کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ بالآخر اہل فرانس اس بھاری شکنجے سے آزاد ہو گئے جس نے ان کی زبان اور خیالات کو گھونٹ رکھا تھا۔

لیکن اگر ۱۸۱۵ء سے ۱۸۱۹ء تک کا زمانہ فرانس میں خوش آئند امید و اقدام کا زمانہ تھا تو سارے یورپ کی ایسی حالت نہ تھی۔ انگلستان ان سنین میں جیسے بے اطمینانی اور مصائب میں مبتلا رہا اس کی نظیر ملنی دشوار ہے۔ اطالیہ میں آسٹریہ کی حکومت روز بروز قومی حقوق کی زیادہ مخالف ہوتی گئی۔ پروشیہ میں مقامی اور مالی نظم و نسق کرنے والوں کی مستعدی سے بے شبہ فلاکت زدہ علاقوں کے جلدی دن پھرے لیکن امرا کی سرگرمی اور شخصیت کے حامیوں کی رخنہ اندازی نے آزادی کی امیدوں کو بہت کچھ سرد کر دیا۔ جب اسٹین نے اہل پروشیہ کو حمایت وطن کے لئے ہتیار سنبھالنے کی صلائے عام دی تو اسے یقین تھا کہ لڑائی جیتنے کے بعد نہ فریڈرک ولیم گوارہ کریگا کہ ملک آزادی کے آئین سے محروم رہے نہ الکزنڈر۔ "جنگ استخلاص" کے زیادہ پرجوش شرکا اجانب سے نجات پانے اور اندرونی آزادی مل جانے میں شائد ہی کوئی امتیاز کرتے ہوں ورنہ دونوں کو لازم ملزوم اور مرادف سمجھتے تھے۔ وہ سکسنی

پروشیہ ۱۸۱۵ء کے بعد

اور فرانس کے جنگی میدانوں سے واپس پھرے تو جانتے تھے کہ پروشیہ والوں نے وطن کی خاطر جان و مال فدا کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور اسی لئے انھیں پوری امید تھی کہ ہمارا محبوب وطن بادشاہ آزادیٔ جرمانیہ کے افتتاح سے اپنی فتح کی تکمیل کر کے بہت خوش ہوگا۔ کچھ عرصے تک یہی معلوم ہوتا رہا کہ یہ آرزو عنقریب بر آتی ہے۔ ۲۲ مئی ۱۸۱۵ء کو فریڈرک ولیم سوم نے ایک اعلان بھی شائع کیا کہ قوم کی نیابت کا انتظام ہونا چاہئے[1] اس غرض کے لئے اعلان شاہی میں تحریر تھا کہ ہر صوبے کی مجلس از سر نو مرتب کی جائے اور جس صوبے میں اب تک کوئی مجلس نہیں ہے وہاں نئی مجلس قائم کی جائے اور انھی صوبے کی مجلس کے اراکین سے مجلس ملکی کے نائبین کا انتخاب عمل میں آئے۔ اسی میں یہ بھی درج تھا کہ طریق نیابت کو طے کرنے اور آئین حکومت کو باقاعدہ مرتب کرنے کے لئے ہارڈن برگ کی صدارت میں ایک جماعت خاص کا تقرر کیا جائے گا۔ خود مجلس ملکی کو لوگوں کے جان و مال کے متعلق جملہ قوانین پر غور و بحث کرنے کے حق کا وعدہ کیا گیا تھا اور گو معاملات خارجہ کو مجلس کے مباحث سے صراحتہً علٰحدہ رکھا گیا تھا اور فرمان شاہی کی عبارت سے مترشح تھا کہ نائبین کی اس جماعت کو محض مشورے کا حق ہوگا اور قوانین کے وضع یا منسوخ کرنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا۔ لیکن اس حد بندی سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا کہ حکومت جو پہلی مرتبہ اپنے مطلق العنانی کے اختیارات چھوڑ رہی ہے قدرتی طور پر احتیاط سے قدم آگے بڑھانا چاہتی ہے غرض یہ تجاویز گو ڈرتے ڈرتے کی گئی تھیں تاہم اس کا بہت کم قرینہ تھا کہ ان سے وہ لوگ ناخوش ہو جائیں گے جن کی سعی و کوشش سے پروشیہ میں آئین حکومت کا امکان پیدا ہوا تھا۔

آئین قائم کرنے کا شاہی وعدہ - ۲۲ مئی ۱۸۱۵ء

لیکن فریڈرک ولیم کے وعدوں کا پورا ہونا تقدیر میں نہ تھا۔ اول ہی یہ شگون پروشیہ کے حق میں اچھا نہ ہوا کہ اشٹین کو جس نے اپنے وطن اور کل یورپ کی ایسی شاندار خدمات انجام دی تھیں،

جاگیرداروں اور استبداد پسندوں کی مزاحمت

[1] پرٹز بین، اسٹینز جلد چہارم ۴۲۸۔

سرکاری عہدے سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشیں ہونا پڑا۔ دربار برلن کے درباریوں کی پہلی منڈلی جس میں وہ ارباب حل و عقد شامل تھے جنھیں اپنے سے زیادہ مقبول عوام افراد کے لئے جگہ خالی کرنی پڑی، بڑے بڑے زمینداروں پر مشتمل تھی اور وہ جرمانی سرف کے آزاد ہونے پر خار کھائے بیٹھے تھے۔ جبر و استبداد اور حسب نسب کے امتیازات کی خود غرضیاں وقت کے وقت دب گئی تھیں کیونکہ خود قوم کی حیات کے لئے جد و جہد پیش آگئی لیکن اب ان سب اثرات نے بتدریج بادشاہ پر قابو پالیا اور ہارڈن برگ کی جڑیں کھوکھلی کردیں جو خود پیرانہ سالی میں ایسے خانگی واقعات کی وجہ سے جنھوں نے کبر سنی کی توقیر و عزت کو بہت کچھ خاک میں ملا دیا، کمزور ہوتا جاتا تھا۔ محض نظری طور پر ان اصول کا طے کرنا جس پر آئین حکومت مبنی کیا جانے والا تھا، ہوشیار سے ہوشیار مدبر کی تمام و کمال اختراعی قابلیت کا متقاضی تھا۔ کیونکہ ہوہن زولرن خاندان کی قدیم مملکت کے ساتھ، اور پولینڈ و جرمانیہ کے ان اضلاع کے علاوہ جو ۱۷۹۲ء سے ۱۸۱۵ء تک مختلف اوقات میں حاصل ہوئے، جدید انتظام کرتے وقت رہائن اور سکسنی کے صوبوں کا بھی لحاظ رکھنا تھا جو طبعاً غیر تھے اور ان کی پروشیہ سے رفاقت بھی مشتبہ تھی۔ ہارڈن برگ کی یہ رائے تو صائب تھی کہ نئے آئین کا تعلق کسی ایسے آئین سے رکھنا چاہئے جو پہلے سے موجود ہو لیکن صوبے کی مجلسوں سے مجلس ملکی کا مرتب کرنا غالباً خطا پر مبنی تھا۔ کیونکہ یہ صوبے کی مجلسیں اس وقت صرف خاندان امرا کی جماعتیں تھیں اور ان کے مزاجوں میں حسب نسب کے امتیازات اپنے اپنے شہر و مقام کے تعصبات جاگزیں تھے۔ ان مجلسوں میں تغیر و تبدل کرنے سے ادھر تو لامحالہ انتخابی اصول کے نفاذ میں تاخیر ہوئی اور اُدھر ہارڈن برگ ان صوبے کی مجلسوں کا نشانۂ ملامت بن گیا کیونکہ انھیں مجلس ملکی کے تحت میں آکر اپنی خصوصیت کا مٹ جانا سخت ناگوار تھا۔ ان اسباب نے ظاہر کر دیا کہ نئے آئین کی تیاری بڑی جاں کاہی کا کام ہوگا اور اس عرصے میں جمہوری حقوق کے دشمنوں نے ان اشخاص اور خیالات کی شدید مخالفت شروع کردی جن کے اثر سے استخلاص وطن کی گذشتہ جنگ

کامیاب ہوئی اور اب جرمانیہ کے ماضی و حال میں ایک نمایاں انقلاب ہو جانے کا ثبوت ملتا تھا۔

رجعت پسندوں کی مخالفت کا پہلا عام اظہار ایک رسالے سے ہوا جسے **شمالز** نے جولائی ۱۸۱۵ء میں شایع کیا۔ **شمالز** اصول قانون کا خاصا ممتاز ماہر اور **شارن ہورسٹ** کا برادر نسبتی تھا جس نے افواج جرمانیہ کی اصلاح کی تھی۔

شمالز کا رسالہ ۱۸۱۵ء

شمالز نے اپنی تحریر میں اس بیان کی تردید کی کہ اُس نے ۱۸۰۸ء کی کسی وطنی تحریک میں قابل قدر حصہ لیا تھا اور اسی سلسلے میں "توگن بنڈ" اور دوسری انجمنوں کو جو اسی زمانے میں معرض وجود میں آئیں نہایت درشتی کے ساتھ لتاڑا۔ اُس نے پروشیہ کے پرانے اہل کاروں کے خشک متحکمانہ لہجے میں یہ ماننے سے انکار کیا کہ ۱۸۱۳ء کی فتح میں عوام کے جوش و خروش کو کوئی دخل تھا[۱] اور قوم کی بحالی کے حقیقی سبب یہ بتائے کہ پہلے تو ۱۸۱۲ء میں حکومت پروشیہ نے اتحاد فرانس کو مان لیا اور اور دوسرے جب وقت آیا تو فرض شناسی کے جذبۂ دروں نے لوگوں کو کمربستہ کر دیا کہ حکم شاہی کی تعمیل میں تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ پھر آگے چلکر حالیہ سیاسی انجمنوں کے تذکرے میں اس نے ان پر یہ الزام وارد کیا کہ وہ ہر جمی جمائی حکومت کی دشمن ہیں اور انقلاب اور قتل و غارت گری کے ذریعے تمام جرمانیہ کو بزور متحد کرنا چاہتی ہیں۔ رسالے میں اشٹین کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ لیکن ممتاز افراد کو جو جیکوبن قسم کی جماعتوں کی ہمت افزائی کریں متنبہ کیا گیا تھا کہ ایسے جتھوں میں بڑے بڑے سربلندوں کا انجام یہ ہوا کرتا ہے کہ چھٹ بھیوں کے ہاتھ میں آلہ بن جاتے ہیں۔ **شمالز** کا طرز تحریر ایسا پاکیزہ اور زوردار تھا کہ جرمانیہ میں ایسی تحریر کم دیکھی جاتی تھی لہذا اس رسالے نے بڑا اثر کیا اور آزاد خیالوں کے طبقے میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ اور لوگوں کے علاوہ **نی بور** نے بھی اس رسالے کا جواب لکھا اور مناقشہ اتنا بڑھا کہ شاہ فریڈرک ولیم کو امن عامہ کی خاطر حکم

[۱] شمالز۔ برخ ہی گنگ وغیرہ صفحہ ۱۴۱۔

دینا پڑا کہ آیندہ کوئی فریق موافقت یا مخالفت میں کچھ نہ لکھے۔ اس حد تک بادشاہ کی مداخلت پروشیہ والوں کے خیالات کے مطابق تھی جو سمجھتے تھے کہ جھگڑوں کو مٹانا بادشاہ کے لئے ضروری ہے۔ دوسرے بلا طرفداری اس قسم کا امتناع کچھ ناموزوں نہ تھا۔ لیکن بادشاہ نے خود وہ کام کیا کہ اس امتناعی حکم کی یہ نوعیت باقی نہ رہ سکی۔ یعنی ہارڈن برگ سے مشورہ لئے بغیر اس نے بانی فساد کو عطائے تمغہ سے سرفراز کیا تاڑنے والے اس سرفرازی کی تہ کا مطلب سمجھ گئے۔ انھوں نے ہارڈن برگ کو جتا دیا کہ اگر وہ اس اہانت آمیز فعل سے چشم پوشی کرے گا تو اسے بہت جلد اس سے بدتر سلوک برداشت کرنا پڑے گا لہذا ان لوگوں نے یہ تاکید مشورہ دیا کہ ہارڈن برگ اُن صلاح کاروں کے نکال دیئے جانے پر اصرار کرے جن کی رائے سے بادشاہ نے شمالز کو تمغہ دیا تھا۔[1] لیکن ہارڈن برگ ایسے کاموں کو ناپسند کرتا تھا جن میں ناگواری اور بے لطفی پیدا ہو غالباً وہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ بادشاہ کے دل میں کسی کو وہ جگہ حاصل نہیں ہو سکتی جو مجھے حاصل ہے۔ حریفوں کی اُس جماعت کے زور پکڑتے جانے پر بھی اُس نے چنداں اعتنا نہ کی جو اُس کی علانیہ یا خفیہ مخالفت کے ساتھ ساتھ اس آئینی اصلاح کی راہ میں روڑے اٹکانے پر تلے ہوئے تھے جس کے عمل میں لانے کی ہارڈن برگ کو وہ کچھ فکر تھی۔

۲۲ مئی ۱۸۱۵ء کے فرمان میں بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ آئین تیار کرنے کا کام آیندہ ستمبر میں شروع کر دیا جائے۔ لیکن اس میں تاخیریں واقع ہوئیں۔ اور جب آخرکار ماہرین کی جماعت مقرر ہوگئی تو اس کے ارکین کو ہدایت کی گئی کہ وہ خود ملک میں گشت لگائیں تاکہ طرز نیابت کے متعلق لوگوں کی رائیں فراہم کر سکیں۔ پھر اس ابتدائی مرحلے کے شروع ہونے میں بھی دو برس گزر گئے۔ اس عرصے میں تمام جرمانیہ کے اندر کسی آئینی حکومت قائم کرنے کے کام کی رفتار بالکل سست رہی۔ صرف ایک امیر کبیر ڈیوک آف ویمر نے جو گوئٹی اور شلر کی شہرت کے سلسلے میں

موعودہ آئین کے ملنے میں تاخیر۔

---

[1] پرٹز۔ لیبن اسٹینز۔ پنجم ۲۳۔

جب پہلے سے تمام یورپ میں نام آور تھا، آزاد حکومت کی تجویز سچائی سے قبول کرلی اور نیا بنی آئین کا ہر ابنی ریاست میں واقعی عمل بھی شروع کر دیا لیکن ہیسں میں وہاں کے الکٹر (= امیر) نے مجلس کو طلب تو کیا مگر جب اہل مجلس نے اس کی زیادہ تانی کے متعلق چوں وچرا کی تو کمال شوخ چشمی سے انھیں رخصت کر دیا۔ اکثر چھوٹی ریاستوں میں سے لوگوں کے قدیم طبقات اور والیان ریاست کے درمیان گفت وشنید یا بحث ونزاع ہوتی رہی مگر عام طور پر اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ ریاستہائے جرمانیہ کی مشترکہ مجلس (= فیڈرل ڈایٹ) پر واجب تھا کہ وہ اس موقع پر ان حقوق کی وضاحت اور تعیین کر دیتی جو تمام جرمانیہ کے لئے عام تھے۔ لیکن وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی۔ ان باتوں نے، بالکل مایوس نہ سہی، لوگوں کو برخاستہ خاطر ضرور کر دیا۔ تعلیم یافتہ طبقے میں جس نے جنگ استخلاص میں ایسا کچھ جوش دکھایا تھا، یہ بے اطمینانی کی کیفیت سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ جرمانیہ کی یہ خصوصیت یاد رکھنے کے لائق ہے کہ وہاں آزاد حکومت کا مطالبہ اہل فوج کی طرف سے نہیں ہوا جیسا کہ ہسپانیہ میں ہوا، نہ انگلستان کی طرح وہاں سوداگروں اور بیوپاریوں نے اس کی خواہش کی بلکہ وہاں یہ مطالبہ کلیات کے اساتذہ اور طلبا اور اخبار نویسوں کی طرف سے پیش ہوا جو خود بھی دراصل ایک دوسرے لباس میں اساتذہ ہی سمجھے جا سکتے ہیں۔ متوسطین کا طبقہ بالعموم بے حس رہا۔ بلند رتبہ اُمرا اور خوانین (ناٹیس) کی نیم خود مختاری ۱۸۰۳ء میں سلب ہوئی تھی۔ وہ اب اس بات کے درپے تھے کہ ایسے حقوق وامتیازات حاصل کرلیں جن کی وینے کی صورت میں کوئی حکومت ملکی بھی صحیح معنی میں آزاد حکومت نہیں سمجھی جا سکتی تھی۔ غرض آئینی حکومت اور ممالک جرمانیہ کے اتحاد کی حمایت، اہل پروشیہ کے ہمت چھوڑ بیٹھنے کی بنا پر، جامعات ومطابع کے ان پُرجوش افراد کا کام رہ گئی جو قدرتی طور پر سیاسی مسائل میں واقفیت کے بجائے طراری، اور مصلحت اندیشی کی جگہ جوش کا اظہار کرتے تھے شہر جینا کے ڈیوک ویمر کے علاقے میں واقع تھا، آزادی تحریر حاصل ہونے کی بنا پر آزاد خیال اخبار نویسوں کا صدر مقام بن گیا وہیں کی جامعہ نے اتحاد جرمانیہ کی اُس تحریک میں علم برداری کی خدمت ذمہ لی جس کا آغاز بارہ برس پہلے فشٹ نے اس وقت کیا تھا جب کہ

جرمانیہ کی حالت خوار و زبوں تھی مگر جس (تحریک) میں اب اجانب پر فتح پانے سے ایک نئی جان اور تازہ حرارت آگئی تھی۔

۱۸ اکتوبر ۱۸۱۷ء کے دن جینا کے طلبہ نے ایس ناک میں ایک جشن منعقد کیا کہ اصلاح کلیسا اور جنگ لیپ زگ کی دہری خوشی منائی جائے۔ جرمانیہ کی تمام پروٹسٹنٹ جامعات کے وفود اس میں شریک تھے۔ یہ پانچسو نوجوان محبانِ وطن کا مجمع تھا اور ان میں بعض وہ اہل علم تھے جنھوں نے واٹرلو میں شجاعت وجانبازی کے تمغے جیتے تھے۔ انھوں نے پیشانیوں پر شاہ بلوط کے پتے باندھے

جشن ورٹ برگ
۱۸ اکتوبر ۱۸۱۷ء

اور لوتھر کے قصر ورٹ برگ کے محترم ایوان میں جمع ہو کر مل کر گیت گائے نمازیں پڑھیں وعظ کئے وعظ سنے اور ایک دسترخوان پر کھانا کھایا۔ "جوہر حیات" یعنی جرمن آزادی اور "مرد خدا" یعنی مارٹن لوتھر، نیز امیر کبیر والی سیکس ویمر کے نام پر قدحے چڑھائے۔ پھر قصر سے اتر کے ایس ناک میں آئے اور منڈی میں لانٹ اشٹورم (نظم جمعیت) کے سپاہیوں سے بھائی چارہ کیا، حلقے کے گرجا میں نماز گذاری اور کسی قسم کا ناگوار حادثہ پیش نہیں آیا۔ شام کے وقت انھوں نے قصبے والوں کو وہ ورزشی کھیل دکھا کے خوش کیا جو جرمن قوا کی مسلمہ دلیل سمجھے جاتے تھے اور قصر کے سامنے کی پہاڑی پر ایک بڑا الاؤ لگا کے روشنی کی۔ جس قدر قاعدے کی رسمیں تھیں ان کے ادا کرنے میں پورا ادب و احترام ملحوظ رہا۔ تاہم اثنائے تقاریر میں عہد شکن بادشاہوں کے متعلق بعض سخت الفاظ کہے گئے اور بعض زیادہ جوشیلی طبیعت والوں نے الاؤ سے یہ کام بھی لیا کہ لوتھر نے پاپا کے فرمان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اسی طرح انھوں نے بعض "ان جرمن" اور تاریک خیالی کی تحریریں سپرد آتش کر دیں۔ انھی میں شمالز کا رسالہ تھا۔ فوجی وردی کا ایک سینہ بند ایک چٹیا اور ایک دفعدار کی بید بھی جلائی گئی جو دور قدیم کے وحشیانہ جبر و تشدد کی نشانیاں تھیں اور اب ویسٹ فالیہ میں دوبارہ انھیں رواج دیا جا رہا تھا۔[1]

[1] جشن ایس ناک کے شریک ہونے والے اساتذہ میں سے ایک شخص کیزر نے اس جشن کا

یہ سارا معاملہ کچھ بھی اہم نہ تھا مگر اس نے نہ صرف جرمانیہ بلکہ دول خارجہ کے درباروں تک میں عجیب قسم کا خوف پیدا کر دیا۔ رِشلیو نے پیرس سے یہ دریافت کرنے کے لئے مراسلہ لکھا کہ کیا کسی انقلاب کا آغاز ہو رہا ہے۔ پروشیہ کے بادشاہ نے ہارڈن برگ کو وائمر بھیجا کہ جائے وقوع پر معاملے کی تحقیقات کرے۔ میٹرنک جسے ہر جگہ اور ہر بات میں سازش و انقلاب کا ہوّا نظر آتا تھا، اپنی عاقبت اندیشی کا یہ ثبوت دیکھکر بہت خوش ہوا کہ آخر کار ہمسایہ حکومت کے نادان لوگ بھی خواب غفلت سے بیدار ہوئے ورٹ برگ کے قضیے کی تشہیر کا پہلا نتیجہ تو یہ تھا کہ ڈیوک وائمر کو اپنی رعایا کی آزادی میں تخفیف کرنی پڑی لیکن اس کے دیگر عواقب صرف کچھ زمانہ گزرنے کے بعد بروئے کار آئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ عجیب طرح کا حال لکھا ہے "(دوٹس، ورٹ برگ فسٹ ۱۸۱۸ء) جواب تک محفوظ ہے لکھنے والے کی ابلہی دیکھکر یقین نہیں ہوتا کہ یہ کسی مرد بالغ کی تحریر ہے۔ جلوس کی نسبت جو ورٹ برگ کی طرف روانہ ہوا مصنف لکھتا ہے کہ "بے شبہ ایسے جلوس تو بہت نکلے ہوں گے جو ظاہری طمطراق میں اس سے بڑھے چڑھے ہوں لیکن معنوی قدر و منزلت کے لحاظ سے یہ جلوس کسی سے کمتر نہ تھا" لیکن مصنف کی ذاتی ضعف دماغ کا لحاظ رکھنے کے بعد، غور سے دیکھئے تو اُس کی کتاب اس زمانے کی جرمانیہ کے نوجوانوں اور اُن کے معلمین کی حالت دماغی کی ایک عجیب اور سبق آموز تصویر پیش کرتی ہے۔ اور یہی وہ شئے تھی جس نے مختلف حکومتوں کے ارباب لبست و کشاد کو اتنا بے وجہ پریشان و سراسیمہ کیا اور سیاسی تاریخ پر بڑا اثر ڈالا۔ کسی قدر غور سے دیکھئے تو طلبہ کے جذبۂ قوم پرستی کے مضحکہ انگیز پہلو تک پہنچ جانا دشوار نہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ جوش اصلیت کے عناصر سے خالی نہ تھا۔ ویلز کے حالات سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس ۱۸۱۷ء کے میلے اور اہل ویلز کے مذہبی جلسوں یا "ایس ٹڈ فوڈاو" کی نمایاں مماثلت دیکھکر متعجب ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔ اور سچ یہ ہے کہ یہ مماثلت محض اتفاقی نہ تھی بلکہ یکساں حالات کا نتیجہ تھی۔ یہ الفاظ دیگر یہ ایسے لوگوں کی، جو کسی وسیع پیمانے پر علمی یا قومی زندگی سے واقفیت نہیں رکھتے، ادبی، قومی اور دینی حسیات کا مظاہرہ تھا۔ مگر جب ۱۸۶۸ء میں اہل ویلز نے سیاسی معاملات میں یہ سرگرمی دکھائی کہ صدیوں سے جو بڑے بڑے زمیندار برابر پارلیمنٹ کے رکن ہوتے چلے آتے تھے وہ بہ یک وقت سارے ملک سے اکھڑ گئے تو اسوقت حیرت صرف ان صاحبان کو ہوئی ہو گی جنھیں گرجا اور میدانوں کے جلسوں میں

اور نہایت نمایاں طور پر آئے۔ اس واقعے نے سارے جرمانیہ میں یہ خیال ونشیں
کر دیا کہ جامعات و مطابع میں بدامنی کی قوتیں مصروف کار ہیں اور انھیں حکومت
کے پنجۂ آہنی سے مسل دینا ضروری ہے ادھر خود بادشاہ فریڈرک ولیم کے دل میں
اس واقعے نے ان مواعید کے متعلق تشویش و بدگمانی کو تقویت پہنچائی جو اس نے
دو سال پہلے اپنی رعایا سے آزادی دینے کے بارے میں کئے تھے۔
جشن ورٹ برگ اور اے لاشاپل کی مجلس سلاطین کے درمیان ایک سال کا
عرصہ گذرا اس وقفے میں بادشاہ پروشیہ سے بھی ایک زیادہ باوقعت شخص رجعت
پسندوں کی طرف آملا ۱۸۱۸ء کی گرمیوں تک تو معلوم ہوتا تھا کہ زار روس آئینی
حکومت کی حمایت میں ویسا ہی جوش رکھتا ہے۔

الکزنڈر ۱۸۱۸ء میں۔

اور اسی سال کے موسم بہار میں پولینڈ کی مجلس کا اس نے انعقاد کیا تو
ایسی زور و شور کی تقریر کی کہ نہ صرف وی آنا کا دربار بلکہ خود وزرا کے مشیر
گھبرا اٹھے۔ تقریر میں اس نے اپنا یہ ارادہ کہ تمام ممالک روس کو نیابتی حکومت کے آئین سے
بہرہ مند کرے گا اتنے صاف و صریح الفاظ میں ظاہر کیا ان کے متعلق کوئی شک و شبہ کی گنجایش باقی
نہ رہی علہ پھر اس مختصر اجلاس کے خاتمے پر اس نے پولینڈ کے مبعوثین کا اس دلیری پر بھی شکریہ
ادا کیا کہ انھوں نے خود زار کی ایک تجویز مسترد کر دی۔ یہ تو ممکن ہے کہ الکزنڈر کی یہ دارسا والی عام پسند
فصیح البیانی اس مصمم ارادے کے معارض نہ ہو کہ نیابت وغیرہ کے باوجود وہ پولینڈ میں یا اور
کہیں اپنی حقیقی اختیارات میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہونے دے گا لیکن چند ہی مہینے
کے بعد جب وہ اے لاشاپل کی مجلس میں نمودار ہوا تو اس کا قالب ولہجہ اس قدر بدلا
ہوا تھا کہ اہل الرائے کو اس تغیر کا کوئی عجیب اور ناگہانی سبب تلاش کرنیکی ضرورت ہوئی

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گذشتہ: بیہودہ جوش و خروش کے سوا اور کوئی شئے نظر نہ آئی تھی۔ ورنہ اصل یہ ہے کہ
اہل دیلز کی گرم جوشی کو جس سے اس وقت تک پوری طرح باقاعدہ کام ہی نہ لیا گیا تھا اب
ایک عملی صورت میں ظاہر ہوئی کیونکہ انگریزی تنظیم نے اس کے واسطے ایک نمونہ پیش کر دیا تھا۔ برخلاف
اس کے جرمنوں کا ۱۸۱۷ء کا جوش بھی اس لئے بے کار ثابت ہوا کہ اس کے سامنے کوئی مثال موجود نہ تھی۔
علہ۔ اس تقریر کے لئے دیکھو برن ہارڈی۔ جلد سوم ۶۶۹۔

چنانچہ کہا جاتا ہے کہ زار کے قیام ماسکو کے زمانے یعنی جون ۱۸۱۸ء میں اس پر یہ منکشف کیا گیا کہ سارے روس میں بے شمار خفیہ انجمنیں خود اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں۔ الکزنڈر کا باپ خونیوں کے ہاتھ سے ہلاک ہو چکا تھا۔ خود اس کے مزاج میں بڑی حدت اور تاثر تھا پس رعایا کے ساتھ کمال شفقت و مرحمت کی تمنا کے باوجود اس قسم کے انکشافہ سے وہ یقیناً بہت ہی بھڑک اٹھا ہو گا۔ اس کے مزاج اور ذاتی معاملوں میں گذشتہ واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ کچھ بعید نہ تھا کہ اپنے احساس پر ایک چوٹ پڑتے ہی وہ بالکل دب گیا ہو اور لمحہ بھر میں آزادی کے حامی کی بجائے اس نے جابر و مطلق العنان کی شان اختیار کر لی ہو لیکن اس کے دل میں جو کچھ گزرا اس کی شہادتیں مفقود ہیں۔

البتہ سنی سنائی باتیں، قیاس آرائی اور افواہیں افراط سے موجود ہیں[1] اس شخص نے جو صحیح طور پر سب حال بتا سکتا تھا، اس بارے میں ایک کلمہ نہیں چھوڑا۔ ہاں یہ یقینی بات ہے کہ وہ مستقبل جو پر امن ترقی کے تصورات سے روشن تھا ۱۸۱۸ء کے خاتمے کے قریب الکزنڈر کی چشم تصور میں ایک میدان جنگ بن گیا جس میں امن و بدامنی مصروف کشمکش تھے اور وہ فرض منصبی جسے قضا و قدر نے اس پر اور اس کے ساتھ کے دوسرے بادشاہوں پر عائد کیا تھا، اب بنی نوع میں علم و آزادی پھیلانے کی خدمت کرتا نہ رہا بلکہ حکومت وقت کی حفاظت رہ گیا خواہ حکومت جابر و مستبد اور اصول مسیحیت کے بالکل خلاف ہی کیوں نہ ہو، اسے بہر نوع اس دیوانگی کے مقابلے میں بچانا ضروری نظر آنے لگا جسے "حقوق عوام" سے تعبیر کرتے تھے۔

اخیر ستمبر ۱۸۱۸ء میں دول عظمیٰ کے بادشاہ یا ان کے نائبین اے لاشاپل میں جمع ہوئے اور مختلف مشاورتوں کا آغاز ہوا۔ پہلا فیصلہ طلب مسئلہ یہ تھا کہ آیا اتحادی فوج بلا اندیشہ مملکت فرانس سے واپس بلا لی جائے، دوسرا یہ کہ دول یورپ کے اتحاد کو آئندہ کس شکل میں قائم رکھا جائے۔ پہلے مسئلے میں کسی کو

اے لاشاپل کی مشاورتیں اکتوبر ۱۸۱۸ء

تخلیہ فرانس

اختلاف نہ تھا۔ قرار پایا کہ فرانس کا تخلیہ کر دیا جائے اور اس پر فوراً عمل شروع ہو گیا۔ دوسری بات زیادہ دشوار تھی۔ رشلیو نے شاہ لوئی ہیجدہم کی جانب سے التماس کیا کہ فرانس کی حیثیت اب وہی ہے۔

[1] گینٹز - ۱۰، دوم، ۸۷ - سوم، ۴۲ -

جو یورپ کی کسی دوسری سلطنت کی۔ لہٰذا اس کی تجویز تھی کہ ۱۸۱۵ء کے اتحادِ اربعہ کو اب صحیح معنی میں پورے یورپ کے اتحاد کی صورت میں اس طرح بدل دیا جائے کہ اتحاد کا پانچواں رکن فرانس کو تسلیم کیا جائے۔ یہ تجویز حکومت برطانیہ کے پاس بھیجی گئی اور اگر مجلس وزرا میں کیننگ شدید مخالفت نہ کرتا تو غالباً حکومت برطانیہ بھی اسے مان جاتی۔ مگر کیننگ نے مجوزہ اتحاد کے وہ پہلو دیکھے جو اگرچہ تاریک تھے لیکن صحیح تھے۔ اس کی پیش بین نظر نے تاڑ لیا کہ حکومتوں کا ایسا اتحاد درحقیقت آزادی کے خلاف ایک قسم کی گروہ بندی بن جائے گا۔ اسی لئے اپنی حکومت کے سابقہ معاہدات کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس نے زور دیا کہ انگلستان کسی جتھے میں شرکت نہ کرے بجز اُس جتھے کے جو فرانس کی شورش کا سدّباب کرنے کے مقصدِ معین کے لئے بنایا گیا ہے اور جس میں شرکت کا انگلستان ازروئے معاہدہ پابند ہے

اتحادِ خمسہ کی تجویز۔

کیننگ

تین سلطنتوں کے ساتھ اس غرض سے اتحاد کرنا کہ فرانس میں نپولین یا جیکوبن فرقے والوں کو دوبارہ تسلط حاصل کرنے سے روکا جائے، عین مصلحت اور دانش مندی کی بات تھی۔ لیکن بغیر کسی خاص مقصود کے یورپ کی تمام بڑی سلطنتوں کے ساتھ ایکا کرنے کے معنی یہ تھے کہ مُلک کو اقوام یورپ کے مقابلے میں ان کے فرماں رواؤں کا جانب دار بنا دیا جائے اور انگلستان کا دامن جبر و استبداد کے ہر ایسے قضیئے میں جو یورپ کے بادشاہ آئندہ اٹھانا چاہیں اُلجھا لیا جائے۔ کیننگ کی حجّت سے اُس کے ساتھی وزرا کی بھی آنکھیں کھلیں اور انھیں خیال ہوا کہ واقع میں ایسا اتحاد کیا گیا تو اس کے متعلق پارلیمنٹ اور ملک کی عام رائے غالباً کیا ہوگی۔ غرض کاسل ریا کو ممانعت کردی گئی کہ وہ اپنے مُلک کو دولِ غیر کے کسی اتحاد میں جس کے مقاصد معین نہ ہوں، شریک نہ بنائے۔ اس فیصلے کے اسباب کو جن الفاظ میں وزیرِ اعظم نے لکھا ہے وہ یادگار کے قابل ہیں؛ اس نے لکھا کہ "ہمیں یاد رکھنا چاہیئے اور اپنے اتحادیوں کو بھی اس کا احساس کرا دینا چاہیئے کہ ان مسائل کی عام اور تمام یورپ کے اغراض کو مدِ نظر رکھ کر بحث برطانوی پارلیمنٹ میں ہوگی۔ [1] قوم کی قوت پذیر آواز نے، جو اب جنگی ضروریات کے عذر پر

---

[1] کاسل ریا دوازدہم - ۵۵ و ۶۲ -

اپنے حاکموں کا مطالبہ ماننے پر مجبور نہیں کی جا سکتی تھی، آخر کار لارڈ لورپول اور کاسل ریا کو بھی سر اُن مطالبات کے آگے جھکوا دیا جس کو وہ ذاتی طور پر مطلق نہیں مانتے تھے۔ مذکورۂ بالا وجوہ سے حکومت برطانیہ نے ان ہنگامی مشاورتوں کو ایک باضابطہ آئین بنانے اور مجلس دول کے موقت اجلاس کی تجویز ماننے سے بھی انکار کر دیا گو وزرائے انگلستان اس پر بالکل رضامند تھے کہ یورپ میں جو سیاسی الجھنیں آیندہ پیدا ہوں وہ ضرور دول عظمیٰ کی باہمی دوستانہ گفت و شنید سے طے ہونی چاہئیں۔ مجلس دول کے بادشاہوں یا حکام کا بار بار جمع ہونا امن یورپ کے لئے تو پختہ مفید ہوتا یا نہ ہوتا یہ یقینی بات تھی کہ اس قسم کی مجلس دول اگر مستقل بنا دی جاتی تو چھوٹی سلطنتوں کی آزادی کا چراغ گل ہو جاتا اور سارے یورپ کی قسمت کا فیصلہ ہر معاملے میں جس میں وہ متفق ہو جائیں انہی بڑے بڑے درباروں کے ہاتھ میں آ جاتا۔

۱۸۱۸ء کی مشاورتوں کے نتائج جس صورت میں مرتب ہوئے وہ صورت کسی عام اتحاد دول میں برطانیہ کے اسی شریک نہ ہونے سے برآمد ہوئی یعنی اول تو اتحاد اربعہ کی جو انقلاب فرانس کے مقابلے میں کیا گیا تھا تجدید کی گئی اور وہ بھی ایسے اے لاشاپل کے ظاہری اہتمام کے ساتھ کہ ہنگامہ ہونے کی صورت میں اتحادی فوجوں کے

قول و قرار اور خفیہ معاہدہ

جمع ہونے کے مقام تک ابھی سے معین کر دیئے گئے[1] لیکن یہ معاہدہ خفیہ رکھا گیا کہ ریشلیو کی دشواریوں میں اضافہ نہ ہو اور جو تحریریں عام طور پر شائع کی گئیں ان کی شان ہی دوسری تھی[2]

چنانچہ گو لوئی ہجدہم کے ساتھ کسی خاص معاہدے کا اعلان تو نہ تھا لیکن تمام دول کی جانب سے بشمول انگلستان بیان کیا گیا تھا کہ فرانس نے جائز اور آئینی بادشاہی کی بحالی سے یورپ کے معاملات میں دوبارہ اپنی جگہ حاصل کر لی ہے اور وہ امن عامہ کی تدابیر میں برابر کا شریک رہے گا۔ ممکن ہے کہ اس غرض کے لئے آیندہ دول یورپ کے تاجداروں یا نائبین کے یکجا ہونے کی ضرورت پڑے لیکن ایسی مشاورۃ کا مقام وغیرہ

---

[1] ۔ ولنگٹن۔ ایس ڈی۔ دوازدہم ۸۳۵ء

[2] ۔ سرکاری دستاویزیں۔ بی اور ایف ۱۸۱۷ء اور ۱۸۱۸ء چہارم۔ ۱۴

خط کتابت کے معمولی ذریعے سے طے ہوا کرے گا اور دول عظمیٰ کسی چھوٹی سلطنت کے معاملات کے متعلق کوئی بحث نہ کریں گی، بجز اس کے کہ کوئی چھوٹی سلطنت خود اس بات کی درخواست کرے اور اس صورت میں اس کے نائبین کو بھی مجلس مشورہ میں شریک کر لیا جائے گا۔ ان احتیاط آمیز الفاظ میں مجلس اے لاشاپل نے اس بات سے گویا تحاشی کی کہ وہ یورپ پر نگرانی کے لئے کسی مستقل اور باضابطہ جماعت بنانے کا قصد رکھتی ہے ایک "اظہار حال" ساری دنیا کے لئے شائع کیا گیا جس میں بتایا گیا تھا کہ پانچ بڑی سلطنتوں کے بادشاہوں کا مقصود باہمی اتحاد و اشتراک سے بجز اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ نافذ الوقت معاہدوں کی بنیاد پر امن امان قائم رکھیں۔ انھوں نے کوئی نیا جتھا نہیں بنایا ہے بین الاقوام قوانین پر کاربند رہنا ان کا اصول اور اپنی رعایا کی مرفہ الحالی اور بہبود ان کا مطلوب ہے۔

انگلستان کی شرائط قبول کر لینے کے باوجود ۱۸۱۸ء کے اہل تدبر جس شوق وخلوص کے ساتھ اس خیال پر جمے رہے کہ یورپ کے معاملات کی تنظیم آپس کے مشورے سے کی جایا کرے اسے دیکھکر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا وہ منصوبہ جس کی انھیں لو لگی ہوئی تھی عمل میں آجاتا تو فی الواقع بنی نوع کے حق میں موجب خیر و فلاح نہ ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بین الاقوامی مجلس کی قدر و وقعت کا حقیقی انحصار اول تو اُس آگاہی اور دور اندیشی پر ہے جس سے مجلس کے ارکین بظاہر متصف ہوں اور دوسرے اس پر کہ وہ کس حد تک قوم کے صحیح نائب اور ترجمان ہیں۔ اب تجربے نے ثابت کر دیا کہ ۱۸۱۸ء کے اہل مشاورۃ بہت محدود آگاہی رکھتے تھے اور بہ اعتبار نیابت وہ فقط ارباب حکومت کے نائب تھے۔ اے لاشاپل میں ان کی یہی یکجائی یورپ کی آئینی تاریخ میں ایک نمایاں تغیر کا آغاز کرتی ہے یعنی گو آئینی طرز حکومت کے خلاف صاف صاف کوئی اعلان نہیں کیا گیا لیکن وزیر یا بادشاہ جو اس مشاورۃ میں شریک ہوا یہ ٹھان کر وہاں سے واپس گیا کہ حکومت کی بندشیں اور

مجلس مشاورۃ کا استبدادی رنگ

سخت کر دے گا۔ خوف کے الفاظ ہر شخص کے کان میں پھونک دیئے گئے بلجیم میں سازشیں، ولنگٹن کی جان خطرے میں ہونے اور نپولین کو جزیرہ سینٹ ہلینا سے چھڑائے جانے کی خفیہ تحریز کی افواہیں، جرمن جامعات کے خلاف شور و ہنگامے اور ماسکو کے متعلق سرگوشیوں سے

ملکر، ارباب حکومت کے دلوں میں طرح طرح کے وہم پیدا کرنے کے لئے کافی تھیں۔ خود الکزنڈر کے طرز عمل میں جو تغیر واقع ہوا وہ اسی قسم کا اثر ڈالنے کے لئے کچھ کم نہ تھا۔ یورپ کی قدامت پسندی کا سرگروہ میٹرنک اب تک یہ سمجھتا تھا کہ زار آزادی اور روشن خیالی کی طرف اس درجہ میلان رکھتا ہے کہ یورپ کا مستقبل مشکوک ہوگیا ہے[۱] کیوں کہ

میٹرنک اور آسٹریہ کے اصول کا آئندہ سے ہر جگہ حاوی ہوجانا۔

آسٹریہ کا ہمیشہ سے مقصود یہی تھا کہ حکومت حاضرہ کی قوت میں ضعف نہ آنے دے اور ہر قسم کی جدت اور تبدیلی کے میلان کو روکے۔ اور آسٹریہ کے ان اصول کو سارے یورپ کا قانون بن جانے میں اگر کوئی تنہا شخص غالباً مانع آنے والا تھا تو زار روس تھا۔ کسی اور کی مزاحمت کا میٹرنک کو زیادہ اندیشہ نہ تھا۔ ہارڈن برگ صحت کی خرابی اور اپنے بادشاہ کی پوری تائید نہ ہونے سے، اب مقتدر نہ رہا تھا۔ بلکہ شاید اس خیال سے کہ آیندہ فریڈرک ولیم کے اندیشوں کو دور کرنے کی تدبیر یہی ہے وہ فی الحال دب کر خود بھی خوف و وحشت پھیلانے والوں میں شامل ہوگیا اور اس بات کو انگیز کیا کہ پروشیہ کی ممالک جرمانیہ میں حکمت عملی محض آسٹریہ کے جمود و جبر کا مثنیٰ بن جائے[۲] حالانکہ چند سال پہلے ممالک جرمانیہ کا مستقبل بہت شاندار و وسیع نظر آنے لگا تھا۔ رہا انگلستان تو جب تک یورپ کے معاملات میں اس کی نیابت کاسل ریا اور ولنگٹن کے ہاتھ میں تھی، وہ گویا آزادی کے حامیوں کی کسی شمار قطار میں نہ تھا۔ وہ اکیلی رکاوٹ جو آسٹریہ کے راستے میں حائل تھی،

---

[۱] گینٹز۔ ڈی۔ آئی۔ جلد اول۔ ۴۰۰ + گینٹز، میٹرنک کا معتمد علیہ مشیر کار اور اے لاتاپلی کی مشاورت کا معتمد تھا۔ اس مراسلے میں مجلس کے جو حالات اس نے لکھے ہیں وہ نہایت بیش قیمت ہیں اور کوئی سرکاری دستاویز مجلس کے استبداد و قدامت پسندی کی کیفیت کو اس طرح واضح نہیں کرتی جس طرح یہ مراسلہ ارالکین مجلس کو عام طور پر اگر کوئی خوف دامنگیر تھا تو وہ یہ کہ الکزنڈر اتحادیوں سے ٹوٹ کر فرانس و اسپین کے ساتھ کوئی علیحدہ اتحاد نہ قائم کر لے۔ نیز دیکھو کاسل ریا دوازدہم۔ ۴۷۔

[۲] گینٹز ایک خط میں لکھتا ہے "میں تم کو اس مضمون پر طول و طویل خط لکھ سکتا تھا کہ پروشیہ والے آسٹریہ کے مرتبے، تدابیر اور زبان بلکہ غرض ہر شئے کی کس قدر عزت و قدر کر رہے ہیں۔ میٹرنک نے خاصی طرح انہیں مسحور کر لیا ہے"۔ کانگ لائس (اوسٹن) اول۔ ۵۱ و۔

الگزنڈر کے ناگہانی تغیر سے دُور ہو گئی۔ اور اس وقت سے میٹرنک کا یورپ میں وہ اثر قائم ہوا کہ بہت کم کسی مدبّر کو حاصل ہوا ہوگا۔ ۱۸۱۴ء اور ۱۸۱۵ء میں زار نے اس اثر کو چلنے نہ دیا تھا لیکن اے لا شاپل کی مجلس مشاورۃ میں اس کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور پھر آیندہ پانچ یادگار برس تک اس اثر میں کوئی ضعف نہ آیا اور وہ صرف اس وقت زائل ہوا جب کاسل ریا کی قوت سے انگلستان کی حقیقی رائے کی دوبارہ بزم سیاسی میں سماعت ہونے لگی اور کیننگ نے جو ایک عرصے تک مجبوراً الگ تھلگ رہا اور اسی تاخیر کی بدولت اطالیہ اور ہسپانیہ میں جبر و تشدّد کے عمل کو نہ روک سکا تھا، آخر اُس دوسرے جتھے کی بنیاد ڈالی جو زیادہ قابل عزت اور یونانی کی آزادی کا بانی ہوا۔

لیکن ہمیں سلسلۂ واقعات کو چھوڑنا نہ چاہیئے کہ اگر ایک چالاک مدبّر کا وصف یہ جاننا ہے کہ کس جگہ دبانا اور کس جگہ دب جانا چاہیئے تو اس میں شک نہیں کہ میٹرنک نے ۱۸۱۸ء میں اپنے آپ کو کامل مدبّر ثابت کیا۔ مشاورۃ کے ختم ہونے سے قبل اس نے

میٹرنک کی اصلاح پروشیہ کو

ہارڈن برگ اور شاہ پروشیہ کو دو کاغذ دیئے جن میں پروشیہ کے انتظامات کے متعلق تفصیلی مشورہ تحریر تھا۔ یہ تحریری مشورے بجائے خود کچھ کم عجیب نہ تھے مگر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ان میں لکھا تھا آیندہ سنین میں انھی کے مطابق عمل میں آیا اور وہی تجاویز پروشیہ کی تاریخ کا جزو بن گئیں۔ یہ فرض کر کے کہ انقلاب پسند جماعت کو اصلی قوت و تحریک فریڈرک ولیم کے اس فرمان سے پہنچتی ہے جس میں اس نے نیابتی آئین قائم کرنے کا وعدہ کیا تھا، میٹرنک نے وعدہ کرنے والوں کو نرم لب و لہجے میں یہ جتایا کہ نیابت کا کوئی مرکزی آئین بنایا گیا تو وہ لازمی طور پر حکومت پروشیہ کا خاتمہ کر دے گا۔ پھر یہ سمجھا کر کہ بادشاہی مملکت میں سات صوبے شامل ہیں اس نے فریڈرک ولیم سے تجویز کی کہ وہ اپنا وعدہ صرف اس طرح پورا کرے ہر صوبے میں مقامی معاملات کا فیصلہ کرنے کی غرض سے نیابتی مجلس بنا دے۔ اس نے بادشاہ کو متنبہ کیا کہ خبردار کوئی ایسی ملکی مجلس نہ قائم کیجائے جیسی کہ فرانس کی ۱۷۸۹ء میں خانہ براندازی کر چکی ہے اور پھر خاص خاص خطرات جو اس وقت پیدا ہو گئے تھے بتا کر، میٹرنک نے ان کے سدّ باب کی تدابیر تحریر کیں۔ یہ خطرے جرمن جامعات، ورزشی کھیلوں کے اکھاڑے اور مطابع تھے۔ اس نے کہا کہ "انقلاب پسند اپنا مقصد خود حاصل کرنے سے مایوس ہو چکے ہیں

لیکن اب انھوں نے یہ منصوبہ قرار دے لیا ہے کہ آیندہ نسل کو انقلاب کے لئے پوری طرح تعلیم دے دیں۔ جسمانی تربیت گاہوں کا مطلب یہ ہے کہ طالب علموں کو آیندہ ہنگامہ و فساد کے لئے تیار کیا جائے۔ لڑکپن کا زمانہ ختم ہوتے ہی جامعات نوخیز طالب علموں کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیتی اور انقلاب کی تعلیم دیتی ہیں۔ یہ شرارت تمام ممالک جرمانیہ میں کی جا رہی ہے اور تمام مقامی حکومتوں کو مل کر اس کا سدّباب کرنا چاہئے۔ البتہ جسمانی تربیت گاہیں صرف برلن میں ایجاد ہوئیں اور یہیں سے دوسرے جگہ پہنچی ہیں ان کے لئے معمولی احتیاطی تدابیر اب کافی نہیں ہوسکتیں بلکہ شاہ پروشیہ کا یہ فرضِ حکومت ہوگیا ہے کہ اس بلا کا استیصال کرے اور اس قسم کی تربیت گاہ خواہ وہ کسی شکل میں ہو قطعیتہً بند کردی جائے"۔ مطابع کی بدعنوانیوں کے بارے میں میٹرنک نے صرف اتنا کہنے پر اکتفا کی کہ مستقل تصانیف اور معمولی رسائل و جرائد میں امتیاز کیا جائے۔ نیز تمام ممالک جرمانیہ میں مطابع کی تنظیم کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ آسٹریہ اور پروشیہ کے باہم کوئی قرارداد کرلیجائے[۱]

دس لاکھ ہتیار بند فوج کے ہوتے ساتھی وہ فرمان فرما جنھوں نے نپولین کا تختہ اُلٹ دیا تھا، آج خوف سے محض اس بنا پر لرز رہے تھے کہ تیس چالیس ہزار اہل قلم اور اور اساتذہ فصاحت کے زور میں کچھ بہت آگے بڑھ گئے تھے یا مدرسے کے لڑکوں کی گردن پر جو سر تھے ان میں کافی عاقبت اندیشی نہ تھی۔ البتہ ایک فرانس جس کا تخیل پہلے ہی اتحاد مقدس کے فضائل سمجھنے سے قاصر رہا تھا تنہا وہ فرماں روا نظر آتا تھا جو غالباً ان اوہام اور خطرات کے متعلق اس قسم کا گمان رکھتا تھا کہ لایعنی باتیں ہیں[۲] ورنہ زار نے اب ان واعظین کے خلاف جو دنیا کو تہ و بالا کئے دیتے تھے، شدت دکھانے میں نام پیدا کیا۔ میٹرنک اہل مشاورۃ کو پہلے ہی کچھ کم خوف زدہ نہ کرچکا تھا کہ اس پر زار نے بہ استزاد کیا کہ اے تبایل میں کسی مولڈاویہ کے باشندے **اسٹورڈزا** نامی کا ایک رسالہ تقسیم کرایا جس میں جرمانیہ کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ انقلاب کے کنارے پر کھڑی ہے اور کوئی آدھی کوڑی خرخشے فساد گنوائے تھے جو اس بدبخت ملک کو مصنّف کے خیال میں پارہ پارہ کئے ڈالتے تھے۔ ان

اسٹورڈزا کا رسالہ

---

[۱] میٹرنک سوم۔ ۱۷۱۔ [۲] دیکھو اس کی آرا میٹرنک جلد سوم ۲۶۹ میں جو اس صحرائے گرم میں نخلستان نظر آتی ہیں۔

سب میں بڑا فتنہ، جامعات کا نظام تھا جو مملکت مسیحی کو موسوی شریعت کے اصول موضوعہ پر جائز نشو و نما دینے کی بجائے نوجوانوں کو فساد سے نفرت کرنا سکھاتا تھا۔ اور بے لگام اہل تصنیف کا کورمقلد بنا رہا تھا[1] ۔ ذرا مین مولڈاوی مصنف کے بعض بعض جگہ فقرات الکزنڈر کے کلمات سے قابل تعجب مماثلت رکھتے تھے اور بعض خیالات فی الواقع ہو بہو میٹرنک کے افکار تھے جو اس وقت تک شایع نہ ہوئے تھے۔ اور یہ باتیں لکھکر اس نے ریاست ہائے جرمانیہ کی اُن بہترین تدابیر کی طرف رہنمائی کی تھی جس کے ذریعے وہ اپنی رعایا کو ان خطروں سے بچا سکتے تھے۔ ان میں مختصر طور پر بعض مالی اور انتظامی اصلاحات تجویز کی ہیں لیکن اصلی اصلاح ٹھیک وہی تھی جسے میٹرنک نے بطور خود پیش کیا تھا کہ جامعات کی نگرانی بڑھائی جائے۔ مقررہ نصاب تعلیم پر سختی سے عمل ہو اور اسی کے ساتھ اخبارات وجرائد کی تحریروں پر پوری طرح نظر رکھی جائے۔

اسٹورڈزا کے رسالے میں بجز استدلال کے ساتھ جابجا نہایت بدتمیزی سے سب وشتم کے الفاظ استعمال کئے گئے تھے اور کتاب کی اصلی خوبیوں یا مصنف کی شہرت کے اعتبار سے تو شاید ہی اس پر کوئی توجہ کرتا۔ لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ زار کے خیالات کا آئینہ ہے تو اس کی بات ہی دوسری ہوگئی۔ ایک اجنبی شخص کے جرمانیہ کے اندرونی معاملات میں اس طرح دخل اندازی کرنے پر جرمن جامعات میں طبعی اور نہایت شدید مخالفت برپا ہوئی۔ کیونکہ اس کے معنی تو یہ نکلتے تھے کہ گویا فرانس کے ساتھ خونی کشمکش کرکے جو قومی رستگاری حاصل کی گئی ہے اس کا موعودہ ثمرہ یعنی اندرونی آزادی نقطۂ روس کے اشارے پر بھینٹ چڑھاوی جائے زار تک تو دسترس بھی نہیں۔ لہٰذا خشم خوردہ کوٹ زیبو کا قتل، اُحبِّ وطن کے انتقام کا ایک غیر مقتدر شخص شکار ہوا جس کی نسبت سوئے اتفاق سے سمجھا جاتا تھا کہ وہ زار کا خاص گماشتہ ہے۔

۲۳ مارچ ۱۸۱۹ء

یہ ناٹک نویس اوگسٹ کوٹ زیبو، جو اُن دنوں مشہور تھا اور اب کسی کو یاد نہیں آتا، وسطی جرمانیہ میں روس کی طرف سے مقرر تھا اور ایک اخبار نکالتا تھا جس کا مقصد قومی تحریکات حاضرہ اور خاصکر طلبہ کی اُن انجمنوں کا خاکہ اڑانا تھا

---

[1] ۔ ڈنگ شرفٹ وغیرہ صفحہ ۲۱۔ رسالہ کا اصل فرانسیسی برٹش میوزیم میں موجود نہیں۔

جن میں جرمن وطنیت کا بڑے جوش خروش کے ساتھ اظہار ہوا کرتا تھا۔ بہت سے اسباب تھے جن سے عوام اس شخص کے دشمن ہو گئے اور اُسے ایک باضابطہ دشمن نہیں بلکہ غدار و مرتد سمجھنے لگے تھے۔ کوٹ زیبو جینا میں خود طالب علمی کر چکا تھا اور ایک زمانے میں آزادی کے خیالات کو اپنے ناٹکوں میں عملی پیرایہ دیا کرتا تھا۔ بعد میں ادبی حسد اور ناکام خود پسندی نے اسے اپنے وطن سے بیزار کر دیا اور آخر میں وہ خوشی سے ایک قیصر بادشاہ کا گوئندہ بن کے جلے دل کے پھپولے توڑنے لگا۔ گوئندے کی حیثیت سے جو خبریں وہ سینٹ پیٹرز برگ بھیجا کرتا تھا یقینی وہ بھی ایسی ہی زہر بھری ہوتی ہوں گی جیسی اس کی تحریریں جو وہ اخبار میں جامعات کی مخالفت میں چھاپا کرتا تھا۔ لیکن اس شخص کی نسبت یہ خیال کرنا کہ زار کے آزاد خیالی کا ساتھ چھوڑ کر اہل رجعت کے ساتھ جا ملنے کا اصلی باعث وہ ہوا، اسے ایک بے جا وقعت دینا ہے۔ بایں ہمہ عام خیال یہی تھا اور اسی کا کوٹ زیبو کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ارلانجن کے ایک طالب علم کارل سینڈ نامی نے جو ورٹ برگ کے جلوس میں جھنڈے کے ساتھ ساتھ تھا، دل ہی دل میں ٹھان لی کہ اس دشمن وطن کو کیفر کردار کو پہنچانے کی خاطر اپنی جان قربان کر دے۔ سینڈ سچے جوش و خلوص، گو غیر مستقیم عقل، کا آدمی تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی سے عیاں ہوتا تھا کہ وہ کسی ایسی دھن میں جسے وہ صلائے غیب سمجھتا تھا، مستغرق ہے۔ اسے اُن یونانیوں کا خیال آیا کرتا تھا جو اس گئی گذری حالت میں بھی بارہا ترکی استبداد سے اپنے وطن کو آزادی دلانے کے لئے جان پر کھیل جاتے تھے۔ اور وہ اس قابل افسوس نتیجے پر پہنچا تھا کہ محض ایک مبتذل ناٹک نویس کے قتل سے میں شیطانی قوتوں پر ایک کاری ضرب لگا سکتا ہوں؎۱ اس نے ایک دن قسمت کے ہیٹے کوٹ زیبو کو اپنے اہل و عیال میں

؎۱۔ سینڈ کے روزنامچے کے اقتباسات جو ۱۸۲۱ء میں ایک چھوٹی سی کتاب "ٹاگ بوسٹر" میں چھپے تھے مذہبی نظر سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخری تحریر جو ۳۱ دسمبر ۱۸۱۸ء کے دن لکھی گئی حسب ذیل ہے:- "اچھی طرح سمجھ کر کہ یہ کرسمس جسے میں نے منایا میرا آخری کرسمس تھا، میں اس سال کے آخری دن سے جوش مسرت کے ساتھ ملاقی ہوتا ہوں۔ اگر ہماری جد و جہد کا کوئی نتیجہ اور انسانی فلاح کا مقصد ہمارے وطن آبائی میں سر سبز ہونا ہے اور اگر یہ سب باتیں محض بھول جانے کے لئے اور ہمارا جوش خروش

بیٹھا ہوا پا لیا اور اس کے قلب میں ہتیار بھونک کر اسی سے اپنے آپ پر ضرب لگائی۔ لیکن ان زخموں سے وہ جانبر ہوگیا تو سزائے موت کا حکم ملا اور ایک سال کے وقفے کے بعد سُولی پر اُس نے جان دی۔ مرتے وقت اس نے خدا کو گواہی میں پکارا کہ میں صرف جرمانیہ کے آزاد ہونے کے لئے جان دیتا ہوں۔

میٹرنک کی تدبیریں

سینڈ کے فعل کے عواقب بہت اہم تھے اور ان کی حقیقی نوعیت فوراً لوگوں کی سمجھ میں آگئی۔ ہارڈن برگ نے جب کوٹ زیبو کی فوت کا حال سنا تو چلا اٹھا کہ اب پروشیہ میں آئینی حکومت کا اجرا ناممکن ہے۔ میٹرنک جیسے زار کی یہ خواہش کہ یورپ کے بادشاہ مذہبی اصول پر امن کا عہد باندھیں، دیوانگی نظر آتی تھی، اس قسم کے جذبۂ زنبداری کا کاہے کو روادار ہوسکتا تھا جس کی آڑ میں نوجوان باغیوں کو ملک میں قتل و خون کرتے پھرنے پر مامور کیا جائے۔

یہ آسٹروی مدبّر اس وقت شہر رومہ میں تھا جب اسے کوٹ زیبو کے خون کی خبر ہوئی۔ وہ سمجھ گیا کہ تمام ممالک جرمانیہ میں متفقہ کام کرنے کا یہی وقت ہے اپنے خیالات کا عام طور پر کوئی اظہار کئے بغیر اس نے تشدّد آمیز قوانین کا ایک پورا خاکہ تیار کیا اور بڑی بڑی جرمن ریاستوں کے وزرا کو مراسلے بھیجے کہ سب ایک جگہ جمع ہوں۔ موسم گرما میں وہ آہستہ آہستہ سفر کرتا ہوا شمال کی طرف روانہ ہوا اور ٹپ لٹز (بوہیمیہ) میں شاہ پروشیہ سے ملاقات کی پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد حسب ارادہ وزرا کی مجلس شوریٰ کا قریب ہی کے قصبے کارلز بیڈ میں افتتاح کیا۔ اس کے اشارے سے متعدد بیگناہ اشخاص پہلے ہی پروشیہ اور دوسری ریاستوں میں گرفتار کئے جا چکے تھے اور یہ گرفتاریاں جس طریقے پر کی گئی تھیں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ فضول ضائع ہونے کے لئے نہیں ہیں تو اس بدکردار، قوم فروش، نوجوانوں کے مخرب کا قتل کیا جانا لابد ہے۔ جب تک میں یہ کام نہ انجام دے لوں مجھے اطمینان خاطر حاصل نہیں ہوسکتا' اور اطمینان خاطر اس وقت تک کیونکر ہو جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ میں نے ارادہ مستقیم کے ساتھ اپنی جان کی بازی لگادی؟ اے خدا، میری دعا صرف یہ ہے کہ میری روح کو وہ سچی لو نیز استقامت ملے کہ میں آخر میں اور سب سے نازک وقت میں کہیں اپنے سے جھوٹا ثابت نہ ہوں! (صفحہ ۱۴۴) یونانیوں کے متعلق اس کے خیالات کا ذکر ایک خط میں ہے جو اس کے انگریزی تذکرے میں (صفحہ ۲۰۴) شایع ہوا ہے۔

وہ حکومت کے لئے نہایت قابل شرم تھے۔ چنانچہ لوگوں کی خانگی تحریریں چھین کر اُن کے جعل آمیز اقتباسات ثبوت جرم کے لئے سرکاری طور پر چھاپے گئے تھے [۱]۔ میٹرنک نے لکھا ہے کہ "خدا کی مدد سے میں جرمن انقلاب کو بھی اسی طرح شکست دوں گا جس طرح فاتح دنیا کو نیچا دکھا چکا ہوں۔ انقلاب پسندوں نے مجھے بہت دور سمجھا تھا۔ کیونکہ میں پانچسو فرسخ پر تھا۔ لیکن یہ اُن کی غلطی تھی۔ میں اُس وقت بھی اُن کے بیچ میں تھا اور اب اپنا وار کرتا ہوں" [۲]۔ میٹرنک کا منشا یہ تھا کہ ریاست ہائے جرمانیہ کی مجلس میں قانون وضع کرا کے انھی اصول کا تمام جرمانیہ میں عملدرآمد کرائے چھوڑے جن کی بیج کے طور پر وہ شاہ پروشیہ سے پہلے سفارش کر چکا تھا۔ اس کی حکمت عملی کے دو واضح مقصد یہ تھے کہ اوّل تو کسی جرمن ریاست میں کوئی ایسی مجلس نہ بننے دے جو تمام باشندوں کی نیابت کرتی ہو جیسا کہ انگلستان کا دارالعوام یا فرانس کا دارالمبعوثین تھا۔ اور دوسرے سب جگہ کی جماعات و مطابع پر یکساں احتساب کا ایک صدر محکمہ قائم کرے جسے مجلس رؤسا کے نائب کی حیثیت سے احتسابی اختیارات حاصل ہوں۔

پروشیہ کا رہ جانا اور جنوب مغربی ریاستوں کا آئینی بن جانا۔

ان میں سے پہلے مقصد، یعنی ملکی مجلسوں کے قائم نہ ہونے دینے میں، ایک نئی دشواری ریاست ہائے بویریہ و بیڈن کے تازہ احکام سے پیدا ہوگئی۔ دراصل پروشیہ اور ان چھوٹی ریاستوں کے تعلقات میں جو پہلے متحدہ ریاستہائے رہائن کے نام سے شیرازہ بند تھیں، ایک عجیب تغیر ہو گیا تھا۔ وی آنا کی موتمر میں پروشیہ کے ارباب حکومت نے جب یہ کوشش کی کہ چھوٹے رئیسوں کے شخصی اختیارات محدود کئے جائیں اور ریاستہائے متحدہ کی

---

[۱] ارن ڈٹ شاعر کے کاغذات بھی پکڑے گئے تھے۔ ان میں شاہ پروشیہ کی ۱۸۰۸ء میں لکھی ہوئی یادداشتوں کی ایک نقل تھی جن میں بادشاہ نے عوام کے متعلق لکھا تھا کہ ان کے تعداد کثیر میں جمع ہونے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ایک یادداشت یہ تھی:۔ "جہاں ایک پادری نشانۂ بندوق ہوا (مطلب یہ تھا کہ فرانسیسیوں کے ہاتھ سے) وہیں سارا معاملہ ختم ہو گیا"۔ مگر ان الفاظ کو پروشیہ میں سرکاری طور پر یہ دکھانے کے لئے شائع کیا گیا کہ ارن ڈٹ اسٹینڈ سے بھی بڑھ گیا کہ پادریوں کے قتل پر آمادہ کرتا ہے!

[۲] میٹرنک۔ سوم۔ ۲۱۷-۲۵۶۔

مجلس کو تمام ممالک جرمانیہ کے حقوق کا محافظ بنایا جائے تو بویریہ اور ورٹمبرگ کے بادشاہوں نے قطعی طور پر اپنے اختیارات چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ کسی قانون آزادی کو تسلیم کرنا، انھیں اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اپنی علیحدہ ہستی مٹا دینا اور اپنی آزادی کو برلن کے شوریدہ سروں کے ہاتھ میں دے دینا ہے۔ ۱۸۱۳ء سے ۱۸۱۵ء تک ان ریاستوں کا طرز عمل اسی خدشے پر مبنی رہا۔ لیکن اسکے بعد صورت حالات میں ایک غیر متوقع تبدیلی نمایاں ہوئی۔ پروشیہ جس سے پہلے اندیشہ تھا کہ اپنی غرض کے لئے ساری جرمانیہ میں جمہوری تحریک پھیلا دے گی، اب میٹرنک کے اشارے پر چل رہی تھی اور مجلس میں اس کا نائب فقط آسٹریہ کی اغراض و مصالح کا آلہ بن گیا تھا یہ الفاظ دیگر، اب اگر چھوٹی ریاستوں کو اپنی علیحدہ ہستی کے مٹنے کا خوف تھا تو برلن کی طرف سے نہیں بلکہ وی آنا کی جانب سے لاحق ہو گیا تھا۔ اور دو بڑی طاقتیں اپنی ضعیف ہمسایوں کی آزادی کے خلاف متحد ہو گئی تھیں۔ اس طرح عوام کے "اتحاد جرمانیہ" کے نام سے حقوق شاہی پر دست دراز کرنے کا خطرہ غائب ہو گیا اور ان چھوٹے چھوٹے بادشاہوں کی عافیت اب اسی میں رہ گئی کہ وہ آئینی اصلاحات کی مخالفت کرنے کے بجائے ان سے امداد اور تقویت حاصل کرنے کی تدبیر کریں۔ پھر جس نسبت سے پروشیہ میٹرنک کے حلقۂ اثر میں زیادہ آتی گئی، اسی نسبت سے جنوب مغربی ریاستوں کی حکومت نے اپنے آپ کو آئینی نیابت کے اصول سے زیادہ مانوس کر لیا اور عین اس وقت جب کہ قدامت پسندوں کی نئی تجاویز کی فرد اے لاشاپل کی کے لئے تیار ہو رہی تھی، بویریہ

آئین بویریہ ۲۶ رمئی ۱۸۱۸ء

کے بادشاہ نے نیا آئین حکومت شائع کر دیا۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ بیڈن کی ریاست نے اس کی تقلید کی۔ پھر لطف یہ ہے کہ دونوں جگہ اگرچہ مجلس کے اعلیٰ اور ادنیٰ دو شعبے رکھے تھے لیکن نیابت محض ضلع واری نہ تھی جیسا کہ میٹرنک نے اپنی تجویز میں چاہا تھا اور نہ مختلف طبقات آبادی کے اصول پر مقرر کی گئی تھی جیسا کہ انقلاب فرانس سے پہلے دستور تھا بلکہ اس میں شعبۂ ادنیٰ کے مبعوثین اصولاً ایک حد تک اسی طرح عام باشندوں میں سے انتخاب کئے جاتے تھے جس طرح انگلستان اور فرانس میں طریقہ ہو گیا تھا۔ اس قدر

رعایت بالکل کافی تھی کہ میٹرنک ان آئین کی نسبت اصولاً فاسد اور انقلابی ہونے کا فتویٰ دے دے[1] تاہم وہ خوب سمجھتا تھا کہ ان کی براہ راست مخالفت کرنی دشوار ہے۔ لہذا ایسی مخالفت کو تو اس نے آیندہ وقت پر اٹھا رکھا اور بہ نسبت اپنی حکمت عملی یہ قرار دی کہ مجلس ریاست ہائے جرمانیہ سے ایک یہ اعلان کرا دے کہ کوئی اور ریاست جو ریاستہائے جرمانیہ کے اتحاد میں داخل ہے بویریہ اور بیڈن کی پیروی نہ کرے گی۔ اور ادھر سے امید تھی کہ جدید قوانین مطابع، نگرانی جامعات اور ایک مرکزی محکمۂ احتساب کے ذریعے بغاوت پسند اساتذہ اور اہل شورش پر ایسی سخت قیود عائد ہو جائیں گی کہ فتنہ و فساد کے سارے محرکات جو اہل جرمانیہ کے دل میں کچھ بہت گہرے جاگزیں نہیں ہوئے ہیں، چند ہی روز میں زائل و مفقود ہو جائیں گے۔

کارلزبیڈ میں وکلائے ریاست کی مشاورت ماہ اگست ۱۸۱۹ء میں شروع ہوئی اور اسی مہینے کے اندر ختم ہو گئی۔ جرمن قوم اس مجلس کی نسبت بجا طور پر یہ خیال رکھتی ہے کہ اُس کی بدولت جرمانیہ کی آزادی ایک نسل تک پامال و مقیّد رہی۔ اور

کارلزبیڈ کی مشاورت اگست ۱۸۱۹ء

گو مجلس میں آٹھ جرمن ریاستوں کے وکیل شریک ہوئے تھے لیکن انھوں نے بجز اس کے کہ میٹرنک کی پہلے سے سوچی ہوئی تجاویز کو تسلیم و قلم بند کرلیں خود کچھ نہیں کیا[2] پروشیہ کے وکیل نے ہر جابرانہ تجویز کی جس جوش خروش کے ساتھ تائید کی اسے دیکھکر چھوٹی ریاستوں کے وکلاء نے علانیہ اختلاف کرنا بے سود سمجھا اور اب صرف یہ بات باقی رہ گئی کہ تمام ریاست ہائے جرمانیہ کے نائب مجلس رؤسا میں بھی ان فیصلوں کی تصدیق کر دیں جنھیں کارلزبیڈ کے غیر سرکاری جلسے میں ممتاز ریاستوں کے وکیل مان چکے تھے چنانچہ ۲۰ ستمبر کو یہ منظوری حاصل ہو گئی۔ مجلس رؤسا نے اپنے تین سال تک قیام کے زمانہ میں تو ایک بھی مفید قانون نہیں مرتب کیا تھا لیکن میٹرنک کی جابرانہ تجاویز کی توثیق کرنے میں

---

[1] میٹرنک۔ سوم۔ ۲۶۸۔ [2] اس مجلس مشاورت کی کارروائی ولکر، ارکستدن میں محفوظ ہے۔ (صفحہ ۱۰۴ و آئندہ) نیز ملاحظہ ہو "تاریخ کورس پون ڈن زن"۔

انھیں اتنے گھنٹوں سے بھی زیادہ دیر نہ لگی۔ حکم دیدیا گیا کہ شرکائے اتحاد میں سے ہر ریاست کے حکّام ایسی تدابیر اختیار کریں کہ بلا اجازت نامے کے کوئی اخبار و رسالہ شائع نہ ہو سکے اور اگر کسی کے علاقے میں کوئی قابل اعتراض تحریر شائع ہوئی تو وہ ریاست سارے شرکائے اتحاد کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ والیان ریاست سے کہ دیا گیا کہ تعلیمی مرکزوں میں ایسے نگراں عہدہ داروں کا تقرر کریں جن کا فرض ہو کہ وہاں امن و باضابطگی قائم اور اُستادوں کو پوری طرح اپنے قابو میں رکھیں کہ وہ اُن کے خلاف منشا کوئی تعلیم نہ دے سکیں۔ نیز ان عہدہ داروں کے ذمّے یہ بھی تھا کہ جو اساتذہ اپنے فرائض سے تجاوز کریں انھیں برطرف کرویں اور ایسے برطرف شدہ استادوں کی نسبت مجلس نے ضابطہ بنادیا تھا کہ کوئی دوسری ریاست بھی انھیں ملازم نہ رکھے ایک حکم یہ نافذ کیا گیا کہ اس فیصلے کے پندرہ دن کے اندر ایک خاص جماعت مفتشین مینز میں جمع ہو کر ان خفیہ انقلابی انجمنوں کی اصلیت اور حلقۂ اثر کی تحقیقات کرے جن سے ریاستہائے جرمانیہ کی امن و عافیت معرض خطر میں ہے۔ اس جماعت کو اختیار دیا گیا تھا کہ ضرورت ہو تو جس جرمن ریاست کے باشندے کو چاہیں گرفتار کرالیں اور تمام حکّام اور عدالتیں اس بات کی پابند بنادی گئی تھیں کہ مفتشین جس معاملے کی تفتیش کا حکم دیں اس کی تعمیل کریں۔ لیکن اس جماعت خاص کو عدالتی اختیارات حاصل نہ تھے اس کا کام صرف مجلس رؤسا میں واقعات کو پیش کردینا تھا اور پھر یہ مجلس کا کام تھا کہ وہ ان واقعات کو دیکھکر جس قسم کی عدالتی تحقیقات ضروری سمجھے اس کا انتظام کرے[1]

یہ تدابیر نوعیت کے اعتبار سے خصوصی اور اپنے مقاصد کے لحاظ سے ہنگامی تھیں۔ لیکن ان کے علاوہ بعض دفعات کو میٹرنک مستقل قانون کا مرتبہ دینے کا خواہاں اور ۱۸۱۵ء کے اس قانون کا جزو بنادینا چاہتا تھا جس پر ریاستہائے جرمانیہ کا اتحاد مبنی تھا۔ اسی غرض سے تھوڑے ہی عرصے کے بعد دوبارہ مشاورہ کے لئے جرمن ریاستوں کے وکیل جمع ہوئے اور اب کے کارلز بیڈ کی بجائے ان کا اجلاس

---

[1] ہرو ٹوکول ڈربنڈس و اسمٹنگ۔ ۸۔ ۲۶۶۔ نوورک، تھائیگ گیٹ وغیرہ ۲۔ ۲۸۷۔

تمہ قوانین مجریہ جون ۱۸۲۰ء از وی آنا

وی آنا میں ہوا۔ کئی مہینے تک مشاورہ جاری رہی اور اس مرتبہ چھوٹی ریاستوں نے زیادہ استقلال کے ساتھ مخالفت کی۔ انجام کار ایک دوسرا مجموعہ قوانین تیار ہوا اور اس کی منظوری مجلس رؤسا نے ۸ جون ۱۸۲۰ء کو دیدی[1] اس میں سب سے اہم دفعات وہ تھیں جس میں متحدہ ریاست ہائے جرمانیہ کے علیحدہ آئین حکومت بنانے کے حقوق سے بحث کی تھی۔ انھیں بتا دیا گیا تھا کہ چار آزاد شہروں کے سواء باقی جرمن ریاستوں میں بادشاہی کے کامل اختیارات صرف والی ریاست کے ہاتھ میں ہیں اور کوئی آئین والی ریاست کو اس سے زیادہ پابند نہیں بنا سکتا کہ وہ خاص خاص انتظامی معاملات میں رعایا کے مسلمہ طبقات کے ساتھ اشتراک عمل کریں[2]۔ ایسی صورتوں میں جب کہ کوئی حکومت باغی باشندوں کے خلاف مدد کی درخواست کرے یا ظاہر ظہور طور پر حکم نافذ کرنے کی قابلیت نہ رکھتی ہو مجلس رؤسا نے حفظ امن کا فرض اپنے ذمے لیا تھا۔

اس وقت سے جو کچھ آزادی باقی رہی وہ جرمانیہ کی چھوٹی ریاستوں، یعنی بویریہ، بیڈن، ورٹم برگ میں نظر آتی تھی جہاں کارلز بیڈ کے فیصلوں سے

---

[1] اگڈی۔ ورشلوس اکٹہ۔ دوم۔ ۳۶۱ و ۴۴۶۔ [2]۔ دفعہ ۶۷ [3] اس ضابطے کا منشا یہ تھا کہ جرمن ریاستوں میں جو مجلسیں بنیں، انھیں جمہور کے نائب ہونے کے اعتبار سے کامل اختیارات حاصل نہ ہو سکیں۔ مثلاً اگر بویریہ کا دار المبعوثین یہ دعوی کرتا کہ قوم کی نمائندہ ہونے کی وجہ سے ملک کی اصلی فرمان روا مجلس مبعوثین ہے اور بادشاہ بویریہ کا مرتبہ محض اعلی انتظامی حاکم کا سا ہے تو یہ مجلس روسائے جرمانیہ کے قانون کی خلاف ورزی ہوتی اور مجلس کو، (یعنی دراصل میٹرنک کو) مجاز بنا دیتی کہ بویریہ میں فوجی مداخلت کرے[4]۔ اس زمانے کی (جرمن) سرکاری تحریروں میں جابجا مجلس نائبین (جیسے عوام کے اختیارات شاہی تفویض ہوں) اور مجلس طبقات (یعنی رعایا کے خاص خاص گروہ، جن کے حقوق معین و محدود تھے مثلاً کسی محصول کی منظوری دینا) میں قانونی امتیاز کیا گیا ہے۔ اصطلاحی زبان میں تنقیح طلب اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ الفاظ (Landstan dische verfassungen) جو اتحاد ریاست ہائے جرمانیہ کے بنیادی قانون کی دفعہ ۱۳ میں استعمال کیے گئے تھے صحیح مفہوم کیا ہے۔

چند روز پہلے نئے آئین جاری ہو چکے تھے ورنہ پروشیہ میں تو رجعت قہقری نے آزادی کے کسی عنصر کو اپنی جگہ پر قائم نہ رہنے دیا۔ وہاں کے وزیروں میں سب سے لائق اور آزاد خیال ہمبولٹ تھا اور جب اس شرمناک طرز عمل کے خلاف جسے بادشاہ نے اختیار کرنے کی ٹھان لی تھی، کوئی فہمایش کارگر نہ ہوئی تو اس نے اپنی عہدے سے استعفیٰ دیدیا۔ ساتھ کے بعض دوسرے وزیروں نے بھی جنھیں عہدوں سے زیادہ اصول کا پاس تھا اس کی تقلید کی۔ ہارڈن برگ لب گور تھا اور اس کی کوئی پرسش نہ تھی بلکہ وہ تنہا رہ گیا تھا اور اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتی تھیں۔ بااین ہمہ وہ اپنے عہدے سے دست بردار نہ ہوا اور پروشیہ والوں سے جو مواعید کئے تھے ان کے کبھی نہ کبھی ایفا ہونے کی امید کئے گیا۔ حالانکہ اس کام میں جن لوگوں سے واقعی مدد مل سکتی تھی ان سے بھی اسے حسد تھا۔ عہدہ نہ چھوڑنے کی اس کد سے اُس نے ایک ایسی زندگی کو داغ لگادیا جو وطن کی ناموری کا موجب سمجھی جاتی تھی اور عہد مصائب میں اپنے کمال استقلال کی بدولت خاص طور پر محترم ہو گئی تھی۔ رہا بادشاہ تو اس کے گرداب ایسے اشخاص جمع ہو گئے جو گذشتہ دس سال کی ہر وطنی تحریک و اصلاح کو محض بازاری مقررین کا بادشاہی اختیارات میں داخل در معقولات سمجھتے تھے اور جو پروشیہ کے تمام جرمانیہ کا ایک آزاد و آئینی حکومت بناکر سردار ہو جانے کی بجائے ترجیح دیتے تھے کہ یہ ریاست میٹرنک کے اشارے پر کام کرے اور اپنے اہل وطن پر جبر و تعدی کرنے میں ایک بیرونی حکومت کے احکام مانے علہ ہر شخص جس نے ۱۸۰۶ء سے ۱۸۱۲ء تک عام لوگوں میں جوش پیدا کیا، اب نمکحرامی سے متہم کیا جارہا تھا اور قوم کی

علہ۔ ملاحظہ ہو ولکر، ارکنڈن، (صفحہ ۵۰۲) میں وہ مشہور تحریر جو "ایک پروشوی مدبر کی یادداشت ۱۸۲۲ء" کہلاتی ہے اور جس میں آسٹریہ کی اس متابعت کے ساتھ ہی سفارش کی گئی ہے کہ اندر ہی اندر آسٹریہ سے باقاعدہ رقابت کا سامان کیا جائے اور اس مخالفت کے موقع کے لئے بھی تیاری کرلی جائے جو ایک نہ ایک دن آکے رہے گا۔ اتنی کھلی ہوئی بے شرمانہ مکاری کا اظہار بھی بہت کم کسی سرکاری دستاویز میں نظر آئے گا۔

خدمت کرنا، حکومت کی دشمنی سے منسوب ہوتا تھا۔ اسٹین کی ناموری نے اسے کسی علانیہ حملے سے تو بچا لیا لیکن تہمت و افترا سے وہ بھی نہ بچا۔ اس کے دوست ارنڈت پر بہیم مقدمے چلائے گئے حالانکہ یہ وہ شخص تھا جس کی نظم و نثر نے جنگ استخلاص وطن کے زمانے میں اہل جرمانیہ میں حُبِّ وطن کی آگ بھڑکا دی تھی۔ اور گو اس پر کوئی جرم ثابت نہ ہوسکا بایں ہمہ اسے بیس برس کے لئے معلمی کے عہدے سے معطل کر دیا گیا۔ دیگر اشخاص جن کا زیادہ سے زیادہ قصور یہ تھا کہ انھوں نے ممالک جرمانیہ میں اتحاد کی کوئی عملی کوشش کی، گرفتار ہو کر خاص عدالتوں میں پیش ہوئے اور مدتوں تک مقدمے چلنے کے بعد یا تو انھیں علانیہ رہائی کا حکم ہی نہیں دیا گیا اور یا فی الواقع قید کی سزا سنا دی گئی۔ تعلیم اور بحث مباحثے کی آزادی مسلوب کر لی گئی۔ سیاسیات کے ہر میدان پر گویا اہل حکومت کا پہرہ لگا دیا گیا۔ حکومت کے عامل نے ہر جگہ پرانی لکیر کے فقیر رہنے کا سبق دینا شروع کیا اور جس کسی نے ذرا مخالفت میں آواز بلند کی ان سب کا نام قلمبند کر لیا گیا۔

کارلز بیڈ میں ملکی آزادی کے خلاف جو جہاد شروع کیا گیا اور جس میں دوسرے مقامات کی نسبت پروشیہ نے زیادہ سرگرمی دکھائی، اس کا حیلہ یہ بنایا گیا تھا کہ حکومت اور ریاست ہائے جرمانیہ کے موجودہ آئین اتحاد کے خلاف کوئی سازش یا شورش موجود ہے۔ بیان کیا جاتا تھا کہ اس بات کے ثبوت مل سکتے ہیں کہ یہاں بھی اسی قسم کی واحد و لامنقسم جمہوریت جبراً قائم کرنے کی ہنڈیا پک رہی ہے جیسی ۱۷۹۳ء میں فرانس میں قائم کی گئی تھی۔ لیکن کارلز بیڈ کے اہل مشاورہ نے تفتیش کے لئے جو جماعت مقرر کی تھی کہ اس مظنون سازش کی اصل و نوعیت کا پتہ چلائے خود اسی نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا۔

مینز کی جماعت تفتیش

مفتشین نے مینز میں کام شروع کیا اور کئی سو اشخاص کی شہادت لی اور ہزاروں دستاویزیں جانچیں اور دو سال کی محنت و عرق ریزی کے بعد نتیجہ تحقیقات مجلس رؤسا میں پیش کیا۔ تفتیش فشٹے کے دروس اور انجمن ٹوگنڈ بنڈ کے قیام ۱۸۰۸ء کے زمانے کے حالات سے شروع کی گئی تھی اور اس وقت سے لیکر ۱۸۲۰ء تک طلبہ کی انجمنوں اور محبان وطن کی جملہ تحریکات پر نظر ڈالی گئی تھی۔ لیکن اتحاد جرمانیہ کی وکالت کرنے والوں کے مقاصد اور طرز عمل کو برُے سے برُے پیرائے میں پیش کرنے کے باوجود اہل تفتیش کو اقرار تھا کہ حکومت کے ساتھ

دشمنی کرنے کا ایک ثبوت بھی موجود نہیں اور خود عامۃ الناس کی وفاداری بدخواہوں کے کسی جذبۂ بد کے رُکے رہنے کی کافی ضمانت ہے علے اس نتیجۂ تحقیقات کے پیش ہونے سے صاف طور پران امارات کے جعلی اور ناقابل اعتنا ہونے کا اندازہ ہونا تھا اسی لئے بعض ریاستوں کے نائبوں کے تجویز کی کہ جماعت تفتیش کا قائم رکھنا بالکل غیر ضروری ہے اب اُسے برطرف کر دیا جائے۔ لیکن میٹرنک اور اس کے نئے چیلے اسے گوارا نہ کرسکے۔ جماعت تفتیش قائم رہی اور اسی کے سائے میں جبریہ سکوت و تشدد کا بھی دور دورہ رہا۔ کارلز بیڈ میں جو تدابیر ہنگامی اور اضطراری طور پر اختیار کی گئی تھیں وہ روز بروز حکومت کا مستقل جزو بنتی گئیں۔ اور حفظ ماتقدم کے نام سے یکے بعد دیگرے نئے نئے طریقے نکالے گئے۔ لوگوں کے خانگی خطوط کھول کر دیکھے جانے لگے۔ اساتذہ کے درس اور طلبہ کے جلسوں میں جاسوس مقرر ہوئے۔ ہر جگہ کے اخبارات کو جرمن معاملات کے متعلق رائے زنی کرنے سے روک دیا گیا۔ مگر ایسے ملک میں جہاں اتنے چھاپنے والے اور اتنے پڑھنے والے موجود ہوں، صحافت کا قطعاً نابود ہو جانا غیر ممکن تھا۔ دوسرے بیرونی ممالک کے معاملات میں رائے دینے یا خبریں چھاپنے کی اجازت تھی اور سالہا سال تک اہل جرمانیہ، اُن بھوکے فقیروں کی طرح جو دولتمندوں کے باورچی خانہ کی خوشبو سونگھ سونگھ کر اپنا جی خوش کر لیتے ہیں علے فرانس، انگلستان اور ہسپانیہ کی سیاسی جد و جہد کے تو ہر مدّ و جزر کا حال پڑھتے لیکن خود اپنی کسی تمنا یا شکایات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔

۱۸۲۲ء میں ہارڈن برگ نے وفات پائی۔ اس کے جیتے جی ہی ان مواعید کے ایفا کی کوئی امید باقی نہ رہی جو ۱۸۱۵ء میں اہل پروشیہ سے کئے گئے تھے۔

علے۔ الس۔ پولی ٹیش ورفول گینجن۔ صفحہ ۱۳۱ بھنے ہوئے۔ علے۔ یہ تشبیہ میری نہیں خود جرمنوں کی ہے:۔ ہیمبرگ کے ایک فقیر نے دوسرے فقیر سے کہا "گوشت میں بھی کیا ہی خوشبو ہوتی ہے!" یہ سن کر اس کا ساتھی اپنے دوست کی خوش نصیبی پر تعجب کے لہجے میں پوچھنے لگا "تم نے کہاں کھایا؟" جواب ملا۔ "میں نے تو آج تک نہیں چکھا لیکن ایک امیر کے دروازے پر کتے کو کھلایا جا رہا تھا۔ میں ادھر سے گذرا تو اس کی خوشبو میری ناک میں بھی آئی۔"

اب اُس کو مرے چند ہی مہینے گذرے ہوں گے کہ فریڈرک ولیم شاہ پروشیہ نے ضلع واری پنچائتیں مرتب کر کے جیسی کہ میٹرنک نے تجویز کی تھیں۔ اعلان کر دیا کہ کسی مرکزی نیابت کا نظام اس وقت تک ملتوی رہے گا جب تک کہ بادشاہ اسے قائم کرنا مناسب نہ خیال کرے۔

پروشیہ ضلع واری پنچائتیں ۱۸۲۳ء

اس کے معنی یہ تھے کہ وہ تجویز ہی ترک کر دی گئی۔ چنانچہ پھر ۱۸۴۸ء تک جب کہ انقلاب کا طوفان خود پروشیہ کے دروازے پر نہ آگیا، یہ ملک بغیر نیابت کے رہا ضلعوں کی پنچائتیں، جن کے پردے میں بادشاہ سلاطت مطلق العنان بادشاہی کو چھپانا چاہتے تھے تین سال میں صرف ایک مرتبہ جمع ہوتی تھیں۔ ان کا کام فقط اتنا تھا کہ مقامی معاملات میں جب حکومت مشورہ لے تو وہ اپنی رائے دیں۔ اس پر بھی ان کے مخالفین کا بیان ہے کہ یہ پنچائتیں محض امرا کی ٹکڑیاں تھیں جن سے اُلٹا نقصان پہنچا اور ان کے طرفدار یہ تو یقیناً بناوٹ سے بھی نہیں کہہ سکتے کہ ان پنچائتیوں نے کوئی بہت مفید کام کیا۔ بایں ہمہ، ایک عرصہ کے بعد جب محبانِ آزادی نے دربارِ پروشیہ کی اس حریت فروشی پر اعتراضات کی بوچھار کی تو غالباً غصے کے جوش میں انھوں نے اس عہد استبداد کو حقیقت سے زیادہ سیاہ رنگ میں پیش کیا اور اہل پروشیہ کے مصائب کا ہسپانیہ کے عہد جبر سے مقابلہ کیا۔ لیکن شاہ فریڈرک ولیم کی بزدلی کیسی ہی قابل حقارت اور بادشاہ و رعایا کے بہترین خیرخواہوں کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہی بُرا اور ناشکرگذاری کا کیوں نہ ہو، اس کی حکومت (۱۸۱۹ء) کو ہسپانیہ کی مطلق العنانی سے مشابہ بتانا، درست نہیں ہے۔ طرح طرح کی زیادتیوں کو "تعدی" کے واحد نام سے یاد کرنا لفظوں سے واقعات سمجھنے میں دھوکا کھانا اور ان خصوصیات کو نظرانداز کر دینا ہے جو ایک قوم کو دوسری قوم سے متمایز کرتے ہیں۔ سب سے بڑی مصیبتیں جو حکومت کی طرف سے رعایا پر ڈالی جا سکتی ہیں غالباً مذہبی جور و جبر، مالی اسراف اور زندگی کے روزانہ معاملات میں حق تلفی ہیں۔ مگر پروشیہ کے بدترین عہد رجعت میں ان میں سے ایک چیز بھی نہیں پائی جاتی۔ یہ سچ ہے کہ استبداد کے شکنجے نے بعض قابل ترین اور نہایت روشن خیال افراد کو بُری طرح کس لیا، سرکاری معاملات پر آزادانہ بحث مباحثہ

پروشیہ کی شخصی بادشاہی کے بعض بہتر عناصر۔

اور نکتہ چینی کے قیمتی حقوق غارت کر دیئے، بایں ہمہ حکومت کے کاموں کا اکثر حصّہ
بُرائی کا پہلو لئے ہوئے نہ تھا۔ معمولی عدالت و انصاف کے کام میں کوئی آشفتگی نہ تھی
نظم ونسق میں فرض شناسی اور کفایت شعاری ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ عامۃ النّاس میں تعلیم
کی اشاعت کا وہ نظام جس کی بدولت پہلی مرتبہ پروشیہ نے سیکسنی اور دوسرے جرمن
ریاستوں پر سبقت پائی، انھیں سنین کے اندر، جن میں آزادی کے خلاف مذکورۂ بالا
جہاد ہو رہا تھا، معرضِ وجود میں آیا۔ اسی عہدِ رجعت کے استبداد نے پروشیہ میں وہ
مدرسے اور تعلیمی ضوابط مرتّب کئے جن کی پچاس برس بعد آزاد انگلستان نے نقل کی اور
بجا طور پر اس تقلید کو عہدِ حاضرہ میں آزاد خیالی کا بہترین کارنامہ تصوّر کیا۔ درحقیقت
خدمتِ ملک کا موروثی مسلک ہی اتنا راسخ و پائے دار تھا کہ اس نے شاہانِ پروشیہ
کو بڑے بڑے قومی کاموں کی انجام دہی کا آلہ بنا دیا تھا۔

یہ سب کچھ تھا، مگر جبر و استبداد کے اس نظام نے جسے میٹرنک نے سنہ ۱۸۱۹ء
میں نافذ کیا، ریاست ہائے جرمانیہ میں ہر جگہ راعی و رعایا کے قدیم ترین تعلقات
کا ناس کر دیا۔ جرمن لوگ کتنے ہی صابر کیوں نہ ہوں، اور گو فریڈرک ولیم سے بھی بدتر
بادشاہوں کی انھوں نے بُرے بھلے زمانے میں وفاداری نہ چھوڑی ہو، لیکن بہترین
توقّعات کے اس طرح خاک میں ملنے، اخباروں کے جبراً ساکت اور انجمنوں کے مسدود
کئے جانے سے اور پھر طرح طرح کے ناروا اتہام، جلا وطنیوں،
آزار رسانیوں سے، خواہ مخواہ بہت سے نیک نفس لوگوں کے
بھی دلوں میں حکومت کی طرف سے گرہ پڑ گئی۔ مینز کی جماعتِ
تفتیش کسی سازش کا پتہ نہ چلا سکی تھی مگر خود اس نے سازش ضرور
پیدا کر دیئے۔ جتنا زمانہ گذرتا گیا اور جرمانیہ کی سیاسی حالت میں اصلاح و تغیّر کے تمام
جائز وسائل یکے بعد دیگرے مسدود ہوتے چلے گئے، اتنا ہی پُر جوش طبائع کو زیادہ
سخت ذرائع اختیار کرنے کی سُوجھی۔ اور اس قسم کی خفیہ انجمنیں فی الواقع قائم ہو گئیں
جو پہلے صرف میٹرنک کے تخیّل میں تھیں [1]۔ ملک میں ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو

سنہ ۱۸۲۰ء کے بعد جرمانیہ میں ایک نئی آزاد خیالی پیدا ہوتی ہے۔

[1] مینز کی جماعتِ تفتیش سنہ ۱۸۴۲ء تک کام کرتی رہی۔ غالباً سنہ ۱۸۲۴ء کے قریب اس نے حقیقی انقلابی انجمنوں کا

نہ ملکی معاملات سے مایوسانہ بے خبر بیٹھے ہوئے تھے اور نہ حکومت وقت کے مخالفین میں داخل ہوئے تھے، اب ان کے دماغ میں بھی اس قدیم عقیدت مندی کی بجائے کہ جرمانیہ کی ساری سود بہبود اس کے بادشاہوں سے وابستہ ہے، نئے نئے خیالات آنے لگے فرانس میں جمہوری حقوق کی جد وجہد، اطالیہ اور ہسپانیہ میں انقلابی تحریکات کا اسی زمانے میں آغاز ہوا اور ان اسباب نے جرمنوں کی تخیلہ میں اس قدیم جرمن آزادی کے احیا کی جگہ جو بالکل غیر مثمر ثابت ہوا تھا، ایک جدید نقش تیار کیا جس میں تمام اقوام یورپ آزادی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں۔ فرانس کی عداوت، اہل جرمانیہ خاصکر نوخیز افراد قوم کے دل سے محو ہو گئی۔ جابر نپولین کی ذات اور قوم فرانس میں امتیاز کیا جانے لگا

فرانس سے دلچسپی

جواب سارے برّ اعظم یورپ کے سامنے آزادی اور سرگرمی سے ملکی معاملات میں حصہ لینے کی نظیر پیش کر رہی تھی اور اپنے عہد کو ایسی سیاسی تحریر و تصنیف سے روشن کر رہی تھی جو حسن ترتیب اور ذہانت و جدت کے اعتبار سے قریب قریب حکیمانہ تحریریں معلوم ہوتی تھیں۔ فرانسیسی سیاست شناسوں کے بھی مضامین اور فرانسیسی مجلس مبعوثین کے مباحث، اہل جرمانیہ کے لئے درس بصیرت بن گئے۔ پیرس میں پروسیوں کے لئے پھر کچھ اسی قسم کی کشش نظر آنے لگی جیسی ۱۷۸۹ء میں اُسے حاصل تھی۔ فرانس کے مقاصد قومی کی کوشش میں ہر کامیابی یا ناکامی پر جرمن آزاد خیالوں میں خوشی یا رنج محسوس کیا جانے لگا جنھیں خود اپنے وطن میں اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا تھا۔ اور آخر کار جب شاہان بوربن کی بادشاہی کا خاتمہ ہوا تو معلوم ہوتا تھا کہ رہائن کے پار بھی دُور دُور کے شہروں میں بنجۂ استبداد سے آزادی کے شادیانے بجنے لگے۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ وسط یورپ میں آزادی و رجعت کے پلڑوں میں ۱۸۱۵ء تک جو ڈگمگاہٹ تھی، وہ اے لا شاپل کی مشاورۃ سے جاتی رہی یعنی رجعت کا پلڑا پوری طرح جھک گیا لیکن ابھی ان واقعات کا سُراغ لگانا باقی ہے جن کے طفیل ملک فرانس میں قوم کی پُر امن ترقی سالہا سال تک معطل رہی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- سراغ لگانا شروع کیا۔ السن (صفحہ ۵۹۹) میں ان اشخاص کی ایک طویل فہرست دی گئی ہے جو مختلف ریاستوں میں ضمانت پر رہا ہوئے اور پھر عدالت نے ان کے متعلق کوئی فیصلہ یا سزا نہیں سنائیں چند ماہ کی قید سے انیس سال کی قید تک کے فیصلوں پر مشتمل ہیں۔

فرانس ۱۸۱۵ء کے بعد

ساری قوّت ایسے جرگے کے ہاتھ میں آگئی جو پرانی لکیر کا فقیر تھا۔ ۱۸۱۷ء میں وکازِے کی جو تدابیر چل گئیں اور عام طور پر اہلِ فرانس نے انھیں اطمینان بخش سمجھا وہ لندن اور وی آنا میں ایسی قبولیت نہ پا سکیں۔ ان میں سے دو خاص کام، ایک تو قانونِ انتخابات تھا اور ایک فوج کی تنظیمِ جدید ایسے اصول پر جن کے تحت نپولین کے پرانے سپاہیوں اور سرداروں کی تعدادِ کثیر دوبارہ فوج میں داخل ہوگئی۔ رشلیو وزیر اعظم ہونے کی حیثیت سے ان جدید قوانین کا ذمہ دار تھا لیکن ذاتی طور پر ان کے نتائج کی طرف سے بہت اندیشہ مند تھا۔ اے لاشاپل کی مجلس منعقد ہونے کے وقت ہی اسے نہایت فکر و تشویش لاحق ہوگئی تھی اور اس کے اے لاشاپل آجانے کے بعد فرانس میں جو واقعات پیش آئے، نیز دولِ خارجہ کے سفرا سے جو مراسلت ہوئی ان سب نے اُسے یقین دلا دیا کہ حکومت کے داخلی طریقۂ عمل میں تغیر کرنا ناگزیر ہے۔ میٹرنک کا مستعد دماغ پہلے ہی فرانسیسی آزاد خیالی کے خلاف اُدھیڑ بن کر رہا تھا۔ یہ آسٹروی مدبّر دکازے کی سرگرمیاں دیکھ کر بہت چوکنا ہوا اور اس نے کونٹ ارتوا اور اشد بادشاہ پسندوں کی مجلسِ وزرا سے مصالحت کر دینے کی تدبیر سوچی ادھر رشلیو سے اصرار کیا کہ اگر تمھارے پہلے مخالف اب معقولیت اختیار کر لیں تو حکومت میں انھیں حصہ دار بنا کر ایک ایسی متحدہ وزارت کی سرگروہی کرو جو ملک کے تمام قدامت پسند عناصر سے مرکّب ہو[۱]۔ تازہ واقعہ یہ پیش آیا کہ اے لاشاپل کی مشاورۃ جاری تھی کہ نئے قانونِ انتخابات کے مطابق دوسری دفعہ مجلس کا سالانہ جزوی انتخاب عمل میں آیا اور اس میں وہ مبعوث منتخب ہوئے کہ ان میں سے بعض خاندانِ بوربن کی بحالی کے شدید مخالف تھے۔ خاص کر لافایت کہ ۱۷۸۹ء میں بادشاہ فرانس کی جو تذلیل اور اہانتیں کی گئیں اُن میں اس شخص کا قوی تعلق مشہور تھا۔ یہ اطلاعیں سن کر رشلیو نہایت مکدّر ہوا اور پیرس آکر اُس نے وہ تدابیر کیں جن کا نتیجہ دکازے کی عہدے سے علیحدگی ہوا اور وزارت کا ایک اشد بادشاہ پسندوں کے سرگروہ وی لیل کو پیش کیا گیا لیکن اتحاد کی یہ کوشش بارآور نہ ہوئی۔ آخر رشلیو عہدے سے دستکش ہوگیا اور

---

[۱] میٹرنک جلد سوم ۱۶۸۔ نیز دیکھو ولنگٹن۔ اس ڈی۔ دوازدہم ۸۷۸۔

رشلیو کا استعفیٰ دسمبر ۱۸۱۸ء دکاڑے کا اقتدار برقرار رہتا ہے۔

ایک نئی وزارت مرتّب ہوئی جس میں دکاڑے کہ رشلیو کے سب حریفوں سے زیادہ قوی ثابت ہوا حقیقی صدر تھا اگرچہ برائے نام مجلس وزرا کی سرداری دوسرے شخص کے تفویض تھی۔
نوخیز و ہر دلعزیز دکاڑے کی کامیابی پر تمام دول خارجہ نہایت ناخوش ہوئیں اور یہ کامیابی خود بھی کچھ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ تاہم فرانس میں آزاد خیالی تازہ رو اور لوئی ہیجدہم کی نظر عنایت نے کچھ عرصہ کے لئے دکاڑے کو اس قابل بنادیا کہ وہ اپنے حریفوں کی متحدہ مخالفت اور یورپ بھر کے سب سے مقتدر افراد کی بدظنی کا مقابلہ کرتا رہے۔ مجلس کے شعبۂ اعلیٰ میں قانون انتخاب پر حملہ ہوا تھا مگر وزیر ول نے فوراً ساٹھ نئے اشخاص زمرۂ امرا میں داخل کر کے مخالفین کو شکست دی۔ حالانکہ ان جدید امرا میں سے چند وہ تھے جنھیں ۱۸۱۵ء میں خارج البلد کیا گیا تھا، لیکن آزاد خیالی کی قوتیں تھوڑے ہی دن میں خود دکاڑے کے قابو سے نکل گئیں اور لوئی ہیجدہم سے اس کی وابستگی نے، شاہان بوربن کے دشمنوں میں بھی اس کے ایسے ہی سخت حریف پیدا کر دئے جیسے پہلے سے اشد بادشاہ پسند تھے۔ ۱۸۱۹ء کے انتخابات میں وزرا کے آوردوں کو ان امیدواروں کے مقابلے میں شکست ہوئی، جو زیادہ بیباک رائے کے لوگ تھے۔ نئے مبعوثین میں ایک شخص کی کامیابی نے تو لوگوں کو بہت ہی سراسیمہ اور خوفزدہ کیا۔ یہ گرےگوار سابق اسقف تھا جس نے ۱۷۸۹ء میں قدیم کلیسائی

گرےگوار کا انتخاب ستمبر ۱۸۱۹ء

فرانس کے استیصال میں حصہ لیا اور ۱۷۹۲ء میں جمہوریت قائم کرنے کی تحریک کی تھی۔ گرےنوبل والوں نے اب دوبارہ اسے کنج عزلت سے نکالا اور اپنا مبعوث منتخب کیا۔ لیکن اس انتخاب پر جو شور و غل بپا ہوا اس کی وجہ انقلاب فرانس کے واقعات نہ تھے بلکہ ۱۸۱۹ء کے جھوٹے افسانے۔ کیونکہ گریگوار کے صحیح حالات زندگی کسی طرح ایسے نہ تھے کہ اس کے خلاف اتنا ہنگامہ کیا جائے۔ مگر اس نے جو کچھ فی الواقع کیا تھا، وہ ان فرضی کارناموں کا محض ایک جزو حقیر تھا جو اب اس کے دشمن باور کر رہے یا خواہ مخواہ اس کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ اس نے لوئی شانزدہم کے قتل کی زور شور سے تائید کی حالانکہ دراصل گریگوار نے اس قتل کے خلاف آواز بلند کی تھی

تھی[1] مجلس آئین ساز کے سارے مہیب ترین دَور میں اس نے صحیح معنی میں ایک سچے مسیحی پیشوا کی شان قائم رکھی۔ اس وقت جب کہ ایک آئینی کلیسا یا قومی لامذہبی کے سوا کوئی تیسری صورت اختیار کرنی ممکن نہ تھی، اس نے آئینی کلیسا کی تشکیل میں جو محنت و دیدہ ریزی کی، یہ سب باتیں اُن صاحبوں کی نظر میں ہیچ بلکہ ہیچ سے بھی بدتر تھیں جو اپنے آپ کو اس زرخیز بیش بہا جائداد کا مظلوم و محروم وارث جانتے تھے جس کا نام کلیسائے باجاگیر تھا اور جس کا قلع قمع کرنے میں گریگوار نے پوری مستعدی دکھائی تھی۔ سوئے اتفاق سے، گریگوار نے اگرچہ عمل میں اعتدال ملحوظ رکھا مگر بادشاہوں کے خلاف اس آتش زبانی سے احتراز نہیں کیا تھا جو ۱۷۹۳ء میں عام طور پر مقبول تھی۔ پس لوی ہیجدہم اس بات کو تو بھول گیا کہ چند روز ہوئے بادشاہ کش فوشے کو خود وزیر مقرر کر چکا ہے اور گرے نوبل والوں کے گریگوار کو منتخب کرنے کے معنی یہ سمجھا کہ یہ گویا خاندان بوربن پر وار ہوا۔ واضح رہے کہ اس انتخاب میں اشد بادشاہ پسندوں نے بھی کمال عیاری سے حصہ لیا تھا۔ مگر بادشاہ اسی طرح ناخوشی کا اظہار کر کے جیسی کہ خود اس کی شان کے خلاف کوئی حرکت کی جائے تو اس کا دستور تھا، اس مرتبہ اپنی بھائی کونٹ آرتوا اور اشد بادشاہ پسندوں کی طرف مائل ہو گیا جنھیں اب تک اپنی عزیز وزیر کا بدترین دشمن سمجھ کر منہ نہ لگاتا تھا؛ خود وکازے نے بادشاہ کی سچی دوستی کی وضع نباہی اور اقرار کیا کہ واقعی ۱۸۱۷ء کے قانون میں اعتدال کی حدود سے تجاوز ہوا اور انتخابات کا ایسا طریقہ جس کے ذریعے گریگوار جیسا شیطان مجلس میں بار پا سکے یقیناً قابل ترمیم ہے۔ پھر ایک نئے قانون کی تجاویز مرتب کی گئیں جن کا مقصود یہ تھا کہ انتخاب کے حلقوں میں دوبارہ بڑے بڑے

---

[1] گریگوار: سوانح۔ جلد اول۔ ۱۱۴۔ اگر فرانس میں آئینی کلیسا کی تجویز کامیاب ہو جاتی تو دین مسیحی کی تاریخ میں گریگوار کا بڑا نام باقی رہ جاتا۔ مگر نپولیئن نے اس جماعت کو محض اس کی جمہوری بنیاد اور ایک اعلیٰ تحریک کی یادگار سمجھ کر جس کا منشا نہایت روشن خیال اور باخبر کلیسا قائم کرنا تھا، بے دردانہ مطلق العنانی سے فنا کر دیا۔ اور فرانس کو شدید مقلدین اور موٹی عقل کے دنیا پسند علما میں عرصۂ دراز تک منقسم رہنے دیا۔ گریگوار کی سوانح عمری انگریزی زبان میں لکھی جانی چاہیئے اور ان بے شمار اصلاحات کے ذکر سے جن کے واسطے وہ عمر بھر کرتا رہا، اس کی سوانح عمری میں ۱۷۸۹ء کی نسل کے بہتر خصائص کا مرقع ناظرین کے سامنے آ جائے گا۔

موروثی زمینداروں کا غلبہ قائم کیا جائے۔ خود گریگوار کے انتخاب کو ناجائز قرار دیا گیا اور وہ وزیر جو دکاڑے کے اس طرح دب کر کام کرنے میں ساتھ دینا نہ چاہتے تھے عہدوں سے الگ کر دیئے گئے۔

چند مہینے اور گذرے تھے کہ ایک ایسا تازہ شگوفہ کھلا کہ لوئی ہجدہم سے زیادہ قوی دل بادشاہ کی حکومت ہوتی تو وہ بھی آزاد خیالی کے قلع قمع کرنے میں زیادتیاں کر گزرتی کونٹ آرتوا کے بعد تخت فرانس کے وارث اس کے دو بیٹے تھے ڈیوک اینگولیم اور ڈیوک بیری۔ اینگولیم لاولد تھا اور خاندان بوربن کی شاخ کلاں کی ساری امیدیں ڈیوک بیری سے وابستہ تھیں کہ اگر وہ بغیر نرینہ اولاد کے فوت ہو جائے تو اس شاخ میں بادشاہی کا خاتمہ تھا کیونکہ فرانس میں بیٹی تخت نشیں نہ ہو سکتی تھی[1] ان اسباب سے بیری کی زندگی جہاں بادشاہ پسندوں میں خاص طور پر عزیز تھی وہیں اس کے تلف کرنے کی ایک گمنام جنونی کو دن رات دُھن رہنے لگی جو خاندان بوربن کو فرانس کے اجانب سے مغلوب ہو جانے کی مستقل یادگار سمجھ کر ان بادشاہوں سے کمال نفرت رکھتا تھا۔ یہ ایک دستکار **لوول** تھا جو **البا** کی جلاوطنی میں بھی **نپولین** کے ساتھ گیا اور وہاں سے واپس آنے کے بعد کئی سال سے برابر شہزادگانِ بوربن کے پیچھے پیچھے لگا ہوا تھا کہ قتل کا کوئی مناسب موقع ہاتھ آئے۔ ۱۳ر فروری ۱۸۲۰ء کی رات کو اس شخص نے ڈیوک بیری کو رقص گاہ سے نکلتے وقت پکڑ لیا اور اپنی چھری اس کے سینے میں اُتار دی ڈیوک نے چند گھنٹے ایڑیاں رگڑی اور پھر دوسرے دن صبح ہوتے، بادشاہ لوئی، شہزادوں اور تمام وزیروں کے روبرو قضا کی۔ اس فعل کو جتنا بھیانک کہیئے کم ہے لیکن تھا وہ ایک ہی شخص کے عزم مصمم کا نتیجہ۔ کسی دوسرے فرد بشر کو لوول کے ارادے کی اطلاع نہ تھی۔ مگر سیاست کا جذبہ عدالت کی خاموش تحقیقات کا انتظار کہاں کر سکتا تھا۔ ارباب حکومت کے طبقے میں کسی قتل نے طیش و غضب کا ایسا طوفان بپا نہ کیا تھا نہ اس سے کسی خاص فریق کے فائدے کے لئے اس ہنرمندی سے کبھی

---

[1] ۔ کونٹ شامبور یا ہنری پنجم اسی ڈیوک بیری کا بیٹا تھا جو اپنے باپ کے مارے جانے کے چند ماہ بعد پیدا ہوا۔

کام لیا گیا ہوگا جیسا کہ اس قتل سے لیا گیا آزاد خیال گروہ بھی سمجھ گیا کہ ہم اب کہیں کے نہ رہے۔ اشد بادشاہ پسندوں میں جو لوگ زیادہ مغلوب الغضب تھے وہ تو ہر قسم کی توجیہ پر ایمان لانے کو اس طرح تیار تھے جو عہد ہیبت ہی میں کچھ زیادہ موزوں تھا اور خود دکاڑے پر خونی سے سازش رکھنے کا اتہام لگاتے تھے لیکن گروہ کے سرغنہ وہ طرز عمل طے کرنے میں مشغول تھے جسے اختیار کرنے پر لوئی ہجدہم کو مجبور کیا جائے۔

تشدد کا پھر دور آتا ہے۔

دکاڑے نے قانون انتخابات میں رجعت پسندوں کے حسب منشا ترمیم کی، سرکاری عمال کو گرفتاری کے کامل اختیارات دیئے اور مطبوعات پر دوبارہ احتساب قائم کرنے کی تجویز بھی پیش کی مگر یہ سب بے سود باتیں تھیں کونٹ آرتوا کو کد ہو گئی تھی کہ اس وزیر کو برطرف کیا جائے اور قتل فرزند کے رنج میں اس کی اشک شوئی کی صورت ہی یہ تھی۔

دکاڑے کا عزل۔ رشلیو کی وزارت فروری ۱۸۲۰ء

ناچار بادشاہ کو دبنا پڑا اور چونکہ بادشاہ پسندوں کی وزارت ابھی مرتب نہ ہو سکتی تھی لہذا رشلیو نے بادل ناخواستہ دوبار عہدہ قبول کر لیا اور کونٹ آرتوا نے اسے پورا یقین دلایا کہ میرے ساتھ والوں کی غرض ہی یہ ہے کہ وہ تمھاری مستقل مزاج اور آشتی آمیز حکومت کی تائید کریں۔

رشلیو کو ان حالات میں جو حکومت ملی تھی اس میں خواہی نخواہی اسے رجعت پسندوں کی وزارت کا صدر بننا پڑا۔ چنانچہ انھیں ایام میں، اخبار و مطبوعات کی جکڑ بندی کی گئی، شخصی آزادی کے تحفظ کے قانونی حقوق معطل کر دیئے گئے اور صاحبان جاگیر کو دو رائیں دیکر انتخاب کے طریقے کی ماہیت ہی بدل دی گئی۔ حکومت کے استبداد کی اس تیز قدمی نے لوگوں میں غیظ و غضب کی وہ آگ لگائی کہ ایک دفعہ تو یہ معلوم ہوا کہ پیرس میں کوئی دم میں عام بغاوت برپا ہو جائے گی۔ گلی گلی ہنگامے نظر آتے تھے۔

رجعت کا زور فرانس میں

بارے فوج والوں نے جن پر سارے معاملے کا مدار آٹھہرا تھا، سرکاری احکام کی تعمیل کی اور انقلاب و بغاوت کا خطرہ ٹل گیا۔ نئے قانون کے مطابق پہلی مرتبہ مبعوثین کا انتخاب ہوا تو اس میں آزاد خیال گروہ بالکل ضعیف رہ گیا اور وہی لوگ منتخب ہوئے جو ۱۸۱۶ء کی رجعت پسند مجلس کے رکن تھے۔ چنانچہ انھی اشد بادشاہ پسندوں کے بعض افراد اور وی لیل کو رشلیو کی مجلس وزارت میں

عہد سے پیش کئے گئے اور اس وقت معلوم بھی یہی ہوتا تھا کہ شاید امارت و کلیسا پرستی کے
جذبات کے اس حکمت عملی کے زیر بند کو قبول کر لیں گے جو اُن کی اغراض کے لئے
وقف نہ تھی تو ان کی حامی ضرور تھی۔ لیکن یہ ضبط چند ہی روز میں بالائے طاق رکھ دیا
گیا۔ **کونٹ آرتوا** کو اقتدار کا راستہ کشادہ نظر آیا اور وہ رشلیو کو مدد دینے کے وعدے
سے پھر گیا جس نے اسی کی استدعا پر عہدہ قبول کیا تھا۔ پھر مبعوثین میں ہر طرف سے
مزاحمت اور لعن طعن شروع ہوئی تو رشلیو نے اقرار کیا کہ میں نے انھوتی بات کا بیڑا
اٹھایا تھا اور سرکاری زندگی کو خیرباد کہی۔ ادھر لوئی ہیجدہم لب گور پہنچ گیا تھا وہ اب
بھائی کے ساتھ جو اپنے تخت نشین ہونے کے دن گن رہا تھا، کشمکش جاری نہ رکھ سکا۔
نئی وزارت بادشاہ کی رائے سے نہیں آرتوا کی رائے سے مقرر ہوی اس کا اصلی
سردار وی لیل تھا اور اس کے گرد وہ لوگ جمع تھے جو جدید فرانس ایک طرف، قوم
کے اس جزو قلیل کے بھی صحیح نائب نہ تھے جسے نئے قوانین کی رو سے ملکی حقوق کام

اشد بادشاہ پسندوں کی وزارت۔ دسمبر ۱۸۲۱ء

میں لانے کی اجازت دی گئی تھی۔ یہ جماعت فقط عہد قدیم کے
اصول تمدن کی وکیل اور کیتھولک یا جامد مقلدین (Ultra
-montane) کے احیا کی حامی تھے اور یہی مذہبی فرقہ پر چند
عامۃ الناس اہل فرانس کی مذہبی بے حسی کی گہری تہوں کو مطلق حرکت نہ دے سکا،
سطح پر ضرور تازہ تموج پیدا کر رہا تھا۔ ایک مذہبی انجمن جماعہ (Congrigation)

"انجماعہ"

کے نام سے مشہور تھی اس کی بنا تو رجمہوریت کی مذہبی تعدی
کے طوفان میں پڑی اور نپولین کی بادشاہی کے زمانے میں اس کا
ظہور رہوا۔ کیتھولک فرقے کے ان لوگوں کا جو جابر نپولین کے مخالف تھے، لے دے کے
یہی مرکز تھا اگرچہ اس کی کچھ پرستش نہ تھی۔ لیکن اب یہی انجمن پھیل کر حکومت کا بازوئے
قوی بن گئی۔ بڑے بڑے عالی خاندان اور اعلیٰ عہدہ دار اس کی رکنیت کی تگ و دو
کرنے لگے۔ اس کی سرپرستی نے جاہ طلب افراد کو ان رتبوں پر پہنچا دیا جن کے وہ آرزومند
تھے اور اس کی دشمنی کا اثر ہر خرد و کلاں کو محسوس ہونے لگا۔ دراصل وہ جذبہ جو حکومت
فرانس کا اب عنصر غالب تھا، وہ امارت پسندی سے زیادہ کلیسا پرستی پر مبنی تھا۔ اسمیں
شخصی بادشاہی کی حمایت مضمر تھی لیکن اس کا سبب بھی زیادہ تر یہی تھا کہ آئین پسندوں کو

کلیسا سے عقیدت نہ تھی بنیر یہ شخص بادشاہی کے اصول بجائے خود پسندیدہ ہوں یا نہ ہوں، آیندہ فرمان روا آرتوا کی مذہبی راسخ الاعتقادی پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ شاہ لوی ہجدہم سے مخالفت کی معقول وجوہ ہو سکتی تھیں لیکن کوئی پادری اور کوئی خاندانی امیر ایسے شخص کے خداداد بادشاہی حقوق میں کیونکر شک کر سکتا تھا جو مفلوک الحال مہاجرین کے سارے نقصانات کی سرکاری خزانہ سے تلافی پر آمادہ ہوا اور ملک بھر کی تعلیم کا انتظام بے تکلف پادریوں کے حوالے کر دے۔

بوربنوں کی بادشاہی ۱۸۲۱ء کے قبل اور مابعد

۱۸۱۹ء اور ۱۸۲۲ء کی حکومتوں میں تو اتنا بڑا فرق نظر آتا ہے لیکن اس جیسا کوئی خاص تغیر متوسط طبقے کے خیالات میں نہیں ہوا۔ البتہ اس وقت سے یہ طبقہ اپنے آپ کو شاہان بوربن کا مد مقابل سمجھنے لگا۔ ڈیوک بیری کے قتل سے لوگ بہت متاثر ہوئے لیکن رائے عامہ میں مستقل طور پر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ بادشاہی درباری، مذہبی راہب اور عالی رتبہ بیگمات جنھوں نے حکومت میں عمل دخل پایا، اہل ملک میں مقبول نہ تھے، اور گو تھوڑی دیر کے لئے قوم خاموشی سے انکی فرماں روائی برداشت کرتی رہی، دل سے ان کے ساتھ نہ تھی۔ لیکن حقیقت میں خاندان بوربن کی قسمت کا فیصلہ اس وقت ہوا جب اس [illegible] طرف سے آرتوا اور اس کے معتمد علیہ اس خاندان کے علم بردار بنے۔ فرانس اس بات کو تو ممکن تھا کہ بھول جاتا کہ بوربنوں کا تاج شاہی اجانب کی فتوحات کا منت کش ہے۔ لیکن وہ دائماً اس گروہ کی حکومت میں نہ رہ سکتا تھا "زمرۂ علما" (Parti Prêtri) کہلاتا تھا۔ لوئی ہجدہم کے مراحل عمر میں سے بیس سال کی کمی کر دی جاتی، ڈکازے کو حکومت کرنیکے پورے بیس سال دیدیئے جاتے تو اس صورت میں ممکن تھا کہ بوربنوں کی دوسری مرتبہ کی یہ بادشاہی چند نسل تک طول کھینچ جاتی۔ اگر ملک میں ایسے لوگ موجود تھے جن کے جذبۂ ملک گیری و سپاہ آرائی کی عہد نپولین کے بعد کے عہد میں کوئی تشفی نہ ہوتی تھی تو ایسے والدین کی بھی کمی نہ تھی جو اپنی اولاد کے خون کو عزیز سمجھتے تھے نہ ایسے صاحبان نطق و قلم کم تھے جنھیں آزادی رائے کی قدر تھی اور نہ ایسے سرمایہ داروں کی کمی تھی جو امن و سکون کو مغتنم جانتے تھے۔ اور ان سب کی نظر میں نپولین کے بعد کا

زمانہ اچھی امیدوں سے خالی نہ تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ ۱۸۱۶ء سے ۱۸۲۰ء تک فرانس میں جیسی حکومت رہی اس سے بہتر شاذ و نادر ہی کہیں رہی ہوگی اور نہ کوئی اتنی بڑی مدت آسانی سے بتائی جا سکتی ہے جس میں فرانسیسی قوم مجموعی طور پر ان چار سال سے زیادہ آسودہ خاطر رہی ہو۔

بہر حال، یورپ کی بڑی جنگ کو ختم ہوئے پانچ سال کے قریب گذرے تھے جب، کہ وہاں عام طور پر سیاسی رجعت اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ ہر جگہ اس کی کیفیت بے شبہ یکساں نہیں تھی۔ اور مختلف مقامات میں شخصی اثرات کا اتفاقی اثر بھی واقعات پر بہت نمایاں پڑ رہا تھا۔ بایں ہمہ اس اختلاف کی تہ میں بھی ہم چند خاص خاص اسباب کا سراغ لگا سکتے جو کسی منفرد ریاست کی ملکی حدود سے محدود و مقید نہ تھے۔ ایسے طبقے جن کو آئینی

یورپ میں رجعت کی فتح کے عام اسباب۔

حکومت کے ساتھ پختہ عقیدت تمنا ہی تھی، کسی ملک میں بھی بہت کثیر التعداد نہ تھے اور نظم و نسق کا علمی تجربہ تو سرکاری عہدہ داروں کے حلقے کے باہر بہت ہی شاذ کسی کو حاصل تھا۔ بعض ممالک جیسے روس و پروشیہ میں لوگوں کو حکومت میں روزافزوں حصہ دینے کا خیال شروع شروع میں صاحبان حکومت ہی کے ذہن میں آیا۔ مثلاً زار کے تخیل پر اسی خیال نے اثر کیا۔ پروشیہ کے ایک وزیر کو اس کی طرف رغبت ہوئی کیونکہ انتہائی مصیبت کے وقت وہ دل سے متمنی تھا کہ باشندگان ملک میں ہمت و قابلیت کے جتنے عناصر جہاں کہیں پائے جائیں انھیں نشو و نما دی جائے۔ لیکن آزادی کا یہی خیال جس وقت اہل حکومت سے نکل کر خود رعایا میں پہنچا تو اس تخیل میں وہ جدت و خود نمائی باقی نہ رہی اور جب رعایا نے اس آزادی کے لئے شور مچانا شروع کیا تو ان ہی اہل حکومت کو اس خیال سے الٹی ناگواری ہونے لگی۔ ادھر بیرونی خطرات کے بادل بھی چھٹ گئے اور یہ سب اسباب اصلاح کا قدم روک دینے کے لئے کافی تھے دوسرے ان بادشاہوں اور وزیروں کے آس پاس، جو وقت کے وقت آئینی نظریوں کی حمایت کرنے لگے تھے، وہ قدیم طبقے یا ان کے بچے کھچے افراد موجود تھے جنھیں گذشتہ زمانے میں خاص خاص امتیاز و حقوق حاصل رہے۔ اصل رجعت پسند گروہ یہی تھا اور یہ لوگ تاک میں تھے کہ بادشاہوں کو ذرا بھی

وہم و بدگمانی شروع ہو تو اسے خوب بڑھا چڑھا دیں اور جس طرح ممکن ہو ایسے حالات کو رونما نہ ہونے دیں جو بادشاہی کے حفظ و وقار سے زیادہ خود ان کے اقتدار و منزلت کے حق میں مُضر تھے۔ ان سب کے علاوہ، پہلے انقلاب سے پہلے بھی اور ۱۷۹۳ء میں جیسے ہولناک واقعات پیش آئے انھوں نے یورپ بھر میں آئینی تغیرات کی طرف سے جو مہیب خیال دلنشیں کر دیا تھا وہ کسی طرح نہ مٹ سکتا تھا۔ مطلق العنان بادشاہی کا ہر وکیل اور ملکی آزادی کا ہر مذبذب اور متوہم حامی عوام الناس کو اختیارات دینے کے نتیجے بیان کرتے وقت جس قدر چاہتا خوف اور مصائب کے نقشے کھینچ سکتا تھا۔ کسی ایک آدھ سرپھرے خونی کے فعل کا جو یورپ بھر میں اتنا زیادہ اثر ہوا اس کی بڑی وجہ بھی یہی تھی کہ لوگوں کو جیکوبین فرقے کے نام اور کاموں کی یاد فراموش نہ ہوئی تھی۔

بجائے خود یہی واقعہ کہ یورپ میں تمام حکومتوں کے مل کر کام کئے بغیر امن قائم نہ ہوا، کچھ ایسا تھا جو کسی ایک ملک میں آئینی یا آزاد خیال گروہ کی کامیابی کے خلاف دلالت کرتا تھا۔ آئینی نظام کی موتمر وی آنا میں بہت کچھ مدح و ستائش کی گئی لیکن وہ گروہ جو ۱۸۱۵ء میں حقیقتہً یورپ کا فرماں روا تھا، اور جس کے افراد آیندہ پانچ سال تک برابر آپس میں خط کتابت اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے، ان اشخاص پر مشتمل تھے جن میں سے ایک شخص کے سوا باقی سب نے مطلق العنان بادشاہی کے ماحول میں زندگی بسر کی تھی اور یہ سبق سیکھا تھا کہ بڑے بڑے کاموں کا انصرام ممتاز افراد کی ایک قلیل جماعت ہی اچھی طرح انجام دے سکتی ہے۔ پھر وہ تنہا شخص، کاسل ریا بھی جو شخصی بادشاہ کی رعایا نہ تھا بلکہ ایک آئینی حکومت کا وزیر تھا، ایسی سیاسی جماعت کا فرد نکلا جس نے ہر تغیر کی مخالفت کرنے کا اصول ہی سب سے بڑا سیاسی فریضہ قرار دے لیا تھا اور اس معاملے میں اسے اتنا غلو تھا کہ خود یورپ میں شاید اس کی کوئی نظیر نہ ہو۔ اسی لئے یورپ کے سربرآوردہ ارباب بست و کشاد میں جو اتحاد آرا اس زمانے میں تھا، اس کی سب سے عجیب نمائش اسی خط کتابت سے ہوتی ہے جو کاسل ریا سے ہوئی اور انگلستان کے خالص اندرونی نظم و نسق کے متعلق محفوظ ہے۔ میٹرنک اور ہارڈنبرگ دونوں کو

لیبیڈ کا شائر کے آزاد خیالوں کی تشدید (Radicalism) کا سدِّ باب یا اُن تشدد آمیز ضوابط کے نافذ کرنے سے جن کا حکومت برطانیہ نے ۱۸۱۹ء میں انفاذ ضروری سمجھا، اسی قسم کا تعلق خاطر ہو گیا تھا جیسا کہ رہائن کے بغاوت پسند رسالہ نگاروں کی گوشمالی یا جینیا میں طلبہ کی انجمنیں برطرف کرنے سے تھا۔ یہ صحیح ہے کہ انگلستان والوں کو جو دورِ اصلاح کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے اس بات کی چنداں پروانہ ہو سکتی تھی کہ قانون "ہابیس کورپس" یا جلسۂ عام کے حقوق معطل کئے جانے پر وی آنا و برلن سے مبارک باد کے خط آئے[1] یا میٹرنک کو یقین تھا کہ سر فرانسس برڈٹ کا لندن کے عوام الناس نے نعرہ ہائے مسرت کے ساتھ جو خیر مقدم کیا، اس کے اصلی معنی سوائے میرے کوئی نہیں سمجھ سکتا[2] اور یہ بھی درست ہے کہ انگلستان کے تعزیری قوانین کی آئندہ اصلاح یا آئرلینڈ کے کیتھولک فرقے کی آزادی میں نہ دول خارجہ کی کسی روشن خیالی کا دخل تھا اور نہ ان کی بے اعتنائی سے ان کاموں میں کوئی رخنہ پڑ سکتا تھا۔ لیکن جس وقت شخصی سلطنتوں کے وزرا آپس میں اس درجہ متحد و ہم آہنگ ہو جائیں، اور جب کہ اقوام یورپ میں ایسے افراد کی تعداد جو انتظام مملکت کی کسی حد تک مہارت رکھتے ہوں، اتنی قلیل ہو اور نیز جب کہ وہ آئین جن پر آزادی مستقبل کی بنا رکھنے کی تجویز تھی، اُس قوت سے محروم ہوں جو دورِ گذشتہ سے ان کے تعلق اور سلسلے کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ تو اس حال میں قرینہ کہتا تھا کہ براعظم یورپ کے ملکوں میں آئینی آزادی کی ترقی میں ضرور تعویق ہو گی اور اینچ پینچ پیش آئے بغیر نہ رہیں گے۔

---

[1] کاسل ریا۔ دوازدہم - ۱۶۲ و ۲۵۹ - کاسل ریا نہایت رنج کے ساتھ میٹرنک سے اقرار کرتا ہے کہ "تشدید سیاسی کا بھوت ابھی تک زندہ ہے"۔

[2] میٹرنک۔ سوم ۳۹۹ = ۲ بروٹ اور اس کے ساتھیوں میں جو نعرۂ کامرانی بلند کیا جا رہا ہے اس کا ٹھیک مطلب سمجھنے کے لئے مجھ جیسا آدمی ہونا چاہئے جو میری ہی طرح سیاسیات کے طوفان میں پیدا ہوا اور پھلا پھولا ہو۔ اُس نے تو فقط کتاب میں پڑھا ہو گا لیکن میں نے یہ ہر بات اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ۱۷۸۹ء کے اجتماع کے وقت میں زندہ تھا۔ اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی اور میں پورا آدمی بن چکا تھا۔"

باب سوم

بحر متوسط کے ممالک میں سیاسی تحریکات کا آغاز سنہ ۱۸۲۰ء ہسپانیہ سنہ ۱۸۱۴ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک۔ جنوبی امریکہ کی نوآبادی۔ قادس میں ہسپانوی فوج۔ کوئی روگا اور ریخو کی سرکشی۔ شہر کورونا کی پیش قدمی۔ فرڈیننڈ سنہ ۱۸۱۲ء کا آئین قبول کرتا ہے۔ نیپلز سنہ ۱۸۱۵ء سے سنہ ۱۸۲۰ء تک۔ وربادی فریق مورا اور کاربوناری نیپلز میں ہسپانوی آئین کی منادی۔ پرتگال میں آئینی تحریک۔ ہسپانیہ کے متعلق الگزنڈر کی تجاویز۔ ٹروپو کی مشاورۃ اور اعلان۔ انگلستان کا اعتراض۔ لائے باک کی مشاورۃ۔ اہل آسٹریہ کا حملہ نیپلز پر اور شخصی بادشاہی کی بحالی۔ پیڈمونٹ کی ناکام بغاوت۔ ہسپانیہ سنہ ۱۸۲۰ء سے سنہ ۱۸۲۲ء تک کاسل ریا کی وفات۔ ورونا کی مشاورۃ انگلستان کی حکمت عملی۔ فرانسیسیوں کا حملہ اسپین پر شخصی بادشاہی کا احیا اور اہل رعیت کی شدتیں۔ فرانس کے ہسپانوی نوآبادیوں کو فتح کرنے سے انگلستان مانع آتا اور برازل کی خودمختاری تسلیم کر لیتا ہے۔ معاملات پرتگال۔ کیننگ لزبن کو فوج بھیجتا ہے۔ کیننگ کی حکمت عملی۔ یورپ کی تاریخ میں اُسے کیا مرتبہ حاصل ہے؟

قیام امن کے پہلے تین سال کے خاتمے پر جب یورپ کے پاسبان اے لاشاپل میں جمع ہوئے اور اپنی دلپسند ملک و ممالک کا جائزہ لیا جنھیں قضا و قدر نے ان کی مشفقانہ تحویل میں دے دیا تھا کہ انھیں آئندہ اندرونی عناد و انقلاب کی ترک تازی سے بچائیں تو انھوں

اُن کی نظر سب سے زیادہ فرانس و جرمانیہ اور نیدرلینڈز پر جمی ہوئی تھی کہ یہی وہ ملک ہیں جہاں جوشِ تجدّد و تغیر سے سب سے زیادہ خطرہ ہے۔ مگر ان صاحبوں کی یہ دُور بینی صحیح نہ نکلی۔ آئندہ عرصۂ دراز تک، ممالک مذکورہ میں تو ہر جگہ وہیں کی حکومت اپنے اصلی یا فرضی اعداد کا قلع قمع کرنے میں کافی سے زیادہ طاقتور ثابت ہوئی۔ لیکن یہ بحر متوسط

ممالک جنوبی کی تحریکات کا آغاز ۱۸۲۰ء میں

کے ممالک تھے، جن کی طرف سے کوئی خاص تشویش و تردّد نہ تھا، کہ وہاں قابو یافتہ حکومت پر سب سے پہلا کامیاب حملہ ہوا۔ یورپ کے تینوں جنوبی جزیرہ نماؤں میں یکے بعد دیگرے تین تحریکیں اسی وقت رونما ہوئیں جب کہ میٹرنک اُس "چپ چاپ" کا مزا لے رہا تھا جسے اس نے جبراً جرمانیہ پر عائد کیا تھا۔ اور جب کہ فرانس کے اشد بادشاہ پسند اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا رہے تھے جو ایک فرد واحد کے جُرم اور ایک سیاسی فریق کی ناعاقبت اندیشی سے ان کے ہاتھ آگیا تھا۔ ہوا یہ کہ اسپین و اطالیہ میں تو فوج والے آئینی حکومت کی حمایت میں کمربستہ ہو گئے اور یونان میں پوری قوم اجانب کی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر تینوں ملکوں میں ان تحریکوں کا موافق یا مخالف فیصلہ جلد یا بدیر دُوَلِ شمالی ہی کی مداخلت سے ہوا۔ اوّل اوّل ان تینوں تحریکوں کی نوعیت بالکل ایک سمجھی گئی اور تینوں کو جیکوبن فرقے والوں کی فتنہ انگیزی قرار دیا گیا۔ لیکن آئندہ واقعات نے اور دُوَلِ عظمیٰ میں سے ایک ملک (برطانیہ) کے ارباب حکومت کے ردّ و بدل نے یونان کی جد و جہد کو زیادہ صحیح اور اصلی پیرائے میں پیش کر دیا اور متحدہ یورپ نے اسکے متعلق آخرکار جو کارروائی کی وہ اس سے بالکل مختلف تھی جو اسپین و اطالیہ میں کی گئی۔ یہ ماجرا کہ یورپ کے بعض ممتاز وزیروں نے ایک نسل کے دوسری نسل اور ایک مذہب کے غیر مذہب سے کشمکش کرنے اور ایک سیاسی فریق کے صرف اپنا گھر کی حکومت کو زیادہ باآئین بنانے میں کوئی فرق نہیں کیا، ابھی تک لوگوں کو فقط اس لئے یاد آتا ہے کہ یہ سیاسی بے حواسی یا حماقت کی ایک نظیر ہے۔ حقیقت میں اہل یونان کی سرکشی میں کوئی شئے نیپلز و قادس کی بغاوتوں سے مشترک نہ تھی۔ اور گو یونان کی یہ ہلچل ہسپانیہ کی تحریک ختم ہونے سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی لیکن مورخ کو ان دونوں کو باہم گڈمڈ کرنے سے نہ تو کسی مصلحت اندیش مدبر کی شکل کوئی خاص غرض ہو سکتی ہے۔

نہ اب وہ حالات سے بے خبری کا عذر پیش کر سکتا ہے۔ لہٰذا اسے لامحالہ ان دونوں تحریکوں کی اتفاقی ہمزمانی سے قطع نظر اور دونوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کرنی پڑیگی۔

اسپین کے بادشاہ فرڈی نینڈ نے اس آئین کو درہم برہم کرنے کے بعد جو اُس کی معاودت کے وقت ملک میں نافذ تھا، ایسا طرز عمل اختیار کیا گویا وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ ایک مملکت کا وارث جائز کس وسیع حد تک اپنی رعایا کی وفاداری

اسپین ۱۸۱۴ء اور ۱۸۲۰ء کے درمیان

سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا اور یورپ کی رائے عامہ سے بے پروائی برت سکتا ہے۔ مجلس آئینی کے سربرآوردہ افراد کو اس نے ۱۸۱۴ء میں گرفتار کرا لیا تھا اور گو اس کے بعد یکے بعد دیگرے کئی عدالتوں نے انھیں بے گناہ قرار دیا بایں ہمہ بادشاہ نے بغیر اس کے کہ دکھاوے کے لئے کوئی تحقیق تفتیش کی رسم ادا کی جائے اپنی رائے سے انھیں طویل مدتوں تک قید میں ڈالنے کا حکم ناطق صادر کر دیا۔ اور بہت سے اشخاص جنھوں نے نپولین کے مقابلے میں وطن کی ممتاز خدمات ادا کی تھیں، معتوب و خوار یا بے اعتنائی کا شکار ہوئے اکثر بڑے سے بڑے عہدے ان شاطروں کو دیدئے گئے جو نپولین کے حملے کے وقت دونوں طرف ساز باز کرتے رہے بلکہ بعض خود حملہ آوروں کی سلک ملازمت میں داخل ہو گئے تھے۔ بادشاہ کے مزاج میں درخور حاصل کرنے کے لئے پادریوں اور درباریوں کی ریشہ دوانیاں جاری تھیں۔ اور اگر دول خارجہ کے دباؤ سے کوئی واقعی لائق وزیر مقرر بھی کیا جاتا اور کسی اصلاحی انتظام کے حکم پر شاہی دستخط بھی ثبت ہو جاتے تو وہ قابو یافتہ ٹکڑی جس کا گزارہ ہی سرکاری محکموں میں خرابی اور رشوت چلنے پر تھا، ان احکام پر کوئی عمل درآمد نہ ہونے دیتی۔ پادریوں کی اغراض کے سوا کسی شئے کا پاس و لحاظ نہ کیا جاتا تھا مگر اہل مذہب کی یہ حمایت کرنی دیہاتی آبادی کو بادشاہ کا طرفدار بنائے رکھنے کے لئے کافی تھی۔ کسانوں کو فقط اتنی خبر تھی کہ اب فرانسیسی حملہ آور ہمارا گھر نہ جلائیں گے اور وہ صرف یہ سنتے تھے کہ آخر کار دوبارہ سچے مذہب کو دشمنان دین پر غلبہ ہو گیا۔ اس کے سوا وہ کچھ نہ سمجھتے تھے نہ سمجھنا چاہتے تھے۔ بادشاہ کی بد انتظامی یا جور و تعدی کی کوئی بھنک غریب کسان کے کان تک نہ پہنچتی تھی۔ فرڈی نینڈ ابھی تک عام رعایا اور اہل کلیسا کی آنکھ کا تارا تھا اس کے

معاودت عہد امن کی معاودت اور اس کی حکومت کیتھولک مذہب کی فتح و کامرانی تھی۔

مگر عامۃ الناس کے اس جذبۂ اطاعت میں فوج کے سردار اور شہروں کے تعلیم یافتہ افراد شریک و ہمخیال نہ تھے۔ مجلس آئینی کے دور میں جن سپاہیوں نے لڑ کر امتیاز حاصل کیا تھا، انھیں آئین کا درہم برہم کیا جانا شروع سے ناگوار تھا اور

عام اہل ملک کی رضامندی۔ فوج والوں کی ناراضی۔

فوج والوں کے مسلسل ہنگامے اگرچہ غیر مربوط اور نہایت محدود پیمانے پر ہوئے، اس امر کی دلیل تھی کہ فرڈی نینڈ نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ کلیتاً خدشے سے خالی نہیں ہے۔ ۱۸۱۴ء میں جنرل مینا کی اور سنین آیندہ میں پورلیئر اور لاسی کی کوشش کہ آئینی حکومت کی حمایت میں فوجوں کو بھڑکایا جائے کامیاب نہ ہوئیں جس کا سبب خود سپاہیوں کی بے اعتنائی اور چھاؤنی والے شہروں میں پادریوں کا اثر و اقتدار تھا۔ لیکن فوج میں آہستہ آہستہ بےچینی پھیلنے لگی۔ عسکری گروہ کا بالآخر علانیہ حکومت حاضرہ کے خلاف ہو جانا اگر آئینی اصول یا سابقہ آئین سے گرویدگی کی بنا پر تھا تو اس مخالفت کا کم سے کم اتنا ہی قوی سبب فوج کی حالت زبون اور احمقانہ و بیکار عادتیں تھیں جو فرڈی نینڈ کے زمانے میں سرکاری عہدوں کے متعلق مرعی رکھی جاتی تھیں۔ بدانتظامی نے سرکاری خزانے کو دوالیہ بنا رکھا تھا۔ برسوں تک فوج کے سپاہی اور بیڑے کے ملّاحوں کو تنخواہ نہ ملی تھی۔ اسپین والے فوجی ملازمت کو حد درجے قابل نفرت سمجھنے لگے تھے جس کی عجیب و غریب شہادت اس طرح ہم پہنچی ہے کہ سرکار کی طرف سے ایک حکم دیا گیا تھا کہ پائے تخت میڈرڈ اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کے جتنے بھک منگے ہیں سب کو ایک مقررہ رات (۲۳ جولائی ۱۸۱۶ء) میں پکڑ کر فوج میں بھرتی کر لیا جائے[۱]۔ لیکن یہ بھک منگے بھی مقابلے میں فرڈی نینڈ کے حکام سے بڑھ کر چلتے ہوئے نکلے۔ انھوں نے سن پایا کہ ہمارا یہ حشر ہونے والا ہے لہذا نہایت پُراسرار طریقے سے غائب ہو گئے اور حکومت کی اُس تدبیر کو خاک میں ملا دیا جس کے ذریعے تخمینہ کیا گیا تھا کہ اسپین کو ساٹھ ہزار جنگجو

---

[۱] ۔ بام گارٹن: ۔ گشنٹ اسپانینز۔ جلد دوم صفحہ ۱۷۵۔

دستیاب ہو جائیں گے۔

فوج کی حکومت سے وہ سرتابی جو بالآخر ۱۸۲۰ء میں ظہور پذیر ہوئی استیصال آزادی کی اُس جدوجہد سے بہت بڑا تعلق رکھتی تھی جو امریکہ کی ہسپانوی مستعمرات میں اُن دنوں جاری تھی۔ پھر خود اس وطنی فساد کا آگے چل کر اُس جدوجہد اور اُس کے آخری نتیجے پر اثر پڑا۔ واضح ہو کہ ان امریکی مستعمرات نے، جس وقت نپولین نے ان کے بادشاہ جائز کو معزول کیا تو جوزف بوناپارٹ کی بادشاہی یا قادِص کی مجلس آئینی کی حکومت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے باشندے اگرچہ زیادہ تر فرڈی نینڈ کے نام سے کام کرتے رہے لیکن حقیقت میں ان کی جنگ اپنے آبائی وطن کی حکومت سے چھڑ گئی تھی۔ خود مختاری کا انھیں مزا پڑ گیا تھا اور گو فرڈی نینڈ کی اپنے ملک میں معاودت کے وقت وہ بعض رعایتوں کی شرط پر غالباً ہسپانیہ کے حقوق شاہی تسلیم کر لیتے با ایں ہمہ وہ اُس ماتحتانہ حیثیت کو دوبارہ قبول کرنے پر کسی طرح مائل نہ تھے جس میں کہ انھیں وطنی حکومت نے گزشتہ صدی میں رکھا تھا۔ اور نہ وہ ایسے حکمرانوں کے روبرو سر جھکانے پر تیار تھے جو ضروریات زمانہ کو سمجھنے میں اتنے ہی نااہل تھے جتنے کہ اپنی کامیابی کے وقت سفاک و کینہ جو ثابت ہوئے۔ پس یہ جدوجہد جاری رہی۔ اسپین سے فوج پہ فوج بھیجی جا رہی تھی اور بخار یا تیزی سے کوچ کی صعوبات کے باعث یا میدان جنگ میں ہلاک ہو جاتی تھی۔ جب ایسے وسائل سے کامیابی کی امید نہ رہی تو فرڈی نینڈ کی حکومت نے یورپ کی دوسری سلطنتوں سے استعانت کے لئے نظر دوڑائی۔ انگلستان آمادہ تھا کہ اگر دربار میڈرڈ مستعمرات کو معقول حقوق آزادی دے اور وہاں کی بندرگاہوں کو برطانوی تجارت کے لئے کھول دے تو وہ فریقین کے درمیان صلح کرا دے گا بلکہ عجب نہ تھا کہ بادشاہ ہسپانیہ کو فوجی مدد بھی دے۔ لیکن یہ شرطیں فرڈی نینڈ کے مشیروں کے منشا کے خلاف تھیں اور گو یہ بات بالکل عجیب نظر آئی، مگر فی الواقع ہسپانوی حکومت کا مطالبہ یہ تھا کہ شاہان یورپ کا جو اتحاد یورپ میں فتنہ و فساد اور بغاوت کے سدباب کی غرض سے مرتب ہوا ہے اسی سے بحر اوقیانوس کے پار اسپین کی باغی رعایا کے معاملے میں کام لیا جائے۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اگر انگلستان کوئی

اسپین کی کشمکش کی مستعمرات کے ساتھ سنہ ۱۸۱۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

مدد دے تو وہ مطلقاً اسی اتحاد کے تحت ہوئی[۱] اسپین کے اس منصوبے کو پیرس و سینٹ پیٹرزبرگ کے درباروں نے تقویت پہنچائی۔ گویا کوئی بڑا بر اعظم آزادی کا مدعی ہو یا جرمانیہ کے کسی مکتب کا لونڈا، قابل اعتراض فینہ ٹوپی میں ٹانک لے، ہر حال میں اتحاد مقدس کے سرگروہ، ناراض ملاء اعلیٰ کی طرح تیوری پر بل ڈال لیتے اور گم کردہ راہ مخلوق کو اس کی حماقتوں کے برے نتائج سے بچانے کے لئے اپنی مافوق الانسان قوت و دانش کا دخل دینے پر تیار ہو جاتے تھے۔ یہاں تک کہ الکزنڈر تو کچھ روز اس خیال میں رہا کہ ہسپانوی مستعمرات کی سرکوبی کے واسطے اپنی قوت بازو سے کام لے سکے گا۔ چنانچہ فرڈی نینڈ کی چشم دوستانہ میں انگلستان کا مرتبہ خود حاصل کرنے کے جوش میں اس نے ہسپانوی بادشاہ کے ہاتھ کچھ جنگی جہاز بھی ارزاں قیمت پر فروخت کر دیئے۔ لیکن جب وقت یہ بیڑا قادص پہنچا تو اس کے جہاز بالکل ناکارہ اور بحری سفر کے ناقابل ثابت ہوئے جس سے یورپ کو بڑی خفت اٹھانی پڑی۔ اور چونکہ یہ یقینی بات تھی کہ زار کا بیڑا اور ہسپانوی سپاہی اگر بھیجے گئے تو خواہ ان کا مقصد کیسا ہی مقدس ہو، وہ بحر اوقیانوس کی موجوں سے سابقہ پڑتے ہی پاتال کی خبر لائیں گے۔ لہذا مہم کی روانگی ملتوی رہی اور امریکہ کا مسئلہ اے لاشاپل کی مشاورت میں پیش ہوا۔ روس و فرانس کے وفود نے ایک تحریر دی جس میں بالکل قریب زمانے کے طوفانی آثار کو پیش نظر رکھکر بتایا گیا کہ اگر امریکہ میں اسی طرح آزاد جمہوری ریاستوں کے جتھے بنتے رہے تو یورپ کی ننھی سلطنتوں کے حق میں کیا کیا خطرے پیدا ہونے کا قرینہ ہے۔ اور یہ تجویز کی تھی کہ ولنگٹن کو جو اس وقت "یورپ کا مرد میدان" ہے میڈرڈ بھیجا جائے کہ وہ حکومت ہسپانیہ اور سفرائے دول کی ایک مشترکہ مجلس کی صدارت کرے جس میں ممالک ماورائے اوقیانوس کے ساتھ صلح کی شرطیں طے کی جائیں[۲] لیکن گو لارڈ کاسل ریا کو وبائے انقلاب کے تعدیے کا

[۱] ملاحظہ ہو فرمان لونز کی یادداشت ولنگٹن، ایس۔ ڈی۔ دوازدہم ۸۲ ۵۔ "دول یورپ کی متحدہ کوشش نے اس مہلک نظام کا تو خاتمہ کر دیا جو امریکہ میں بغاوت کا باعث ہوا لیکن ابھی تک ہسپانوی امریکہ میں اس نظام کو توڑنا باقی ہے۔" [۲] ولنگٹن۔ ایس۔ ڈی۔ دوازدہم، ۸۰۷ –

نہایت خوف تھا، اس کے ہم وطن ان اصول پر قائم رہے جو پہلے انھوں نے اقرار دیئے تھے اور چونکہ شاہ فرڈی ننیڈ کے مشیروں نے بھی اپنی روش بدلنے سے انکار کیا لہٰذا اپنی نوآبادیوں کو دوبارہ قابو میں لانے کا کام اسپین ہی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا گیا۔

قادِص کی فوج میں سازش

سنہ ۱۸۱۹ء کے موسم گرما میں امریکہ جانے کے لئے ہسپانیہ کی فوجوں کا قادِص میں اجتماع ہوا اور اسی موقع پر فرڈی ننیڈ کے خلاف سازش کرنے والوں کو حسب مراد رہنما مل گئے ہسپانیہ کے تمام بڑے بڑے شہروں میں خفیہ انجمنیں تیار ہو گئیں جو ساحل کی افواج کی طرف سے اشارہ پانے کی منتظر تھیں۔ قادِص کے سپہ سالار ایس بال نے شروع شروع میں تو دل برداشتہ سرداروں کی سازباز میں ہمت افزائی کی کہ اگر ان کا وار چل جائے تو اُن سے بھی برا نہ بنے لیکن پھر یہ دیکھکر کہ یہ تحریک چلنے والی نہیں اس نے دھوکے سے اُن کے سرغنوں کو گرفتار کر لیا اور خود میڈرڈ پہنچا کہ سازش کا انکشاف کرے اور تاج شاہی کو بچانے کے صلے میں تحسین و آفریں کا مستحق ہو (جولائی سنہ ۱۸۱۹ء)[1] اس وقت اگر فوج کو بلا تاخیر امریکہ روانہ کر دیا جاتا تو عجب نہیں کہ خطرہ ٹل جاتا لیکن انھی دنوں زرد بخار پھوٹ پڑا اور سپاہیوں کو کئی مہینے تک چھاؤنیوں میں رکھنا ضروری ہو گیا۔ اس وقفے میں اہل سازش کو دوبارہ بحث و پز کا موقع مل گیا کیونکہ عام سپاہیوں نے جواب تک سرکار کے وفادار تھے، اپنی گندی کوٹھریوں اور بیکاری میں پڑے پڑے ان معدودے چند بیماروں اور زخمیوں کے خوف انگیز قصے سنے جو سمندر پار سے واپس بچ آئے تھے اور اب وہ سمندر کے سفر پر جانے کو سزائے موت کا مرادف سمجھنے لگے۔ کئی پلٹنیں آئینی آزادی کے منصوبے میں اپنے سر عسکروں سے مل گئیں۔ ادھر وہ سرغنے جو چند ماہ پیشتر قید میں ڈالے گئے تھے دوبارہ اپنے متبعین سے رسل و رسائل کرنے لگے۔ ایس بال کی دغا بازی دیکھکر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ بغاوت میں کسی بڑے آدمی یا سپہ سالار کو شریک نہ کیا جائے۔ اہل سازش نے کرنل کوئی روگا اور کرنل ریجو کو اپنا سردار منتخب کیا

[1] جلیاں "پری سس ہس نوار یک۔" صفحہ ۷۰۔

کوئی روگا اس وقت قادص کے بیس میل مشرق میں مدینۂ سرونیہ میں برائے نام نظر بند تھا اور ریجو، اشبیلیہ کی سڑک پر چند منزل کے فاصلے سے کافی زمانے کی چھاؤنی میں متعین تھا۔ سرکشی کرنے کے لئے ۱۸۲۰ء کا پہلا دن مقرر ہوا اور فیصلہ کر لیا گیا کہ ریجو اچانک فوج کے مستقر پر بڑھ کر جو ارکوس میں تھا سارے سپہ سالاروں کو گرفتار کر لے اور ادھر کوئی روگا مشرق کی طرف سے بڑھے اور راستے کی مقامی فوجوں کو ساتھ لیتا ہوا، قادص پہنچ کر اپنے ساتھی کے آملنے کا انتظار کرے۔

کوئی روگا اور ریجو کی سرکشی جنوری ۱۸۲۰ء

اس منصوبے کا پہلا حصہ پورا ہو گیا۔ ریجو نے ۱۸۱۲ء کے آئین کی بحالی کا اعلان کیا اور مستقر پر اچانک چھاپہ مار کے سپہ سالاروں کو پکڑ لیا۔ فوج کے کئی دستے بھی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ لیکن کوئی روگا جزیرہ نمائے لیون کے مشرقی سرے پر، سان فرنان ڈو لے لینے کے باوجود قادص کے اندر بار پانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ وہاں قلعے کے فوجی سردار نے سپہ سالاروں کی گرفتاری کا حال سنتے ہی شہر کے دروازے بند کرا دیے اور سربرآوردہ اشخاص کو جن کی نسبت سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا، حراست میں لے لیا۔ قلعے کی مقامی فوج میں کسی تمرد و بغاوت کا میلان نظر نہ آیا۔ پس جب ریجو (ارکوس سے) بڑھ کر اپنے ساتھی کے پاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس نیک مقصد میں کل پانچ ہزار آدمی شریک ہوئے ہیں اور قادص اپنی معقول فوج اور مستحکم حصار و بروج کو لئے ہوئے مقابلے پر ڈٹا کھڑا ہے تب ریجو تھوڑی سی فوج لے کر چل کھڑا ہوا کہ آس پاس کے قصبوں میں جو فوجیں مقیم تھیں انھیں اپنے ساتھ ملانے کی سعی کرے۔ ان مقامی دستوں کے سردار ریجو پر حملہ کرنے کی جسارت نہ کر سکے تاہم انھوں نے الگ ہٹ کر اپنی سپاہیوں کی صف بندی کرا دی اور انھیں ریجو سے کسی قسم کی گفت و شنید نہ کرنے دی! باہمت ریجو نے اب جزیرہ نمائے لیون میں تو کوئی روگا کو چھوڑا اور خود صوبہ اندلسیہ میں داخل ہو گیا کہ عام باشندوں کو فوج میں بھرتی کرے۔ لیکن ایک تو اس کی جمعیت تھوڑی، دوسرے یہ معلوم کر کے کہ فوج کا بڑا حصہ اور قادص ابھی تک سرکار کے رفیق ہیں، لوگوں کے بغاوت میں شریک ہونے سے ایسے مقامات میں بھی

احتراز کیا جہاں ریجو کی خاطر مدارات ہوئی اور اس کے سپاہیوں کی ضروریات فراہم کردی گئیں۔ اس طرح ریجو کی جمعیت ہفتوں تک ملک میں سرگرداں رہی اس سے کہیں بڑی فوج تعقب میں اسے دباتے چلی آتی تھی، مزاحمت کا راستہ منقطع اور دھواں دھار بارش میں بڑی بڑی منزلیں طے کرنے سے سپاہی خستہ و درماندہ ہوگئے تھے۔ آخری مقام جس میں ریجو داخل ہوا، قرطبہ تھا۔ لیکن دشمن سر پر آپہنچا تھا۔ ٹھیرنے کی مطلق مہلت نہ تھی لہٰذا وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر جن کی تعداد اب صرف دو سو رہ گئی تھی پہاڑوں میں چلا گیا اور وہاں انھیں منتشر کردیا (۱۱ مارچ)

کوئی روگا کا جزیرہ نما

لیون میں بیکار پڑے رہنا اور ریجو کا اس طرح گاؤں گاؤں کھدیڑا جانا دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ انھوں نے جو بغاوت شروع کی تھی اس کا انجام ان کی تباہی کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ لیکن حقیقت میں تحریک کا مقصد پورا ہو گیا۔ شاہ فرڈی نینڈ کے درباریوں کو تو فاوص کی خبروں نے بھی نہ چونکایا اور وہ اسی طرح ایک دوسرے کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہے مگر ملک میں بغاوت کی افواہ ہر جگہ پھیل گئی اور اگر باغی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے تو لوگوں کو یقین تھا کہ خود حکومت کی طرف سے بھی کوئی بڑی ضرب اہل بغاوت کے نہیں لگی ہے۔ البتہ ہمت سے کام کرنے کی ایک نظیر اہل بغاوت نے قائم کردی اور انھوں نے اس سرے پر ملک کو ہلا دیا تھا تو اس کی لرز دوسرے سرے تک پہنچ گئی چنانچہ ریجو کی جمعیت منتشر ہونے سے پندرہ بیس روز قبل کرونا کے باشندوں اور مقامی فوج نے مل کر اعلان کردیا کہ ہم آئینی حکومت کے ساتھ ہیں۔ (۲۰ فروری) کرونا سے یہ انقلابی تحریک فرول پہنچی اور وہاں سے گالیشیہ کے دوسرے ساحلی شہروں میں پھیل گئی۔ میڈرڈ میں ان خبروں کے آنے سے حکومت کے تو ہوش گم ہوگئے اور عام لوگوں میں یہاں بھی انقلاب کی ہنڈیا جوش کھانے لگی۔ بادشاہ نے عمائدین شہر کو اپنے پاس بلایا اور ان میں جو سب سے عقلمند تھے انھوں نے مشورہ دیا کہ ایک معتدل قسم کا آئین شائع کردیا جائے اور ملکی مجلس کے فوری انعقاد سے اس شورش کو روکا جائے ورنہ پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ سابق مجلس اور آئین ۱۸۱۲ء کو بحال کرنا پڑے گا۔ انھوں نے بادشاہ کو سمجھایا کہ محکمۂ احتساب کو بھی بلا تاخیر توڑ دیا جائے۔ لیکن بادشاہ کا

کرونا میں قیام آئین کی منادی۔ ۲۰ فروری

بھائی ڈون کارلس کلیسائی جماعت کا سرگروہ تھا۔ اس نے ان میں سے ایک بات بھی نہ ہونے دی اسپین کے ہر حصے سے فوج کے سپہ سالار لکھ رہے تھے کہ ہم سپاہیوں کا ذمہ نہیں لے سکتے پھر بھی ملک کو فوجی قوت سے قابو میں لانے کی امید باقی تھی۔ ایلس بال میڈرڈ میں تھا۔ اسے جنوب میں کمک لے جانے کا حکم دیا گیا اور وہ بادشاہ کے سامنے لاف و گزاف کر کے کہ میں باغیوں کو سیدھا کرنا جانتا ہوں روانہ ہوا۔ لیکن روکانا میں پہنچ کر اس نے خود آئینی حکومت کا اعلان کر دیا (۴ مارچ)۔

ایلس بال کی سرتابی ۴ مارچ ۱۸۲۰ء

اب صاف ظاہر ہو گیا کہ مطلق العنان بادشاہی کے دن پورے ہو چکے۔ میڈرڈ میں جوش و خروش بڑھتا چلا۔ ۶ مارچ کی رات کو شاہی محل میں تمام اعلیٰ اراکین سلطنت مشورے کے لئے جمع ہوئے، اور ۷ مارچ کو علی الصباح فرڈی نینڈ نے اعلان کرا دیا کہ میں نے مجلس کو فوراً منعقد کرنے کا حتمی ارادہ کر لیا ہے۔ لیکن اس اعلان سے کسی کی تشفی نہ ہوئی۔ کیونکہ مجلس سے قرون وسطیٰ کی وضع کی "مجلس" بھی مراد ہو سکتی تھی اور ۱۸۱۴ء کے واقعات شاہد تھے کہ فرڈی نینڈ کے مواعید کی قدر و قیمت کیا ہے۔ میڈرڈ کے بڑے چوک میں ایک بھیڑ لگ گئی اور لوگوں نے چلایا کہ ۱۸۱۲ء کا آئین قائم ہونا چاہئے۔ پھر جب وزیر جنگ نے خبر دی کہ شاہی پہرے کی فوج بھی مجمع عام سے جا ملنے پر تیار بیٹھی ہے تو ڈون کارلس اور پیر پادری جیسے مخالفین کو بھی دبنا پڑا۔ اور ایک دن فضول مناقشوں میں خراب کر کے آخر بادشاہ نے منادی کرا دی کہ میں اسی آئین کا حلف لینے پر آمادہ ہوں جس کے عام لوگ خواستگار ہیں۔ دوسرا دن عام خوشیوں میں گزرا۔ آئین کی کتاب کا شہر بھر میں جلوس نکالا گیا اور اس کی وہ تعظیم و تکریم کی گئی جیسی عشائے ربانی کے تبرکات کی ہوا کرتی تھی۔ محکمۂ احتساب کا زندان تاراج و خراب اور وہاں کے عقوبت و اذیت رسانی کے آلات ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔

فرڈی نینڈ ۱۸۱۲ء کا آئین تسلیم کرتا ہے ۷ مارچ

نویں تاریخ کو شورش کے سرگروہوں نے بادشاہ سے ایفائے عہد کرانے کی تدابیر کیں عوام کا مجمع کثیر محلات شاہی کے صحن میں در آیا۔ ان کے مطالبے پر مجلس بلدیہ کے وہی اراکین بحال کئے گئے جو ۱۸۱۴ء میں تھے اور یہی اراکین چھ دیگر نائبین کے ساتھ جنھیں

عوام نے منتخب کیا تھا، بادشاہ سے باضابطہ عہد لینے کے لئے محل کے اندر بھیجے گئے۔ فرڈی نینڈ نے خوشی خوشی اور بہت خندہ جبینی سے آئین ۱۸۱۲ء کے پابند رہنے کا حلف اٹھایا بحالیکہ دل میں وہ اس دن کا منتظر تھا جب فوجی قوت یا کسی سازش کے زور سے پھر اسپین کا مطلق العنان بادشاہ بن جائے اور ان لوگوں سے جو اسے خفیف کر رہے تھے اچھی طرح انتقام لینے کا موقع پا جائے[1]۔ حلف لینے کے بعد بلا تاخیر نئے وزیر مقرر ہوئے اور جدید مجلس ملکی کے انتخابات مکمل ہونے تک ایک ہنگامی جماعت ان وزیروں کو صلاح و مشورہ دینے کے واسطے بنا دی گئی۔

ہسپانیہ کے انقلاب کی اطلاع آناً فاناً سارے یورپ میں پھیل گئی اور اس سے اہل حکومت میں ہر جگہ اضطراب اور حقوق عوام کے حامیوں کی امیدیں تازہ ہو گئیں۔ چار مہینے بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ وہی آئینی تحریک جس کا بیج قادص میں پڑا تھا، جنوبی اطالیہ میں رونما ہوی۔ نیپلز ان ملکوں میں تھا جن کو فرانس کی فتوحات سے سب سے زیادہ فائدہ پہنچا۔ یہاں نو سال جوزف بوناپارٹ اور مورا (Murat) تاج و تخت کے مالک رہے اور اس عرصے میں ان آئین و قوانین نے جو بیادنت نپولین کے ہمقدم تھے یہاں کے پرانے اور جامد نظم و نسق کو کہ حقیقت میں طومار بے تمیزی تھا، بڑی بے دردی سے درہم برہم کیا اور ایک نئی مدنی زندگی کی بعض نتیجہ خیز تحریکات کو ابھار دیا۔ زمین کی موروثی جاگیرداری کے حقوق اور انھی کے ساتھ ایک حد تک وہ نظام تمدن بھی جو اس قدیم جاگیرداری کے طریقے پر مبنی تھا، دفع ہو گیا۔ مسیحی خانقاہیں بند کر دی گئیں۔ صدہا متضاد رسم و رواج اور متناقض عدالتی اختیارات کی بجائے، فرانس کا دیوانی قانون اور ایک تعزیری قانون جو فرانس کے تعزیری قوانین کے اتباع میں مرتب ہوا تھا، نافذ کیا گیا۔ محاصل کا بوجھ اگر ہلکا نہیں ہوا تو کم سے کم ان کا طریق وصول سادہ اور منصفانہ ضرور ہو گیا۔ دادرسی باقاعدہ اور عام و خاص سب کے لئے یکساں ہو گئی۔ قزاقی کا بالکل سدباب کر دیا گیا اور صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ لوگوں کو معلوم ہونے لگا کہ

نیپلز کا حال ۱۸۱۵ء سے ۱۸۲۰ء تک

---

[1] ہسٹوریا دی لا دیدا فرنانڈو ہفتم۔ جلد دوم۔ ۱۵۸

تمام جنوبی اطالیہ میں ایک یکساں اور عقل کے موافق انتظام قائم ہے۔ پھر جب شاہ فرڈی نینڈ کو تخت پر بحال کیا گیا تو اس وقت بھی یہاں اُس قسم کی رجعت قہقری جائز نہیں رکھی گئی جس نے کہ آن واحد میں اسپین اور ویسٹ فالیہ کی ساری اصلاحات کو برباد کردیا تھا۔ کیونکہ نیپلز میں انگلستان اور آسٹریہ دونوں کو اصرار تھا کہ کوئی جوابی انقلاب یا انتقام وکینہ وری کی کارروائی نہ ہونے پائے۔ ملکۂ ماریہ کارولائن جو ۱۷۹۹ء کے مظالم کی سب سے بڑی محرکہ تھی، مرچکی تھی خود فرڈی نینڈ بوڑھا اور کاہلی پسند ہو گیا تھا اور سارے معاملات کا انصرام اُن وزیروں کے حوالے کر دینے پر رضامند تھا جو اس سے زیادہ ہوشیار و باخبر تھے۔ ان وجوہ سے مورا کے قوانین اور نظم ونسق میں مجموعی طور پر کوئی فرق نہیں آیا ؏ اور فرانس کی طرح نیپلز میں بھی بوربنی خاندان کا ایک بادشاہ اسی سیاسی نظام کا صدر بنا دیا گیا جس کی تشکیل نپولین اور انقلاب فرانس نے کی تھی۔ قوانین یا حکومت کے کسی عمل میں کوئی ردّ و بدل کیا بھی گیا تو یہ زیادہ تر پاپائی حکومت کے ساتھ قرارداد کی بنا پر تھا۔ مثلاً کلیسا کی اراضی جو ابھی تک فروخت نہ ہوئی تھیں کلیسا کو واگذاشت کردی گئیں۔ لیکن جو بیچ دی گئی تھیں ان کے خریداروں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ بابہت سی خانقاہیں دوبارہ کھول دی گئیں۔ تعلیم کا دوبارہ پادریوں کے ہاتھ میں آنا گوارا کرلیا گیا۔ جیسوٹ فرقے والوں کو پھر ملک میں بلالیا اور شادی کے مقدمات فیصلہ کرنے کا اختیار دوبارہ اہل کلیسا کو حاصل ہوا نیز یہ اختیار کہ وہ ایسی تحریروں کو ضبط کرادیں جو کیتھولک فرقے کے عقائد سے اختلاف رکھتی ہوں۔

دربار فریق اور فریق مورا کی باہمی خصومت۔

مگر یہ مسلّمہ اور باضابطہ تبدیلیاں جو فرڈی نینڈ کی معاودت پر ہوئیں حقیقت میں اس تغیّر کی پوری روداد نہ تھیں جو حکومت کی عملی کارروائی میں رونما ہوا۔ گذشتہ اور حالیہ نظام حکومت میں ظاہری تغیّر تو واقع نہ ہوا لیکن ملک میں دو بالکل مخالف گروہ ضرور موجود تھے۔ جس طرح لوئی ہیجدہم کے ہمراہ مہاجرین فرانس واپس آئے اسی طرح اہل نیپلز کا ایک

؏ کیراس کوسا میموائرز صفحہ ۲۵ کولیٹا۔ جلد دوم۔ (۱۵۵)

جم غفیر فرڈی نینڈ کے ساتھ تھا۔ اس میں امیر غریب ہر قسم کے وہ لوگ تھے جنھوں نے صقالیہ میں اس کی جلا وطنی کے زمانے میں رفاقت کی یا اس کی طرف سے ۱۷۹۹ء اور ۱۸۰۶ء کی لڑائیوں میں سرزمین اطالیہ پر لڑے تھے۔ یہ اب اپنے انعام کے متوقع تھے، چنانچہ ان کے فائدے کے لئے سرکاری ملازمت میں اہلیت کی شرط بالائے طاق رکھدی گئی اور انصاف وحق رسی میں فرق آگیا۔ جن لوگوں نے کھُلے بندوں جرائم کا ارتکاب کیا تھا، ان کا شمار اگر بادشاہ سلامت کے رفیقوں میں تھا تو سزا پانے سے بچ گئے۔ جن عہدہ داروں یا فوجی سرداروں نے مورا کی ماتحتی کی تھی، اگرچہ وہ برطرف نہیں کئے گئے لیکن ان کے ساتھ بدگمانی اور بدخلقی کا برتاؤ ہونے لگا۔ ان دو گروہوں کی باہمی خصومت کا اثر سب سے زیادہ فوج میں محسوس ہوا۔ صقالیہ میں نوکری کرنیوالو کے واسطے ایک تمغہ ضرب کرایا گیا اور حقوق قدامت کے حساب میں ان کے ایک سالِ ملازمت کو جو انھوں نے صقالیہ میں بیکار پڑے پڑے گذارا تھا دو برس کے برابر محسوب کیا گیا۔ اس طرح عہد مورا کے نوجوان سرداروں کی ترقی کے راستے میں کاہل نکمّوں کی فوج کی فوج حائل ہوگئی۔ اور اوہر وزرا نے فی الواقع راست بازی سے جو کوششیں فوجی مصارف گھٹانے کی کیں، وہ بھی ان کی آیندہ ترقی کے حق میں مُضر پڑیں۔ فوج کے ہر طبقے میں بددلی پھیل گئی۔ اعلیٰ سردار تو سیاسی تبدیلی کے خیالات سے بخوبی آشنا تھے کیونکہ مورا کے آخری سنین حکومت میں خود یہی سپہ سالار اس فکر میں تھے کہ اُسے آئینی حکومت بنانے پر مجبور کریں۔ اور نوجوان سردار و برقنداز بہ تعدادِ کثیر کاربوناری کی خفیہ انجمن میں داخل ہوگئے جو حکومت کی کمزوری کی وجہ سے گذشتہ چند سال میں نشو ونما پاکر اب مملکت نیپلز میں سب سے بڑی قوت بن گئی تھی۔

انجمن کاربوناری

اس انجمن کی بنا پڑنے کا ٹھیک حال معلوم نہیں۔ مگر اس کا نام اور خاص خاص علامتیں کوئلہ پھونکنے والوں کے پیشے سے اخذ کی گئی تھیں۔ جس طرح فراشنوں کی انجمن کا نام معمار (پیشیں) سے لیا گیا ہے۔ نیپلز کی اس خفیہ انجمن کا مقصد شروع میں، ۱۷۹۹ء کے بعد بوربنوں کے مظالم کا مقابلہ کرنا ہو یا فرانس و آسٹریہ والوں کو اطالیہ سے نکالنا، ۱۸۱۴ء میں تو وہ سرگرمی سے مورا کے مقابلے میں آئینی حکومت کے لئے کام کر رہی تھی اور صقالیہ سے جہاں ان دنوں

فرڈی نینڈ نے آئینی بادشاہ کا روپ لے رکھا تھا، اس انجمن کی ہمت بڑھائی جاتی تھی۔ مگر جب نیپلز میں پھر خاندان بوربن کی مطلق العنان بادشاہی قائم ہوئی تو اس انجمن اور ملک کے اصلی وارث تخت کے درمیان جو رشتہ دوستی چند روز کے لئے جڑا تھا وہ ٹوٹ گیا اور انجمن کاربوناری کی ایک ایک شاخ، جو اب نہایت سرعت سے ملک بھر میں پھیل رہی تھیں، مطلق العنان بادشاہی کے خلاف شورش کا مرکز بن گئی۔

۱۸۱۹ء کے قریب اندازہ کیا جاتا تھا کہ مملکت نیپلز کے ہر پچیس باشندوں میں سے ایک شخص انجمن کاربوناری میں داخل ہو چکا ہے۔ ہر طبقے اور ہر گروہ کے لوگ اس میں شریک تھے۔ اور شاید سب سے زیادہ شہر کا شہروں کے طبقہ متوسط کے افراد تھے۔ بعض پادری انجمن میں لے لئے گئے تھے اور سرکاری ملازمت کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس میں کاربوناری موجود نہ ہوں اس فرقے کے اس قدر پھیلنے سے حکومت کو اندیشہ لاحق ہوا اور اس نے توڑ کرنے کے لئے مقابلے میں ایک دوسری انجمن کال دراری (بھٹی والے) تیار کی جس میں ہر مجرم کا، جو ۱۸۱۵ء سے قبل فرڈی نینڈ یا کیتھولک مذہب کی حمایت کو حیلے سے قتل و غارت گری کرتا رہا ہو، خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ ایسے اشخاص کی تعداد کچھ کم نہ تھی تاہم اس برادری کو اس کی عشر عشیر وسعت و قوت بھی میسر نہ ہوئی جو اس کے اصلی نمونے کو حاصل تھی البتہ اس رقابت و مسابقت کا ایک خاص نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ اطالیہ والے سازش اور پُراسرار باتوں کے پہلے سے بھی زیادہ گرویدہ ہو گئے اور اس عام احساس نے کہ ملک میں کوئی خفیہ طاقت موجود اور انقلاب انگیزی پر اپنی پوری قوت صرف کرنے کا فقط موقع دیکھ رہی ہے، حکومت وقت کا سارا وقار و اعتبار کھو دیا۔

ہسپانیہ میں آئینی حکومت کے اعلان کے بعد مملکت نیپلز میں ہنگامہ ہونا گویا ناگزیر ہو گیا تھا۔ کاربوناریوں کا صدر مستقر سلرنو میں تھا وہاں کے شرکائے انجمن جون میں بغاوت کرنے کی نیت رکھتے تھے لیکن یہ کام انھوں نے چند مہینے تک ملتوی کر دیا اور اس عرصے میں ایک رسالے کے چند برقنداز (جو نولا میں مقیم تھا) اور لفٹنٹ موریّی جسے انھوں نے سرگروہ بن جانے پر آمادہ کر لیا تھا، سلرنو والوں پر سبقت لے گئے

۲۰ جولائی ۱۸۲۰ء موریّی کی پیش دستی

یعنی دوسری جولائی کی صبح کو موریّی ڈیڑھ سو جوانوں کا ایک جوق لئے ہوئے اولینو کی طرف روانہ ہوا اور آئینی حکومت کا اعلان کر دیا۔

جُوق میں سے ایک سپاہی تو علیٰحدہ ہوگیا اور بعض نے زبردستی یا کہے سنے سے جھنڈے کا ساتھ دیا اگرچہ وہ اس اولوالعزمی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ تمام آباد مقامات میں جو نولا اور اولنّو کے راستے میں آئے، جُوق کا خیر مقدم کیا گیا۔ کم سے کم مزاحمت کہیں نہیں ہوئی اور اولنّو کی مقامی فوج کا سردار خود مورلّی کے استقبال کے لئے نکل آیا اور مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ جوق نے ایک گاؤں میں رات بسر کی اور دوسرے دن یہ سپاہی شہر اولنّو میں داخل ہوئے جہاں اسقف اور عہدہ داروں کی سرگروہی میں فوج اور اہل شہر نے ان کے ساتھ ہونے کا اعلان کر دیا۔ اولنّو سے یہ خبر نہایت جلد گردو نواح کے علاقے میں پھیل گئی۔ کاربوناری ہر جگہ بغاوت پر تیار بیٹھے تھے لہٰذا قبل اس کے کہ حکومت اپنی دفاع میں ذرا بھی ہاتھ پاؤں ہلا سکے، نیپلز کے اکثر شرقی اضلاع کے نہ صرف عام باشندوں نے بلکہ فوج باقاعدہ اور بے قاعدہ سبھی نے خوشی خوشی آئینی حکومت کو قبول کر لیا۔

بادشاہ سلامت سمندر کی کھاڑی میں جہاز پر تھے جب ۲ جولائی کو تیسرے پہر کے وقت مورلّی کے نولا میں بغاوت کرنے کی خبر ملی۔ مگر اس روز دن بھر وزرا نے کوئی کارروائی نہیں کی حالانکہ اگر کوئی مستقل مزاج سردار تھوڑے سے قابل اعتماد جوانوں کے ساتھ بھیج دیا جاتا تو مورلّی اور اس کا جُوق غالباً چند گھنٹے میں اسیر کئے جا سکتے تھے۔ پھر دوسرے دن جب اولنّو کی فوج باغیوں سے مل گئی اور وہ مستحکم ہو چکے بھی بنا چکے جن کی زد میں نیپلز کی سڑک تھی، تو جنرل کراس کو سا کو یہاں سے بھیجا گیا اور وہ بھی سرکشوں کو مغلوب کرنے کے لئے نہیں، کیونکہ کوئی فوج اس کے ساتھ نہ تھی۔ بلکہ فقط معافی دینے اور لالچ سے یا بہلا پھسلا کے قبول اطاعت پر آمادہ کرنے کے واسطے [1] کراس کوسا کے جانے سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا اور بعد میں جن سپہ سالاروں نے باغیوں پر حملے کی تیاری کی انھیں معلوم ہوا کہ سپاہی ان کی پیروی نہ کریں گے۔ کیونکہ حکومت کی مخالفت نے گو کسی جگہ خلاف قانون ہنگامے کی شکل اختیار نہیں کی، لیکن وہ فوج

(حاشیہ: نیپلز میں کیا گذری ۲ تا ۷ جولائی)

[1] کراس کوسا۔ صفحہ ۴۴

اور اہل ملک سب میں عام تھی۔ مانا کہ عام طور پر لوگ سیاسیات سے کوئی اچھی واقفیت نہ رکھتے ہوں، اتنا سبق انھیں ضرور مل چکا تھا کہ وہ بے روک محاصل اور لوگوں کو جب چاہے گرفتار کر لینے کے اختیار سے بیزار تھے شخصی حکومت کی وکالت میں ایک آواز بھی کہیں بلند نہ ہوئی۔ اولنّو جس صوبے میں واقع ہے وہاں کا بڑا فوجی عہدہ دار اور اسی کے ساتھ کاربوناریوں کا مکھیا جنرل پیپ نیپلز میں زیر نگرانی تھا۔ وہ بچ کر نکل بھاگا کہ اولنّو جا کر باغیوں کی قیادت کرے۔ شہر نیپلز میں ابھی تک خاموشی تھی لیکن ۶ر جولائی کی رات کو انجمن کاربوناری کی طرف سے ایک وفد نے بادشاہ کی خدمت میں اطلاع دی کہ اگر آئین دینا منظور نہیں کیا گیا تو ہم شہر میں امن وسکون قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اور بادشاہ نے صبح ہونیکا بھی انتظار نہ کیا بلکہ فرمان شائع کر دیا کہ آٹھ دن کے اندر آئین تیار کر دیا جائے اسی کیساتھ بلا تاخیر دوسرے وزرا مقرر کئے اور بیماری کے بہانے سے بادشاہی کے کاروبار بھی اپنے فرزند ڈیوک کلابریہ کے تفویض کر دئیے۔

فرڈی نینڈ کے فعل کو لوگوں نے فریب سمجھا۔ کیونکہ چند سال پہلے وہ صقالیہ والوں کو اسی طرح عارضی طور پر تخت سے دست بردار ہونے کا چکمہ دے چکا تھا۔ پرجوش طبائع کو آٹھ دن کی تاخیر بھی غیر ضروری نظر آئی۔ انھیں ہسپانیہ میں آئین قائم ہو جانے کا علم تھا اور اس کے کسی علمی سقم اور خرابی سے واقف نہ تھے۔ کاربوناریوں کے پاس یہ برمحل دلیل بھی موجود تھی کہ فرڈی نینڈ جو ہسپانیہ کے فرڈی نینڈ کا چچا تھا، ہسپانیہ کے آئین پر خود بھی دستخط ثبت کر چکا ہے تاکہ ممکن ہے کوئی صورت ایسی پیش آجائے کہ بھتیجے کا ورثہ اسے پہنچے تو وہ اپنے حقوق سے محروم نہ رہ جائے۔ پس ولی عہد

> فرڈی نینڈ ہسپانوی آئین کے پابند رہنے کا حلف لیتا ہے۔
> ۱۳ر جولائی

ہسپانیہ کی حیثیت سے وہ جس آئین کو تسلیم کر چکا کیوں نہ بادشاہ نیپلز کی حیثیت سے اسی آئین کو قبول کر لے۔ غرض شور مچ گیا کہ بلا تاخیر ہسپانیہ کے آئین ۱۸۱۲ء کے نفاذ کا اعلان ہونا چاہئے۔ حکومت کو دبنا پڑا اور ڈیوک کلابریہ نے نائب شاہ کی حیثیت سے مذکورۂ بالا آئین کے صقالیہ کے دونوں علاقوں میں نافذ ہونے کا فرمان شائع کر دیا۔ اس پر بھی شورش باقی رہی، کیونکہ لوگوں کو دھوکے کا خوف تھا حتیٰ کہ فرمان دوبارہ خاص بادشاہ کے دستخط سے جاری ہوا۔ پھر تو ہر طرف

خوشی ہی خوشی تھی۔ پیپ باقاعدہ اور ہنگامی فوج نیز کاربوناریوں کا گروہ لئے ہوئے بڑی شان وشوکت سے پائے تخت میں داخل ہوا اور نائب شاہ نے اس کا، نیز موریلی اور انقلاب کے دوسرے سرغنوں کا محض بناوٹ سے شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے وطن کی ایسی عمدہ خدمت انجام دی۔ ۱۳ جولائی کو ہفتاد سالہ بادشاہ نے، جس کے چہرے سے تندرستی مگر کبر سنی کا تقدس برستا تھا، شاہی گرجا میں قربانگاہ کے سامنے آئین جدید کی پابندی کا حلف اٹھایا۔ حلف کے الفاظ اس کے واسطے لکھ دیئے گئے تھے مگر فرڈی نینڈ کو مذہبی مراسم میں نئی نئی ادائیں دکھانے کا شوق تھا۔ اس نے حلف کے مقدس فقرے پڑھ دینے پر قناعت نہ کی بلکہ قربانگاہ کے اوپر صلیب پر نگاہ جما کر بہ آواز بلند دعا مانگی کہ اگر حلف صداقت سے نہیں لیا گیا ہے تو خدا کا قہر میرے سر پر نازل ہو۔ پھر اپنے بیٹوں کو دعا دی اور گلے لگا کے اس کبیر السن بادشاہ نے بادشاہ آسٹریا کو خط لکھا کہ یہ جو کچھ میں نے کیا محض جبر اور زبردستی کی بناء پر کیا ہے اور اس لئے ساری کارروائی ناجائز اور کالعدم ہے[1]

---

[1] گنتھو ڈی آئی جلد دوم ۱۰۸ و ۱۲۲ مگر فرڈی نینڈ کی ان حرکتوں کو آسٹریہ والے بھی صبر سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ یہ مصنف لکھتا ہے "یہ مصیبتیں آنے کے وقت بدنصیب بادشاہ (یعنی فرڈی نینڈ) کا طریق عمل کمزوری اور فریب کا مرکب بن گیا تھا" وغیرہ۔ پھر لکھتا ہے کہ "یہ تھا وہ شخص جسے تقدیر نے ہمارا حلیف بنایا اور جس کے ساتھ اب ہمیں اپنی اغراض وابستہ کرنی تھیں"۔

فرڈی نینڈ نے جعلسازی اور ظلم کی وہ وہ خوفناک حرکتیں کی ہیں کہ ناظرین کو یہ جتا دینا ضروری ہے کہ وہ سنگدل اور غرض پرست اطالوی نہ تھا بلکہ خاندان بوربن کے بادشاہ چارلس ثالث (شاہ ہسپانیہ) کا بیٹا تھا۔ طبعاً وہ کسی زندہ دل، احمق سے دہقان کے ساتھ بہت ملتا جلتا تھا مگر تقدیر کی اعجوبہ کاری نے بچپن سے وارث تاج و تخت بنا دیا۔ اس کی تمام زندگی اور ہر تصویر میں جو خود اس سے میل ملاقات رکھنے والوں نے کھینچی ہے ایک مضحکہ انگیز ناموزونیت کا رنگ نظر آتا ہے۔ ذیل میں ہم بیٹنگ کے مراسلات ۱۸۱۴ء سے ایک نمونہ پیش کرتے ہیں (یہ تحریر اس وقت کی ہے جب فرڈی نینڈ نے سنا کہ آسٹریہ نے مورا کو تخت نیپلز پر برقرار رکھنے کا وعدہ کیا ہے)۔ "میں نے اعلیٰ حضرت کو بہت پریشانی اور اضطرار کی حالت میں پایا۔ انھوں نے بیان کیا کہ میں نے دل میں ٹھان لی ہے کہ اپنے

ان واقعات کو ایک مہینہ اور گذرا تھا کہ ایک تیسری شخصی حکومت کی عمارت بھی اہل عسکر و عوام کے متحدہ کام کرنے کی بدولت منہدم ہوئی۔ بادشاہ اور دربار لزبن ۱۸۰۷ء میں جب نپولین کی فوجیں پہلی مرتبہ ٹیگس کے کنارے پر نمودار ہوئیں، تو برازیل چلے گئے تھے اور اس وقت سے پرتگال میں ایک مجلس نیابت بادشاہ کی طرف سے حکومت کرتی رہی۔ "جنگ جزیرہ نما" کے واقعات نے پرتگال کو بالکل ہی برطانیہ کا محکوم ملک بنادیا اور لڑائی کے بعد بھی انگریزی سپاہ کا سپہ سالار برسفورڈ اپنے عہدے پر برقرار رہا اور اس کے ساتھ بہت سے انگریز سردار بھی جنھوں نے ولنگٹن کے محاربات میں پرتگیزی دستوں کی قیادت کی تھی، پرتگال میں ٹھیرے رہے۔ انگریز سپاہیوں کا اس طرح ملک میں مقیم رہنا پرتگال والوں کو گراں گذرتا تھا اور ادھر انگریزی سوداگروں سے رقابت نے ایسے حلیفوں سے جو مہمان کی بجائے آقا بن بیٹھے تھے، بیزاری کے فطری جذبات کو اور قوت پہنچائی۔ اصل یہ ہے کہ ۱۸۰۷ء تک برازیل کے ساتھ تجارت کرنے کی سوائے پرتگیز سوداگروں کے اور کسی قانوناً اجازت نہ تھی۔ لیکن جب دربار شاہی اوقیانوس کے پار منتقل ہوا تو اُس اعانت کے عوض میں جو انگلستان نے نپولین کے مقابلہ میں پرتگال کو دی، برازیل کی بندرگاہیں برطانوی جہازوں کے لئے کھول دی گئیں۔ اس رعایت سے ملک برازیل اور انگلستان دونوں کو فائدہ پہنچا لیکن۔ پرتگال کے سوداگر جو قدیم سے بلا شرکت اس تجارت کے مالک تھے، تباہ ہوگئے۔ لوگوں کو ایسا نظر آنے لگا کہ حکومت کے برازیل میں

پرتگال کے حالات ۱۸۰۷ء سے ۱۸۲۰ء تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- خداداد حق سے ہرگز دست بردار نہ ہونگا۔ . . . انھوں نے کہا کہ خواہ میں افلاس و کس مپرسی میں رہوں، شرافت و راست بازی کے ساتھ جان دونگا، تاکہ کل کو میری اولاد یہ طعنہ نہ دے کہ میں نے خود اُن کے حقوق برباد کر دیئے۔ میں راست باز چارلس ثالث کا بیٹا ہوں اور کیسا ہی ناخلف سہی خاندان کی عزت کو بٹا نہیں لگاؤنگا؛ . . . . پھر جب میں (یعنی ہنٹنگ) چلنے لگا تو اعلیٰحضرت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگے امید ہے جس قدر میں تمھارا لحاظ کرتا ہوں تمھارے دل میں بھی میرا لحاظ اسی قدر ہوگا؛ پھر درخواست کی کہ مہربانی سے یہ بھنا ہوا تیتر فلاں شخص کے لئے لیتے جاؤ جو ہمیشہ اعلیٰحضرت کے ساتھ شکار میں جایا کرتا تھا! (دیکھو ریکوروڈز۔ مقالیہ۔ جلد ۱۹) یہی فرڈی نینڈ یورپ کا آخری بادشاہ ہے جس کا معمول رہا کہ اس کے مصاحبوں میں ایک پیشہ ور مسخرا یا بھنڈیلا بھی نوکر ہوتا تھا۔

منتقل ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ گویا سابق میں جو نسبت اس نوآبادی کو وطن اصلی سے تھی اب خود پرتگال کی حیثیت برازیل کے مقابلے میں نوآبادی کی سی رہ گئی ہے۔ اب تک برازیل کی حکومت پرتگال والوں کے فائدے کے لئے ہوتی تھی لیکن بادشاہ کے رایوجنیرو میں سکونت اختیار کرنے کے بعد لازمی بات تھی کہ پرتگال پر حکومت برازیل کے فائدے کے واسطے کی جانے لگے، تجارت کی کساد بازاری، طویل جنگ کی وجہ سے افلاس و مفلسی بادشاہ کے خلاف جو اصلی ملک میں کسی طرح واپس آنے پر آمادہ نہ ہوتا تھا اور نیز اجانب کے خلاف ناراضی جو ملک سے کسی طرح جانا نہ چاہتے تھے، ان سب اسباب نے فوج اور باشندوں کے ہر طبقے میں بے چینی پیدا کر دی۔ سازشوں کا تو ۱۸۱۷ء ہی سے سراغ لگایا جانے لگا تھا۔ اور اہل سازش کو دور وسطی کی وحشیانہ جلادی کے ساتھ سزائیں دی گئی تھیں لیکن دو برس بعد برس فورڈ کو بھی جو اتنا با تدبیر نہ تھا کہ بارہ آدمیوں کے پھانسی پھر سر قلم کرکے لزبن میں سر بازار جلا دیئے جانے میں کوئی تخفیف و ترمیم کرا دیتا، نظر آگیا کہ ملک کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے۔ ۱۸۲۰ء کے موسم بہار میں جب ہسپانیہ کی ہمسایہ مملکت میں انقلاب ہوا اور نظام حکومت میں بری یا بھلی کوئی نہ کوئی تبدیلی ہونی بالکل یقینی ہو گئی تو برس فورڈ اس ارادے سے رایوجنیرو روانہ ہوا کہ بادشاہ کو اصلی حالات سے مطلع کرے اور اپنی ذاتی رسوخ سے کام لے کر پرتگالی دربار جلد سے جلد لزبن میں واپس آجائے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ اتیانوس کو عبور کرے، اس حکومت کا جو وہ لزبن میں چھوڑ کر گیا تھا، خاتمہ ہو گیا۔

سپاہیوں کی شکایتوں نے حکومت سے انحراف کا قدرتی مرکز پرتگالی فوج کو بنا دیا تھا لیکن فوج کے سازش کرنے والوں کے ساتھی رعایا کے ہر طبقے میں موجود تھے۔ ۲۴ اگست ۱۸۲۰ء کے دن اپورٹو میں بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا گیا۔ کیا عام باشندے اور کیا پادری اور سرکاری حکام، سبھی مجلس نیابت کے خلاف اعلان کرنے میں فوج والوں سے متفق تھے اور اس مجلس کی بجائے ایک دوسری ہنگامی مجلس قائم کی گئی کہ جب تک مبعوثین باقاعدہ جمع ہو کر جدید آئین تیار کریں، یہ ہنگامی مجلس بادشاہ کی طرف سے نظم و نسق کے فرائض انجام دیتی رہے۔ اس کارروائی کی اپورٹو میں کسی فوجی یا دیوانی حاکم کی جانب سے

اپورٹو میں انقلاب
اگست ۱۸۲۰ء

کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ ہنگامی مجلس نے کام شروع کر دیا اور پہلی ہی کارروائی یہ کی کہ انگریز سرداروں کی برطرفی اور سپاہیوں کی چڑھی ہوئی تنخواہیں ادا کرنے کا حکم دیا۔ جونہی بغاوت کی خبر لزبن پہنچی تو مجلس نیابت خود مبعوثین کے انتخاب و اجتماع پر آمادہ ہو گئی اور باقیماندہ فوج کو رضامند رکھنے کے لئے اپورٹو کی مجلس ہنگامی کے احکام کی خود بھی نقل کرنے لگی ۱؎ لیکن فوج والوں نے اپنی فوجی ساتھیوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور ۱۵ ستمبر کو مجلس نیابت معزول ہو کر ایک نئی مجلس خاص لزبن میں قائم ہو گئی برس فورڈ برازیل سے واپس آتا تھا کہ حکم ملا کہ وہ سرزمین پرتگال پر قدم نہ دھرے۔ پھر اپورٹو اور لزبن کی انقلابی مجلسیں مل کر ایک ہو گئیں اور کچھ عرصے گڑبڑ رہنے کے بعد مجلس وضع قوانین کے لئے انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں اکثر وہی مبعوث منتخب ہوئے جو مجلس نیابت کے دشمن تھے لیکن یہ دشمنی انھیں خود بادشاہ کی وفاداری سے منحرف نہ کر سکی تھی۔ بادشاہ کو جب اوّل مرتبہ برازیل میں آئینی تحریک کی خبر ملی تو وہ بھی بعض شرائط کے ساتھ انعقاد مجلس پر رضامند ہو گیا اور اس رضامندی کا مجلس نیابت کی طرف سے پرتگال میں اعلان کرا دیا گیا۔ نیز اس نے وعدہ کیا کہ واپس یورپ آجائے گا۔ برس فورڈ لزبن میں لنگر انداز ہوئے بغیر سیدھا انگلستان چلا گیا اور وہاں اسے معلوم ہوا کہ اس کے وطن کی حکومت اپنے حلیف (پرتگال) کے اندرونی معاملات میں دخل دینے پر مطلق مائل نہیں ہے۔

ممالک ہسپانیہ اور اطالیہ کے آزادی پسند فخر کرتے تھے کہ ان کے وطن میں جو انقلاب ۱۸۲۰ء میں تکمیل کو پہنچا اس کی روداد میں کشت و خون کے ایسے شرمناک مناظر کا کوئی داغ نہیں ہے جیسے تیس برس پہلے تسخیر باستیل اور فرانس کی شخصی حکومت کا تختہ اُلٹتے وقت پیش آئے تھے ۲؎ لیکن ان جنوبی ممالک کے انقلاب کی یہ نرم و معتدل نوعیت بھی یورپ کے ممتاز مدبّروں کی نظر میں جرم انقلاب کو خفیف دکھانے میں کافی ثابت نہ ہوئی۔ بلکہ یہ واقعہ

الکزنڈر اسپین کے متعلق ملکر کارروائی کی تجویز کرتا ہے اپریل ۱۸۲۰ء۔

۱؎ ۔ برطانیہ اور دول خارجہ کے سرکاری کاغذات۔ جلد ہفتم صفحہ ۳۶۱ ۹۹۵ ۔ ۲؎ ۔ اس سے صقالیہ کے ہنگامے مستثنیٰ ہیں لیکن وہاں کچھ واقعات کی وہ اشاعت نہیں ہوئی جو جنوبی اطالیہ کے واقعات کی ہوئی کو

فوج کے سپاہیوں نے آئینی حکومت کی حمایت کی، بعض سرکاروں میں اُسکا عامۃ الناس کی بدعنوانیوں سے بھی زیادہ فال بد سمجھا گیا۔ خوف کی گھنٹی سب سے پہلے سینٹ پیٹرزبرگ میں بجی۔ ریجو کی قادس میں باغیانہ کارروائی کا حال سنتا تھا کہ زار روس مدافعت کی فکریں کرنے لگا۔ اور جب معلوم ہوا کہ فرڈی نینڈ کو مجبوراً سنہ ۱۸۱۲ء کا آئین تسلیم کرنا پڑا تو زار نے اپنے سفیروں کو یہ تجویز پیش کرنے کا حکم بھیجا کہ دول عظمیٰ اپنے اپنے وکلائے متعینہ پیرس کی وساطت سے ہسپانیہ کے وکیل سے مطالبہ کریں کہ ہسپانیہ کی مجلس وضع قوانین ۸ مارچ کی اُن خلاف قانون حرکات سے اپنی برات ظاہر کرے جن کا نتیجہ خود اس مجلس کا وجود میں آنا ہوا تھا، اور بادشاہ کی اطاعت کے ثبوت میں بغاوت و فتنہ انگیزی کے خلاف شدید قوانین وضع کرے[1] زار کی خواہش تھی کہ مطالبے کے آخر میں یہ بڑھا دیا جائے کہ صرف مذکورہ بالا شرائط کی بجا آوری ہی ایک صورت ہے کہ آیندہ دول عظمیٰ اسپین کے ساتھ دوستی اور اعتماد باہمی کے روابط قائم رکھیں گی۔

روسیوں کی اس تجویز کو وی آنا میں شک و اشتباہ کی نظر سے دیکھا گیا اور لندن سے اس کے جواب میں مستعدی سے صاف صاف انکار کر دیا گیا۔ وزیروں میں ابھی کیننگ موجود تھا اور اس کے ساتھ والوں کے کان میں بھی ابھی تک وہ الفاظ

انگلستان دول کے ملکر دخل دینے میں مانع آتا ہے۔

گونج رہے تھے جو اس نے انگلستان کے استبداد سے رشتۂ اتحاد توڑنے کے خلاف سنہ ۱۸۱۸ء میں لکھے تھے۔ لارڈ لورپول کی حکومت کے اراکین جانتے تھے کہ ہماری وزارت ملک میں نامقبول ہے۔ غرض مصلحت اور اپنے فوائد سب کا مقتضیٰ یہی تھا کہ روسیوں کی اُس دخل اندازی کی شروع ہی میں مزاحمت کی جائے جو اگر محض لفظی رہی تب تو یقینی طور پر بے سود ہوتی اور اگر عملاً اسکی تائید کی جائے تو بالکل قرین قیاس تھا کہ اس کا انجام یہ ہو کہ روس و فرانس میں اتحاد ہو جائے جس کا خیال انگریز مدبروں کیلئے سنہ ۱۸۱۴ء سے ہیجان گیا تھا، نیز یہ کہ اسپین پھر انھی فوجی سرداروں کے قبضے میں آجائے جنھیں اُکھاڑنے میں ونگٹن کے

---

[1] ۔ یہ روسی یادداشت مورخہ ۱۸ اپریل کی بجنسہٖ نقل ہے۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات جلد ہفتم ۹۴۳۔

سالہا سال خرچ ہوئے تھے۔ الفضہ کاسل ریا نے زار کے جواب میں جو پیرایہ اختیار کیا اس سے عیاں ہوگیا کہ اسپین میں کسی متحدہ مداخلت کی انگلستان کسی طرح منظوری نہ دے گا۔[1] ادھر وزارت فرانس کا برائے نام کارفرما، رشلیو اپنی قوت پر اس قدر مطمئن نہ تھا کہ وہ برطانیہ کی تائید کے بغیر کسی کام میں ہاتھ ڈالتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانوی آزادی کے خلاف اہل استبداد کا جہاد اُس وقت تک کے لئے ملتوی ہوگیا جب اشد بادشاہ پسندوں کی پیرس میں فتح مکمل اور رشلیو کے عزل سے حکومت فرانس کی باگ اس گروہ کے ہاتھ میں آگئی جسے خواہ مخواہ جنگ چھیڑ دینے میں حق و صداقت کا مطلق پاس نہ تھا۔

لیکن ان اسباب کا جو اسپین کو اجانب سے بچانے میں آڑے آگئے، اطالیہ میں اس وقت کوئی اثر نہ ہوا جب کہ نیپلز کے انقلاب نے ایک شمالی دشمن کو میدان میں لا کھڑا کیا۔ ہر چند صقالیتیں کے مملکت بنفسہا اسپین کے برابر بالکل وقعت نہ رکھتی تھی لیکن اس مملکت میں نظام حکومت کی تبدیلی سے

نیپلز اور دول عظمیٰ

ممالک یورپ کے مروجہ نظام کو بلا واسطہ خطرہ زیادہ تھا۔ میڈرڈ کے انقلاب سے یورپ کی کسی سلطنت کو اتنا اندیشہ نہ ہو سکتا تھا جتنا نیپلز کے انقلاب سے آسٹریہ کو لاحق ہوتا تھا۔ زار نے جو دول یورپ کو اسپین کے خلاف ابھارا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ خود اس کے ممالک معرض خطر میں تھے بلکہ محض اس وجہ سے شخصی بادشاہی کے اصول کو صدمہ پہنچ رہا تھا۔ مگر آسٹریہ کے معاملے میں نیپلز کا انقلاب گویا سیل بلا کا دروازے پر پہنچ جانا تھا۔ وہاں آئینی آزادی کے استقلال کا قریب قریب لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ریاست ہائے پاپا میں بغاوت ہوا اور پھر ولایات

آسٹریہ

وینس کے باشندے قومی آزادی کے لئے اُٹھ کھڑے ہوں۔ آسٹریہ نے اطالیہ میں اپنے آپ کو جس طرح الجھا رکھا تھا اس کے برے نتائج میں سے ایک بدترین نتیجہ یہ تھا کہ حکومت آسٹریہ خود اپنے بچاؤ کے لئے مجبور تھی کہ ہر کوشش کی جو سیاسی آزادی کے لئے اس کی حدود کے باہر کی جائے، مزاحمت کرے۔ نیپلز میں مطلق العنانی کے

[1] مباحث پارلیمنٹ۔ این۔ ایس۔ ہشتم ۱۱۳۶۔

خاتمے کی خبر کو جس فکر و پریشانی سے میٹرنک نے سنا، اس کی وزرائے انگلستان نہ صرف وجہ سمجھتے تھے[1] بلکہ خود اس پریشانی میں حصّہ دار تھے اور سوئے اتفاق سے کیننگ کی خودکشی نے انھیں اسی زمانے میں اپنے بہترین رہنما کے مشورے سے بھی محروم کر دیا۔ دولت آسٹریہ کو انگلستان نہ صرف ایّام جنگ بلکہ عہد امن میں بھی دربار پیرس و سینٹ پیٹرزبرگ کی حرص و آز کے مقابلے میں ہمیشہ اپنا قدرتی حلیف سمجھتا رہا۔ لہذا نیپلز میں جمہوریت کے غلبہ حاصل کرنے کو اگر آسٹریہ اپنے مفاد و مصالح کے حق میں اندیشہ ناک سمجھکر مداخلت کرے اور شاہ فرڈی نینڈ کو بحال کرنا چاہئے تو یہ کاسل ریا کو بالکل حق بجانب اور طبعی بات نظر آتی تھی۔ بالخصوص اس لئے کہ ۱۸۱۵ء کا وہ خفیہ معاہدہ جس کی رو سے فرڈی نینڈ نے مطلق العنان بادشاہی قائم رکھنے کا عہد کیا تھا، سفیر برطانیہ کو بتا دیا گیا تھا اور برطانیہ نے اسے قبول کر لیا تھا۔ اسی کے ساتھ کاسل ریا کے نزدیک اطالیہ میں یہ حق مداخلت صرف آسٹریہ کو حاصل تھا اور دول یورپ جس طرح ملک ہسپانیہ کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہ رکھتے تھے اسی طرح نیپلز پر بھی ان کا کچھ دعویٰ نہ تھا۔ نظر برایں حکومت برطانیہ نے دولت آسٹریہ کی مداخلت کو تو اس بنا پر نہ صرف جائز رکھا بلکہ اس کی خود خواستگاری کی کہ ایک ہمسایہ مملکت میں انقلاب انگیزی سے آسٹریہ کے اغراض کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس کا تحفظ کرے۔ لیکن دول یورپ کی کسی متفقہ مداخلت کی اجازت نہ دی اور صاف کہ دیا کہ انگلستان کی حکومت ایسی مشاورۃ سے بھی اختلاف رکھتی ہے جس میں مذکورہ بالا قسم کی مداخلت پر بحث و گفتگو کیجائے[2]۔

انگلستان آسٹریہ کی مداخلت کا حق تسلیم کرتا ہے لیکن متفقہ مداخلت کے خلاف ہے

اس وقت اگر میٹرنک اپنی جی کے موافق کام کرنے میں آزاد ہوتا تو فوج اور ذخائر حرب کے فراہم ہوتے ہی وہ جنوبی اطالیہ پر چڑھ دوڑتا اور وہیں کے وہیں

---

[1] گینٹز۔ ڈی آئی۔ دوم ۔ ۲۰۰: "ان الم ناک واقعات کو پیش کرنے کے لئے جناب امیر میٹرنک، شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب سے میں آگاہ ہوں میں نے کبھی کسی واقعے کا اتنا گہرا اثر ہوتے نہیں دیکھا جتنا کل ان کے جانے کے بعد نظر آتا تھا۔

[2] کاسل ریا دوازدہم ۳۱۱

ٹروپو کی مجلس
اکتوبر سنہ ۱۸۲۰ء

شاہ فرڈی نینڈ کی ساری مشکلات کا خاتمہ کر دیتا۔ لیکن زار کی منشا کا کوئی لحاظ نہ کرنا یا ملکر کام کرنے کے طریق کو جس کی نسبت فرض کیا جاتا تھا کہ یورپ میں کیا کیا کچھ کر چکا ہے، ایکا یکی خیرباد کہ دینا غیر ممکن بات تھی[1] چنانچہ وکلا، اور بادشاہوں کے ایک جلسے کا انتظام کیا گیا اور اواخر اکتوبر میں شہنشاہ آسٹریہ نے زار روس اور فریڈرک ولیم کا موراویہ کے چھوٹے سے قصبے ٹروپو میں استقبال کیا۔ خود فرانس نے نیپلز کے معاملات پر بحث کرنے کے لئے مجلس مشاورۃ منعقد کرنے کی سفارش کی تھی اور اوّل اوّل خیال ہوتا تھا کہ متفقہ مداخلت سے اختلاف کرنے میں انگلستان سب سے الگ اور تنہا رہ جائے گا لیکن مجلس کے انعقاد سے قبل، وزارت انگلستان کی اپنے قول پر پختگی نے رشلیو کو بھی اسی طرف کھینچ لیا[2] اور گو مجلس کے دو فرانسیسی وکیلوں میں سے ایک شخص اشد بادشاہ پسندوں کے جرگے کا آلہ بن گیا تھا۔ تاہم اپنے ملک کو یورپ کی تین مشرقی سلطنتوں سے وابستہ کرنے میں اس کی پیش نہ جا سکی۔ دوسرے مجلس میں فرانس اپنی حکومت کی کمزوری اور نائبین ملک کی باہمی جوتی بیزار کی وجہ سے کسی شمار و قطار میں نہ تھا۔ انگلستان نے اپنی سفیر کو وی آنا سے مجلس میں بھیجا لیکن ہدایت کر دی کہ صرف

---

[1] گنیٹز ڈی ۔ آئی ۔ دوم ۔ ۶۷ ۔ میٹرنک سوم ۳۹۵ :۔ "ہمارے آلات آتش جولائی میں بھرے ہوئے نہ تھے ورنہ ہم فوراً کام شروع کر دیتے"

[2] گنیٹز دوم ۸۵ ۔ ٹروپو کی مجلس کا بھی، اسے لاشاپل اور وی آنا کی مجلسوں کی طرح گنیٹز ہی معتمد تھا۔ اس کے خطوط سے یورپ کے تمام سیاسی معاملات میں آسٹروی اور شخصیت پسندی کی آرا حیرت انگیز صفائی سے نمایاں ہوتی ہیں۔ رشلیو کے پھر جانے کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ تغیر ناخوشگوار تو ہے، مہلک نہیں۔ "یہ مفرط دانش مندیاں بے شبہ گراں گزرتی ہیں۔

غنیمت ہے کہ ذول ثلاثہ آسٹریہ اور پروشیہ بطور خود کام کرنے میں آزاد ہیں اور یہ قوت بھی رکھتی ہیں کہ بغیر فرانس و انگلستان کی شمولیت کے اس طریق عمل کے مطابق کارروائی کریں جس کی قرارداد ہو چکی ہے اور جو وقت کا مقتضی ہے"۔ اس فقرے میں تینوں شخصی بادشاہیوں کے متعلق یہ الفاظ کہ غنیمت ہے کہ وہ بطور خود کام کرنے میں آزاد ہیں" اس زمانے کے خیالات کا نہایت عمدہ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

شاہد کی حیثیت سے شریک مجلس رہے اور کوئی حصہ نہ لے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹروپو کا جلسہ صرف تین
مطلق العنان بادشاہوں اور ان کے وزیروں کی بزم احباب رہ گیا۔ پھر چونکہ پروشیہ کی تو بیرونی
معاملات میں اپنی کوئی علٰحدہ حکمت عملی ہی نہ رہی تھی لہٰذا میٹرنک کو نیپلز میں استبداد کی بحالی کے
واسطے تمام مشرقی اور وسطی یورپ کی قوتیں جمع کرنے میں صرف زار کی مدد کے متعلق اطمینان
کرلینا باقی تھا۔

میٹرنک کی زور آزمائی کاپوڈیس ٹریاس کے ساتھ ۔

اس سہولت کے باوجود آسٹریا کے شاطر کا منصوبہ بغیر کوشش و کاوش کے پورا ہونیوالا
نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی جرمن ریاستوں میں میٹرنک نے حال میں جو کامل اقتدار پایا اسے الکزنڈر
حسد کی نظر سے گھورتا رہا تھا۔ اطالیہ میں آسٹریہ کے تسلط کو بھی زار نے
کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ پھر، اصول آزادی سے قدیم وابستگی کا جو کچھ تھوڑا
بہت اثر باقی تھا وہ بھی متقاضی تھا کہ نیپلز میں صاف صاف اور بے پردہ
مطلق العنانی بحال کرنے کی بجائے، جو دولت آسٹریہ چاہ رہی تھی،
یہ مسئلہ کسی اور بہتر طریق پر حل کیا جائے۔ گو الکزنڈر حصول آزادی کی ہر کوشش کو جو خود رعایا کی طرف
سے کیجائے جرم کہتا تھا تاہم ابھی تک اتنا ضرور مانتا تھا کہ بعض ممالک میں بہتر ہو کہ بادشاہ ازخود
اپنی رعایا کو جدید آئین جنھیں وہ آزادی اور دانائی کے آئین کہتا تھا، عطا فرمادیں۔ چنانچہ اگر
نیپلز والے کسی طرح اس پر رضامند ہوجاتے کہ آئین سے دست بردار ہوکر خود بادشاہ کی
طرف سے بعض حقوق ازروئے منشور قبول کرلیں تو یہ الکزنڈر کی کمال خوشی کا موجب ہوتا۔
اور اس صورت میں دونوں مغربی سلطنتوں کی بھی غالباً تائید حاصل کرلی جاسکتی تھی۔ لیکن اس
قسم کی مصالحت جو فرڈی نینڈ کو آسٹریہ کے خفیہ معاہدے سے آزاد کردیتی، ٹھیک وہ بات
تھی جس کی تجویز کو میٹرنک حرف غلط کی طرح اُڑا دینا چاہتا تھا۔ اس معاملے میں اُس نے ایک
ایسے سیاسی شاطر کو اپنے مقابل پایا جو اس سے بھی زیادہ چالاک تھا۔ اگرچہ میٹرنک کو اس
قسم کے مقابلے پہلے بھی پیش آچکے تھے۔ یہ نیا حریف کونٹ کاپوڈس ٹریاس نامی ایک
یونانی آدمی تھا جو غیر سرکاری حیثیت سے ترقی کرکے رُوس کا وزیر خارجہ بن گیا تھا اور جس کے
نصیب میں اپنے وطن اصلی کا، رسماً نہ سہی حقیقتاً، پہلا بادشاہ ہونا لکھا تھا۔ کاپوڈس ٹریاس
اپنے آقا کی سابق توقعات آزادی میں شریک و ہم آہنگ تھا اور اب بھی اس کی رجعت اس
قدر تیز نہ ہوئی تھی جتنی زار کی! اطالیہ کے معاملے میں ابھی تک وہ اس طرز عمل کا حامی تھا جو چند سال

قبل خود الکزنڈر کو پسند تھا۔ یعنی وہ نیپلز میں شخصی حکومت کو بحال ہونے سے روکنا یا کم سے کم یہ چاہتا تھا کہ آسٹریہ بزورِ شمشیر یہ کام نہ کرے؛ لہذا میٹرنک کا پہلا مقصود یہ ہوگیا کہ اس وزیر کو اپنے بادشاہ کی نظر میں بے اعتبار بنا دے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ سینٹ پیٹرزبرگ کے بعض سپاہیوں کے بگڑ جانے گے ذکر میں جو اسی زمانے کا تازہ واقعہ تھا، میٹرنک نے زار کے سب سے گہرے جذبات خوف کو چھیڑ دیا اور اس طرح ایک ہی نجی کی ملاقات میں وہ زمین کھوکلی کر دی جن پر کاپوڈس ٹریاس قدم جما سکتا تھا۔ اس نے زار کی مرغوب خاطر تجویز کہ تمام دول ایک دوسرے کی ضامن ہوجائیں کہ یورپ کے کسی حصے میں بھی انقلاب ہوا تو مل کر سدباب کریں گی، از سر نو تازہ کر کے اس بادشاہ کو اور بھی پرچایا۔ الکزنڈر نے یہ تجویز ۱۸۱۸ء میں پیش کی تھی کہ تمام حکومتیں اعلان کر دیں کہ کسی حکومت حاضرہ سے مخالفت کرنا یورپ بھر کی امن شکنی کے مرادف سمجھا جائے گا اور اس بات کا مستوجب ہوگا کہ اگر دول متحدہ مناسب سمجھیں تو اس مخالفت کا فوجی قوت سے قلع قمع کر دیں۔ اس کلیے کے معنی یہ ہوتے کہ اگر انگلستان کا قانون اصلاحات جبراً نافذ کر دیا جائے تو زار کو حق تھا کہ اپنی سارے جتھے کی فوجیں لے کر لندن پر چڑھ دوڑے۔ اسی لئے برطانیہ کی مخالفت کی بنا پر یہ تجویز اقوام یورپ میں مشترکہ طور پر قبولیت نہ پا سکی تھی۔ اب آسٹریہ اور پروشیہ نے اسے باضابطہ تسلیم کر لیا۔ الکزنڈر نے جب دیکھا کہ شاہانِ یورپ کے اتحاد اور اجتماعی مداخلت کا اصول کم سے کم یورپ کی تین بڑی طاقتوں میں مسلم اور نافذ ہوگیا تو اس کے عوض میں اس نے میٹرنک کو اختیار دے دیا کہ نیپلز کے معاملے میں اس اجتماعی مداخلت کی عملی صورت وہ خود قرار دے۔

تینوں طاقتیں اجتماعی مداخلت کا اصول قرار دیتی ہیں۔

چنانچہ یہ طے پایا کہ شاہ فرڈی نینڈ کو اپنے ہمعصر بادشاہوں سے ملاقات کے لئے لائے باخ میں آنے کی دعوت دی جائے جو آسٹریہ کے صوبہ کارنیولا میں واقع تھا۔ اور اس کی وساطت سے باشندگان نیپلز کے پاس تینوں سلطنتوں کے نام سے یہ مطالبہ بھیجا جائے کہ وہ اپنے آئین سے دست بردار ہوجائیں اور بتا دیا جائے کہ عدم تعمیل کی صورت میں فوج کشی کی جائیگی[1] اس فیصلہ کی ایک طے شدہ امر کی حیثیت سے

---

[1] یہی وہ شیرازہ بندی تھی جسے آسانی کے لئے مگر نادرست طور پر "اتحاد مقدس" کہتے تھے، کیونکہ وہ اتحاد مقدس کے

انگلستان و فرانس کے سفیروں کو اطلاع دیدی گئی۔ اور ٹروپو سے ایک گشتی مراسلہ دَول ثلاثہ کی جانب سے تمام دول یورپ کے نام ارسال کیا گیا (۸ دسمبر) جس میں اجتماعی

ٹروپو کا گشتی مراسلہ مجریہ ۸ دسمبر ۱۸۲۰ء

مداخلت کا اصول بیان کرکے یہ امید ظاہر کی تھی کہ نیپلز کے قضئے میں اس اصول کا فوری عملدرآمد فرانس اور انگلستان کو مقبول ومنظور ہوگا[1]

مگر دراصل انگلستان کے متعلق اس قسم کی امید کرنے کی کوئی بنا نہیں تھی اس کے برخلاف دَول ثلاثہ نے جس نسبت سے اپنے اتحاد کو زیادہ مستحکم کیا ممالک یورپ میں اپنی اجتماعی دخل دہی کے زیادہ دعویدار ہوئے اُسی نسبت سے انھوں نے انگلستان کو گویا اپنی حلقے سے زیادہ دُور دھکیل دیا۔ لارڈ کاسل ریا نے اوّل اوّل وعدہ کیا تھا کہ

انگلستان کا اعتراض

نیپلز کے خلاف حکومت آسٹریہ جو کارروائی کرے، انگلستان اصولاً اس کی تائید کرے گا۔ لیکن جب یہ کارروائی اکیلی آسٹریہ سے متعلق نہ رہی بلکہ مطلق العنان دَول ثلاثہ کے احتسابی نظام کا جزو بن گئی تو پھر اس کی کوئی صورت نہ رہی کہ انگلستان ایسی کسی کارروائی کو منظور یا خاموشی سے گوارا کرے چنانچہ اصولی تائید کا وعدہ واپس لے لیا گیا اور انگلستان نے اعلان کردیا کہ وہ نیپلز کے معاملے میں قطعی غیر جانب دار رہیگا۔ نیز ٹروپو کے گشتی مراسلہ پر جس میں یہ مسئلہ نکالا گیا تھا کہ کسی ملک میں بھی کوئی تغیر ہو، دَول متحدہ کو مداخلت کا حق ہوگا[2] سخت اعتراض کیا۔ فرانس کی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ مہمل معاہدۂ ۱۸۱۵ء پر مبنی تھا۔ ناظرین کے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آزادی سے جو جمعیت پیدا ہوئی تھی اسے بادشاہوں کے درمیان ایسی باقاعدہ قرارداد کی صورت اختیار کرنے میں پانچ سال لگے جس کی رو سے وہ کسی بیرونی ریاست میں عوام کے موافق منشا تغیرات میں مداخلت کرسکتے تھے۔ اور دوسرے یہ کہ جو اصول اجتماعی اب ۱۸۲۰ء میں تسلیم کئے گئے وہ بھی اس جمعیت دَول کے اصول سے بہت کچھ مختلف تھے جس کی تجویز ۱۸۱۵ء میں الکزنڈر نے کی تھی۔ اس "اتحاد مقدس" کا نقشہ جس الکزنڈر نے تیار کیا یہ وہی الکزنڈر تھا جس نے لوئی ہجدہم کو منشور حقوق (کارٹا) جاری کرنے پر مجبور کیا تھا۔

[1] کاسل ریا۔ دوازدہم ۳۳۰ ـ [2] میٹرنک۔ سوم ۳۹۴۔ بی وایف کاغذات سرکاری ہشتم ۱۱۶۰ ـ نیز گینٹز۔ ڈی آئی ـ دوم ۱۱۲۔ مجلس ٹروپو کا بہترین بیان دوور جیروی ہوران

طرف سے اختلاف کی صدا بلند نہیں ہوئی۔ مگر پیرس میں ابھی تک یہ امید کی جارہی تھی کہ کسی طرح جنوبی اطالیہ پر آسٹریہ کی فوج کشی، جس سے اہل فرانس کے جذبات فخر و ناز کو صدمہ پہنچتا تھا، ٹل جائیگی لوئی نپولین نے بیچ میں پڑنے کی کوشش بھی کی کہ نیپلز کے خاندان بوربن اور اس کی رعایا کے درمیان اور اسی کے ساتھ شمالی سلطنتوں سے کوئی مصالحت ہوجائے لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا۔

اہل مشاورۃ نے شاہ فرڈی نینڈ کے پاس لائے باخ آنے کا خطہ روانہ کردیا۔ جب خط پہنچا ہے تو یہ فرمان روا پوری ہردلعزیزی سے، جو رعایا کو آئین دینے کے طفیل کسی بادشاہ کو حاصل ہوسکتی ہے، بہرہ مند تھا۔ گردوپیش وہی وزرا موجود تھے جو تھوڑا کے زمانے میں حکمرانی کرچکے تھے۔ جمہوری مجلس اور بادشاہ سلامت کے درمیان باہمی تحسین و توصیف کے مبادلے ہورہے تھے، انھی لوگوں کو جنھوں نے اس کی مطلق العنانی کو خاک میں ملایا، اعزاز و مراحم خسروانہ سے سرفراز کیا جارہا تھا اور ہر شئے جو سامنے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ:۔۔۔ میں ہے۔ (جلد دوم ـ ۹۳) کیننگ کی جو سیرت اس کے معتمد اسٹےپلٹن نے لکھی ہے وہ اگرچہ اس زمانے کے حالات کے متعلق ایک حد تک مستند ہے لیکن کاسل ریا کے بارے میں اس کتاب میں بے شمار غلط بیانیاں ہیں۔ اسٹےپلٹن لکھتا ہے کہ ٹروپو کے مراسلہ مورخہ ۸ر دسمبر کاسل ریا نے کوئی کارروائی نہیں کی اور وہ ایک مہینے سے زیادہ اس کے پاس پڑا رہا۔ نیز اشارہ کرتا ہے کہ اگر اتفاقی طور پر ایک جرمن اخبار میں مراسلہ مذکور کے شائع ہونے سے یہ راز فاش نہ ہوجاتا تو کاسل ریا اس پر کوئی اعتراض وغیرہ نہ کرتا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ٹروپو کے اصول پر انگلستان کا اعتراض ایک یادداشت کی صورت میں "جو بہت طویل، بالکل قطعی نیز کسی قدر درست اور چبھتے ہوئے لب و لہجہ میں" لکھی گئی تھی، ۱۶ یا ۱۹ دسمبر کو اہل مجلس کے پاس پہنچ گئی تھی اور اسی کے ساتھ میٹرنک کے نام ایک خط تھا جو اسے بہت گراں گذرا۔ اسی قسم کی ایک اور گپ کیننگ کے کسی دوسرے منشی کے زبانی گرین ول کی سوانح (جلد اول ـ ۱۰۵) میں لکھی ہے جس کا اصل یہ ہے کہ کاسل ریا کے نجی خطوں کا لہجہ جو وہ ٹروپو بھیجتا تھا، سرکاری مراسلات سے بالکل مختلف ہوتا تھا جنھیں "محض پارلیمنٹ کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے تحریر کیا جاتا تھا" اس قول کے بالکل غلط ہونے کے ثبوت میں اس زمانے کی آسٹروی تحریروں کا مطالعہ کرنا کافی ہے جن میں جا بجا انگلستان کے طرزعمل پر مایوسی اور خفگی کا اظہار کیا گیا ہے۔

مجلس لائے باخ جنوری ۱۸۲۱ء

پیش کیجاتی اس کی پابندی کا وہ دل وجان سے عہد کر رہا تھا۔ آئین جدید کی رو سے بادشاہ کا بغیر مجلس کی رضامندی ملک سے باہر جانا جائز نہ تھا لہٰذا سفر لائے باخ کے واسطے دول کی دعوت سے مجلس کو مطلع کرنا اور اہل مجلس کی رائے لینا ضروری تھا۔ فرڈینینڈ کے نئے وزرا سیاسیات کا خاصا تجربہ رکھتے تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ تین بڑی سلطنتوں کو دشمن بنا کے آئین حاضرہ کو قائم رکھنا غیر ممکن ہوگا۔ اسی لئے انہیں امید تھی کہ ملکی مجلس فرڈی نینڈ کی لائے باخ روانگی پر رضامند ہوجائیگی بشرطیکہ وہ آزاد نظام حکومت کے خاص خاص صراحت کردہ اصول پر جمے رہنے کا اقرار کرے۔ چنانچہ مجلس کے نام ایک مراسلہ عام طور پر شائع کردیا گیا جس میں بادشاہ نے بنیاد مذکورہ پر دول خارجہ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن وزرا نے عوام کے جذبات کا خیال ہی نہ کیا تھا۔ جونہی معلوم ہوا کہ فرڈی نینڈ روانہ ہونے والا ہے، انجمن ہائے کاربوناری کے سرگروہوں نے اپنے اپنے گروہ مجتمع کرنے شروع کئے۔ گرد و نواح سے جنگجو لوگوں کا ایک جمّ غفیر نیپلز میں آپہنچا۔ مجلس بھی ان سے خوفزدہ ہوگئی اور بجز اس صورت کے کہ فرڈی نینڈ آئین حاضرہ کو یعنی اسی نظام حکومت کو جسے نیپلز نے اسپین سے نقل کیا تھا، بجنسہٖ قائم رکھنے کا حلف اٹھائے' اس کے پائے تخت کے باہر جانے کی ممانعت کردی۔ مگر فرڈی نینڈ کا مطلب تو صرف یہ تھا کہ جس طرح ہوسکے جلد سے جلد ملک سے باہر نکل جائے۔ اُس نے حسب دستور حب وطن کے لمبے چوڑے دعووں کے ساتھ یہ حلف بھی اٹھالیا اور شمالی اطالیہ میں جانے کے قصد سے لیگ ہورن کی طرف روانہ ہوگیا۔ پھر اس ٹسکانی بندرگاہ پر پہنچتے ہی اس نے یورپ کی پانچوں دول عظمیٰ کے بادشاہوں کے پاس ایک خط بھیجا جس میں صاف طور پر لکھدیا کہ میری یہ تازہ کارروائیاں بھی اسی طرح کالعدم اور ناجائز ہیں جیسے وہ افعال جو پہلے کرنے پڑے اس طرز عمل کی اُس نے کوئی معقول توجیہ، کوئی معذرت بلکہ کوئی تاویل بھی نہیں لکھی اور نہ یہ ماننے میں کوئی شک کی گنجایش معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہوں کے جعل و دغا کی وہ کوئی تاویل ہی ضروری نہ سمجھتا تھا۔ مجلس ٹروپو کے معتمد کو بھی ان تحریروں پر یہی لکھنا پڑا کہ "غنیمت ہے یہ لغو حجتیں صیغہ راز میں رہینگی اور آیندہ بھی کوئی وزارت انبار خانے کے ان گڑے مُردوں کو نہ اُکھیڑے گی۔"

لہٰذا اس وقت تک ان کا رہنا چنداں مضائقے کی بات نہیں ہے۔"

فرڈی نینڈ لائے باخ پہنچ گیا جہاں صعوبات سفر کے صلے میں زار نے روس کے چند ریچھ اس کو ہدیہ دیئے۔ اس کا آجانا میٹرنک کے لئے خاصکر موجب مسرت تھا

فرڈی نینڈ کا ورود لائے باخ میں

کیونکہ میٹرنک کے ارادے فرڈی نینڈ کے دلی خیالات کے عین مطابق تھے اور یہ واقعہ بھی کہ فرڈی نینڈ کو ہسپانوی آئین کی نیپلز میں پابندی کرنے کا جبراً حلف اٹھانا پڑا، آسٹریا کے وزیر کے لئے کام کی بات ثابت ہوا۔ کیونکہ اسی بنا پر اُسے دنیا سے یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ اب کسی رسل ورسائل کی گنجائش ہی اس معاملے میں باقی نہیں ہے۔^۱ کاپوڈس ٹریاس کو جب اپنی کچھ پیش جاتی نظر نہ آئی تو، اپنے حریف کے بقول، وہ اس طرح تلملایا جس طرح عامل کے کنڈل میں پھنس کر بھوت تلملاتا ہے۔ مگر اسکی کوئی تدبیر نہ چلی۔ فیصلہ کردیا گیا کہ عساکر آسٹریہ جاکر فرڈی نینڈ کو دوبارہ مطلق العنان بادشاہ بنادیں اور اہل نیپلز خواہ برسر فساد ہوں خواہ سر تسلیم خم کردیں، آیندہ چند سال تک ان کے ملک پر آسٹریہ کی فوجوں کا قبضہ رکھا جائے۔ صرف ایک وقت یہ باقی رہی کہ فرڈی نینڈ کے طرز عمل کو کسی حد تک شرافت کے پیرائے میں کیونکر پیش کیا جائے۔ کاپوڈس ٹریاس کی جب ساری سعی بے سود ہوئی تو اب خود اس نے ایک پوری جعلی خط وکتابت تیار کرنے پر آمادگی ظاہر کی جس میں فرڈی نینڈ کی جانب سے کمال غیرت مندی اور آئین کی جس کے لئے حلف اٹھا چکا تھا، حمایت ظاہر کی جائے اور دول کے اس عزم کی سخت مخالفت دکھائی جائے کہ وہ دوبارہ استبداد کی

۱؎ یقین کیا جاتا تھا کہ اگر فرڈی نینڈ کی پہلی تجویزیں جو اس نے آئین پسندوں کے سامنے پیش کی تھیں، مجلس نیپلز نے قبول کرلی ہوتیں تو لائے باخ میں انگلستان وفرانس کی طرف سے یہ اصرار ہوتا کہ اہل نیپلز سے مصالحت کے ساتھ معاملہ کیا جائے۔" فرانس اور انگلستان کی حکومتیں ایسے آئینی اور نیابتی نظام حکومت کے جاری کرنے پر شدید اصرار کرینگی جس کی نسبت درباروی آنا کو یقین ہے کہ وہ ریاستہائے اطالیہ کی حالت اور خود خاص آسٹریہ کی ریاستوں کے حفظ امن سے مطلق موافقت نہیں رکھتا۔" (گینٹر۔ ڈی آئی ۲ءم ۔ ۱۱۰)

تلوار جبراً اس کے ہاتھ میں دینے پر تُلی ہوئی ہیں [۱] لیکن اہل مشاورۃ کے نزدیک یہ بالکل کھلا ہوا جبل ہوتا۔ پس فرڈی نینڈ کے نام سے ایک خط اس کے بیٹے ڈیوک کلابریہ کو تحریر کیا گیا جس میں بتایا تھا کہ دول یورپ اس تبدیلی کو جو انقلاب انگیزی

اول متحدہ کے مطالبات نیپلز سے

کی وساطت سے پیدا کی گئی ہے کسی طرح برداشت کرنا نہیں چاہتیں۔ اُن کے ماننے بغیر جنگ ٹالنے کی کوئی شکل نہیں۔ اور ان کے مطالبے مان لینے پر بھی امن کی ضمانت کے لئے وہ بعض شرطیں عائد کرینگی۔ جس سے مطلب آسٹروی فوج کا قبضہ تھا۔ خط کا خاتمہ حسب معمول اصلاح اور حسن انتظام کے وعدوں پر کیا گیا تھا۔ یہ خط ۹ ہر فروری ۱۸۲۱ء کو نیپلز پہنچ گیا۔ مگر اس کے کسی جواب کی نہ امید تھی نہ خواہش کی گئی تھی۔ ۶ ہر فروری کو آسٹروی فوج کے نام پو کو عبور کر جانے کے احکام پہلے ہی جاری کئے جا چکے تھے۔

اہل نیپلز کی طرف سے کسی شدید مزاحمت کا چنداں اندیشہ نہ تھا اس ریاست کا نظم و نسق سراپا ابتر تھا اور خفیہ انجمنوں کی شورش نے سپاہیوں کی اطاعت و فرماں برداری

نیپلز اور صقالیہ کی حالت۔

کی روح بالکل سلب کر لی تھی۔ دوسری فوج کا بڑا حصہ صقالیہ گیا ہوا تھا کہ ان باشندوں کی نگرانی رکھے جن پر ذرا عقل کے ساتھ حکومت کی جاتی، تو آج نیپلز کی فوج دُگنی ہو کر حملہ آوروں کے مقابلے میں آتی۔ جب فرڈی نینڈ کی شخصی بادشاہی کا تختہ اُلٹا گیا تو صقالیہ، یا جزیرے کے اُس حصے کے باشندوں نے جن کا نمایندہ شہر پلرمو تھا یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں وہی علیحدہ حکومت ملنی چاہئے جو ۱۸۰۶ء سے ۱۸۱۵ء تک وہاں رہی تھی۔ یعنی گویہ لوگ

[۱] ۔ گینٹز ۔ نکلاس ۔ (پی، اوسٹن) اول ، ۶۷ ۔ لیکن اس خیال سے کہ کاپوڈسٹریاس کی یہ عیاری سنکر ناظرین اس کے متعلق بہت ہی بُری رائے نہ قائم کریں، یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ذاتی معاملات میں وہ بالکل متدین اور بے لوث اور اپنے زمانے کے اُن معدودے چند اہل حکومت میں سے تھا جو ملکی معاملات کے ذریعے اپنی جیب بھرنے کی سعی نہ کرتے تھے۔ اس کی نظر بہت اونچی تھی اور اسی لئے ادنیٰ چیزوں سے جو اکثر نفوس کو طمع دلاتے ہیں، وہ بہت ارفع تھا۔ اس ذاتی نکوئی اور ملکی معاملات میں اس کے عدم تدین کا حال اگلے ابواب میں اور واضح ہو جائے گا۔

نیپلز کے ساتھ اس حد تک متحد رہنے پر آمادہ تھے کہ شاہ نیپلز کی بادشاہی کو تسلیم کرتے رہیں لیکن وہ اپنے لئے جداگانہ قومی مجلس اور قومی آئین کا مطالبہ کرتے تھے۔ مگر اہل صقالیہ کی ان آرزوؤں سے نیپلز کے انقلاب پسند وزیروں کو بھی اتنی ہی ہمدردی تھی جتنی ۱۸۱۲ء کے ہسپانوی آزاد خیالوں نے اپنی امریکی نوآبادیوں کے معاملے میں دکھائی تھی۔ انھوں نے اہل جزیرہ کے وہی حقوق و فرائض رکھنے چاہے جو مملکت نیپلز کے دوسرے صوبوں کے تھے۔ اور جب صقالیہ والوں نے یہ بات نہ مانی تو نیپلز سے ایک خاصی بڑی فوج بھیج کر پلرمو کا محاصرہ کر لیا گیا[۱] لڑائی نے کچھ طول نہ کھینچا۔ اہل صقالیہ کو سر تسلیم جھکانا پڑا۔ بایں ہمہ کسی آیندہ ہنگامہ و انقلاب کے سدباب کی غرض سے بارہ ہزار سپاہیوں کو اس جزیرے میں متعین کرنا ضروری ہوا۔ نیپلز کی کل باقاعدہ سپاہ چالیس ہزار سے کچھ بہت زیادہ نہ تھی اور گو کاربوناری اور فوج بے قاعدہ (ملیشیا) کے بہت سے جوق جرنیل پیپے کے جھنڈے کے نیچے آزادی وطن کے لئے لڑنے جمع ہوئے، لیکن ان میں سے اکثر کی حالت بازاری بھیڑ کی سی تھی کہ نہ ان کے پاس اسلحہ تھے نہ کوئی نظم و ترتیب۔ حملہ آور عساکر آسٹریہ کی پچاس ہزار تعداد نہ صرف تنظیم اور جذبۂ جنگ کے اعتبار سے نیپلزی فوج سے کہیں افضل تھی بلکہ اصلی شمار میں بھی بڑھی ہوئی تھی۔ پہلے ہی معرکے میں جو پاپائی علاقے کے قصبۂ رائیٹی میں ہوا، نیپلز والوں کو شدید ہزیمت ہوئی اور ساری فوج فرار ہو کر اسی طرح ناپدید ہو گئی جس طرح موراکے محاربات ۱۸۱۵ء میں غائب ہو گئی تھی۔ سپاہی اور سردار ہر شخص غداروں کو کوستا تھا۔ کسی مستحکم سے مستحکم مقام پر قدم جما کے مقابلہ نہ کیا گیا ۲۴ مارچ کو آسٹریہ کی فوجیں نیپلز میں داخل ہو گئیں۔ فرڈینینڈ خود فلورینس

آسٹروی فوج کا داخلہ نیپلز میں مارچ ۱۸۲۱ء
شاہ نیپلز کی تیسری بحالی

میں ٹھیرا۔ مگر اپنی سابقہ استبداد کے سب سے چلتے ہوئے آلوں کو اس نے آگے روانہ کر دیا۔ یہ سچ ہے کہ آسٹروی فوج کی موجودگی میں یہ لوگ کشت و خون کا اسی طرح بے روک ٹوک بھاگ کھیلتے جیسا ۱۷۹۹ء میں کھیلا تھا نیز یہ کہ جن اشخاص کی حالت مخدوش تھی

[۱] کولیٹا۔ دوم ۳۳۰۔ بیانکی "ڈپلومیزیا"۔ دوم - ۴۷ -

ان میں سے بڑی تعداد کے بچ کر نکل جانے کی پہلے ہی تدبیر کیجا چکی تھی۔ با ایں ہمہ انتقام کا ہاتھ آسانی سے روکا نہ جا سکا۔ مملکت نیپلز کے ہر حصہ میں فوجی عدالتیں اور تحقیقاتی جماعتیں مقرر کر دی گئیں کہ قید و قتل کی سزائیں دیں۔ صقالیہ میں حصول آزادی کے اقدام اور جنوبی اطالیہ میں بغاوت پسندوں کے مایوسانہ ہاتھ پاؤں مارنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جتنے اشخاص ان کاموں میں پیش پیش تھے جان سے مار دیئے گئے۔ پھر خدا خدا کرکے عفو عام کا اعلان ہوا تو اس میں بھی ان لوگوں کو مستثنیٰ رکھا گیا جو اب "نولا کے غدار" کے نام سے موسوم کئے گئے اور چند روز قبل "محترم دستہ" کہلاتے تھے، یعنی وہ سپاہی جنھوں نے آئین کی حمایت میں سب سے پہلے ہتیار اُٹھائے تھے۔ ان کے سردار موریؔ کے طرزِ عمل پر نائب شاہ نے دغابازی سے خراج تحسین و شکریہ ادا کیا تھا۔ اب اپنے ایک اور رفیق کے ساتھ اُسے پھانسی دی گئی۔ باقی ماندہ ساتھی ہتکڑیاں بیڑیاں ڈال کے قید خانوں میں بھیجد ئیے گئے کہ بدترین مجرموں کے دوش بدوش مشقتیں کریں۔ صدہا آدمی سزایاب ہو کر یا بلا سزا ہی قید میں پڑے سڑتے رہے۔ بعض کو عفو عام کے باوجود خارج البلد کر دیا گیا اور پناہ گزینوں کی وہ رَو کی رو، جو عرصے تک جاری رہی، انگلستان میں آنی شروع ہوئی جس نے انگلستان کے اکثر بچوں کے حافظے میں، اطالوی کے نام کے ساتھ ایک فلاکت زدہ خانماں برباد کا تصور پیدا کر دیا۔ اور یہ بچے ابھی تک (یعنی تالیف کتاب کے وقت ۱۸۹۶ء تک) بوڑھے نہ ہوئے ہونگے۔

عساکر آسٹریہ کی نیپلز پر فوج کشی کے زمانے میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حملہ آوروں کے لئے بڑا خطرہ پیدا ہو گیا۔ یعنی پیڈمونٹ کے علاقے میں بغاوت پھوٹ پڑی اور وہاں کے سپاہیوں نے لومبارڈی کے محبانِ وطن سے ملکر وہ تدبیر سوچی کہ اگر چل جاتی تو تمام شمالی اطالیہ گویا آسٹریہ والوں کو عقب سے آگھیرتی۔

پیڈمونٹ کی بغاوت ۱۰، مارچ ۱۸۲۱ء

اس اطلاع سے اوّل ہی اوّل وہ سراسیمگی پھیلی کہ زار نے ایک لاکھ روسیوں کا گلیشیہ کے راستے اڈریاٹک کی طرف بڑھنے کا حکم دیدیا۔ لیکن بعد میں اس فوج کو اپنی پیش قدمی جاری رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ خود پیڈمونٹ کے سپاہیوں میں باہم اختلاف تھا۔ ایک فریق نے تو ہسپانوی آئین کا اعلان کیا اور بادشاہ کے دستبردار ہونے کے بعد، اس کے برادر عمزاد چارلس البرٹ امیر کرگ نانو کو جو نائب السلطنت بھی تھا، آسٹرویوں کے مقابلے پر بڑھنے کی دعوت دی۔ لیکن ایک فریق تخت کے وارث صحیح

اور بادشاہ کے بھاری چارلس فلیکس کا حامی رہا حالانکہ وہ اس وقت ہوڑنا گیا ہوا تھا اور اس نے باغیوں سے کوئی معاملہ یا آئین پسندوں سے کسی قسم کی مصالحت کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا تھا جس سے دربار نیپلز کے مکر و فریب اور اس شہزادے کی راست بازی کا نمایاں فرق عیاں ہوتا ہے۔ ادھر امیر کارگ نانو نے جنگی فریق کا جو پیش قدمی کی تحریک کر رہا تھا، ایک حد تک تو ساتھ دیا لیکن پھر اس کے تامّل و تذبذب نے شمالی اطالیہ کی پوری تحریک کو سرد کر دیا۔ اور جب پیڈمونٹ کے سپاہیوں کی مدد نہ ملی تو میلان کے سازشی بھی علانیہ بغاوت برپا کرا دینے میں ناکام رہے؛ وینس کے قلعوں سے آسٹریہ والے جوق در جوق مغرب کی طرف بڑھے اور خود پیڈمونٹ کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ پھر افواج نیپلز کے انہزام نے تو دلیر سے دلیر وطن پرستوں کی بھی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ پیڈمونٹ کی تحریک کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ آسٹریہ کی گرفت اپنے محکوم صوبوں پر اور زیادہ سخت ہو گئی اور آزادی اطالیہ کے علم بردار دنیا کی نظروں سے غائب، تمام انسانی رسل و رسائل کی حد کے باہر، سالہا سال شمال کے سنسان اور غیر معروف قید خانے میں دفن رہے [۱]۔

اس طرح استبداد کی فتح مکمل ہو گئی۔ اور یورپ کے لئے گویا قانون نافذ کر دیا گیا کہ کوئی قوم جو اپنے بادشاہ جائز کے ذاتی لطف و مرحمت کے سوا اور کسی وسیلے سے آزادی ڈھونڈے گی وہ ہر سہ دولِ عظمیٰ کے حملے کی مستوجب ہو گی۔ اسی سلسلے میں، یہ کسی آیندہ باب میں ہماری نظر سے گزریگا کہ کس طرح میٹرنک نے زار کو آمادہ کیا کہ یونانیوں کی بغاوت پر جو اسی زمانے میں برپا ہوئی، اسی مجلس لائے باخ کے فتوی لعنت (مجریہ مئی ۱۸۲۱ء) کو عائد کیا جائے اور کس طرح لارڈ کاسل ریا نے وزیر آسٹریہ کی اس رائے میں تائید کی کہ سلطان کے خلاف بغاوت کرنے والے یورپ کی کسی التفات کا استحقاق یا جائز دعویٰ نہیں رکھتے [۲]۔ اسپین کو فی الوقت تو کسی نے نہیں ستایا۔ لیکن اطالیہ کے محاربات ۱۸۲۱ء نے یہ موقع ضرور پیدا کر دیا کہ فرانس میں رشلیو کی وزارت کو معزول اور راشد بادشاہ پسندوں کو

---

[۱]۔ گووال ٹریو: ال ٹی رو دول جینسٹی، سوم، ۲۶۔ سلویو پلیکو: لی می پریگ یونی باب ۵۷۔

[۲]۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات۔ ہشتم ۱۲۰۳۔

وہاں پوری طرح کارفرما بناکر اسپین میں بھی مداخلت کیجائے۔ فرانس کی ملکی مجلس کے سب گروہ، خواہ نیپلز کی آزادی مٹانے کے حامی تھے یا مخالف، اس حکمت عملی پر بالاتفاق ملامت کرتے تھے کہ فرانس ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہا اور اطالیہ بھر پر آسٹریہ چھاگئی۔ اسی عام بددلی سے اشد بادشاہ پسندوں نے فائدہ اُٹھاکر وزارت کو تڑوادیا (دسمبر ۲۱ء) حالانکہ پہلے پوری تائید کا اقرار کرچکے تھے۔ اور اس وزارت کے علٰحدہ ہوتے ہی فریق غالب کے ہر فرد و سرگروہ کی دلی تمنا یہ ہوگئی کہ ہسپانیہ سے خواہ تنہا فرانس کی طرف سے خواہ مشرقی دول ثلاثہ کے ساتھ ملکر جنگ چھیڑ دی۔

اسپین پر حملے کیلئے اشد بادشاہ پسندوں کا اصرار

اشد بادشاہ پسندوں کے اس گروہ کا برائے نام سرگروہ وی کیل تھا اور پرجوش دیوانوں کے اس مجمع میں بھی اُس نے اپنی سابق تدبیر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اُس کا منشا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو فرانس خاموشی سے واقعات کی صرف نگرانی کرتا رہے۔ ۱۸۲۰ء میں کچھ فوج جنوبی سرحد پر اس غرض سے تعینات کی گئی تھی کہ ہسپانیہ کے ان اضلاع میں آمدرفت کو بالکل روک دے جہاں زرد بخار پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ وبائی بخار دفع ہوگیا تھا پھر بھی مذکورۂ بالا فوج کی تعداد بڑھاکر ایک لاکھ کردی گئی۔ وی کیل کو ابھی تک امید تھی کہ جنگ و جدال کی نوبت نہ آئے گی بجز اس کے کہ خود ہسپانوی کوئی چھیڑ نکالیں یا اپنی بادشاہ فرڈی نینڈ کے ساتھ اس قسم کی زیادتیاں کرنے لگیں کہ بوربن عہد ہم کو جو اس کا رشتہ دار تھا اپنے عزیز کی خاطر مداخلت کرنی پڑے لیکن مجلس وزارت کے زیادہ جنگجو افراد جن کا وکیل وزیر خارجہ مونٹ مورنسی تھا، چاہتے تھے کہ ہیڈرڈ پر فوراً حملہ بول دیا جائے یا تجویز کرتے تھے کہ صرف اس وقت تک کہ فرانس دول یورپ کی تائید حاصل کرلے، ملتوی رکھا جائے۔

۱۸۲۲ء میں ہسپانیہ کی حالت بھی ایسی رہی کہ جو لوگ وہاں کے بادشاہ کی حمایت میں فرانس کی تلوار سے کام لینا چاہتے تھے، ان کی خواہ مخواہ اور جرأت بڑھی۔

اسپین کی حالت ۱۸۲۰ء سے ۱۸۲۲ء تک

انقلاب کے بعد چند مہینے تک امن و عافیت کے ساتھ اصلاح کی جو امیدیں قائم کی گئی تھیں اور ممالک غیر کے اہل الرائے مقیم میڈرڈ بھی ان میں شریک تھے، وہ بھی کی زائل ہوچکی تھیں۔ جمہور کی فتح و کامرانی کے وقت، فرڈینینڈ نے سابق مجلس کے سرگروہوں کو زندان سے نکال کر خلعت وزارت سے

سرفراز کیا تھا۔ اور اُن اشخاص نے بھی اپنی گذشتہ تکلیفوں کو فراموش کرنے میں ضبط و تمکنت کا اظہار کیا تھا۔ ناکامی نے ان کے جوش بیجا میں سکون پیدا کیا اور انھیں ہسپانوی قوم کی اصلی حالت سے باخبر کر دیا تھا۔ انھوں نے پوری متانت اور دیانت داری سے عہدوں کا کام ہاتھ میں لیا اور اگر فرڈی نینڈ کے دل میں راستبازی سے مل کر کام کرنے کا ذرا بھی ارادہ ہوتا، تو یہ لوگ آئینی بادشاہی کے بہترین دوست ثابت ہوتے۔ لیکن انھوں نے شروع سے دو دشمنوں کو اپنا مدِ مقابل پایا۔ ادھر تو مذہبی علما جنھوں نے چھ سال قبل آئین کا تختہ الٹا تھا۔ اب پھر علانیہ مخالف یا دربردہ اس کی بیخکنی کی سازباز میں مصروف تھے اور ادھر آزاد خیالوں کے زیادہ اشد گروہ نے جن کا سرغنہ ریگو تھا اسی قسم کی بدعنوانیاں شروع کر دی تھی جیسی ۱۷۹۱ء میں پیرس کے بزمی مقرر کیا کرتے تھے۔ اور امن و امان کے ساتھ انتظام رکھنا ناممکن کر دیا تھا۔ ان اکزال تادون یعنی امن دشمنوں سے کشمکش میں وزرا کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوی تھی کہ پھر مجبوراً انھی کے سامنے دست استمداد بڑھانا پڑا کیونکہ بادشاہ نے پادری نن سیو کے اغوا سے خانقاہوں کو بند کرنیکا قانون اپنے حق شاہی کی بنا پر مسترد کر دیا[1] (اکتوبر ۱۸۲۰ء) پھر فرڈی نینڈ نے علانیہ آئین کے دشمنوں سے اتحاد کر لیا اور فوج کی قیادت بھی اپنے ایک آورہ کے حوالے کر دینی چاہی۔ یہ منصوبہ نہ چلا۔ وزرا نے سارے ملک کو خبر دار کر کے ہوشیار کر دیا اور

فرڈی نینڈ کی سازش آئین کے خلاف

اب فرڈینینڈ ساری قوم کی نظر میں مجرم ثابت ہو گیا کہ آئین کے خلاف جس کی پابندی کا حلف اُٹھا چکا تھا، سازش کر رہا ہے۔ اس واقعے سے اُن انجمنوں کی شورش، جنھیں وزیروں نے دبایا تھا، پھر تازہ ہوی اور فرڈی نینڈ پر طرح طرح کے الزامات کی بوچھار ہونے لگی سنہ ۱۸۲۱ء کے آخر میں اسے مجبوراً بہت سے اشخاص کو جو اس کے خاص معتمد علیہ تھے، خارج البلد کرنا پڑا۔ اور گو اسے معزول کرنے کی ہنوز کوئی تجویز نہ تھی لیکن فرانس کے لوئی شانزدہم سے ایسے ہی حالات میں جو بیزاری لوگوں کو ہوئی تھی، اس سے کہیں زیادہ اب فرڈی نینڈ اپنی ملک میں نامقبول تھا۔ اسے انقلاب کا مسلّمہ دشمن سمجھا جاتا اور ملک کے خلاف

---

[1] ۔ بوم گارٹن، دہم، ۲۲۵۔

ہر قسم کے غدارانہ منصوبے میں اس کے شریک غالب ہونے کا شبہ کیا جاتا تھا۔
۱۸۲۱ء کی بہار میں دُول استبدادی کے نیپلز پر حملے نے ہسپانیہ میں ہر فریق کو زیادہ مشتعل کر دیا۔ یعنی "سرویلیوں" یا استبداد پرستوں کی تو سازشوں میں ہمت بڑھائی اور وزیروں کو ان لوگوں کے مطالبات ماننے پر مجبور کر دیا جو ہنگامہ مچا رہے تھے کہ دشمنان آئین کے خلاف زیادہ سخت کارروائی کرنی چاہئیے۔

وزارت کی مشکل "اکزل تاوون" اور "سرویلون" کے درمیان ۱۸۲۱ء

جنوبی ہسپانیہ میں بڑے بڑے فوجی اور دیوانی عہدے اکزل تاوون کے ہاتھ میں آگئے اور جب مرکزی حکومت نے ان کے کاموں میں مداخلت کرنی چاہی تو انھوں نے کھلے بندوں حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اشبیلیہ، قرطاجنہ اور قادص والے اس طرح عمل کرنے لگے گویا وہ خود مختار جمہوری حکومتیں ہیں۔ بلکہ ہسپانیہ سے قطع تعلق کر لینے کی گفتگو بھی زبانوں پر آنے لگی۔ جب صوبے کے ماتحتوں نے یوں سرتابی کی اور بادشاہ کی طرف سے کسی مخلصانہ اتحادِ عمل کی امید نہ رہی تو اعتدال پسند وزیروں کا سارا اقتدار ملک پر سے جاتا رہا۔ ۱۸۲۲ء کے انتخابات میں اکزال تادوں کو غلبہ ہوا اور انھوں نے ریگو کو اپنا صدر نشین بنایا فرڈی نینڈ فرانس کے اشد بادشاہ پسندوں سے مل کر کام کرنے کی پخت وپز کرنے لگا۔ اسی فرانسیسی روپے کی مدد اور اپنی پادریوں کی سرکردگی میں فرقہ سرویل نے شمال میں علانیہ بغاوت کر دی مجلس کے اجلاس ختم ہونے پر خود بادشاہ نے فوجی قوت سے اپنے مخالفین کا قلع قمع کرنے کی فکر کی اور فوج خاصہ کی تین پلٹنوں کو جو میڈرڈ سے دور ہٹا دی گئی تھیں، خفیہ حکم پہنچ گیا کہ پائے تخت پر بڑھیں (۶ جولائی ۱۸۲۲ء) جہاں توقع تھی کہ فرڈی نینڈ ان کی قیادت کرے گا لیکن ان دستوں سے دوسری فوج کے سپاہیوں کی بازاروں میں مٹ بھیڑ ہوئی اور شاہی فوج نے شکست کھائی۔ ان حامیوں کے قتل سے اپنے آپ کو بری ثابت کرنے کی فرڈینینڈ نے بے سود کوشش کی لیکن اس کی جان تو نہیں، تاج وتخت ضرور خطرے میں پڑ گیا۔ لوئی ہیجدہم کو اس نے لکھا کہ میں قیدی ہوں۔ اس بات پر فرانسیسی بادشاہ نے تو سوائے

۶ جولائی ۲۲ء کا جھپٹا

نیک مشورہ دینے کے اور کچھ نہ کیا مگر مجلس وزارت اور فوج کے اشد بادشاہ پسندوں نے پورا زور لگا دیا کہ فرانس و ہسپانیہ میں

جلد سے جلد آتش جنگ بھڑک اٹھے۔ ہسپانیہ کے استبداد پرستوں نے قصبہ سیو دارجل پر قبضہ کر کے اپنی ہنگامی حکومت قائم کی اور شمالی صوبوں میں خانہ جنگی برپا ہو گئی۔ وزرا نے

بادشاہ پسندوں کی بغاوت شمال میں

جن میں سے اکثر اب ریگو کی دوست تھے مجلس مبعوثین سے اسی قسم کے کامل اختیارات مانگے جیسے کہ ۱۷۹۳ء میں انقلاب فرانس کی جمعیت حفظ عامہ کے ہاتھ میں آگئے تھے۔ لیکن یہاں اس کا نتیجہ بالکل دوسرا مترتب ہوا۔ اس نازک موقع پر جیسا کہ قوم کو ابھارنے اور شمشیر بکف کرنے کے لئے جو آزادی کی خاطر لڑنے کا ہر گز وہ جوش نہ رکھتی تھی جیسا کہ ۱۷۹۳ء کے فرانسیسیوں میں تھا۔ بہترین ذہانت اور قوت ارادی کی ضرورت تھی اسپین میں کوئی دانشمند یا کار گزار بروئے کار نہ آیا۔ ایک شخص جنرل مینا نے تو البتہ شمال کے باغی سرغنوں کو ان سے زیادہ مستعدی کے ساتھ کامل شکست دی۔ باقی اعلیٰ حکام زبانی شیخی یا جبر و تشدد کے احکام نافذ کرنے کے سوا قومی فوج کی تنظیم یا بیرونی دشمنوں سے مدافعت کی تیاری کا کوئی مفید کام انجام نہ دے سکے حالانکہ بیرونی حملے کا خطرہ اب صاف صاف نظر آرہا تھا۔

۱۸۲۱ء گرمیوں میں مجلس لائے باخ کا اجلاس ختم ہوا تو اس کے شرکا نے قصد کر لیا تھا کہ آیندہ سال پھر جلسہ ہو اور اس میں طے کیا جائے کہ آیا اب آسٹریہ کی فوج نیپلز سے ہٹالینی مناسب ہوگی یا نہیں۔ نیز دوسرے مسائل پر جن کا اغراض مشترکہ سے تعلق ہے غور و بحث کی جائے۔ اس اثنا میں یونانیوں کی سرکشی اور روس و ترکی کی روزافزوں کشمکش نے اطالیہ کی پیچیدگیوں کو بالکل بے وقعت کر دیا تھا۔ یورپ کے سیاسی معاملات میں سب سے آگے مسئلہ مشرقیہ نمایاں تھا اور اس کے بعد سب سے اہم اسپین کا معاملہ تھا۔ لہذا یہ یقینی بات تھی کہ ۱۸۲۲ء کے مشاورے میں قبضہ نیپلز سے کہیں زیادہ جو کچھ ہونا ہے بیشتر انہی دو مسئلوں کے متعلق ہوگا۔ اور ان دونوں سے انگلستان کا تعلق بہ نسبت معاملات

انگلستان اور مجلس ۱۸۲۲ء

نیپلز کے جو گذشتہ دو سال میں ہوتے رہے کہیں زیادہ تھا۔ پس انگلستان کے اہل الرائے کو محسوس ہوا کہ علیحدہ رہنے کا جو طرز عمل اب تک حکومت انگلستان اختیار کئے رہی اس موقع پر کسی طرح مناسب نہیں اور اپنی نیابت کے لئے ادھر ادھر سے کسی پھرتے پھراتے سفیر وغیرہ کو بھیج دینے کی بجائے نہایت ضروری ہے کہ اپنے ممتاز وزیر لارڈ کاسل ریا کو

شریک مشاورہ کیا جائے۔ دوسری سلطنتوں کی ارادے اسپین کے متعلق صاف طور پر معلوم نہ تھے لیکن انگلستان پوری طرح طے کر چکا تھا کہ یورپ میں تو ہسپانوی انقلاب کو اس کے حال پر رہنے دے اور دیگر دول کو بھی اسی غیر جانب داری پر آمادہ کر دے۔ رہیں ہسپانوی مستعمرات، تو وہ اب بڑی حد تک آزادی حاصل کر چکی تھیں۔ برطانیہ کلاں سے ان کی تجارت اتنی ترقی کر گئی تھی، کہ برطانیہ ان کی خود مختاری اور ان کے قوانین کے نفاذ میں کوئی شک و شبہ کر نہ سکتا تھا۔ انھی نوآبادیوں کی خاطر برطانیہ کے قوانین جہاز رانی میں ترمیم کر دی گئی تھی۔ اور ہر چند برطانیہ کو اس بات کا کوئی حق نہ تھا کہ ان نوآبادیوں کے آزاد و خود مختار ہونے کا جو فی الواقع آزاد ہو چکی تھیں، اپنی طرف سے اعلان کرے بایں ہمہ بعض امریکی ریاستوں میں سیاسی وکیل مقرر کر کے عملاً انھیں آزاد تسلیم کر لینے میں مزید تامل و تاخیر قرین انصاف نظر نہ آتی تھی۔ اسی لئے وزیر برطانیہ نے سوچ لیا تھا کہ دول متحدہ کی حکومتوں کو اطلاع دے دی کہ ہمارا ملک جنوبی امریکہ کی بعض جمہوری ریاستوں میں باقاعدہ وکیل مقرر کرنا چاہتا ہے۔ اور دوسری سلطنتوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دے۔

ان ہدایتوں کا جو کاسل ریا نے برّ اعظم کی طرف روانگی سے چند ہفتے پہلے اپنی رہنمائی کے لئے مرتب کیں اور مجلس وزرا اور بادشاہ کی خدمت میں پیش کیں[۱] مفاد یہ تھا جو اوپر مذکور ہوا۔ اور اگر وہ اس مقصد کی تکمیل تک زندہ رہتا تو جنوبی امریکہ کی جمہوری ریاستوں کی آزادی تسلیم کرانے کی خدمت، جو کیننگ کی شہرت کا روشن عنصر بن گئی ہے، غالباً اسی شخص کے ہاتھوں انجام پاتی جسے عام طور پر ایک فرسودہ اور قابل نفرت نظام جبر و تعدی کی رسموں کا ساتھی سمجھا جاتا ہے۔ زندگی کے اور دو سال نیز انگلستان اور دول یورپ کے تعلقات میں وہ تغیر جو دو سال بعد ہوا، کاسل ریا کو یونان و امریکہ دونوں جگہ کی تاریخ کسی اور ہی صورت میں پیش کر دیتا۔ دور حاضرہ میں کسی انگریز مدبر کی اس شدت سے تنقید نہیں کی گئی جتنی کاسل ریا کی۔ اپنی عہد اقتدار کے آخر تک وہ موقع جو اس کے جانشین کو ملے، کاسل ریا کو

کاسل ریا کی وفات
۱۲ اگست ۱۸۲۲ء

[۱] ولنگٹن۔ مراسلات۔ این، ایس۔ اوّل ۲۸۴۔

میسر نہ آئی۔ ان بندشوں نے، جن سے اس کے اخلاف آزاد تھے، اس کے لئے بہت ہی دشوار کر دیا تھا کہ وہ ۱۸۱۴ء کے اتحادیوں سے قطع تعلق میں جلدی کرے۔ مگر کاسل ریا کے نکتہ چیں اس کے ساتھ ذرا انصاف یا تحمل کا برتاؤ نہیں کرتے حالانکہ وہ شخص جس کی بائرن نے مرنے کے بعد ہجو لکھ کے خود اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا لگایا، ان اوصاف سے بدرجہ اعلیٰ متصف تھا، جو ذاتی طور پر کسی کو عزت وعقیدت کا مستحق بناتے ہیں۔ قومی معاملات میں بھی اس کی سیرت گو اوّل اوّل اپنے عہد کے عام رکیک اخلاق سے داغ دار ہو، آگے چل کر بڑاعظم یورپ کے ہر مرتبہ سیاسی مدبر سے، بجز اشٹین کے فضیلت لے گئی۔ اس کے تدین کا سب سے بہتر شہادت یہ ہے کہ اس تدین سے تالی ران دق ہو گیا تھا۔[1] اپنے آخری ایام تنزل میں شکستہ خاطر کاسل ریا کے لئے کوئی بات موجب تسکین واشک شوئی ہو سکتی تھی تو شاید یہ احساس، کہ وہ قوم کے لئے جبین پر شکن ڈالے بغیر پیہم عرق ریزی کر رہا ہے اور خالص و بے لوث مقصد کے شوق نے ہمت میں تازگی پیدا کر دی ہے۔ اس کے ہم وطن اس محنت وخلوص کی قدر اس وقت کرتے جب کہ کاسل ریا حقوق اقوام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے ممالک غیر کے اہل حکومت کے سامنے صدق وراست بازی کا نمونہ پیش کرتا۔ مگر خود کاسل ریا کے لئے زندگی کی مشکلات اس کی برداشت سے زیادہ بھاری تھیں۔ مایوسی کی گھٹا نے دنیا کی حقیقتوں کو اس کی نگاہ سے چھپا لیا اور اس کے دل کو سرد وبے حس کر دیا تھا۔ آخر موت، جسے اس نے خود دعوت دی تھی، تھکے ہوئے دماغ کے لئے پیام راحت لائی اور کاسل ریا کو اپنی تمام افکار کے ساتھ ہمیشہ کے لئے سلا گئی۔

کاسل ریا کی خالی جگہ پر کیننگ کا تقرر ہوا اور بے شبہ پٹ کے گروہ میں جن سیاست دانوں نے سیاسی زندگی شروع کی تھی ان سب میں جوہر قابل وہی تھا۔ مجلس دول ۱۸۲۲ء میں جس کا وی آنا میں عنقریب افتتاح ہونے والا تھا انگلستان کی نیابت کا کام ولنگٹن نے اپنے ذمے لیا۔ لیکن روانگی میں کئی ہفتے کی تاخیر ہو گئی اور پہلا اجلاس، جس میں اطالیہ کے سوا دیگر مسائل پر غور کرنا منظور تھا، اس کے پہنچنے تک قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ اسی لئے ولنگٹن کو ورونا تک

کیننگ وزیر خارجہ بنایا گیا۔ ولنگٹن مجلس دول میں بھیجا گیا۔ ستمبر ۱۸۲۲ء

[1] تالی ران ولوی جلد ۴، صفحہ ۲۲۳۔

سفر جاری رکھنا پڑا جہاں اطالوی معاملات زیر بحث تھے۔ اس طرح "مشاورۃ" اطالیہ جسے حکومت برطانیہ تسلیم کرنا نہ چاہتی تھی۔ ۱۸۲۲ء کی حقیقی مجلس دول بن گئی۔ اسپین میں بیرونی مداخلت کے متعلق بھی کاسل ریا کو تشویش ضرور تھی لیکن خطرے کے بالکل سر پر پہنچ جانے کا شاید ہی اندازہ ہوگا۔ پیرس سے گذرتے وقت یہ بات پہلی دفعہ ولنگٹن کو معلوم ہوئی کہ

مشاورۃ۔ ورونا
اکتوبر ۱۸۲۲ء

مجلس مشاورۃ میں سب سے مقدم مسئلۂ اسپین پر فوج کشی، ہوگا۔ اور ورونا پہنچکر یہ غیر خوش آیند انکشاف بھی ہوا کہ ہسپانوی آئین کا قلع قمع کرنے کی غرض سے زار تلا ہوا ہے کہ دول یورپ کے حکم بردار کی حیثیت سے ایک لاکھ روسی فوج اسپین کے حملے میں حصّہ لے۔ الکزنڈر کا مطلب یہ تھا کہ مجلس دول کی طرف سے اسی قسم کا ایک متفقہ اعلان یہاں بھی کر دیا جائے جیسا کہ ٹروپو میں حملۂ نیپلز کے متعلق کیا گیا تھا۔ بلکہ اس اعتبار سے کہ اسپین کے معاملے میں فرانس کی تائید بھی متوقع تھی، جو پچھلی مرتبہ میسّر نہ آئی تھی، یہ اعلان اور بھی قوت حاصل کر لیتا۔ اس زمانے کے حامیان استبداد کے نقطۂ نظر سے اسپین میں، دشمنان بادشاہی کے اقتدار سے فرانس کے لئے وہی مشکلات اور اندیشے پیش آجاتے جیسے نیپلز میں آزاد حکومت ہو جانے سے آسٹریہ کو پیش آئے۔ لہذا اس موقع پر تائید کرنا ایک طرف، عجب نہ تھا کہ اسپین پر جبر و جور کے جہاد میں فرانس خود حصّہ غالب لینے کا استحقاق پیش کرتا۔ لیکن قرائن کہتے تھے کہ غالباً اسپین کی مہم ۱۸۲۱ء کی مہم کی نسبت زیادہ دشوار ثابت ہو۔ اور زار کی رائے میں فرانس کی سپاہ پر پورا اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے فرانس میں ایک جماعت ایسی موجود تھی کہ اس سے کچھ تعجب نہ تھا کہ اسپین کی جنگ میں موقع دیکھکر، وطن میں کسی دوسرے نپولین یا جمہوریت کا اعلان کرا دے۔ نظر براین نوی ہجد ہم کو تنہا ہسپانیہ سے دست و گریبان ہو جانے کی اجازت نہ دی جا سکتی تھی۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ حلیفوں کی طرف سے جو فوج بھیجی جائے اس کی وفاداری اور جنگی قابلیت میں حرف رکھنے کی گنجائش نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ سپہ سالار جنھوں نے ماسکو سے پیرس تک کوچ کیا، پائی رینز کے پار بڑھنے سے نہ رک سکتے تھے مزید برآں زار کی فوج میں جو دل برداشتگی اس بنا پر پیدا ہوئی تھی کہ انھیں پچھلے سال اپنے یونانی ہم مذہبوں کی مدد کے لئے گلیشیہ میں بڑھنے اور سلطان کے خلاف جد وجہد میں

شریک ہونے سے روک دیا گیا تھا، اب مغربی یورپ میں جنگ چھڑنے سے امید تھی کہ ان کے اس جذبۂ جنگجوئی کی فی الجملہ تشفی ہو جائے گی اور زار کو ان کی ناخوشی سے کوئی خوف نہ رہیگا علہ

ولنگٹن نے قیام پیرس کے وقت یہ پوری طرح تحقیق کر لیا تھا کہ لوئی ہجدہم اور وِی لیل اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ کسی حال میں روسی فوج کو ملک فرانس سے گزرنے کی اجازت نہ دیں گے۔ اس واقفیت سے اس کی گفتگو میں، جو زار سے ہوئی اور بھی قوت آگئی۔

مجلس کی طرف سے کوئی متفقہ اعلان اسپین کے خلاف نہیں ہوا

اور چونکہ برطانیہ کی دلی آرزو یہ تھی کہ جنگ کا موقع نہ آنے پائے لہذا اس نے سب سے پہلے یہ کوشش کی کہ اسپین کے خلاف دول کی جانب سے کوئی متفقہ اعلان جنگ نہ بھیجا جا سکے۔ اگر یورپ کی کل سب سلطنتیں متفق ہو جاتیں تو پھر لامحالہ جنگ ہوتی لیکن اگر فرانس کو اجازت مل جائے کہ وہ اپنے ہمسائے سے جس طرح مناسب سمجھے بھگت لے تو انگریزوں کے بیچ بچاؤ سے لڑائی ٹل جانی ممکن تھی ولنگٹن کا یہ بیان اسپین کے خلاف متفقہ اعلان کرنے کی نسبت انگلستان ترجیح دے گا کہ دول عظمیٰ کے اتحاد ہی سے اپنا تعلق قطع کرلے، بے شبہ اس قسم کی تجویز سے شرکا کو باز رکھنے میں ایک حد تک کارگر ہوا لیکن حکومت فرانس اور زار کے ارادوں کا باہمی تعارض اس تجویز کے خلاف سب سے وزنی دلیل تھی۔ اگر زار یورپ کا سپاہی بننے کے لئے کمربستہ تھا لیکن لوئی اسے فرانس سے راستہ دینے پر کسی طرح رضامند نہ تھا تو پھر اسپین پر متحدہ حملے کی دھمکی محض مہمل تھی۔ ان اسباب سے، مجلس ورونا کو اسپین کے خلاف اسی طرح کے بے تکان فتوی سے، جیسا دو سال قبل نیپلز کے متعلق صادر کیا گیا تھا، باز رکھنے میں کچھ بہت سیاسی اینچ پینچ کی ضرورت نہ پڑی اور پہلے ہی مراسلات میں جو ولنگٹن نے انگلستان بھیجے، یہ توقع ظاہر کی کہ دول کے بحث و مشاورۃ کا نتیجہ یہ فیصلہ ہو گا کہ اسپین والوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

مگر خطرے کا اس طرح ٹلنا فقط بادی النظر میں معلوم ہوتا تھا۔ فرانسیسی اشد بادشاہ پسندوں میں جنگ کا اتنا ولولہ تھا کہ مجلس ورونا اسپین کے متعلق سکوت اختیار نہ کر سکتی تھی۔

گفتگو کا رخ اسپین کے خلاف پڑتا ہے

یہ سچ ہے کہ وِی لیل کو ابھی تک امن و امان قائم رہنے کی امید تھی اور

علہ۔ ولنگٹن۔ اول۔ ۳۴۳۔

اپنی مجلس وزارت کے دوسرے شرکا کے خلاف اس کا منشا یہ تھا کہ اگر جنگ چھڑ ہی جائے تو اس صورت میں بھی فرانس کو رائے کی بالکل آزادی ہو اور وہ دُول متحدہ کا آلہ بنکر کام کرنے کی بجائے خود مختار سلطنت کی حیثیت سے عمل کرے۔ اس ارادے کے باوجود دُول متحدہ سے اُس نے اتنا ضرور دریافت کیا کہ اگر دشمن فرانس کو بہت دبائے تو شرکائے اتحاد سے کس حد تک فرانس کو مدد ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ ورونا کے فرانسیسی سفیروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ اتحادیوں سے یہ سوال کریں علہ اور اسی دریافت کے جواب میں جو گفتگو چھڑی اس نے بالآخر سارے یورپ کو اسپین کے خلاف متفق کر دیا۔ سفیر فرانس مونت مورنسی نے، جنگجو گروہ کی وکالت کے پیرائے میں تمام دُول سے استفسار کیا کہ اگر فرانس اپنا سفیر میڈرڈ سے بُلا لے تو کیا دوسری سلطنتیں بھی ایسا ہی کرینگی اور جنگ چھڑ جائے تو اس صورت میں فرانس کی ان کی طرف سے کیا مادّی مدد اور اخلاقی تائید کی جائے گی؟ ولنگٹن نے اس قسم کے استفسارات پر جن میں خیالی اور احتمالی صورتیں پیش کی جائیں، اعتراض کیا لیکن دوسرے سفیروں نے مونت مورنسی کو اثبات میں جواب دیا۔ گفتگو کا دوسرا قدم یہ تھا کہ میٹرنک نے زور دیا کہ ہسپانوی حکومت یا قوم کی ان خاص خاص کارروائیوں کی صراحت ہو جانی چاہئیے جن سے فرانس اور اتحادیوں کو جنگ چھیڑنا ناگزیر ہو جائے گا۔ نیز اسپین کی بادشاہ پسند جماعت کو قوّت پہنچانے کی غرض سے تمام سفرائے دُول متعینۂ میڈرڈ کو حکومت ہسپانیہ سے استدعا کرنی چاہئیے کہ وہ آئین حکومت میں تبدیلی کرے۔ اس تجویز کے جب ولنگٹن کے سامنے آنے کی نوبت آئی تو اس نے اسے مسترد کر دیا۔ لیکن دوسری سلطنتوں کے وکلا نے اسے مان لیا اور اہل ہسپانیہ کے ان افعال کی تعیین کر دی گئی جن سے دُول کو اعلان جنگ کر دینا ضروری ہو جائیگا۔ خاندان شاہی کے کسی فرد پر جبر و تشدد، بادشاہ کی معزولی یا خاندان شاہی کو بدلنے کا اقدام، مذکورۂ بالا قسم کے افعال قرار دیئے گئے۔ دوسری تجویز کے سلسلے میں ایک خفیہ دفعہ اس مفہوم کی بڑھا لی گئی کہ اگر حکومت ہسپانیہ نے آئین حکومت بدلنے کی استدعا پر کوئی قابل اطمینان جواب نہ دیا تو تمام سفرا فوراً میڈرڈ سے واپس اور سیاسی تعلقات منقطع کر لئے جائیں گے۔

علہ۔ دو ورجیئر دی ہوران۔ ہفتم۔ ۱۴۰۔

ان یادداشتوں کا جو سفرا کی طرف سے پیش کی جانے والی تھیں، مسودہ تیار کیا گیا اور مونت مورنسی یہ سمجھکر کہ کہیں وہ اپنی قراردادمیں حد سے تجاوز نہ کر گیا ہو، سب مسودات لئے ہوئے پیرس آیا کہ سفرائے دول کے ذریعے میڈرڈ بھیجنے سے قبل، بادشاہ فرانس کے سامنے انھیں پیش کر دے۔

وی لیل کو مونت مورنسی کی یہ کارروائی کہ وہ فرانس کو دول مشرقی کے حسب ہدایت چلنے کا پابند بنا آیا ہے، بہت ناپسند ہوی۔ اس بات کا کوئی قرینہ نہ تھا کہ حکومت ہسپانیہ دول کی ایسی استدعا کو ذرا بھی تسلیم کرے گی جو آئین حکومت کو بدلنے کے لئے کی جائے

وی لیل اور مونت مورنسی

پس اس تجویز کے منظور کرنے کا مطلب یہ تھا کہ ہسپانیہ سے فوراً قطع تعلق کی نوبت آجائے۔ نظر بریں وی لیل نے پیرس کے سفیروں کو مراسلہ لکھا اور استدعا کی کہ ابھی ان یادداشتوں کا میڈرڈ بھیجا ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن اس کی استدعا پر کسی نے توجہ نہ کی اور وہ یادداشتیں بلا تاخیر میڈرڈ روانہ کر دی گئیں۔ اپنی ہتکی پر وی لیل کو غصہ آگیا اور اس نے بادشاہ سے التجا کی کہ وہ دول خارجہ کے اشارے پر نہ چلے۔ لوی نے تمام وزرا کی رائے کے خلاف وی لیل کے موافق فیصلہ کیا اور مونت مورنسی کو اپنی عہدے سے دست بردار ہونا پڑا۔ واضح رہے کہ بادشاہ کے اس فیصلے کا مطلب صرف یہ تھا کہ اسے فرانس کو ان بندشوں میں جکڑوانا منظور نہ ہوا جو ورونا کی قراردادوں سے عائد ہوتی تھیں۔ مگر یہ مطلب نہ تھا کہ وہ جنگجو فریق کے اثر سے آزاد ہو گیا۔ اس کے برخلاف اہل شورش میں سب سے سرپھرے شخص شاتوبریان کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا اور برطانیہ کلاں نے جو بیچ میں پڑنے کی تجویز کی تھی [۱] اُسے

---

[۱] کیننگ کا بیان ہے کہ ایسی کوئی تجویز نہیں کی گئی۔ لیکن مراسلات متعلقۂ ولنگٹن سے مذکورہ متن قول ثابت ہے اور یہی تحریریں دو ورحیر وی مورا ان کے تائیدی بیانات سے جن کا اس نے ہر جگہ فرانس کے سرکاری کاغذات سے نام بنام حوالہ دیا ہے، تقویت پاکر مجلس ورونا کے حالات کا مستند ماخذ ہیں کیننگ کی اپریل ۱۸۲۳ء والی معرکہ آرا تقریر تاریخی واقعات پر مشتمل نہیں بلکہ محض ایک طرفہ بیان ہے۔ ان اصلی ماخذوں تک پہنچنے والا یہ دیکھکر بھی متعجب ہوئے بغیر نہ رہے گا کہ یورپ کے تمام مدبرین میں جو ورونا میں جمع ہوئے تھے، کسی کا بیان بھی اصل مدعا سے متعلق ہونے یا قوت و معقولیت نیز صداقت میں ولنگٹن کی تحریر کے پاسنگ بھی نہیں ہے۔ واقع میں کسی موقع پر ڈیوک کی قابلیت اس طرح نمایاں نہ ہوئی تھی جیسی ورونا میں نظر آتی ہے۔

لوی کی تقریر ۲۷ر جنوری ۱۸۲۳ء

رد کر دیا گیا۔ نیز مجلس کے اجلاس ۱۸۲۳ء کا افتتاح کرتے وقت شاہ لوئی ہجدہم نے جو تقریر کی وہ فی الواقع اشتہار جنگ دیدینے کے مترادف تھی۔

دول ثلاثہ مشرقیہ کے سفیر پہلے ہی اپنی یادداشتیں میڈرڈ میں حکومت ہسپانیہ کو بھیج چکے تھے جن میں آئین کے بدلنے کا مطالبہ تھا۔ اور جب ہسپانوی وزیروں کی طرف سے صاف صاف ایک پرجوش جواب مل گیا تو وہ ملک سے رخصت ہو گئے۔ کیننگ نے اسپین کے خلاف ناجائز جنگ روکنے میں سیاسی جوڑ توڑ کرنے میں تو کوئی کسر نہ اٹھا رکھی

انگلستان کا طرز عمل ۱۸۲۳ء میں

لیکن یہ اہل ہسپانیہ کو صاف صاف جتا دیا تھا کہ انگلستان اُن کی کوئی فوجی مدد نہیں کر سکتا۔ اس عدم مداخلت کی قوی وجوہ موجود تھیں۔ روس، آسٹریہ اور پروشیہ ہسپانیہ میں آئینی حکومت کو فائزالمرام دیکھنے کی بجائے میدان جنگ میں کودنے پر آمادہ تھے۔ اور گو خود ہسپانیہ والے ۱۸۰۸ء کی طرح قومی مدافعت پر کمربستہ ہوتے تو برطانیہ کلاں اس جزیرہ نما کی یورپ کی متحدہ سلطنتوں کے مقابلے میں بھی شاید حفاظت کر سکتا تھا لیکن ایسے مقصد کیلئے آمادۂ جنگ ہونا جس سے اہل ہسپانیہ کی تعداد کثیر بے پروا تھی بلکہ خود اس مقصد کے خلاف شمالی صوبے والوں نے تلوار اٹھالی تھی، بالکل ایک جداگانہ بات تھی۔ غرض ہسپانیہ کی حکومت اور مبعوثین کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا کہ اپنی آپ جس طرح ہو سکے اپنے دشمنوں کا مقابلہ اور دفاع کریں۔ مگر ان ارباب حل وعقد کی کمزوری، اُن سخت ترین قوانین سے جو انھوں نے غداروں کے خلاف نافذ کئے اور پھر سرکش بادشاہ کو لے کر پائے تخت سے اشبیلیہ میں ہٹ آنے ہی سے ظاہر ہو گئی۔ ۷ر اپریل کو فرانس کی فوج امیر انگولیم کی قیادت میں اسپین کی حدود میں در آئی

فرانس کی فوج کشی اسپین پر ۷ر اپریل ۱۸۲۳ء

پادریوں اور بہت سے کسانوں نے ان کا نجات دہندہ بنا کے خیر مقدم کیا۔ جو ہسپانوی فوجیں مقابلے کے لئے بھیجی گئی تھیں وہ ایک وار بھی کئے بغیر پسپا ہو گئیں۔ حملہ آور پائے تخت کی طرف بڑھے تو بادشاہ پسندوں کے جرگوں نے، بسا اوقات راہبوں کی سرکردگی میں، خود اپنے وطن کے شمالی حصوں میں وہ لوٹ مار مچائی اور خوف و دہشت پھیلائی کہ امن پسند باشندوں کے لئے حملہ آوروں کی موجودگی ہی حفاظت کا ذریعہ

رہ گئی[۱] خاص میڈرڈ کے گرد ایک قزاق بیسی ریس نامی کی ٹولی منڈلانے لگی۔ اور فرانسیسی ابھی فاصلے ہی پر تھے کہ میڈرڈ کی مقامی فوج کے سردار نے اقرار اطاعت کیساتھ بہ منت درخواست کی کہ شہر کو تاراجی سے بچانے کے لئے وہ جلد سے جلد چلے آئیں۔ اسے یہ پیام بھیجے کچھ دیر نہ لگی تھی کہ شہر کے آس پاس بیسی ریس کے قزاق نمودار ہوئے حاکم شہر نے انھیں مار بھگایا اور چار دن تک خود شہر کے اندر بادشاہ پسند بلوائیوں کو بھی بہ مشکل روکے رہا۔ ۲۳ مئی کے دن فرانسیسی فوج کا ہراول شہر کے اندر داخل ہوگیا۔

لوئی ہجدہم اور انگولیم کا منشا یہ تھا کہ اسپین کو حامیان بادشاہی اور پادریوں کے مجنونانہ انتقام سے بچایا جائے۔ میڈرڈ پہنچ کر انگولیم خود ایک منصفانہ حکومت مرتب کر دینی چاہتا تھا۔ لیکن پیرس کے احکام سے وہ مجبور ہوگیا کہ اس انتخاب کو مجلس کاستیل کے حوالے کر دے۔ اور پھر مجلس نیابت برسر اقتدار ہوئی اس کی پہلی ہی حرکات نے بتا دیا کہ فرانس کی فتح سے کس قسم کا کام لیا جائے گا۔ فرامین جاری ہوئے کہ خانقاہوں کے متعلق مجلس مبعوثین کے تمام قوانین واحکام منسوخ و کالعدم۔ ۷ مارچ ۱۸۲۰ء کے بعد جن عہدہ داروں کا تقرر ہوا ہے وہ یک قلم برطرف۔ اور جن لوگوں نے اس وقت عہدوں سے استعفیٰ نہیں دیا ان کے متعلق تحقیقات کی جائے[۲] دول ثلاثہ مشرقیہ کے سفرا کے آجانے سے مجلس نیابت کو

انگولیم۔ مجلس نیابت اور سفرائے خارجہ

[۱] دیکھو انگولیم کا مراسلہ وی ہوراں (جلد ہفتم) بیں: "جہاں کہیں ہماری سپاہ جاتی ہے بڑی مشکل سے امن امان قائم کرتی ہے۔ لیکن جہاں ہمارے سپاہی نہیں، وہاں قتل و غارت گری کا دور دورہ ہے۔ بادشاہ پسند کہتے ہیں کہ اسپین والوں کی بستیاں اسی لائق ہیں کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر پامال اور غارت کی جائیں"۔ [۲] فرامین شاہ فرڈیننڈ جلد ہفتم، ۳۵۔ ۵۰۔ ۵۔ ۷۔ اس عمل کا نام جس کے دائرے میں آگے چلکر معمولی سپاہی تک سے لئے گئے عمل تطہیر رکھا گیا تھا خاص خاص جماعتیں مقرر کر دی گئی تھیں کہ منشائے قانون کے مطابق ہر شخص اپنے ۱۸۲۰ء اور بعد کے طرز عمل کی نسبت مفصل اطلاع مع شہادتوں کے ان کے سامنے پیش کرے۔ اور اس قسم کے بیانات پر کسی مسلّم بادشاہ پسند کی تصدیق کرانی پڑتی تھی مزید برآں ان جماعتوں کو لوگوں کے خلاف تحریری اطلاعیں وصول کرنے کا بھی حق دیا گیا تھا جنھیں وہ مخفی رکھنے کی پابند تھیں اس طرح عملاً یہ "تطہیر" گمنام کارروائیوں کے ذریعے لوگوں پر جبر و تعدی کرنے کا ایک وسیع نظام بن گئی تھیں۔

اور ہمت ہوئی کہ فرانسیسی سپہ سالار کے علی الرغم کام کرے۔ پیرس کی مجلس وزرا کے متعلق باور کیا جاتا تھا کہ وہ فرڈی نینڈ کو دوبارہ اسی طرح مطلق العنان بادشاہ بنانے میں متامل ہے اور یہ چاہتی ہے کہ اس سے فرانسیسی منشور کی مثل بعض آئین جاری کرنیکا عہد لے لے۔ لیکن استبدادِ کامل میں اس قسم کی ہر حد بندی سے دُول ثلاثہ کے مطلق العنان بادشاہوں کو سخت نفرت و وحشت تھی۔ لہذا ان کے سفیروں نے اپنی ایک انجمن بنالی جس کا مقصود یہ تھا کہ انگولیم کی مفروضہ حکمتِ عملی کا مقابلہ کیا جائے۔ مجلس نیابت اور دلیر ہوگئی اور فوج مطوّعہ میں جو لوگ مارچ ۱۸۲۰ء کے بعد خدمت کرتے رہے۔ تھے، ان کو تمام عہدوں، وظیفوں اور خطابات سے محروم کردیا۔ یہ حکم گویا آزاد خیالوں سے عام انتقام لینے کا اشارہ تھا۔ اور پائے تخت میں جس کام کا آغاز ہوا تھا صوبوں میں اس نے اور بھی وسعت و قوت حاصل کرلی۔ آئین کے ہوا خواہ ایک طرف ان سپاہیوں تک کو جنھوں نے فرانسیسیوں کی اطاعت قبول کی اوران کی حفاظت میں آگئے۔ تھے سئے مقامی عمال، قید خانوں میں ڈلوادیا۔ رجعت کے سلئے یہاں تک بڑھی کہ انگولیم کو جواب قادص پر پیش قدمی کر رہا تھا ایک حکمنامہ شائع کرنا پڑا کہ فرانس کے فوجی سردار مقامی کی منظوری بغیر کوئی گرفتاری عمل میں نہ آئے۔ ساتھ ہی اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جو لوگ ناحق قید کردئے گئے ہیں انھیں رہا کردیں۔ انجمن سفرا کو فرانس کے حسد نے اتنا اندھا کردیا تھا کہ اسے استبداد کی بے روک بحالی کے خطرات نہ سوجھتے تھے۔ اس نے انگولیم کے حکمنامے کے خلاف احتجاج تیار کیا اور یہ استدعا کی کہ مجلس نیابت کے عمال کو اپنی مرضی کے موافق کام کرنے دیا جائے۔

ادھر ہسپانیہ کے مبعوثین لایعنی بحثوں میں وقت ضائع کرنے کے بعد، فرانسیسی فوج کا سیرا مورنا میں داخلہ سن کر مجبور ہوے کہ شبیلیہ کو چھوڑ کر قادص میں ہٹ آئیں۔

مبعوثین ہسپانیہ کا قادص چلے جانا

فرڈی نینڈ نے ساتھ جانے سے انکار کیا تھا۔ لہذا اعلان کیا گیا کہ اس پر جنون کا دورہ پڑگیا ہے اور اسے زبردستی قادص لے گئے (۱۲ جون) فرانسیسی فوج کا ہراول اور خاصے وقفے کے بعد اگست میں انگولیم قادص کے سامنے پہنچ گیا اور اس نے فرڈی نینڈ کو ایک خط بھیجا جس میں سفارش کی تھی کہ وہ عفوِ عام کا اعلان اور عہد وسطیٰ کی وضع کی ملکی مجالس بنانے کا

وعدہ شائع کر دے۔ امید ہوتی تھی کہ قادص کے ارباب حل وعقد اس خط کی شرائط کو صلحنامے کی بنا ماننے پر رضامند ہو جائیں گے اور پھر شہر پر یورش کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ لیکن ہسپانوی وزرا نے بادشاہ کے نام سے سخت جواب دیا اور قادص کا واقعی کوشش و سرگرمی کے ساتھ محاصرہ شروع کر دیا گیا۔ ۳۰ ر اگست کو فرانسیسی فوج نے یورش کر کے قلعہ تروکادرو کو سر کر لیا۔ تین ہفتے بعد خاص شہر پر گولہ باری ہونے لگی۔ صلح کی تحریک کے جواب میں انگولیم نے کہدیا کہ اب گفتگو صرف اس وقت ہوگی جب کہ فرڈی نینڈ میرے لشکر میں آجائے گا۔ قادص کی طویل مدافعت کی کوئی امید نہ رہی تھی کیونکہ اسپین کے ان چند اضلاع میں بھی جہاں آئین کے طرفدار مستعدی سے لڑے اب لڑائی مدھم پڑتی جاتی تھی۔ فرڈی نینڈ مکر سے کہتا تھا کہ مجھے وزیروں سے کوئی کینہ نہیں اور آزاد خیال گروہ کو میرے آزاد ہونے سے کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے۔ ۳۰ ر ستمبر کو

فرڈی نینڈ کی آزادی

اس نے ظاہری خوشدلی سے کامل اور ہمہ گیر معافی نامے پر دستخط کر دیئے[1] اگلے دن اسے اہل وعیال سمیت خلیج قادص سے کشتیوں میں بٹھا کے انگولیم کے مستقر کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

جنگ ختم ہوگئی، حملۂ فرانس کے اصلی نتائج اب بروئے کار آئے۔ فرڈی نینڈ کو فرانسیسی اردو میں پہنچے پورے بارہ گھنٹے بھی نہ گذرے تھے کہ خونخوار بادشاہ پسندوں اور راہبوں کے مجمع میں گھر کر اس نے ایک اعلان شائع کیا جس میں آئینی حکومت کے پچھلے

بادشاہی کی بحالی اور اس کی زیادتیاں

تین سال کے ہر حکم کو اس بنا پر منسوخ و ناجائز قرار دیا کہ بادشاہی منظوری محض جبراً حاصل کی گئی تھی۔ اسی اعلان میں میڈرڈ کی مجلس نیابت کی جملہ کارروائیوں کی تصدیق کر دی گئی اور چونکہ انہی میں مجلس کا یہ اعلان بھی داخل تھا کہ ہر شخص جو بادشاہ کو قادص لے جانے میں شریک ہوا جرم غداری کی سزا کا مستوجب ہوگا، لہذا فرڈی نینڈ کی مذکورۂ بالا تصدیق گویا بعض اُن لوگوں کے قتل کے فتوے کی منظوری تھی جن سے وہ تھوڑی دیر پہلے تپاک دوستانہ کے ساتھ رخصت ہوا تھا[2]۔

---

[1] ہسٹوریا ... فرن ڈو ہفتم۔ ۱۸۴۲ء سوم ۱۵۲۔

[2] احکام شاہ فرڈی نینڈ ہفتم۔ ۴۵۔

اکثر اشخاص کو جو بادشاہ کی اس دغابازی کا شکار ہوتے فرانسیسیوں نے حفاظت کے مقام پر پہنچا دیا لیکن فرڈی نینڈ کے منشا اور طرز عمل کو بدلنے میں انگولیم کی کوئی تدبیر نہ چل سکتی خاص بادشاہ کا پادری ڈون سائز سلطنت کا معتمد اول بنا لیا گیا تھا۔ ۴ ؍ اکتوبر کو ایک فرمان جاری ہوا کہ ہر شخص جو گذشتہ تین سال میں مجلس کا مبعوث یا وزیر یا مشیر، رکن عدالت، سپہ سالار یا کسی عہدے پر فائز، یا عامل یا نام نہاد فوج مطوعہ کا سردار رہا ہے۔ میڈرڈ اور اس سے پچاس پچاس میل کے اندر کے حوالی سے نکال دیا جائے۔ پھر حکم نافذ ہوا کہ عشائے ربانی کی جو اہانتیں کی گئی ہیں ان کے کفارے کے لئے سارے ملک میں توبہ استغفار کی غرض سے نمازیں پڑھی جائیں۔ واعظین کے وفود ہر حصۂ ملک میں روانہ کئے جائیں کہ گذشتہ فتنے کے ایام میں جو ناپاک و ملحدانہ عقائد شائع ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کریں۔ اور ان پادریوں کو جو ایسے بے دین گروہ کے کارندے بن گئے تھے، اساقفہ اُن خانقاہوں میں بھیج دیں جہاں شدید ریاضتیں کرائی جاتی ہیں [۱]۔ غرض، اس طرح شکست خوردہ فریق کے خلاف جہاد شروع ہو گیا۔ انگولیم نے ہر چند زجر و توبیخ کی اور مشرقی دُول ثلاثہ نے ہر طرح فرڈی نینڈ کو دبایا کہ کسی قسم کا معافی نامہ تو شائع کر دے سب بے سود ہوا۔ فرڈی نینڈ یہ کہکر آہستہ آہستہ میڈرڈ کی جانب روانہ ہوا کہ پائے تخت پہنچنے سے پہلے میں کوئی ایسی کارروائی نہیں کر سکتا۔ ۷ ؍ نومبر کو ریجو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ ہزاروں آدمی قید میں ڈالدئے گئے

[۱] ۔ "احکام" ہفتم ۔ ۱۸۲۳ء۔ فرڈی نینڈ نے مذہبی جوش میں جتنے کام کئے ہیں، شاید ان سب میں حیرت انگیز اس فرمان کی تمہید ہے :۔ "میری روح توہین دین کے ان ہولناک مناظر کو جھکر جنکی لامذہبوں نے خالق آسمان و زمین کے خلاف جسارت کی پریشان و سراسیمہ ہو گئی ہے۔ مسیح کے نائبوں پر ظلم توڑے گئے اور ان کی قربانیاں کی گئیں بطرس ولی کے محترم جانشیں کی بے عزتی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کے گھر نجس اور برباد کئے گئے۔ انجیل مقدس کا استخفاف کیا گیا۔ اور آخر میں سب سے بڑھکر یہ کہ وہ گراں بہا ترکہ جسے مسیح علیہ السلام نے اپنے آخری طعام کے وقت ہمیں سونپا تھا، یعنی عشائے ربانی، وہ قدموں کے نیچے ملا گیا۔ میرا دل کانپ اٹھتا ہے اور اس وقت تک مجھے ہرگز قرار نہیں آسکتا جب تک کہ میں اپنی اولاد اور وفادار رعایا کی معیت میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں تقوی کی نذر نیاز نہ چڑھاؤں ....." مگر فرڈی نینڈ کو دوسری نوعیت کے مطالب ادا کرنے پر جیسی قدرت تھی اس کے نمونے دیکھنے ہوں تو ملاحظہ ہو ونگٹن۔ این، ایس۔ دوم ۔ ۳۰ ۔

یا مجبور ہو کر ملک سے فرار ہو گئے۔ بجز ان مقامات کے جہاں فرانسیسیوں نے امن قائم رکھا ہر جگہ لوگوں کی جان و مال بادشاہ پسند بازاریوں اور ان کے سرغنہ پادریوں کے ہاتھ میں تھیں کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ اور گو روسی سفیر پوزو دی بورگو کے رسوخ سے آخر کار ایک معقول وزارت مرتّب ہو گئی لیکن اس واقعے نے پادریوں کے گروہ کو اور بھی مشتعل کر دیا اور اسی کی بدولت یہ آوازیں بلند ہوئیں کہ بادشاہ کو معزول کر کے اس کے بھائی ڈون کارلس کو تخت پر بٹھایا جائے۔ جو مذہب کے معاملے میں فرڈی نینڈ سے زیادہ جنونی تھا۔ ۱۸۲۴ء کے اوائل میں فوجی جماعتیں ملزمین کی تحقیقات کے لئے مقرر کی گئیں اور چھ مہینے کے بعد ایک مصنوعی معافی نامہ بھی شائع ہوا جس میں پندرہ قسم کی مستثنیات ایسی تھیں کہ عہد انقلاب کا قریب قریب ہر کام ان کے تحت [illegible] آجاتا تھا۔ ادھر روزآنہ نئے احکام وضوابط اجرا ہو رہے تھے اور ان جرائم میں اضافہ کیا جا رہا تھا جن کی سزا موت ہو۔ نیز ان تمام تصانیف کو محو و نابود کرنا مقصود تھا جن کی نسبت خیال تھا کہ مذہب اور تمدّن کی تمام بدعتوں کا ماخذ و منبع وہی ہیں۔ روز مرّہ زندگی کے ہر شعبے پر کوتوالی کی نگرانی تھی۔ ملکی معاملات میں زبان کھولنا غدّاری اور بغاوت بن گیا تھا۔ نوجوانوں کو فراش ہونے کے جرم میں گولی سے اُڑا دیا گیا۔ عورتوں کو ریگو کی تصویر رکھنے کے قصور پر دس دس برس قید کی سزائیں ملیں۔ فی الحقیقت بحال ہونے والی حکومت اور اس کی رعایا کے درمیان وہ کیفیت نظر آتی تھی جو خانہ جنگی کے زمانے میں ہو جایا کرتی ہے۔ مذہب کے پر جوش حامیوں نے جو اب اپنے آپ کو کارلس یا کلیسا کے گروہ سے منسوب کرتے تھے بغاوتیں کیں اور بعض ہنگامے بچے کھچے، جان سے مایوس آئین پسندوں کی طرف سے بھی برپا ہوئے۔ انھی کے ایک کمزور سے فساد پر، جو تارفہ میں ہوا جنگی جماعات تحقیقات نے اٹھارہ دن کے اندر بارہ سو اشخاص کو قتل کی سزا دی [1] اس عہد دہشت اور ان عدالتوں کا دو رہیں

---

[1] ملاحظہ ہو "اول بوشن وہسپانیہ...... " ڈیپرس ۱۸۳۶ء صفحہ ۱۵۱ بحوالہ فہرستہائے "گستیا دی سیدار" برٹش میوزم میں ان سنین کے گستیا کی کمی ہے اور اسپین کے متعلق جرائد و تواریخ کا جو وافر ذخیرہ اس کتب خانے میں موجود ہے اس میں ان سنین کے عدالتی کشتوں کی ہمعصر شہادتیں مجھے نہ مل سکیں اس بارے میں بعد میں بھی کئی سال تک کسی کو اسپین میں کچھ چھاپنے کی اجازت نہ تھی۔ میں نے اس حاشئے میں جس کتاب کا حوالہ

۱۸۲۵ء کی گرمیوں میں جا کر ختم ہوا۔

فرانس کی یہ فتح بہت ارزاں اور قابل عار ثابت ہوئی دول ثلاثہ مشرقیہ کا اصول استبداد کامیاب تو ہوا لیکن ہر شئے جو "حکومت" کو اخلاقی طور پر بدنظمی سے بہتر و قابل ترجیح بناتی ہے، قربان کرنی پڑی۔ اُن لوگوں کی جنھیں براعظم یورپ میں آزادی کی امید نہیں رہی اشک شوئی اگر کسی حد تک ہوئی تو اس سے کہ ہسپانوی آزادی کے خلاف جہاد نے اس بات کا کوئی امکان باقی نہ رکھا کہ ہسپانوی امریکہ کو بھی مطلق العنانی کے واسطے اسی طرح مل کر مغلوب و مفتوح کیا جا سکے گا۔ انگلستان کی روش اب وہ نہ رہی جو ۱۸۱۸ء میں تھی۔

انگلستان، فرانس یا دول متحدہ کو ہسپانوی نوآبادیات فتح کرنے سے مانع آتا ہے

جس وقت ایے لاشاپل کی مجلس میں زار نے تجویز کی کہ دول متحدہ سمندر کے پار بھی جمہوریت کو فروغ پانے سے روکیں، تو کاسل ریا نے صرف اتنا کہا تھا کہ انگلستان ایسی مہم میں شرکت نہیں کر سکتا۔ یہ نہیں کہا تھا کہ اس قسم کا کام کرنے سے انگلستان دوسروں کو بھی فعلاً باز رکھے گا۔ لیکن یہی وہ ارادہ تھا جس کے ذریعے کیننگ نے ثابت کر دیا کہ گو ورونا کے سازشی اسے اکیلا چھوڑ کر کوئی بات نہ چلنے دیں، پھر بھی انگلستان اس جمعیت فراعنہ کے علی الرغم اپنے ہی نوع انسان کے حقوق کی کسی حد تک ضرور حفاظت کر سکتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے کہ ہسپانوی مستعمرات کی خود مختاری کو انگلستان ۱۸۲۳ء کی جنگ کے بعد ضرور تسلیم کر لیتا خواہ اس کا وزیر خارجہ کوئی شخص بھی ہوتا لیکن اس تسلیم کئے جانے کی نوعیت کیننگ کے پیش رو کے زمانے میں کچھ اور ہی ہوتی۔ کیوں کہ کیننگ اور کاسل ریا کے طرز عمل میں ظاہری ضوابط کا اتنا فرق نہ تھا جتنا حقیقی فرق ان دونوں کے طبائع میں تھا۔ جان کاسل ریا براعظم کے دوسرے بادشاہوں سے بہت کچھ عذر معذرت کر کے یہ کام کرتا کیننگ نے انکی تحقیر کی[1] ۱۸۱۵ء کے معاہدات جن سے انگلستان دول خارجہ کے ساتھ اتنا کچھ وابستہ ہو گیا تھا،

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- ویا ہے اگرچہ اس کا نام فرانسیسی ہے اور وہ ۱۸۲۶ء میں پیرس سے شایع ہوئی لیکن در اصل وہ ہسپانوی کتاب ہے جو ۱۸۲۴ء میں لکھی گئی تھی۔ فرانس کے عہد ہیبت و قتال کے متعلق جو بڑی سے بُری روایتیں مشہور تھیں اور تنقید و تحقیق نے ان کی مقامی تحریروں سے اصلیت ثابت کر دی، اس قسم کی تحقیقات تاریخ ہسپانیہ کے اس زمانے کے بارے میں ہونی ابھی باقی ہے۔

[1] ملاحظہ ہو اس٘ٹیپلٹن : "کیننگ اور اس کا زمانہ" صفحہ ۳۷۸ : ولنگٹن نے بارہا مشورہ دیا کہ

کیننگ کے کئے ہوئے نہ تھے اور ہر چند اسے ان معاہدات کو فسخ کرنے کی کد نہ تھی لیکن اسے یہ ظاہر کرکے ضرور مسرت ہوتی تھی کہ ان معاہدوں کے باوجود انگلستان کی اپنی حکمت عملی، اپنی ہمدردیاں اور اپنی روایات سلب نہیں کرلی گئی ہیں انھی بادشاہوں کے مجمع میں جو سارے جہاں کے کارفرما بنے ہوئے تھے، اس نے اپنے تئیں آزادی اقوام کا پرجوش حامی بیان کیا۔ کسی اور کو تو کوئی قرینہ اس بات کا نظر آیا ہو یا نہیں کہ فرانس فرڈی نینڈ کی حمایت کے جلدو میں، اسپین کی بعض باغی نوآبادیاں ہتیا لینے کی فکر میں ہے لیکن کیننگ کی نظر ہر مشتبہ اشارے کو فوراً پالیتی تھی۔ ۱۸۲۳ء کی جنگ کے آغاز میں اس نے لوئی ہیجدہم کے سفیر سے باضابطہ کہدیا تھا کہ اسپین کے کسی صوبے پر فرانس کا قبضہ خواہ بروے فتح خواہ از روے معاہدہ، گوارہ نہیں کیا جائے گا[۱]۔ جب جنگ ختم ہوگئی تو اس نے فرڈی نینڈ کی حکومت کی وہ دعوت بھی رد کردی جس میں انگلستان سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ پیرس کی ایک مجلس مشاورہ میں جہاں جنوبی امریکہ کے مسائل دول متحدہ کے سامنے پیش ہونے والے تھے، شریک ہو[۲]۔ کیننگ کے نزدیک ان دول کا امریکہ کے معاملے میں کوئی فیصلہ کرنا نہ کرنا برابر تھا کیونکہ انگلستان اپنے طریق عمل کو طے کرچکا تھا اور جب اس قطعی فیصلے کو کسی حال میں بدلنا منظور نہ تھا تو پھر اس پر بحث مباحثہ فضول تھا۔ ۱۸۲۳ء کے ختم سے پہلے ہی برطانوی وکیل اکثر نوآبادیوں میں مقرر کئے جاچکے تھے اور کچھ وقفے کے بیونوس ایرس، کولمبیہ اور مکسکو کی خودمختاری

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ تحریر کی درستی میں کمی کیجائے مراسلات اوّل۔ ۱۳۴۔ ۱۸۸۔ میٹرنک نے ڈی آنا بین کاسل ریا کی وفات پر یہ لکھا ہے کہ "اپنے ملک بھر میں کاسل ریا ہی وہ آدمی تھا جس کو معاملات خارجہ میں کوئی تجربہ حاصل تھا۔ وہ رفتہ رفتہ میرا مزاج شناس ہوگیا تھا۔ اور نہ صرف ذاتی رجحان کی وجہ سے بلکہ پوری طرح سمجھ کر دل وجان سے میرا معتقد بن گیا تھا"۔ (سوم۔ ۳۹۱) لیکن عجب نہیں کہ میٹرنک نے اس انگریز وزیر کی اپنے ساتھ ارادت مندی کا صحیح اندازہ کرنے میں غلو کیا ہو۔ چنانچہ جب داخلی مسائل میں کاسل ریا نے دارالعوام میں نمایاں اکثریت کے ساتھ کامیابیاں پائیں (۱۸۲۰ء) اور پھر بھی اس مخالفانہ طرز عمل کو جو اعلان ٹروپو کے متعلق اس نے اختیار کیا تھا، نہ بدلا تو میٹرنک کو بہت حیرت ہوئی تھی۔

[۱] اسٹیپلٹن، پولٹیکل لائف آوف کیننگ۔ دوم۔ ۱۸۔

[۲] ولنگٹن۔ اوّل۔ ۱۸۸۔

انگلستان امریکی نوآبادیوں کی آزادی تسلیم کرتا ہے۔

ایک تجارتی معاہدہ کرکے، سرکاری طور پر تسلیم کرلی گئی۔ اسی لئے جب کسی نے طعنہ دیا کہ اسپین پر فرانس قابض ہوگیا اور تم بیٹھے دیکھتے رہے تو کیننگ چلّایا کہ "نئی دنیا کو میں عرصۂ وجود میں لے آیا کہ پرانی کا توازن پورا ہو جائے" یہ بڑا بول ہمارے پارلیمنٹ کی تاریخ میں مشہور ہوگیا ہے مگر اسی سے لوگوں کو اُس حصے کے متعلق غلط فہمی ہوتی ہے جو امریکہ کے امر مُہم میں فی الواقع کیننگ نے لیا تھا۔ کیونکہ درحقیقت نئی دنیا کو وہ "عرصۂ وجود" میں نہیں لایا۔ اس نے تو اس نئی دنیا کو حصول آزادی تک اتنی مدد بھی نہیں دی جتنی پچاس برس پہلے فرانس نے ریاستہائے متحدہ کو خود مختار ہونے میں دی تھی البتہ ان مستعمرات نے جب خود آزادی حاصل کرلی تو کیننگ نے اتنا کیا کہ انھیں یہ کہہ کر برطانیہ کے سایۂ عاطفت میں لے لیا کہ اُس طوق اطاعت کو جو اسپین قائم نہیں رکھ سکا، اور کوئی یورپ کی سلطنت از سرِ نو ان کے گلے میں ڈالنے نہ پائے گی۔

بیرونی قوت سے ہسپانوی آئین کے خاتمے کی بدولت پرتگال میں مسلسل ایسے واقعات پیش آئے کہ انگلستان کو اب چار و ناچار اس جزیرہ نما کے معاملات میں براہِ راست

پرتگال کے معاملات

اتنی مداخلت کرنی پڑی جس کی اب تک ضرورت نہیں سمجھی گئی تھی اور اسی مداخلت نے اُس کشاکش کو بڑھا دیا جو انگلستان اور یورپ کے اہل استبداد کی حکمت عملی کے درمیان ہو رہی تھی۔ وہی جذبات اور اسی قسم کے سیاسی و مذہبی فریق پرتگال میں بھی موجود تھے جیسے اسپین میں۔ اور آئین کے دشمنوں کو یہاں بھی دول خارجہ سے اسی قسم کی اعانت حاصل ہوگئی۔ پرتگال کا بادشاہ جوہن ششم کمزور آدمی تھا مگر بد ارادہ نہ تھا لیکن اس کی بیوی شاہ ہسپانیہ کی بہن تھی اور آئینی مجلس کے خلاف سازش میں وہ اور بادشاہ کا بیٹا ڈون می گوئل ہی سرغنہ بن گئے۔ جون ۱۸۲۳ء میں می گوئل کی ریشہ دوانی سے ایک فوجی بغاوت بپا ہوئی جس نے نظام حکومت کی صورت حاضرہ کو قصۂ ماضی کردیا۔ تاہم مجلس کو برطرف کرتے وقت بادشاہ نے وعدہ کیا کہ میں خود پرتگال کے واسطے ایک آئین مرتب کروں گا۔ اور ظاہراً وہ ایفائے وعدہ بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فرانس و آسٹریہ کے سفیر برابر اس کے راستے میں مشکلات پیدا کرتے رہے اور ڈون می گوئل نے تیاری شروع کردی کہ اپنے باپ کو آزاد خیالوں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کرنے سے جبراً روک دے۔ شاہ جوہن کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے انگلستان سے فوجی امداد کی درخواست کی

کیننگ نے لزبن میں فوج کو اتارنے سے تو انکار کر دیا مگر اس ہدایت کے ساتھ چند جہاز روانہ کئے کہ بادشاہ کی پاسبانی کریں۔ ۱۸۲۳ء کے جاڑے ریشہ دوانیوں میں گزرے۔ مئی ۱۸۲۴ء میں مگوئل نے وزیروں کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے محل کو فوج سے گھیر لیا۔ چند روز تک گڑبڑ کے بعد جوہن محل سے بچ کر نکلا اور انگریزی جہازوں میں آگیا۔ پھر ڈوم مگوئل نے جو کبھی سرکش اور کبھی فرماں بردار بنا رہتا تھا، اطاعت قبول کر لی اور اسے ملک سے باہر چلے جانے کا حکم مل گیا۔ جوہن ۱۸۲۶ء کے موسم بہار میں مر گیا اور آئین جاری کرنے کا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ اس کا فرزند اکبر پیڈرو پہلے ہی برازیل کا شہنشاہ بن چکا تھا اور چونکہ پرتگال و برازیل کو دوبارہ ایک حکومت میں رکھنا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا وراثت شاہی کا جھگڑا طے کرنے کی غرض سے یہ قرار پایا کہ پیڈرو کی بیٹی جب جوان ہو جائے تو اپنے چچا مگوئل سے بیاہ دی جائے۔ لیکن تاج پرتگال سے دست بردار ہونے سے پہلے پیڈرو نے اس

آئین کی پیڈرو منظوری دیتا ہے۔ مئی ۱۸۲۶ء

ملک میں آئین کی منظوری دیدی۔ انتظام کے لئے خود جوہن مرنے سے قبل ایک مجلس نیابت بنا گیا تھا جس میں نہ ملکہ شریک تھی نہ مگوئل۔ مگوئل وی آنا چلا گیا تھا۔ اگرچہ عقل و مزاج کے اعتبار سے یہ شہزادہ شکسپیئر کے کیلی بن سے ملتا جلتا تھا لیکن وہاں اس کی وہی خاطر تواضع ہوئی جو ایک خاندان شاہی کے فرد کی اور استبداد کے مقصدِ شریف کے سچے حامی کی ہونی چاہیئے تھی۔ میٹرنک خاص التفات سے اس سے ملاقی ہوا اور اس کے حقوق دربار آسٹریہ نے اپنی ظلِ عاطفت میں لے لئے۔ پوری امید تھی کہ وقت آنے پر یہ جاہل وحشی چنڈال، جزیرہ نما کے اندر آسٹریہ کے اصول استبداد کی حمایت میں اعلیٰ درجہ کی خدمات بجا لائے گا۔ لیکن مجلس نیابت اور پرتگال کے نئے آئین کو میٹرنک کی درپردہ تخریب کے آہستہ آہستہ عمل میں آنے کا بھی انتظار نہ کرنا پڑا بلکہ پرتگال میں انھیں سپاہیوں نے جو ۱۸۲۳ء میں مگوئل کے کہنے سے بغاوت کر چکے تھے

پرتگالی سپاہیوں کی غداری ۱۸۲۶ء

اب مگوئل کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور چھاؤنیاں چھوڑ کر اسپین کے علاقے میں چلے گئے۔ اسپین میں فرڈی نینڈ کے عمال نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور پرتگالی سفیر نے میڈرڈ میں مطالبہ کیا کہ ان کے ہتھیار لے کر انھیں منتشر کر دیا جائے تو حکومت ہسپانیہ حیلے حوالے کرتی رہی۔ سرحد کے انھیں مسلح دستوں کا مقصد براعظم یورپ کے تمام کلیسا پرست اور اشد بادشاہ پسندوں کا پیش نظر مقصد بن گیا۔ فرانس اور آسٹریہ سے

انھیں روپے بھیجے گئے۔ اسپین کے کارلسی یا مذہبی فریق کے سپاہی اُن کے ساتھ آملے۔ اُن کے کھانے کپڑے اور تنظیم کا سب کام اگر حکومت ہسپانیہ نہیں کرتی رہی تو وہ لوگ کرتے رہے جو کم سے کم حکومت ہسپانیہ کے ماتحت وزیرا قتدار کام کرتے تھے[۱] ان دستوں کو جب کافی جنگی قوت حاصل ہوگئی تو انھوں نے پرتگال پر چھاپے مارنے شروع کئے اور آخر میں باقاعدہ حملے کا اقدام کیا۔

ہسپانیہ ان مفرورین کو پرتگال پر حملہ کرنے دیتا ہے

لزبن کی مجلس نیابت نے بجا طور پر ان زیادتیوں کو حکومت ہسپانیہ سے منسوب کیا اور ان معاہدوں کے حوالے سے جنھوں نے برطانیہ کو پابند بنا دیا تھا کہ کسی غیر سلطنت نے حملہ کیا تو حکومت برطانیہ پرتگال کی مدافعت کرے گی، انگریزوں کی مدد طلب کی۔ کیننگ کے سامنے، کارروائی کرنے میں، اس وقت صرف اسپین ہی سے جنگ چھڑ جانے کا امکان نہ تھا بلکہ اور بہت سے احتمالات بھی تھے۔ اس بنا پر خطرہ اور بھی بڑھ گیا تھا کہ ان دنوں اسپین پر فرانسیسی فوجیں قابض تھیں اور ممکن، بلکہ غالب گمان تھا کہ اسپین کے ساتھ جنگ چھڑنے میں اگر دوسری دول یورپ نہیں تو فرانس کے ساتھ جنگ برپا ہو جائے گی۔ بایں ہمہ انگریزی وزرا نے صرف اتنا انتظار کیا کہ پرتگال کی طرف سے جو اطلاعیں ملی ہیں، خود انگریزی سفیر ان کی تصدیق کر دے۔ پرتگال کے حقوق بر بنائے معاہدات مسلّم تھے۔ گذشتہ تین سال کے واقعات سے انگلستان کے عام اہل ملک اور پارلیمنٹ کے اراکین اس قدر بھرے بیٹھے تھے کہ فرڈی نینڈ اور ہسپانوی آزادی کے خون کرنے والوں سے اعلان جنگ پر خوشیاں منائی جاتیں اور کوئی خوف و پریشانی کا اظہار نہ کیا جاتا۔ غرض پرتگال کی باضابطہ استدعا کے نویں دن اور انگریزی سفیر کے مراسلے کے چوتھے دن (جس میں پرتگال شکایتوں کے حق بجانب ہونے کی شہادت تھی) کیننگ نے

کیننگ افواج کو لزبن بھیجتا ہے۔ دسمبر ۱۸۲۶ء

دارالعوم میں اعلان کیا کہ انگریزی فوج فی الواقع لزبن روانہ کر دی گئی۔ پھر ایسے الفاظ میں جن سے خود اس کے بہت سے طرفدار بھی گھبرا گئے اور یورپ کی ہر سرکار برہم ہوئی کیننگ نے جتایا کہ جن لوگوں کے افعال سے یہ خدشہ پیدا ہو گیا ہے کہ انگلستان کو

[۱] تاریخ پارلیمنٹ: ۱۲ دسمبر ۱۸۲۶ء۔

چارو ناچار میدان جنگ میں اترنا پڑے گا وہ خبردار رہیں کہ اگر لڑائی ہوئی تو یہ اختلاف آرا کی لڑائی ہوگی اور انگلستان کا دلی منشا خواہ اس کے بالکل خلاف ہو لیکن وہ احتراز نہ کرسکے گا کہ جن قوموں سے لڑائی چھڑی اس کے دل برداشتہ اور حکومت سے ناراض افراد انگلستان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوجائیں۔ رہا پرتگالی آئین جو اسپین کے حملے کی اصل علت ہے تو اس کے نفاذ و اجرا میں برطانیہ کا کچھ دخل نہیں لیکن ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا اسے کامیاب کرے۔ کیننگ کی اس تقریر سے یہ قطعی طور پر ثابت تھا کہ کوئی فریق جو اطرح کی باتیں کرے اور تاسف کے پیرایے میں بھی یہ اشارہ کردے کہ وہ اسپین و فرانس کے انقلاب پسند عناصر سے اتحاد پر مائل ہے، اس کے دل میں درحقیقت وہی ٹھنی ہوئی ہے جس کا اظہار زبان سے کررہا ہے۔ پھر اس کے ساتھ عملی کارروائی مستزاد ہوئی اور اس قول و فعل نے مل کر وہی اثر کیا جو کیننگ کا مقصود تھا۔ فرڈی ینینڈ کی حکومت کو بھی اب وہ وسائل سوجھنے لگے جن سے مذہبی فرقے کے سپاہیوں کی سرگرمیاں رکیں اور ادھر برطانوی فوج کے لزبن میں پہنچ جانے سے مجلس نیابت بھی اس قابل ہوگئی کہ اپنی پوری فوج حملہ آوروں کے مقابلے میں بھیج کر انھیں ملک سے نکال باہر کرے۔ پھر جب وہ سرحد کو اتر کے ہسپانیہ کے علاقے میں پہنچے تو ان کے ہتیار لے لئے گئے دربار فرانس کی طرف سے ان کی شرمناک حرکتوں پر زور شور سے تبرّی کیا گیا۔ اور انجام کار پرتگال کا آئین، کم سے کم اُس وقت تو اپنے خفیہ اور علانیہ دشمنوں سے لڑائی جیت گیا۔

کیننگ کا طرزِ عمل

دراصل انگریزی حکومت کا لب و لہجہ اس وقت کی نسبت جب کہ میٹرنک نے علانیہ یہ امید ظاہر کی تھی کہ دُول شرقیہ کے نیپلز پر حملے کی انگلستان تائید کرے گا، بالکل بدل گیا تھا۔ ۱۸۲۳ء میں اس قسم کی امید زیادہ سے زیادہ غلطی پر محمول کی جاسکتی تھی لیکن ۱۸۲۶ء میں وہ صریحاً بیہودہ بات سمجھی جاتی۔ انگلستان اور ممالک یورپ میں، ہر جگہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ برطانیہ کی سابقہ اور حاضرہ حکمت عملی کا فرق اجمالی طور پر وہی ہے جو کیننگ اور کاسل ریا کی شخصیتوں میں تھا۔ اہل تاریخ کے عقیدے کا یہ ایک جزو بن گیا کہ کاسل ریا کی پر ملال موت کو انگلستان کی خارجی حکمت عملی کے ایک باب کا خاتمہ اور نئے دور کا آغاز قرار دیں، کہا جاتا ہے کہ

کیننگ نے برطانیہ کو یورپ کے علائق سے مخلصی دلائی۔ یہاں تک دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس نے یورپ کے لئے اسی درجے کا کارِ مہم انجام دیا جیسا کہ اتحادِ مقدس کا انفساخ تھا۔[1] یہ تو سچ ہے کہ کیننگ کی شخصیت یورپ کی تاریخ میں ہمیشہ ممتاز جگہ گھیرے گی۔ اور جس قدر زیادہ ہمیں اُس مخالفت کا علم ہو گا جو اسے اپنے فرماں روا اور اپنے حریفِ اعظم ولنگٹن کی طرف سے پیش آئی، اسی قدر زیادہ اس کی معاملہ فہمی، مستقل مزاجی اور طبیعت کے فاتحانہ زور کا ہمارے دل پر نقش بیٹھ جائے گا۔ لیکن وہ افسانہ جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ انگلستان کی حکمت عملی میں ۱۸۲۲ء سے سراسر ایک نیا تغیر ہو گیا، تاریخی صداقت سے کوئی آشتی نہیں رکھتا۔ کیننگ ۱۸۱۶ء سے ۱۸۲۰ء تک مجلس وزرا کا رکن تھا اور یہ گمان کرنا کہ یا تو وہ اپنے ساتھ والوں پر کوئی اثر ہی نہ ڈال سکا اور اس حکمت عملی کو جسے ناپسند کرتا تھا بے چون و چرا تسلیم کرتا رہا، اس کی نسبت کوئی حُسنِ ظن نہیں ہے۔ اور اے لاشاپل کی مجلس مشاورت کی سرگذشت ہی سے عیاں ہے کہ کیننگ کے مشورے اس وقت بھی سب پر غالب آئے۔ کیننگ کے مجلس وزرا سے علیحدہ ہونے کے بعد کاسل ریا کا یہ اعتراف کر لینا کہ آسٹریہ کو ہمسایہ سلطنت اور خود خدشے میں ہونے کی وجہ سے نیپلز کے جدید آئین کو جبراً دبا دینے کا حق حاصل ہے، غالباً کیننگ کی رائے کے خلاف ہوتا۔ لیکن ٹروپو اور لائے باخ کے دوسرے سب معاملات میں حکومت برطانیہ نے جو روش اختیار کی، عجب نہیں کہ کیننگ کی بھی ٹھیک وہی روش ہوتی۔ کیننگ کو اپنے طریقِ عمل کے متعلق بار بار یہ کہنے کا شوق تھا کہ اصول استبداد و حُریت کی کشمکش میں جو سارے یورپ میں پھیل رہی ہے، میرا مسلک غیر جانبداری اور عدم مداخلت ہے۔ اسپین کے ساتھ اس نے دردمندی ظاہر کی کہ وہ بلاقصور نامنصفانہ حملے کا ہدف بنایا جا رہا ہے۔ لیکن حتمی طور پر یہ بھی جتا دیا کہ اسپین والوں کو انگلستان سے کسی امداد کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ وہ دعا کرتا تھا کہ پرتگال کا آئین پھولے پھلے مگر اس کی تاسیس و بنا سے اُس نے صاف صاف اپنی بے تعلقی ظاہر کر دی اور پرتگال کی جو مدد کی وہ بھی اس لئے نہیں کہ پرتگال آئینی ریاست بن گیا تھا بلکہ اس بنا پر کہ معاہدات کی رو سے انگلستان پرتگال کو بیرونی حملے سے بچانے کا پابند تھا۔ اسپین کے

[1] اس ٹیپلٹن: لائف اوف کیننگ۔ جلد اوّل ۴ ۱۳ تا ۱۳۴، ٹیمپرلے، صفحہ ۱۴۴

بارے میں عدم مداخلت کی جو دلیلیں کیننگ نے انگلستان میں اسپین کے ہمدردوں کے سامنے پیش کیں، بہت ممکن تھا کہ کاسل ریا بھی وہی بات کہتا۔ اور اسپین کے آئین پر دول خارجہ کے حملے کے حق کو کاسل ریا نے جس طرح نہیں مانا اور ورونا میں ہدایات بھیجتے وقت اپنی یہ ناراضامندی سب سے پہلے ظاہر کردی، کیننگ اس کی جگہ ہوتا تو وہ بھی غالباً یہی کرتا۔

یہ قول کہ کیننگ نے انگلستان کو ممالک یورپ کے الجھاؤ سے نکالا اور "اتحاد مقدس" کا طلسم باطل کیا، بغیر ترمیم و تصحیح کے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ دول عظمیٰ کے باہمی تعلقات "اتحاد مقدس" کے پارینہ اور مضحکہ انگیز معاہدے پر مبنی نہ تھے بلکہ ان قرار داد(ں) پر،

کیننگ اور اتحاد یورپ

جن پر اے لاشاپل کی مجلس مشاورۃ میں دستخط ثبت ہوئے۔ ان میں پہلی قرارداد وہ خفیہ اتحاد اربعہ تھا جس نے انگلستان اور دول ثلاثہ مشرقیہ کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ اگر فرانس میں پھر کوئی انقلاب امن یورپ کے واسطے موجب خلل ہو تو یہ چاروں سلطنتیں ملکر فرانس پر فوج کشی کرینگی۔ دوسری قرار داد پانچوں سلطنتوں کی طرف سے ایک عام اعلان تھا کہ وہ مل جل کر کام کرینگی اور ایک دوسرے سے مشورہ کرتی رہیں گی۔ اب ان میں سے پہلے معاہدے سے کیننگ نے یقیناً انگلستان کو آزاد اور کنارہ کش نہیں کیا۔ اگر اس خفیہ معاہدے میں یہ شرط ہوتی کہ انگلستان خاندان بوربن کو تخت فرانس پر قائم رکھیگا تو ممکن تھا کہ کیننگ ۱۸۲۳ء میں اس ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا لیتا لیکن معاہدے میں یہ صراحت کردی گئی تھی کہ صرف بوربنوں کی معزولی کو انگلستان لازمی طور پر امن یورپ میں رخنہ اندازی کے مرادف نہیں سمجھے گا۔ یہ معاہدہ کیننگ کی وفات تک نافذ و واجب العمل رہا۔ اور اگر انقلاب انگیزی میں فرانس کی کوئی فوج پیرس سے اینٹ ورپ پر پیش قدمی کرتی تو کوئی شبہ نہیں کہ کیننگ دول ثلاثہ مشرقیہ سے مدد کا مطالبہ کرتا۔ باقی رہا یورپ کے عام اتحاد کا معاملہ جسے اے لاشاپل کی دوسری قرار داد میں منظور کیا گیا تھا، تو اس کا استحکام اور وسعت ہمیشہ اولتی بدلتی رہی تھی۔ ٹروپوی کے جلسے میں انگلستان و فرانس دونوں مشاورۃ میں شریک نہیں ہوئے۔ اور دول متحدہ کی کارروائی میں سب سے زیادہ قوت اور شہرت کاسل ریا کی زندگی میں نہیں، مرنے کے بعد، اس وقت پیدا ہوا جو ورونا کی مشاورۃ کے مابعد ہے۔

یہ سچ ہے کہ اسپین پر فوج کشی اکیلے ملک فرانس نے کی لیکن فی الواقع تینوں دُول شریرہ اس مہم کی کامیابی کی ذمہ دار بن گئی تھیں اور انھیں کے سفرائے پیرس و میڈرڈ کا اثر تھا جس نے فرڈی نینڈ کی بازیافتہ حکومت پر کسی قسم کی قیود عاید نہ ہونے دیں۔
یہ کہنا کہ اسپین و پرتگال کے متعلق کیننگ کی کارروائی نے دُول یورپ کا باہمی اتحاد درہم برہم کردیا، اُسے جھوٹی شہرت کا خلعت پہنانا ہے۔ بے شبہ ہمارے وطن (برطانیہ) کی حکمت عملی مرتب کرنے میں کیننگ نے پوری آزادی اور دانائی سے کام کیا لیکن ممالک یورپ کا سیاسی مرکز اس وقت لنڈن نہیں، وی آنا تھا۔ یورپ کے ڈھانچے کی کیلی روس و آسٹریہ کا اتحاد تھا اور اس اتحاد کے ٹوٹنے کا خوف تھا تو ان واقعات سے نہیں جو ہسپانیہ کے جزیرہ نما میں رونما ہوں بلکہ ان اغراض کی کشمکش سے تھا جو یہ دونوں سلطنتیں سلطنت عثمانیہ کے متعلق رکھتی تھیں۔ اسی وقت سے جب کہ معاہدۂ پیرس پر دستخط ثبت ہوئے، آسٹریہ کے ہر صاحب الرّائے کی نظر اُن راستوں پر جم گئی جو غربی ڈینیوب کی طرف جاتے تھے اور وہ روس و باب عالی کی آیندہ جنگ یا مسلسل صلح و آشتی کے آثار و قرائن کو پوری تشویش اور توجہ کے ساتھ یادداشت میں ٹانکنے لگے[۱]۔ ترکی سے زار کے رنج و شکایت کو آیندہ سنین میں دوسری طرف لگائے رکھنا اور روس کے ارباب سیاست و قیادت کی جو کاپودستریاس کی طرح، اپنے آقا کو شرقی فتوحات پر اُبھارتے رہتے تھے، کچھ نہ چلنے دینا میٹرنک کی بڑی کامیابی تھی۔ ورونا کی بساط مشاورہ پر آسٹریہ کے شاطر کی بعض الٹی سیدھی چالوں کی تاویل بھی یہی ہوسکتی ہے کہ یہ فرض کر لیا جائے کہ اس تمام وقت میں اسپین کی بجائے معاملات ترکی ہی کا خیال میٹرنک کے دماغ میں چکّر لگا رہا تھا اور وہ پوری جدوجہد کر رہا تھا کہ الکزنڈر کے مزاج میں اپنی ذاتی رسوخ کو جس کی بدولت اب تک مشرق میں آتش جنگ مشتعل نہ ہوئی جس طرح ہوسکے قائم رکھے لیکن کب تک؟ وہ عداوت جو اتنے دن سے دبی ہوئی تھی آخر پھوٹ پڑی۔ یونانی بغاوت کی ترقی، روس و آسٹریہ کو میدان جنگ میں تو نہیں لائی لیکن اس نے انھیں ایک دوسرے کا شدید مخالف

---

[۱] گینٹز۔ نکلاس (اوسٹن) دوم ۱۶۵

ضرور بنا دیا۔ یہی وہ چٹان تھی جس سے آخر کار وہ فساد بھری کشتی جسے لوگ "اتحاد متقدین" کہتے تھے ٹکرائی اور پاش پاش ہو گئی۔ مسئلۂ مشرقیہ میں کیننگ نے اپنے کرنے کا کام اچھی طرح انجام دیا لیکن یہ مسئلہ خود اُس نے پیدا نہیں کیا تھا۔ متعدد قوتیں ایسی مصروف عمل تھیں کہ بغیر اُس کی دخل دہی کے بھی غالباً جبارین یورپ کی ۱۸۱۵ء کی یاریاں ختم ہو جاتیں۔ کسی شخص کے بڑے مدبّر کہلانے کے واسطے یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ وہ اُن عناصر کو عالم وجود میں لائے جس سے ایک جدید نظام تیار کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اُس کی تعریف کے لئے یہی کہنا کافی ہے کہ اسے ان عناصر سے ٹھیک کام لینا آتا تھا۔

یونان کی کیفیت۔ اس کی نسلیں۔ آئین و قوانین۔ کلیسائے یونان۔ فرقہ واری طریقہ۔ جزائر ایجین۔ "فناریوت"۔ یونانیوں میں ذہنی ترقی کا دور جدید: کورَئے۔ قومی تحریک کا آغاز۔ یونان کا اتصال انقلاب فرانس اور نپولین سے۔ "ہتیریہ فی لیک"۔ ہپ سی لانتی کی بغاوت ریاست ہائے ڈینیوب میں اس کی ناکامی۔ موریہ کی بغاوت۔ قتل عام۔ گریگوریس کا قتل اور استنبول میں دورِ خوف و خونریزی۔ روس، آسٹریہ اور انگلستان کا طرز عمل۔ بغاوت کا پھیلنا۔ ہدرا کے واقعات۔ یونانی سرگروہ۔ سقوطِ تری پولت زا۔ ۱۸۲۲ء کی جنگ میں ترکوں کی ناکامی۔ یونانیوں کا باہمی نفاق۔ محمود محمد علی سے مدد کی استدعا کرتا ہے۔ ابراہیم کریت کو فتح کر کے موریہ پر حملہ کرتا ہے۔ محاصرۂ مسولونگی۔ یورپ میں یونان کی حمایت کا جوش۔ روس کی تجاویزِ مداخلت۔ روس میں سازشیں۔ الکزنڈر کی وفات نیکولاس کی تخت نشینی سینٹ پیٹرزبرگ کی فوجی بغاوت۔ روس و انگلستان کا اقرار نامہ۔ روس، انگلستان اور فرانس کے مابین عہد نامہ۔ کیننگ کی وفات۔ جنگ روس و ترکی۔ محاربات ۱۸۲۸ء و ۱۸۲۹ء۔ عہد نامہ ادرنہ۔ کاپودس تریاس، صدر یونان، لیوپولڈ کا قبول کرنے کے بعد یونان کی بادشاہی سے انکار۔ کاپودس تریاس کا خون۔ اوتھو، شاہ یونان۔

سلطنت عثمانیہ کے یورپی صوبوں میں جتنی مسیحی قومیں آباد تھیں، ان میں بظاہر

عہد نپولین کے سیاسی اور جنگی واقعات کا سب سے کم اثر یونانیوں پر ہوا تھا۔ سرویہ نے ۱۸۱۷ء میں مدت کی جد و جہد کے بعد اپنے قومی بادشاہوں کے ماتحت مقامی خود مختاری حاصل کر لی تھی اگرچہ اس کے قلعوں میں ابھی تک ترکی سپاہی متعین اور ادائے خراج کی صورت میں سلطان کی سیادت کا اسے اقرار تھا۔ رومانیہ کے صوبے، ولے شیہ اور مولداویہ، جنھیں تلست کی مشہور ملاقات میں نپولین نے زار سے کہہ دیا تھا کہ اپنے بنالے، روس نے باب عالی کو ۱۸۱۲ء میں بروئے معاہدۂ بخارست واپس دیدیئے تھے۔ لیکن شرطیں ایسی لگا دی تھیں کہ حقیقت میں وہ روس ہی کے زیر نگرانی رہے۔ مگر یونان میں، جزائر آئی اونیہ کو مستثنی کر کے، نہ تو کوئی میدان جنگ گرم ہوا نہ اس کے متعلق کوئی عہد و پیمان ہوا۔ اس خموشی کے باوجود انقلاب فرانس اور محاربات نپولین نے اندر ہی اندر یونان کے اندرونی تغیرات کے سلسلے میں وہ آخری شئے پیدا کر دی جس نے اس ملک کو یورپ کے ممالک آزاد میں شامل ہونے کے قابل بنایا۔ آثار پہلے سے موجود تھے جنھیں دیکھ کر وہ لوگ جو مستقبل کا اندازہ لگا سکتے ہیں قیاس کر سکتے تھے کہ یونان کی سیاسی سرکشی میں کوئی دن کی دیر رہ گئی ہے، بعض وہ لوگ تھے جو اسی قسم کی دور اندیشی اور حب وطن کے ساتھ، اس فرصت میں علمی اور ذہنی ترقی کی بنیاد ڈال رہے تھے کہ آزادی کے عہد میں جو انھیں نظر آتا تھا کہ ہمارے بیٹے پوتے تلوار کے زور سے حاصل کر لیں گے، کام آئے۔

یونان کی حالت عہد نپولین میں۔

یونانیوں میں آگے بڑھنے کی یہ تحریک سرسری طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں نمایاں ہوی۔ زرعی غلامی کا رواج اسی وقت نابود ہوا۔ کسان یا تو آزاد و مالک زمین یا کاشتکار ہو گیا جو مالگزاری جنس کی صورت میں ادا کرتا تھا۔ مزدوری پیشہ گروہ کی تدریجی اور غیر محسوس آزادی گویا احیائے قومی کی پہلی شرط تھی جو پوری ہو گئی۔ ایک "زمیندارہ" تیار ہو گیا کہ جس وقت ترکوں سے جنگ شروع ہوئی تو اس طویل کشاکش کا سب سے زیادہ بار اسی فرقے نے برداشت کیا۔ پروشیہ کے "سرف" کے مقابلے میں اٹھارویں صدی کے شروع کا یونانی کاشتکار ایک آزاد شخص تھا۔ انگریز مزدور کے مقابلے میں وہ بہتر غذا کھاتا اور بہتر مکان میں رہتا تھا۔ جہاں ترک اور یونانی ملے جلے رہتے تھے وہاں کی یونانی آبادیاں

یونان کی حالت اٹھارویں صدی میں

جن خرابیوں کا شکار تھیں وہ ایسی تھیں کہ ہر عثمانی صوبے میں مسیحی اقوام کے اخلاق یا خودداری کا ناس کر رہی تھیں۔ مسلمان ہمسائے یا عہدہ دار کی کسی مار کی داد فریاد نہ تھی۔ اگر کوئی آسودہ حال ترک کھیت میں کسی یونانی کو ہلاک کر دیتا، گھر کو آگ لگا دیتا یا اُس کے اہل خانہ کی آبروریزی کرتا تو کوئی عدالت ایسی نہ تھی جس میں مجرم پر نالش کی جا سکے۔ اپنے مسیحی ہمسایوں کو ترک "ہماری رعایا" کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مسلمان زمیندار اپنے گرد و نواح کے علاقے میں لوگوں کو کتنا ہی دہشت زدہ کر دے، عورتوں کو بھگا لے جائے مردوں کے تازیانے لگائے یا محبوس کر رکھے، ان سب باتوں کے باوجود سمجھتا تھا کہ اس نے کوئی بات خلاف قانون نہیں کی۔ اس لئے کہ سوائے قرآن کے اور کسی قانون کا وجود نہ تھا اور سوائے عدالت قاضی کے جہاں مسیحی کی فریاد پر کوئی اعتنا نہ کی جاتی تھی، دوسری کوئی عدالت ترکوں میں نہ تھی [1]۔

نہ صرف یونان بلکہ سلطنت عثمانیہ بھر میں ہر جگہ جہاں مسیحی اور مسلمان ایک ہی ضلع میں آباد تھے، غالب و مغلوب اقوام میں اسی قسم کے تعلقات تھے جس کا اُوپر بیان ہوا۔ دوسری عام اور بڑی آفت محصّلین کی زیادہ ستانی تھی جس میں عیسائی اور غریب مسلمان مساوی طور پر مبتلا تھے۔ بجز اس محصولِ جزیہ یا "ہراش" کے جو غلامی کا نشان اور صرف مسیحیوں سے لیا جاتا تھا۔ تمام اراضی پر عشر ادا کرنا پڑتا تھا اور جب تک محصّل معاینہ نہ کر جائے کسی کسان کو تیار فصل کے کاٹنے کی اجازت نہ تھی۔ اس ضابطے نے محصّلین کو خواہ عیسائی ہوں یا مسلمان موقع دے دیا تھا کہ جو لوگ انھیں یا ان کے بالا دستوں کو رشوت نہ دیں اُن کو تباہ کر ڈالیں۔ کیوں کہ محض معائنے میں تاخیر سے وہ فصل کی مالیت کا نقصان کر سکتے تھے۔ ظلم و بربادی کے اس مرکز کے گرد، بجز ان اضلاع کے جہاں بلدی حقوق لوگوں کے محافظ تھے ہر قسم کی خرابی اور ناانصافی جمع ہو گئی تھی جو ایسی سیاست مدن کا لازمہ ہے جس میں حکومت

[1]۔ لائق مولّف (فائف) نے اس موقع پر اسلام اور ایک اسلامی حکومت کے متعلق اسی جہل و تعصب سے کام لیا ہے جو یورپ کے اہل تصنیف کی عام خصوصیت ہے اور جن کی بدولت مسلمانوں کے متعلق یورپ کی بہتر سے بہتر تاریخ بھی ارباب تحقیق کی نظر میں مشتبہ اور نامعتبر بن گئی ہے لیکن لطف یہ ہے کہ خود اس کے اگلے بیانات سے ان متعصبانہ الزامات کی تردید ہو جاتی ہے۔ مترجم

محاصل کا اجارہ فروخت کرنے کے بعد نہ متاجرین کے طرز عمل کے متعلق کوئی تحقیق تفتیش کرتی تھی نہ ان کے خلاف کسی داد فریاد کو سنتی تھی۔ زیادہ ستانی کے کرشمے دیکھنے ہوں تو اس سے بہتر کیا نظیر ہو سکتی تھی کہ اچھے اچھے مکانات والے دیہات خالی پڑے تھے اور امن امان کے زمانے میں بھی زرخیز اضلاع کی آبادی کم ہوتی چلی جاتی تھی حالانکہ نہ وہاں کوئی وبا آئی نہ ملکی فتنہ و فساد ہوا نہ سلطان کی حکومت نے کوئی خاص ظلم کیا بجز اس عمولی تغافل کے جس میں لوگوں کی معیشت کو صاحبانِ زور و قوت کے دل کی نوج یا رحم و کرم پر چھوڑ نا گوارا کر لیا جاتا ہے۔

سلطنت عثمانیہ کی مخلوط ترک و مسیحی آبادی کا نظام یا کہنا چاہئیے کہ آئین عامّہ یہ تھا۔ انھی بنیادوں کو پیش نظر رکھ کر اب ہمیں یونانی معاشرت کی ان سیاسی اور تمدنی خصائص کا سراغ لگانا ہے جنھوں نے اس قوم کو اس کی علٰحدہ قومیت کے فنا ہونے سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کا دوبارہ آزادی حاصل کرنا ممکن بنا دیا۔ یونان کے ۱۸۲۱ء میں آزادی کا جھنڈا بلند کرتے پر مغربی یورپ کے ہر صاحب خلوص شخص نے جس جوشِ انبساط و حمایت کے ساتھ ہنگامۂ مرحبا بلند کیا اس نے یہ واقعہ عجیب وغریب طور پر لوگوں کے ذہن سے فراموش کر دیا کہ کتابوں کے یونان اور آج کل کے یونان میں بیس فیصدی کا فرق حائل ہے۔ تخیل کی پرواز نے لوگوں کو ایک دم سقراط اور لیونی ڈس کے زمانے تک پہنچا دیا اور چشم تصور میں محمود ثانی کے خلاف بغاوت کرنے والوں کی وہ تصویر اتر آئی جو ان نامی گرامی نفوس کی شبیہ تھی جنھوں نے مغرب کو فہم و ذکا کی استعداد، پیکر تراشی کے حسن اور شاعرانہ صداقت کے اعلیٰ نمونے عنایت کئے تھے۔ یہ فریب خیال موجب مسرت تھا اگر اُس سے ایک دلیر قوم کے ساتھ یورپ والوں کو صرف وہ ہمدردی پیدا ہو جاتی جو سروریہ اور مانتی نگرو کو ظاہرا حاصل نہ ہو سکتی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب امیدیں پوری نہ ہوئیں تو خیالات میں رجعت پیدا ہو گئی۔ دوسرے اسی سے یونانیوں کی نسل کے مسئلے کو بہت بیجا اہمیت حاصل ہوئی اور خود ان اسباب کا لوگ غلط اندازہ کرنے لگے جن کا نتیجہ استحصال آزادی کی جنگ ہوا تھا۔ نیز اہل یونان کی خوخصلت، عادات اور اتحاد کے ان عناصر کے متعلق صحیح رائے قائم نہ کر سکے جن کا

موجودہ یونان کی اصل جدید بی زنطی ہے نہ کہ قدیم ہیلاسی

یونانی قوم پر سب سے زیادہ اثر تھا۔ ان میں سے بہت کم کوئی شئے دورِ قدیم سے مماثل تھی۔ کیونکہ ان حالات کی یونان کے قدیم عہد میں ابتدا نہیں ہوئی بلکہ عہد بی زنطہ میں ہوئی۔ اور اگر کبھی بعض مناظر اُسی قسم کے نظر آئے بھی جو قدیم تاریخ سے مماثلت رکھتے تھے تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ یونان کے کوہ و دریا کا ابھی تک واقعات پر وہی اثر پڑتا تھا۔ نہ یہ کہ وہاں دورِ قدیم کے سیاسی حالات کا کوئی عنصر باقی رہ گیا تھا۔ یونان کی آبادی میں صدیوں

اسلافی اور البانی عناصر

پہلے اسلافی عنصر نہایت کافی تعداد میں آملا تھا۔ حال میں البانی آباد کاروں نے بہت سے یونانی باشندوں کو موریہ اور یونان خاص کے بعض اضلاع سے نکال دیا تھا۔ آزادی کی جنگ چھڑتے وقت بھی اتی کا، بیوشیہ، کورنتھ اور ارگولس کے علاقوں میں زیادہ تر البانی نسل کے لوگ آباد تھے جو تھوڑی سی یونانی کیساتھ اب تک اپنی البانی زبان بولتے تھے[1] باایں ہمہ اختلافِ قومیت کا یہ احساس ان نئے بسنے والوں میں بھی ضعیف تھا کیونکہ سوائے چند البانی بستیوں کے جو موریہ کے مغرب میں آباد تھیں، یہ لوگ مذہباً مسلمان نہ تھے بلکہ مسیحی تھے۔ ہمسائیگی، لین دین، مذہب کی یکسانیت اور مقامی رسوم و رواج کی مماثلت ان البانیوں کو بھی یونانیوں کی شکل میں مُتبدّل کر رہی تھی۔ اور قومی جنگ میں خالص یونانی نسل کے کسی گروہ نے اتنا بڑا حصہ نہیں لیا نہ وہ بحری مستعدی اور دلیری دکھائی جو ہم خصوصیت کے ساتھ قدیم یونانیوں سے منسوب کرتے ہیں، جتنی کہ جزائر ہدرا اور اِسپیزا کے باشندوں نے دکھائی جو موریہ کے البانی اضلاع سے یہاں آئے تھے اور جنھیں یہ غیر آباد پہاڑی ٹکڑے بسائے ہوئے سو برس بھی نہ گذرے تھے۔ یونانی اور البانی امتزاج کی یہی کیفیت ان قوموں کے سرحدی خطے، جنوبی اپی رُس میں

---

[1] ۔ ۱۸۳۰ء کے قریب ٹائی رول کے ایک مصنف فال مر یئر نے یہ نظریہ پھیلانا شروع کیا کہ دورِ حاضرہ کے یونانی اصل میں اسلافی حملہ آوروں کی اولاد ہیں اور یونانی قوم کا ایک قطرۂ خون بھی ان کی رگوں میں نہیں ہے۔ بعض اچھے اچھے اہلِ علم بھی یہ سمجھنے لگے تھے کہ فال مریئر نے قدیم یونانی نسل کا بالکل فنا ہو جانا، پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے۔ لیکن زیادہ قریبی زمانے کی تحقیقات فال مریئر اور اس کے مآخذ دونوں کا بطلان کرتی ہے اور اس نتیجے کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ بجز خاص خاص محدود اضلاع کے ہر جگہ اصلی یونانیوں کی تعداد اتنی کافی تھی کہ باہر کے آنے والے ان میں جذب ہو جاتے تھے (دیکھو ہوف، گریکن لینڈ۔ ارش وگروبر کی انسائکلوپیڈیا جلد ۸۵ صفحہ ۱۰۰) اندازہ کیا گیا ہے کہ ۱۸۲۰ء میں یونان کی البانی آبادی کل کا ایک چھٹا حصہ تھی۔

نظر آتی تھی۔ سولیوت، وہ پہاڑی البانی جن کے جنگی کارناموں سے تاریخ کا ایک عجیب و غریب باب تیار ہوا، استھال آزادی کی جنگ چھڑنے سے پہلے یونانی اثرات قبول کر چکے تھے اور ایام جنگ میں انھوں نے یونانیوں کے مقاصد اور اپنے قومی مقاصد میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں کیا۔ پھر یہ کہ خود خونخوار علی پاشا کی ینینا (یانیہ) میں حکومت یونانی تمدن کے ایپرس میں پھیلانے کی ممد ہوئی اس جابر مسلمان حاکم کے زمانے میں ینینا میں اتنے مدرسے تھے کہ خود ایتھنز میں نہ تھے۔ ضلع کی یونانی آبادی بھی بڑھ گئی اور مسلمانوں سے مذہبی مخاصمت کے معاملے میں، ایپرس کے یونانی اور البانی مسیحیوں نے اپنے قومی فرق کو فراموش کر دیا۔

کلیسائے یونانی

جدید یونانیوں کی زندگی کا سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ وہ مذہباً کلیسائے شرقی قدیم کے پیرو تھے۔ جہاں، جیسے کریت کے بعض حصوں میں، یونانیوں نے دین اسلام اختیار کر لیا، وہاں ان کی قومیت کی اور کوئی خصوصیت انھیں ترکوں میں دل مل جانے سے نہ بچا سکی؛ ورنہ یہاں دین مسیحی کا عام اور پختہ اثر پادریوں کے ادنی طبقے کے ہاتھ میں تھا جو کلیسائے رومہ متقدایان دین کے برخلاف، لوگوں میں مل جل کے رہتے اور

ادنی درجے کے پادری

شادی بیاہ کرتے تھے۔ جاہل اور متعصب تھے تو بلا سے، جذبۂ قومیت کے یہ لوگ حقیقی محافظ ضرور تھے۔ اور اگر ان کے عقائد مذہب کی بجائے محض اوہام باطل تھے تو بھی انھی عقائد کی بدولت یونانیوں کو اپنے حاکموں کے اوہام[1] سے برابر تنفر و عناد تو بطور

بطریق سرکاری آدمی ہے

اعدین مفید مطلب تھا۔ پادریوں کے اعلی طبقے کی کئی اعتبار سے حیثیت دوسری تھی۔ استنبول کا بطریق (Patriarch) باب عالی کا ایک اعلی عہدہ دار تھا۔ یونانی سلطنت کے مسلمان فاتحین نے اس کا اعزاز و وقار اور دیوانی اختیارات نہ صرف واگذاشت کیے بلکہ ان میں کچھ اضافہ تک کر دیا جس کا صریح مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اپنا مطیع رکھنے میں کلیسا ایک ذریعے کا کام دے۔ اور یہ بات اس منصب جلیل کی تاریخ کے عین مطابق تھی کہ جب آخر کار یونانیوں کی قومی بغاوت بپا ہوئی تو بطریق گری گوریس چہارم، اگرچہ با دل ناخواستہ تاہم، رضامند ہو گیا کہ کلیسا کی طرف سے اہل بغاوت کو قابل عذاب ہونے کا فتوی دیا جائے۔

[1] یہ ترکوں کے عقائد کی طرف اشارہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان خیالات سے جن میں مسیحیت سے بڑھ کر لامذہبی کی بو آتی ہے خاکسار مترجم کو کوئی سروکار نہیں ہو سکتا۔

بطریق کو یہ عہدہ "دیوان" سلطنت میں ریشہ دوانی سے یا بزورِ زر حاصل ہوتا تھا۔ اُسے سالانہ بہت بڑی رقم رشوت میں نذر کرنی پڑتی تھی۔ اور اگر کوئی عہدے کا زیادہ دام لگانیوالا حریف نکل آیا یا اُس کے مسلمان مربیوں کی طرف سے سلطان کی نظر التفات پھر گئی تو عہدہ چھن جانے میں بھی دیر نہ لگتی بلکہ ممکن تھا کہ ان مربیوں کے زوال کے ساتھ اس کی جان کے لالے پڑ جائیں۔ دربار سلطانی کے مطالبات بھرنے کے لئے بطریق کو خواہ مخواہ خود بھی بیجا زرستانی کرنی پڑتی اور جس طرح وہ اپنی نوبت پر اسقفوں کے عہدے اپنے دیوانخانے میں فروخت کرتا تھا اسی طرح اسقف اپنے ماتحت پادریوں کو نوچ نوچ کے اس قیمت کا روپیہ پورا کرتے تھے۔ لیکن سنگدلی میں بجا طور بدنام ہونے کے باوجود، یونان میں اسقفوں کا بحیثیت مذہبی عالم اور دیوانی حاکم ہونے کے بڑا رسوخ واثر تھا۔ ان کے

اساقفہ کے عدالتی اختیارات

عدالتی اختیارات کی اصلیت خواہ یہ رسم ہو کہ پہلے سے تنازعات میں ان کو حَکَم بنایا جاتا تھا اور خواہ یہ اختیارات سلاطین عثمانیہ نے خود انھیں مرحمت کئے ہوں، نتیجہ یہ تھا کہ تمام یونانی قریوں میں قاضیوں کی بجائے یہی اسقف سارے مقدمے فیصل کرتے تھے اور ان کی بدولت یونانی تاجر یا مزارع کو وہ عدالت میسر تھی جس میں اس کی قومی زبان میں خود اس کے قانون کے مطابق عملدرآمد ہوتا تھا حتیٰ کہ بعض اوقات کوئی مسلمان فریق بھی رضامند ہوجاتا تھا کہ ترک حاکم عدالت کے ہاں مقدمہ رجوع کرنے کے حق سے دست بردار ہوجائے، جس کے فیصلوں میں نہایت تساہل وتلون ہوتا تھا، اور اپنا معاملہ اسقف کی کچہری میں پیش کردے۔

ان یونانیوں میں جو شاہ یونان کی موجودہ مملکت میں آباد تھے اور جزائر ایجیئن کے باشندوں میں نمایاں مقامی فرق پائے جاتے تھے۔ لیکن یہ بات سب جگہ مشترک تھی کہ جب تک حکومت کی باگ ترکوں کے ہاتھ میں رہی، ہر ضلع کے نظم ونسق کی جزئیات خود وہیں کے مقامی باشندوں کے تفویض ہوتی تھیں کیونکہ ترکوں کو ان جھگڑوں میں پڑنے کی اُس وقت تک کہ مقررہ محاصل کی رقم ادا ہوتی رہے اور ملاحوں کی مقررہ تعداد ملتی رہے،

قریہ داری تنظیم

کچھ پروا نہ تھی۔ حکومت نے محاصل کو خاندانوں اور دیہات پر تقسیم کر دیا تھا اور یہی تقسیم اس حکومتِ مقامی کا تخم نظر آتی ہے جس سے تنظیم بلاد کے کئی نمونوں کی نشو ونما ہوئی اور ان میں سے بعض یونانی قوم کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔

موریہ کی پاشالک (یہ ولایت تیئیس صوبوں میں منقسم تھی اور ان میں سے ہر ایک کا بے دیا واووود) یعنی ترک صوبہ دار بالعموم وصول محاصل کا ٹھیکہ دے دیتا تھا لیکن ہر قریہ یا

ولایت موریہ

قصبے کے باشندے اپنے عمال کا جو "پروستی" کہلاتے، خود انتخاب کرتے تھے جو وصول محاصل اور اپنی قریٰ کا انتظام رکھنے کے علاوہ ضلع کی مشترکہ مجلس میں بھی شریک ہوتا جہاں طے کیا جاتا تھا کہ ضلع کے کل محاصل میں سے کتنا حصہ ہر قریئے یا گروہ کو ادا کرنا ہوگا۔ اسی مجلس ضلع سے ایک یونانی عہدہ دار "پری میٹ" اور ایک مسلمان "اعیان" کا انتخاب ہوتا کہ وہ موریہ کے پاشا (والی) کی مجلس میں حصہ لے، جس کا مستقر ترپولت زا[1] ان پری میٹون کو بہت کافی اقتدار حاصل ہوتا تھا۔ اصل میں تو اس منصب کو باب عالی نے وصول محاصل کی سہولت کے واسطے قائم کیا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ پری میٹ یونان کا طبقۂ امرا بن گئے۔ یہ سچ ہے کہ ان میں حسب نسب کی کوئی امارت نہ تھی وہ ایک جابر آقا کے کارندے اور خود بھی انھی خرابیوں سے متصف تھے۔ وہ اکثر محاصل سرکاری کے متاجر ہوتے اور ترپولت زا میں پاشا کی سرکار میں ان کی ساز باز، خوشامد اور تملق، پھر اپنے وطن میں اُن کی حرص و آز نیز مطلق العنانی وہ اوصاف تھے جن کی بنا پر انھیں "مسیحی ترک" کی قسم قرار دیا جاتا تھا لیکن ان سب خرابیوں کے باوجود انھی لوگوں کی بدولت یونانی بے سرے رہ جانے سے بچ گئے۔ پھر یہی لوگ ایک ایسی جماعت بن گئے تھے جو اشتراک عمل کی عادی، جزئیات انتظامی خاصکر محاصل کی فراہمی اور تقسیم کے کام سے واقف تھے۔ موریہ کے پری میٹوں کی اسی مالی تجربہ کاری کے طفیل وہ تھوڑی بہت تنظیم کی یکسانی پیدا ہوئی تھی جو یونانیوں کی بغاوت کی بالکل ابتدائی منزل میں نظر آتی ہے۔

خلیج کورنتھ کے شمال میں، قریہ داری نظام کے آثار اتنے صاف و نمایاں نہیں

شمالی یونان۔ ارماتول۔ اور کلفت

جتنے موریہ میں تھے۔ مگر یہاں بھی اتولیہ اور پندوس کے پہاڑی اضلاع میں ایک بھدی قسم کی جنگی تنظیم پائی جاتی تھی جس نے انفرادی آزادی کے قومی جذبات و عادات کو زندہ رکھکر یونان کی بڑی مفید خدمت انجام دی۔ اس وحشی علاقے میں ترکوں نے اپنی فتح کے وقت ایک

[1] مورر، داس گریکش وآک۔ اول ۶۴۔

مقامی فوج بے قاعدہ (ملیشیا) مرتب کردی تھی اور صدیوں سے اس میں کوئی دخل نہ دیا تھا۔ فوج کے سپاہی وہاں کے دہقانوں گڈریوں اور خچر بانوں میں سے بھرتی ہوتے اور ارماتول کہلاتے تھے اور یہ لوگ اسلامی اثرات کو اپنے گروہ میں داخل نہ ہونے دیتے تھے حتیٰ کہ اٹھارویں صدی سے عثمانی سلاطین کی مستقل حکمت عملی یہ ہوگئی کہ ارماتولوں کی تعداد اور ان کے سرداروں کی قوت کم کردی جائے۔ ۱۸۲۱ء سے قبل ہی ارماتول پہلے کی نسبت کمزور و کم تعداد رہ گئے تھے۔ لیکن جب ان میں ضعف آیا تو کلفت یا قزاقوں کے جرگے زور پکڑ گئے اور یہاں کے پہاڑی کو جب محافظِ امن کی حیثیت سے اسلحہ کے استعمال سے روکا گیا تو وہ رہزنوں میں جا داخل ہوا۔ انگلستان کی شمالی سرحد کے ڈکیتوں کی مثل یہ یونانی قزاق بھی گیتوں کے سورما بن گئے۔ گو وہ مسلمانوں کی طرح یونانیوں کو بھی لوٹتے تھے لیکن قومی جذبہ ان کے دلیرانہ کاموں کی تحسین کرتا تھا۔ اور حق یہ ہے کہ ایک قزاق کی جسمانی چستی اور خطرات کا مقابلہ کرنے کی عادت، بہتر ہی تھا کہ صرف البانیوں اور ترکوں کا حصہ نہ ہوجائے۔ مگر یونانی قومیت کو برقرار رکھنے میں کلفتوں کے اثر کا لوگوں نے بہت بڑھا چڑھا کے اندازہ کیا ہے۔ حالانکہ ان کی کثرت قریبی زمانے ہی میں ہوئی تھی اور اصل میں ان علاقوں کے یونانی دہاقین کے مزاج میں (جو نسل یونانی کا اندرونِ ملک میں بہترین جزو تھے) جتنی پختگی اور کس کساو آیا وہ شمالی ارماتولوں کی تنظیم کی بدولت آیا تھا[1]۔

جزائر ایجین کے یونانی باشندے مجموعی طور پر خوش اور آسودہ حال تھے۔ ان میں سے بعض جزیروں میں کوئی ترک آبادی نہ تھی۔ پھر کہیں کسی سلطانہ کی فوج کہیں کسی ترک بحری افسر کی خوشنودئ مزاج کے طفیل جوان جزائر کا حاکم ہوتا یا کبھی معقول نذرانے کے ذریعے جب کہ

[1] ۔ یونانی گیت شہادت پیش کرتے ہیں کہ انقلاب یونان کے ماقبل زمانے میں ارماتول، کلفتوں کی جون بدل چکے تھے۔ مثلاً اس پُرلطف دوہے میں جس کا عنوان "دموس کا مقبرہ" ہے اور جس کا گوئٹے نے ترجمہ کیا تھا بیان کیا گیا ہے:۔ اس پادری کو لاؤ جس کے روبرو میں اپنے اعمال کی توبہ کروں۔ اور بتاؤں کہ تیس برس "ارماتول" اور بیس سال "کلفت" رہ کر میں نے کیا کیا گناہ کئے۔" فوریل۔ "شان پوپیولیرے" اول ۵۶ کو

باب عالی کے خزانے میں ضرورت محسوس ہو، عثمانی فرماں فرمائی کا بوجھ اتنا ہلکا ہو گیا تھا کہ جزائر کے

جزائر امیجین

یونانی قریٔ حقیقت میں اتنے آزاد تھے کہ یورپ بھر میں اس قدر آزادی سوائے سوئٹزرلینڈ کے، اور کسی ملک کو میسر نہ تھی۔ تمام محاصل، جن میں عیسائیوں سے جزیہ یا ہراکش بھی شامل ہے، جو مرکزی حکومت کو واجب الادا ہوتے، ان کی اکثر ایک معین رقم قرار دیدی جاتی اور اس کی وصولی میں ترک محصلین کا کوئی دخل نہ ہوتا تھا۔ ہدرا، اسپت زا اور پسارا کہنے کو ملاحوں کے جزیرے تھے لیکن یہاں بھی ترکی تسلط کا احساس بجز اس کے اور کسی طرح نہ ہوتا تھا کہ انھیں ترکی بیڑے کے واسطے کچھ ملاح اور تقریباً سو پونڈ سالانہ خراج ادا کرنا پڑتا تھا، ورنہ ان تینوں جزائر کا نظم و نسق تمام و کمال وہیں کے باشندوں کے ہاتھ میں تھا۔ خیوس میں یونانیوں کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کی معقول تعداد بستی تھی لیکن یہاں بھی امن و خوشحالی کے تمام آثار ہویدا تھے۔ ہر جزیرے کے باشندے اپنی جداگانہ خصوصیات رکھتے تھے اور ہر جگہ برے یا بھلے بلدی آئین جاری تھے۔ ہدرا والے جھگڑالو اور تند مزاج تھے کہ بات بات پر چھری نکال لیتے لیکن صاف گو، معاملے کے کھرے اور جہاز رانی کے بڑے مشاق تھے۔ خیوسی معاشرت کی تصویر، اُن لوگوں نے بھی جنھوں نے یونانیوں پر شدید نکتہ چینی کی نظر ڈالی ہے، اتنی خوشنما اور دلچسپ اُتاری ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ایک

خیوس

با اختیار قوم کی تصویر ہے جس میں ہر فرد گھر والوں کی آغوش تربیت میں پرورش پاتا تھا۔ جہاں تجارت نے ایک طرف تو سب کو آسودہ کر دیا تھا اور دوسری طرف غریب غربا کی اپنے گھریا خانہ باغ کی محنت مزدوری میں کسی ہنر یا صنعت کی بدولت حسن و خوبی کی شان آگئی تھی۔ وہ ہنرمندی جس نے خیوس کی زربافی اور رنگوں کو بیش بہا بنایا انھی لوگوں کی محنت کا پھل تھی، جو خود ہی چرخہ چلاتے اور صد برگ و گلاب کی کاشت کرتے تھے۔ انسانی ذوق اور عرق ریزی نے فطرت کے عطیات، یعنی اچھی سرزمین، اچھی آب و ہوا اور سمندر کا پورا حق ادا کیا تھا۔ اور ان پیشوں کی مصروفیت سے جہاں کاریگروں کی قوائیں ضعف و کمی کی بجائے افزائش و تازگی آتی تھی، وہیں نکمے پن اور مسکرات کا بھی نام و نشان نہ تھا[1]۔

---

[1] فِن ے، ’’گرلس اینڈ اوٹومن ڈومی نیشن‘‘ صفحہ ۲۸۶۔

انگلستان کی ناپاک اور غلیظ صنعتی بستیوں کے مقابلے میں جہاں انسان اور ہیجان کلیں سال بھر تک برابر چکی چلاتی رہتی ہیں کہ آہنی اور سوتی مصنوعات کے انبار کے انبار تیار کریں تاکہ کارخانہ دار اپنے ہمسایوں سے ایک جھوٹی اور بے روح نمائش میں بازی لے جائے اور کاریگر لکھو کھا روپے شراب خواری کی نذر کریں، صنعت و حرفت کا مذکورۂ بالا منظر کتنا فرحت انگیز ہے۔

ان علاقوں میں، جہاں موجودہ[1] مملکت یونان کے علاوہ یونانی قوم کے باشندوں کی بڑی اکثریت تھی، ایشیائے کوچک کے قریب کے جزائر، جزیرۂ کریٹ اور مقدونیہ کا جزیرہ نما کالکی ڈیس شامل تھے۔ لیکن قوم یونانی کی سرگرمیاں انھی حدود میں ختم نہ ہو جاتی تھیں۔ اور یونانی اگر اپنے گھر میں محکوم تھا تو بعض ہمسایوں کے گھر میں اس کی حکومت تھی۔ مقتدائے مذہب کی حیثیت سے، یا نظم و نسق کے بعض مقررہ شعبوں میں سلطان کے نائب بنا دئے جانے کی بنا پر یونانی کو حق حاصل ہو سکتا تھا کہ باب عالی کی دوسری مسیحی رعایا پر حکمرانی کرے۔ استنبول کے بطریق کا اقتدار بجز سرویہ کے تمام یورپی ترکی پر تسلیم کیا جاتا تھا اور ان سب صوبوں میں یونانی اساقفہ مامور تھے۔

یونانیوں کے مذہبی اختیارات دوسرے ترکی صوبوں میں

گرجوں کی نمازیں اور دعائیں یونانی زبان میں پڑھی جاتی تھیں۔ کلیسا کی اراضی کے لگان اور تمام کلیسائی عدالتوں کا زر اُجرت یونانیوں کی جیب میں جاتا تھا۔ کلیسائے مشرقیہ میں بہت سے معاشرتی معاملات کا تعلق بھی مذہبی پیشواؤں سے ہے ان میں اور مذہب کی اور سب باتوں میں، حقیقت یہ ہے کہ یونانیوں نے وہی تفوق حاصل کر لیا تھا جو سلطنت بی زنطہ کے زمانے میں انھیں میسّر تھا۔ یہ اہل کلیسا صرف ملک یونان کو آزاد کرنے کے نہیں بلکہ یونانیوں کی سیادت میں رومہ کی پوری مشرقی سلطنت کے احیا کے خواب دیکھتے تھے؛ جب لوگ یہ مشاہدہ کرتے کہ اسلافی اور رومانی باشندے، قانون، تجارتی تعلیم، مذہبی علوم کے لئے یونانی کے پاس آتے ہیں اور ہر نزاع میں اپنا صدر حکم استنبول کے بطریق کو سمجھتے ہیں، تو خواہ مخواہ یہ عقیدہ ذہن نشین ہوتا تھا کہ

[1] یعنی کتاب کی تالیف کے وقت۔ مترجم

جس روز ترک رخصت ہوا، یونانی اس کی جگہ لے لیگا۔ بایں ہمہ یونانیوں کا اثر کتنا ہی وسیع نظر آئے، فی الحقیقت سوائے اپنی رسّس کے اور کہیں سطح کے نیچے تک نہیں پہنچا تھا۔ یونانی اساقفہ پردیسی لٹیرے سمجھے جاتے تھے۔ بلغاریہ یا ڈین یوب کے صوبوں میں صحیح معنی میں کوئی اختلاط و آمیزش کا عمل جاری نہ تھا۔ بلغاریہ کا سست رو اور سٹھا کسان جہاں اس قدر گاؤدی تھا کہ یونانی سے کوئی رشک رقابت نہ رکھتا تھا وہاں اپنی قومیت اور غیر متبدّل ذوق پر بھی قائم تھا اور گھر میں قدم رکھتے ہی گرجا میں جو یونانی سنکر آتا اسے بھول کر، بچّوں کو وہی گیت سناتا جو اپنے ماں باپ سے سیکھے تھے[1]۔ رومانیہ میں باہر سے آگھسنے والے یونانی کی نسبت شدید نفرت کے سوا اور کوئی خیال نہ پایا جاتا تھا۔

سلطنت عثمانیہ کے چار بڑے بڑے عہدوں پر ہمیشہ یونانی مقرر ہوتے تھے یہ باب عالی کے عرض بیگی یا معتمد[2]، بیڑے کے عرض بیگی اور ولیشیہ و مولداویہ کی صوبہ داریوں کے، جنھیں "ہوس پوداریٹ" کہتے، عہدے تھے۔ ان کے علاوہ بطریق استنبول کے مختلف کاموں کی وجہ سے جن میں مداخل و مصارف کا انتظام اور کلیسائی عدالتوں کا چلانا داخل ہیں، اچھے تعلیم یافتہ اور چلتے ہوئے یونانیوں کی ایک فوج کی فوج استنبول کے محلّے فنار میں آبسی تھی جہاں بطریق کا محل واقع ہے۔ شہر کے اسی حصّے میں سوداگر اور پیشہ ور آباد تھے۔ اور جب ترکوں کی مستعدی میں انحطاط آیا تو دار الخلافت کے انھی یونانیوں نے جو "فناریوت" کہلاتے تھے رفتہ رفتہ حکومت میں جگہ پائی اور فاتحین کو معلوم ہونے لگا کہ اب وہ سیاسی داد و ستد اور حساب و تخمین کے آلات سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔ کارلووٹز کا معاہدہ جو اس ناکام جنگ کے بعد جس میں ترکوں نے وی آنا کو گھیر اتھا

باب عالی کے فناریوت عہدہ دار

[1] کانٹز، "دونا و بلگاریئین" جلد اول ۱۲۲۔

[2] لفظ "ڈریگومین" کے لفظی معنی ترجمان کے ہیں اور عہدے کا یہ نام اس لئے تھا کہ ترکوں کے قدیم نظریے کے مطابق جن غیر قوموں سے ان کا معاملہ پڑتا تھا وہ ان کے سامنے صرف عرض معروض ہی کرسکتی تھیں اور ان کی درخواستوں کے ترجمے کرانے کی ضرورت پیش آتی تھی۔

۱۶۹۹ء میں مرتب ہوا، بابِ عالی کی طرف سے الگزنڈر موروکورداتوس نے طے کیا تھا اور یہ شخص جو خیوس میں پیدا ہوا اور سلطان کا طبیب تھا، حقیقت میں سلطنت عثمانیہ کے وزیر خارجہ کا سارا کام انجام دیا کرتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے اوائل میں اس کے بیٹے نکولاس اور کونس ٹن ٹاین، ولیشیہ اور مولداویہ کے ہوس پودار یا والی بنائے گئے تھے اور اسی وقت سے یونانی بغاوت بپا ہونے کے زمانے تک، ان رومانی صوبوں کی حکومت ہمیشہ فناریوت

یونانی "ہوس پودار"

خاندان والوں کے تفویض کی جانے لگی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی تقدیر آزماؤں کے غول ڈینیوب کے پار پہنچنے لگے اوران بدبخت ملکوں کے ہر پرمنفعت عہدے پر قبضہ جما بیٹھے۔ اس میں شک نہیں کہ ہوس پوداروں میں خاص کر موروکورداتوسی خاندان کے افراد میں بعض ایسے بھی لوگ تھے جنھوں نے رومانی رعایا کی اچھی خدمت انجام دی لیکن مجموعی طور پر یہ فناریوت شاہی، حرص وطمع اور ظلم وتغلب سے متصف تھی [1] یونان کی تاریخ میں اسے جو وقعت حاصل ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ اس نے ممالکِ ڈینیوب میں یونانی تمدن کو شایع کیا کیونکہ اس معاملے میں وہ سراسر ناکام رہی۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ حوصلہ مندوں کو انتظام مملکت میں اسی حصول اقتدار کا موقع ملنے کی بدولت یونانی تعلیم کا معیار بلند ہوا اور یونانی خیالات میں وسعت پیدا ہوگئی۔ بالخصوص یونانی تعلیم سے فناریوتوں کا تعلق بہت گہرا تھا۔ الگزنڈر موروکورداتوس، استنبول اور دوسرے شہروں میں اپنے ہم وطنوں کے لئے اکثر مدارس کا پرجوش و فیاض بانی اور یونان کی رائج الوقت زبان کو ترقی دینے کا سرگرم حامی تھا۔ اٹھارویں صدی میں عام طور پر اس کی تقلید ہوتی رہی اور دراصل یہ یونانیوں کی جبلت کا ایک بہترین وصف ہے کہ ان میں اکثر روپے والے اپنی قوم کی تعلیم وتربیت کے پہلے بھی معاون وحامی رہے اور اب بھی ہیں۔ واضح ہو کہ یونان میں بھی قومی احیا کا مقدمہ قومی زبان میں غیر معمولی دلچسپی کا پیدا ہوجانا تھا جس طرح گذشتہ صدی میں جرمانیہ اور قریب تر زمانے میں ہنگری اور بوہیمیہ میں ہوا۔

قدیم یونانی زبان کی واقفیت کا، مذہبی علما کے طبقے میں مطلق فقدان تو کبھی نہیں ہوا

[1] زالوئس، صفحہ ۱۷۔ کوگ نالیت کان ولیشیہ۔ اول ۱۷، ۲۳۔

لیکن یہ واقفیت محض بیکار چیز رہ گئی تھی۔ کیونکہ عہد شیخت پسندی کی پیش پا افتادہ دینیات کے سوا اور کوئی شئے مطالعہ نہ کی جاتی تھی اور اٹھارویں صدی سے پہلے

اٹھارہویں صدی میں یونانیوں کی ذہنی ترقی

پادریوں کے مدارس میں قدیم زبان فقط پادری بنانے کے واسطے سکھائی جاتی تھی۔ لیکن وہ تعلیمی تحریک جسے نور وکور داتوس جیسے افراد نے تقویت پہنچائی، دوگانہ مقاصد رکھتی تھی۔ اس نے قدیم علم ادب کی تعلیم کے ذریعے یونان کے عہد کبیر کو تازہ کیا اور دوسری طرف اسی نے یونانیوں کو بتایا کہ گو ان کی زبان عصر قدیم کی زبان سے بے شبہ مختلف ہے تاہم وہ محض گنواروں کی بولی نہیں ہے جو ہر پہر گنے میں الگ الگ بولی جاتی ہے بلکہ ایک بڑی زبان ہے جس کے خود اپنے قواعد و اصول ہیں اور جس سے ہر کام، جو کسی دوسری جدید زبان سے لیا جاتا ہے لے سکتے ہیں۔ یہی زمانہ ہے جب سے یونانیوں نے اپنے آپ کو "رومایوس" یعنی رُومی کی بجائے ہلین کہنا سیکھا۔ جس قدر نئے مدارس بنتے اور پرانوں کی قلب ماہیت یا تجدید ہوتی گئی، تعلیم بھی محض ادبی نہ رہی۔ بلکہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں علوم تجربی نے غریبانہ شان سے اسی سرزمین میں پھر ظہور کیا جس نے ان علوم کی تخلیق کی تھی اور دریات کا دائرہ ان لوگوں کی بدولت وسیع ہو گیا جنھوں نے ممالک غیر کے مدارس میں قانون، طبیعیات، اور فلسفۂ عقلی کا مطالعہ کیا تھا۔ یونانی اساتذہ میں ایک حد تک مغربی یورپ کے اہل تحقیق کا علمی جوش پیدا ہوا۔ گو کلیسا کے عقائد پر کوئی حملہ نہیں کیا گیا نہ سلطان کے تسلط پر براہ راست کوئی وار ہوا مگر مذہبی رواداری کی فرضیت کا اس ملک میں اعلان ضرور ہو گیا جہاں کورانہ تعصب چھایا ہوا تھا۔ نیز قدیم یونان کی سیاسی آزادی کو کم نصیب عہد حاضرہ کے لوگوں کے سامنے بطور ایک شاندار مطمح نظر کے ضرور پیش کیا جانے لگا۔ بعض طبقۂ اعلیٰ کے پادری اور ترکی حکومت کے فناریوتی کارندے نئی تعلیم کی آزاد روش دیکھکر خوفزدہ ہوسے اور تھوڑی دیر ایسا معلوم ہونے لگا کہ مسیحی علماء کے سوئے ظن کی وجہ سے کہیں یونانیوں کی ساری ذہنی اور سیاسی ترقی معرض خطر میں نہ پڑ جائے۔ لیکن کلیسا کے ساتھ یونانی لوگوں کی ارادت مندی ایسی قوی اور عام تھی کہ گو اساتذہ کے خلاف ہجو و ہزل میں مضایقہ نہ کیا جائے مگر کلیسا سے انقطاع کسی محب وطن کے منصوبے کا جزو نہ تھا۔ مذہبی اور قومی جذبات میں

مخالفت اٹھارھویں صدی کے اواخر میں بہت بڑھ گئی تھی لیکن آیندہ تین میں یہ بھی کم اور جنگ آزادی کے آغاز سے قبل ہی قریب قریب مفقود ہو گئی۔

جدید یونان کا سب سے بڑا عالم، وہاں کا سب سے بڑا محب وطن بھی تھا، کورے جو یونانی زبان کا مقنن مانا جاتا ہے اصل میں خیوسی والدین کا جو سمرنا میں جا بسے تھے

کورے ۱۷۴۸ء تا ۱۸۳۳ء

بیٹا تھا اور ۱۷۴۸ء میں پیدا ہوا۔ شوق علم کے ساتھ مزاج میں انتہا درجے کی آزادی نے اس کی سکونت ایسے ملک میں ناممکن کر دی جہاں ترک ہمیشہ نظر کے سامنے اور وسیع تر علوم حاصل کرنے کے بہت کم موقع میسر تھے۔ اس کے والدین کے کاروبار کی ایک شاخ امسٹرڈم میں تھی اور انھوں نے کورے کو چند سال تک وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ تیس سال کی عمر میں کورے سمرنا واپس آیا تو اس نے لوگوں سے ملنا جلنا قریب قریب ترک کر دیا اور ایک خوبصورت لڑکی کا جو بڑی دولت کی وارث تھی، دست عروسی بھی اسے اتنی طمع نہ دلا سکا کہ ایک طالب علم کی زاہدانہ عزلت کو چھوڑ دیتا۔ بلکہ وطن سے نکل کے اس نے مونٹ پیلیئر کے طبی درس کی تکمیل کی اور پیرس میں بود و باش اختیار کر لی انقلاب فرانس کے وقت وہ وہیں موجود تھا۔ اور اس عہد کے عام جوش نے اس کے تبحر علمی اور فطری مستعدی کو بالکل اور براہِ راست حبِ وطن کے راستے پر ڈال دیا۔ چالیس برس تک کورے، یونان کی خدمت میں، جو ایک عالم سے انجام دینی ممکن تھی، منہمک رہا۔ مگر وہ سیاسی تحریریں جن میں اس نے خود یونانیوں کو مخاطب کیا یا یونانیوں کی مدد کے لئے باہر والوں کو اُبھارا ہے، بنفسہا کیسی ہی قابل قدر ہوں، اس کی شہرت کی اصلی بنیاد نہیں۔ کورے کا اصلی اور خاص مقصد یہ تھا کہ از سر نو ابھرنے والی یونانی قوم کو قومی علم ادب اور وہ طرز بیان سکھائے جسے ہر متمدن قوم اپنا عزیز ترین رشتۂ اتحاد سمجھتی ہے۔ تمام یونانی ادب کی جزئیات تک، اور متقدمین کی مستند تصانیف سے اپنے زمانے تک یونانی زبان کی تاریخ کے جزو کل سے کورے آگاہ تھا اور اسی لئے وہ مسیحی اور عہد مسیح علیہ السلام سے قبل کی یونانی کتابوں میں سے ان تصانیف کا خوب انتخاب کر سکتا تھا جو اس کے ہم وطنوں کی حالت حاضرہ کے مناسب ہوں اور ان کی ایسی تشریح و تبیین بھی کر سکتا تھا کہ کسی دوسرے آدمی سے جو یونانیوں میں پیدا اور پھول پھل کر بڑا نہ ہوا ہو، ممکن نہیں ہے۔

کورے کی علمی مصروفیت کا ایک پہلو تو یہ تھا اور دوسرا یہ کہ آیندہ آزاد یونانی مملکت کی زبان کا ٹھیک راستہ تیار ہو جائے۔ قدیم مصنفین کی زبان کو یونانی تعلیم یافتہ ابھی تک سمجھتے تھے لیکن عام طور پر ملک میں جو زبان بولی جاتی تھی وہ اس قدیم زبان سے بالکل مختلف شئے تھی۔ ترکی اور البانی اثرات نے

جدید یونان کی زبان

ذخیرۂ الفاظ میں بیگانہ عناصر کو خلط ملط کر دیا تھا۔ پھر صدیوں کے جہل نے مقامی بولیوں میں ہر قسم کی خودرو بے قاعدگیاں داخل کر دی تھیں۔ جس وقت یونانی آزادی کی بحالی سامنے نظر آنے لگی تو بعض صاحبوں نے تجویز کیا کہ قدیم زبان کے ہر لفظ کو مصنوعی طور پر رائج کر دیا جائے اور اس طرح بغیر کسی حقیقی امتزاج کے، پرانی زبان کا نئی زبان سے الحاق کر دیا جائے۔ لیکن دوسرے اہل الرائے اسے ناممکن سمجھکر خواہاں تھے کہ مروجہ روزمرّہ ہی کو، خواہ وہ کتنا ہی مسخ شدہ ہو، ادبی زبان مان لیا جائے۔ کورے نے ان دونوں کے بین بین معقولیت کا راستہ اختیار کیا۔ اس نے اپنے زمانے کی بہترین تصانیف کو سامنے رکھکر تجویز کی کہ قدیم یونانی کے الفاظ جو بالکل متروک نہیں ہو چکے ہیں زبان کی صرف نحو کے اندر لے لئے جائیں۔ اس نے جہاں ان لوگوں کا مضحکہ اڑایا جو یہ کوشش کرتے تھے کہ بیان کے وہ پیرائے بھی از سر نو رائج کئے جائیں جن کا تحریری زبان تک میں استعمال ترک ہو چکا تھا وہیں اس کی تجویز تھی کہ وہ غیر الفاظ جو حقیقت میں ذرا بھی یونانی نہیں ہیں، خارج کر دیئے جائیں اور ان کی بجائے زبان کے فطری اصول و قواعد کے مطابق مشتقات اختیار کر لئے جائیں۔ غرض کورے جس زبان کو اپنے ہموطنوں میں رائج دیکھنا چاہتا تھا وہ بھی تو وہی جو وہ خود یا اس زمانے کے اکثر تعلیمیافتہ یونانی تحریر میں استعمال کرتے تھے لیکن اس میں سے بیگانہ عناصر کا خارج کر دینا اور قدیم نمونے کو برابر سامنے رکھکر یا اصول بنانا منظور تھا اگرچہ اس قدیم نمونے کی اہل مدرسہ کی مثل کورانہ تقلید کرنی نہ تھی۔ کورے کے مذکورۂ بالاہ اصول کی صحت اس کی کامل کامیابی سے ثابت ہو گئی عام لوگوں کی بول چال، کہ اگر اسے مملکتِ یونان کی زبان تسلیم کر لیا جاتا تو آج ایتھنز میں ہیرودوتس اور افلاطون پر دیسی مصنف رہ جاتے، ابھی تک بے تکلف صحبتوں میں تو سنی جا سکتی ہے لیکن تحریر میں اس کا بہت کم رواج ہے اور مدرسوں میں اسے بالکل نہیں پڑھایا جاتا۔ بلکہ ایک ایسی زبان جو سال بسال اپنے سیاق میں قدیم یونانی کے زیادہ

قریب ہوتی جاتی ہے، اہل یونان کو اپنے قدما سے اور نیز باہم دگر متحد کر رہی ہے اور مشرقی بحر متوسط کے ملکوں میں ایک وسعت پذیر یونانی تمدن کے نقیب کا کام انجام دے رہی ہے۔ کورسے کا ملکی مقصد بدرجۂ اولیٰ حاصل ہو گیا۔ یورپ بھر میں کوئی قوم اس وقت اپنی ملکی زبان پر اتنی نازاں، اور تعلیم میں اس سے بہتر کام نہیں لے رہی جتنے اس کے ہموطن، ذخیرۂ ادب کو پورا کرنے کے اعتبار سے اس نوخیز زبان کو بے شبہ ابھی بہت کام کرنا باقی ہے۔ کورسے کے وقت سے جو عاشقانہ شاعری یونان میں ہوئی۔ اس پر اگر ایک اجنبی کی رائے لگائی جائز ہو تو وہ حسن اور بیان کی نازکی میں کچھ گری ہوئی نہیں ہے لیکن ایسا انشا پرداز جو یونانی نثر کو دور قدیم کی قوت و برجستگی عطا کرے، ابھی منصۂ شہود پر آنا باقی ہے [1]

[1]۔ کورسے کی خود نوشتہ سوانح کا فرانسیسی ترجمہ اس کی تصویر کے ساتھ "لیتر۔۔۔۔۔ کورسے" مطبوعہ پیرس ۱۸۳۳ء میں مل سکتا ہے۔ اس کے لئے ہموطنوں کو خطاب کرنے کا ذریعہ بالعموم مقدمہ یا دیباچہ ہوتا جسے کسی قدیم مصنف کی کتاب پر کورسے جدید یونانی میں لکھا کرتا تھا۔ ارسطو کی سیاسیات مطبوعہ ۱۸۲۲ء کے دیباچے کا آخری نصف کورسے کے سیاسی جذبات اور طرز تحریر کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس دیباچے کو جرمانیہ کے یونان دوست ناظرین کے لئے ایک سوئیس عالم اورلی نے ترجمے کے ساتھ علیحدہ بھی چھاپ دیا تھا۔ لسانیات کے متعلق اس کے دیباچوں میں بڑے بڑے وہ ہیں جو "ہلیودورس" پر ۱۸۰۴ء میں اور "پرودرموس" یا "ببلوتھکا گریگا" کے سلسلے کی تمہید میں لکھا تھا۔ اس سلسلۂ کتب کی اشاعت اوڈیسہ کے برادران زوسیماس کے خرچ سے ۱۸۰۵ء میں شروع ہوئی۔ اکثر مطبوعات کے سرورق پر کتاب کے قومی مقاصد اور ان اشخاص کے نام چھپے ہوئے ہیں جن کے خرچ سے وہ طبع ہوئی۔ "اخلاقیات" کا نسخہ جو خیوس کے قتل عام کے بعد ہی شائع ہوا۔ اس پر یہ پُر اثر الفاظ تحریر ہیں: "ان کے خرچ سے، جن پر خیوس میں وہ کچھ ظلم ٹوٹے" ان مطبوعات کا، جن میں سے بعض میں اعلیٰ درجے کی تصاویر تھیں، اس قدر پُر تکلف ہونا اس اعتبار سے ناموزوں سا نظر آتا ہے کہ ان کا مقصد علم کی عام اشاعت و ترویج تھا۔ لیکن اصل یہ ہے کہ کورسے کو جلدی نہ تھی اور کم سے کم اپنے آخری زمانے میں وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ یونانیوں کو تلوار کھینچنے سے پہلے ابھی تیس برس اور تجارتی اور ذہنی ترقی میں مصروف رہنا ضروری ہے۔ اس صورت میں وہ باور کرتا تھا کہ ان میں اتنی قوت آ جائے گی کہ خود اپنے زور بازو سے ترکوں کو کچل ڈالیں اور یونانی مملکت کو یورپ کے شاطران سیاسی کے ہاتھ میں محض کھیل کا مہرہ بن جانے سے بچالیں۔ ۱۸۲۱ء کے قبل کے یونانی واقعات کے

اٹھارویں صدی میں یونانیوں کی ذہنی ترقی ان کے تجارتی نشو و نما سے وابستہ تھی

یونانی تجارت کی ترقی سنہ ۱۷۵۰ء تا سنہ ۱۸۲۰ء

اور یہ اپنی نوبت پر، تاریخ یورپ کے کلاں تر دور کے واقعات سے ہمرشتہ تھی۔ سنہ ۱۷۱۸ء میں وینس والوں کے موریہ سے آخری اخراج کے بعد مشرقی بحری روم میں نسبتہً امن و انتظام قایم ہوگیا، تو اس وقت جزائر کے یونانیوں کی ساحلی تجارت کی صلاحیت ظہور میں آئی۔ گو ان کے جہاز ابھی تک چھوٹے اور سمندر کے بڑے بڑے سفر کرنے کے قابل نہ تھے لیکن وہ ایجین اور بحر اسود کی بندرگاہوں میں برابر آتے جاتے رہتے اور اپنے مالکوں کو نفع پہنچاتے حالانکہ انھیں محاصل کا وہ بار بھی اٹھانا پڑتا جس سے نہ صرف سلطان کی مسلمان رعایا بلکہ بیرونی اقوام کے لوگ بھی تجارتی معاہدوں کے ذریعے مستثنیٰ تھے۔ ادھر مشرقی بحر روم میں وینس کی تجارتی سیادت ختم ہونے کے بعد ہی وہ دور ہے جس میں روس نے یونان کی حالت پر براہ راست اثر ڈالنا شروع کیا۔ ملکہ کیتھرائن نے استنبول فتح کرنے کا منصوبہ سوچا تھا اور چاہتی تھی کہ دین مسیحی کی حامی و نگہبان بن کر، یونانیوں کو اپنا حلیف بنالے۔ سنہ ۱۷۶۸ء میں روس و ترکی کے درمیان جو جنگ چھڑی اس میں ایک روسی فوج موریہ میں لنگر انداز ہوی اور یونانیوں کو سلطان کے خلاف ہتیار اٹھانے پر آمادہ کیا۔ خود موریہ والوں نے دیندار ملکہ پر جو بھروسہ کیا تھا اس کا بہت برا خمیازہ پایا اور انھیں حقیقت میں اپنے ستانیوالوں کے گویا حوالے کر دیا گیا کہ اچھی طرح بدلا لیں لیکن مجموعی طور پر یونان کے حق میں صلح کی شرطیں

عہدنامہ کینارجی سنہ ۱۷۷۴ء

بے حد مفید ثابت ہوئیں۔ عہدنامۂ کینارجی میں جس پر سنہ ۱۷۷۴ء میں دستخط ہوے روس کو یہ صریحی حق دے دیا گیا کہ ممالک دین یورپ کے مسیحیوں کی طرف سے باب عالی میں وکالت کر سکے۔ نیز اسی نے سلطان کو یونانی باشندگانِ جزائر کے ساتھ برتاو کرنے میں خاص خاص شرائط کا پابند بنا دیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: متعلق (زیادہ تر فنا پرستی نقطۂ نظر سے) بہت کچھ مختلف معلومات، ادبی تاریخ کیا تھا، رہینز ویس نرد لولس کی کتاب "کورولت اوور گریک" (مطبوعہ سنہ ۱۸۲۷ء) میں مل سکتی ہے۔ بالکل قریبی زمانے کا اسی موضوع پر ایک رسالہ از رہان کامیں نے بھی فرانسیسی زبان میں لکھا ہے (پیرس سنہ ۱۸۸۷ء) اور یہ زمانۂ جدید کے یونانیوں کی اس خصوصیت کا نمونہ ہے کہ وہ کسی فی الواقع بڑے کام اور بعض معمولی واقعات میں امتیاز کرنیکی قابلیت نہیں رکھتے۔

انھی فقرات سے روس کے ارباب ریاست نے سلطان کی رعایا کے ہر مسیحی کے بارے میں مداخلت کرنے کا عام حق قائم کر لیا۔ معاہدے نے بحر اسود کی بندرگاہوں کو روسی جہازوں کے واسطے بھی کشادہ کر دیا اور روسیوں کو تمام وہ تجارتی رعایتیں حاصل ہو گئیں جو کسی دوسری عزیز ترین قوم کو مرحمت ہوئی تھیں عله اس عہد میثاق کا ایک عجیب نتیجہ یہ ہوا کہ روسی حکومت نے صدہا یونانی جہاز والوں کو اجازت دیدی کہ وہ اپنے جہاز پر روسی جھنڈا لگا لیں اور اس طرح ہر عثمانی بندرگاہ میں یونانی تجارتی جہازوں کی حیثیت کچھ سے کچھ ہو گئی۔ وہ محاصل جن کی وجہ سے یونانی مسلمانوں کی نسبت خسارے میں رہتے تھے، غائب ہو گئے۔ سواحل ترکی پر روس کے صدہا قنصلی کارندے جن میں سے اکثر یونانی قوم ہی کے لوگ تھے، پھیل گئے۔ یہ سب یونانیوں کو اپنے روسی سرپرستوں سے وابستہ کرنے کے موقع ڈھونڈتے اور ہر وقت مستعد رہتے کہ اپنی نئی حاصل کردہ قوت کا ترکوں کو احساس کرا دیا جائے۔ لہٰذا انھوں نے عہد نامۂ کینارجی کے فقرات سے جن میں باب عالی نے اپنی مسیحی رعایا کے حقوق کے متعلق شرائط قبول کر لی تھیں، مستقل معانی پیدا کر لئے۔ تجارتی قیود سے آزادی اور اسی قدر کاروبار کے بحفاظت کر سکنے کے اطمینان سے یونانی سوداگروں کو بڑی قوت پہنچی۔ ان کے جہاز بڑے بننے لگے اور ان کی دوڑ جو پہلے لوانت کی حدود سے آگے نہ تھی اب انگلستان بلکہ امریکہ تک ہونے لگی۔ اور الجیریا کے بحری قزاقوں سے بچانے کے لئے، جہازوں میں کافی مقدار میں گولہ بارود رکھا جانے لگا۔

اٹھارویں صدی ختم نہ ہوئی تھی کہ روس و ترکی میں پھر جنگ چھڑی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحر اسود کے شمالی ساحل کا ضلع اوک زاکوف روسیوں کے قبضے میں آگیا جس نے یونانیوں کو ساری جنوبی روس کی تجارت غلے کا باربردار اور اسی کے ساتھ بیوپاری بنا دیا۔

اڈیسہ کی بنا ۱۷۹۲ء

اسی نو مقبوضہ ضلع میں شہر اڈیسہ کی بنیاد رکھی گئی اور وہ سوداگر جنھوں نے اسے آناً فاناً آسودہ و بارونق بنا دیا، روسی نہ تھے بلکہ یونانی تھے۔ ایک ہی نسل کی مدت میں تجارت کی صدہا یونانی کوٹھیاں جو پہلے

عله۔ زن کیسن: دگشیخت ڈس اوسما ٹیشن رِیکس، پنجم۔ ۹۵۹۔

تین ہزار پونڈ کو بڑا سرمایہ سمجھتی تھیں، اتنی دولتمند ہو گئیں کہ عظیم الشان لندن کے تجارتی کارخانوں سے برابری کا دعویٰ کرنے لگیں۔ انقلاب فرانس کی لڑائیوں کے اکثر حصے میں تُرک غیر جانبدار یا انگلستان کے ساتھ متحد رہے۔ اس سے بھی یونانیوں کو فائدہ پہنچا اور بہت سی تجارت جو پہلے فرانس یا اس کے مقبوضات کے ہاتھ میں تھی یونانیوں میں منتقل ہو گئی۔ اور یہ واقعہ تجارت میں ان کی روزافزوں دستگاہ کی دلیل تھی کہ اب بعید ممالک میں یونانی سوداگروں کے گشت کنندہ گماشتے پردیسی نہ رہے بلکہ خود کافی تعداد ان کے ہموطن یونانیوں کی ملنے لگی جو انگریزیا ولندیز سے خود اس کی زبان میں داد وستد کر سکتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ سب سے دولتمند یونانی یونان خاص کے باشندے نہ تھے بلکہ اوڈیسہ اور سلانیک کے رہنے والے تھے۔ لیکن ہدرا اور اسپٹ زا جیسے چھوٹے جزیرے بھی جو اُن موریہ والوں کے مامن بنے جن کا کیتھرائن نے ۱۷۷۰ء میں ساتھ چھوڑ دیا تھا اب دولت اور ولولے میں کسی سے ہیٹے نہ تھے۔ یہ البانی نوآبادیاں پسارا کے ساتھ ملکر جو خالص یونانی جزیرہ تھا، ایجین کی بحری طاقت کا سنگ بنیاد بن گئیں۔ عثمانی حکمراں کچھ تو اپنی تازہ شکستوں سے ڈرے ہوے تھے۔ اور عجب نہیں کہ کچھ یہ سمجھ کر خوش ہوے ہوں کہ یہ اُن کے مداخل میں توفیر کی صورت ہے۔ لہذا یونانیوں کے مسلح بیڑے کی افزونی میں انھوں نے کسی روک تھام کی کوشش نہ کی۔ عین سلطان کی آنکھوں کے سامنے ہدرا اور پسارا کے ناخدا جو عزم وہمت میں یونان قدیم کے فرماں روایانِ بحر سے کم نہ تھے توپ خانے کا وہ سازوسامان جمع کرتے رہے جس کے نصیب میں آگے چل کر عثمانی جنگی جہاز کی پوری ٹکر جھیلنا اور ایجین سے ترکی تجارتی جہازوں کا صفایا کر دینا بدا تھا۔ یونانی بغاوت ہونے سے اٹھارہ سال پہلے کورسے نے مغربی یورپ کو اپنے وطن کی ترقی پر متوجہ کرتے وقت یہ پُرمعنی الفاظ تحریر کئے تھے کہ "اگر حکومت عثمانیہ پیش بینی سے یہ اندازہ کر سکتی کہ یونانی لوگ صدہا جہازوں کا جن میں سے اکثر باقاعدہ طور پر مسلح کر لئے گئے ہیں تجارتی بیڑا تیار کرلیں گے، تو وہ اس کارروائی کو شروع ہی میں تہس نہس کر ڈالتی۔ اس بیڑے کے تیار ہو جانے کے نتائج یا اُن اثرات کا کوئی شخص اندازہ نہیں کر سکتا جو اس بیڑے سے ستم رسیدہ قوم یا اس کے ستمگروں پر پڑیں گے"۔[۱]

[۱] کورسے۔ "ہیموار..... دی لا گریک" جو لیٹر ے ان اے دی تے میں دوبارہ چھپے ہیں (صفحہ ۲۶۴)

بحر روم کے ہمسایہ ممالک کی مثل، انقلاب فرانس کی بعید گونج سے یونان میں بھی جوش وخروش پیدا ہوا۔ حقوق انسانی کے اعلان، ایک عتیق جمہوریت کے احیا، اور ہوک و بوناپارٹ کی فتوحات نے پے بہ پے اس قوم کے دلوں میں جوش کی آگ بھڑکا دی جو پہلے ہی ترکی جوئے کے نیچے بے چین ہو رہی تھی۔ یونان کی ساری امیدوں کا

انقلاب فرانس کا اثر یونان پر

مرجع اب تک روس تھا لیکن اب بعض فرانس کی طرف کھنچ گئیں۔ قدیم آزادی کے خیالات اور تماثیل کی اُس ملک میں رَو دوڑنے لگی جہاں زمین سے آسمان تک کلیسا کی فرماں روائی تھی پتواری تک اپنی کشتیوں کو مسیحی اولیا اور شہدا کے نام سے موسوم کرنے کے ساتھ ساتھ، اسپارٹہ اور ایتھنز کے سورماؤں سے منسوب کرنے لگے ۱۷۹۷ء میں وینس کا سقوط ہوا اور بوناپارٹ نے وینس کے یونانی مقبوضات یعنی جزائر آئی اونیہ پر اپنا قبضہ جمایا۔ فرانس کی حکومت میں آزادی کے کچھ رسمی آئین ضرور تھے۔ زانت کے باشندوں کو کم سے کم اتنی آزادی تو مل گئی کہ انھوں نے اپنے وینسی خداوندانِ نعمت کی پرشکوہ اُونی وستاروں کی آتش بازی بنائی۔ بہت کچھ ردوبدل ہوتا نظر آتا تھا اور یہ اس وقت تک کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا کہ فرانس والے انصاف کے لئے نہیں، کشورستانی کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ شاعر رہیگاس جو یونانیوں میں بغاوت کے ابتدائی جذبات کا ترجمان تھا، بوناپارٹ سے امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ تمام مسیحی آبادیوں کو جو مسلمانوں کے زیر حکومت ہیں، اُٹھ کھڑے ہونے کا اشارہ دے گا۔ یہ شخص دُور اندیش نہ سہی، اعلیٰ درجے کا بہادر ضرور تھا اور شہید ہو کر خدمتِ وطن انجام دے گیا یعنی وہ آسٹریا میں سلطان کی حکومت کے خلاف ریشہ دوانی کر رہا تھا اور غالباً فرانس کے سفیر وی آنا،

رہیگاس کی موت ۱۷۹۸ء

برناڈوت کے ساتھ مصروف سازباز تھا کہ تھوگٹ کے کارندوں نے اسے پکڑ کر ترکوں کے حوالے کر دیا مئی ۱۷۹۸ء میں اسے پانچ رفیقوں کے ساتھ موت کی سزا دی گئی۔ چند ہی روز میں رہیگاس کی نظمیں یونان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:- یہ یادداشت جسے کورے نے پیرس کے اہل علم کی ایک مجلس منعقدہ جنوری ۱۸۰۳ء میں پڑھا تھا، تاریخی ادب کی سب سے دلچسپ اور پُرراز معلومات گلکاریوں میں داخل ہے۔

بچّے بچّے کی زبان پر تھیں ہموطنوں نے انھیں بیش بہا تر کہ تصور کیا اور شاعر کو یہ حیثیت محبّ وطن زندۂ جاوداں کر دیا۔ لیکن جو کام رہیگاس نے شروع کیا تھا وہ اس کے مرنے کے بعد کچھ عرصے تک معلوم ہوتا تھا کہ زائل ہوا چاہتا ہے۔ بوناپارٹ کے حملۂ مصر کے عقب میں جو واقعات پے در پے پیش آئے ان سے یہ امیدیں مٹ گئیں کہ یونان کو جمہوریہ فرانس کے ہاتھوں آزادی نصیب ہو گی۔ طبقۂ اعلیٰ کے یونانی پادری، والتیئر کے بے دین متبعین کے ہاتھ رشتۂ اتحاد قائم کرنے کو نگاہ امتحان سے نہ دیکھتے تھے حتّیٰ کہ باب عالی کو ایک مسیحی بطریق ایسا بھی مل گیا جس نے اپنے نام سے ایک پندنامے میں دیندار عیسائیوں کو تنبیہ کی کہ وہ بغاوت کے گناہ سے احتراز کریں اور انھیں یاد دلایا کہ جس وقت شیطان ان میں لوتھری اور کالوینی ملاحدہ پیدا کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل بے کراں سے عثمانی سلطنت کو مسلط فرمایا تاکہ اصلی اور قدیم عقائد، مغرب کے الحاد و بدعات سے محفوظ و پاک رہ سکیں[۱]۔

۱۷۹۷ء سے صلح نامۂ پیرس کے وقت تک یونان میں انقلاب انگیزی کے جو خیالات اوّل اوّل پیدا ہوئے تھے، ان سے زیادہ ملک میں جزائر آئی اونیہ کے ردوبدل

جزائر آئی اونیہ ۱۷۹۷ء تا ۱۸۱۵ء

اور البانیہ میں علی پاشا کی اقتدار پذیری کا اثر پڑا۔ ۱۷۹۹ء میں ترکی اور روس کے متحدہ بیڑے نے فرانس کو اپنے مال غنیمت پر قبضہ جمانے سے باز رکھا اور زار و سلطان کی سرپرستی میں آئی اونیہ کے جزیروں میں ایک جمہوری ریاست قائم کی گئی۔ انھیں کے ایک جزیرے کارفو کے نظم ونسق سے کاپودس تریاس کی سیاسی زندگی شروع ہوئی اور جب معاہدۂ تلست کے وقت زار نے یہ جزیرے نپولین کو واپس دے دیئے تو کاپودس تریاس کی قابلیت سے

---

[۱] ملاحظہ ہو "کھیداس کالیاپت رکن" جسے یوروشلم کے بطریق انتی موس نے لکھا یا اس سے منسوب کر دیا گیا اور خاص "روضۂ مقدس کے خرچ سے" چھپا۔ صفحہ ۱۳۔ یہ نرالی کتاب جس کے آخر میں بطریق ٹیمو کی طرح تانیہ پیمائی پر اتر آیا ہے، برٹش میوزیم تک بھی پہنچ گئی۔ کورے نے اس کا جواب لکھا تھا۔ رہیگاس کے گیتوں کا عوام پر جو اثر ہوا تھا اس کے لیئے ملاحظہ ہو فوریل۔ دوم۔ ۱۸۱۔ مسٹر فن نے کا قول کہ انتی موس کی کتاب۔ وجینوس بلگاریس کے رسالے کا جو مذہبی رواداری پر لکھا گیا تھا، جواب ہے، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ رسالہ تیس برس پہلے لکھا گیا تھا۔

عام طور پر لوگ واقف ہو گئے تھے اور اس نے حکومت روس کی دعوت پر زار کی ملازمت
قبول کر لی۔ پھر اپنی نوبت پر انگریزوں نے بہ استثنائے کارفوان جزیروں کی ناکہ بندی کی
اور انھیں فتح کر لیا چنانچہ نپولین کے زوال دولت پر یہ انگریزوں کا مقبوضہ ہو گئے۔
اس طرح انیسویں صدی کے اوائل ہی میں یورپ کی تین بڑی سلطنتیں مشرقی اور یاتک کیلئے
ایک دوسرے سے حسد کرنے لگیں اور کچھ مغرور کچھ ان چلے یونانیوں کی فوج کی فوج کو
ان تینوں کی افواج میں نوکریاں مل گئیں۔ موریہ کا ایک کلفت اور آزادی کی جنگ کا
سب سے مشہور سردار تھیوڈور کلوکوٹرون ہی کئی سال ایک یونانی دستے کا جمعدار اور
انگریزوں کا تنخواہ دار ملازم رہا تھا۔ یورپ کی سلطنتیں تو اس طرح ایک دوسرے کے

علی پاشا ۱۷۹۶ء تا ۱۸۲۱ء

خلاف چالیں کر رہی تھیں، ادھر جزائر سے ملے ہوئے ملک میں علی پاشا
نہ خود چین لیتا تھا نہ اپنے ہمسایوں کو چین سے بیٹھنے دیتا تھا۔
سولیوت لوگ کئی سال تک دلیرانہ مدافعت کے بعد اس سے
مغلوب ہوئے اور ۱۸۰۳ء میں سب کے سب اُٹھ کر ائی اونی جزیروں میں آ بسے۔
اپی رس کے سرحدی اضلاع کا کوئی کلفت اور ارماتول ایسا نہ ہوگا جو علی پاشا کی فوج میں
رہ کر یا اس کے مقابلے میں لڑائی نہ لڑا ہو۔ کیونکہ ظلم و فریب سے اپنا اقتدار بڑھانے میں
علی پاشا، ترک ہوں یا البانی یا یونانی آج ان کا دوست تھا تو کل ان سے برسرپیکار
ہو جاتا۔ پورے عروج کے زمانے میں جنینا میں اس کا دربار جس قدر اسلامی تھا اسی قدر
یونانی بھی تھا۔ اپی رس کے اس پائے تخت کی بزم میں سپاہی، سوداگر، اساتذہ غرض
کہا جاتا ہے کہ سبھی قسم کے اشخاص نے چند روزہ بھاگ کھیلا اور جلد یا کچھ دیر میں چمک دکھا کے
غائب ہو گئے [1]۔ علی کی فوج میں بعض وہ سردار تھے جو یونانی بغاوت میں کولوکوترون کے
جنگی مدمقابل ثابت ہوئے اور ڈاکٹر کولیتس نے علی پاشا کا طبیب رہ کر ہی وہ رسوخ و تجربہ
حاصل کیا جن سے وہ بعد میں حکومت کی صدارت کے مرتبے پر پہنچا۔ سب کو یقین تھا کہ
البانیہ میں ایک فی الحقیقت آزاد ریاست کا قائم ہو جانا، بُرا ہو یا بھلا یونان کے
مستقبل پر گہرا اثر کئے بغیر نہ رہے گا۔ اور انجام کار جب علی نے علانیہ سلطان سے سرتابی کی

[1] لیک: "ٹریولز اِن ناردرن گریس" باب پنجم ۳۶ و ۳۷۔

اور ترکی فوجوں نے اسے قلعۂ جنینا تک بڑھکر گھیر لیا تو باب عالی اور سلطنت کے سب سے قوی حاکم کی آویزش سے یونانیوں کو موقع مل گیا کہ وہ اپنی آزادی کے واسطے تلوار سونت لیں۔

ہتیریا فلیک

وہ خفیہ انجمن جس نے یونان کی بغاوت کا آغاز کیا "ہتیریا فلیک" یا مجلس احباب کہلاتی تھی اور ۱۸۱۴ء میں اس وقت قائم ہوی جب صاف ظاہر ہوگیا کہ موتمر وی آنا باب عالی کی مسیحی رعایا کے لئے کوئی کارروائی نہیں کرے گی۔ انجمن کے بانی اڈیسہ کے سوداگر تھے اور معلوم ہوتا ہے اس کے سب سے پہلے شرکا بھی روس اور ممالک ڈینیوب کے یونانی لوگ تھے نہ کہ یونان خاص کے باشندے۔ سازش کا مقصد یہ تھا کہ ترکوں کو یورپ سے نکال باہر کیا جائے اور ایک یونانی سلطنت شرقی قائم کی جائے۔ اس کے نظما کی جماعت حیلہ سازی سے یہ ظاہر کرتی تھی کہ زار الکزنڈر درپردہ ان سے مل گیا ہے۔ اور یہ برجستہ قصہ بھی انھوں نے گھڑ لیا تھا کہ یونانی اشیائے قدیمہ کے تحفظ کی انجمن جس کے سلسلے میں کاپوڈس تریاس کو زار اور موتمر وی آنا کے دوسرے ممتاز شرکا کی سرپرستی حاصل ہوئی ہے حقیقت میں درپردہ یہی سیاسی انجمن ہے۔ سازش کے سرغنہ ہمیشہ اپنے آپ کو کسی بڑی گمنام قوت کے زیر ہدایت بتاتے۔ اپنے مقلدوں کو اس طرح فریب دینے میں انھیں اسی قدر کم باک تھا جتنا ترکوں کے قتل عام کا منصوبہ سوچنے میں یا خود اپنے کارندوں کا قصہ پاک کرنے کی تجویز میں جب ان کارندوں کو اپنے راستے سے دور کرنے کی منشا ہوجائے۔ ہتیریا کی آخری غایت نادرست اور اس کے عملی وسائل ایک ڈھونگ پر مبنی تھے۔ لیکن یونانیوں کو ترکی حکومت کے خلاف بھڑکانے اور اپنے وسائل و اقتدار کے متعلق اطمینان دلانے میں وہ پوری طرح کامیاب ہوی۔ چھ سال کے اندر ملک یونان یا قریبی ممالک کا ہر ممتاز یونانی اس انجمن میں شریک ہوگیا۔ ترکی حکومت کو آنے والے خطرے سے خبردار کیا گیا تھا لیکن اُس نے ان اطلاعوں پر کوئی اعتنا نہ کی اور کی تو اس وقت جب عین بغاوت برپا ہونے کا موقع آگیا۔ غالباً مسیحیوں کی حالت میں یہی بہتری دیکھکر، اور گذشتہ چند سال میں یونان میں کوئی خاص جور و تعدی کا واقعہ نہ ہونے کی بنا پر سلطان محمود کو کوئی تشویش اس طرف سے تھی تو دب گئی کیونکہ یہ سلطان اگرچہ آگے چل کر بلا کا جابر و دہشت ناک نکلا، اس وقت تک رعایا کی دردمندی کے جذبے سے عاری نہ تھا۔ مگر اصل یہ ہے کہ یونان کی تاریخ ہی نہیں

فرانس کی تاریخ بھی ہمیں بتاتی ہے کہ انقلاب، مظالم سے نہیں بلکہ مظالم کے احساس سے پیدا ہوا کرتا ہے۔ جور و تعدی سے ایک قوم اس درجہ پیس دی جا سکتی ہے کہ پھر ہر مصیبت کو صبر سے برداشت کئے جائے۔ ہاں جس وقت نبض کی رفتار میں پھر کھٹکا ہونے لگے، آنکھیں زمین کی طرف جھکی ہوئی نہ رہیں اور دوبارہ بُرے بھلے کا جوش انگیز امتیاز دل میں پیدا ہو جائے اس وقت آدمی کو کشمکش کا فرض اور حق بھی یاد آجاتا ہے۔

۱۸۲۰ء کے شروع میں یونان میں جوش و خروش اتنا عام ہوا کہ ہتیریا کے سرغنوں کو سنٹ پیٹرزبرگ میں اس روسی سرگروہ کی تلاش کرنی پڑی جس کا وجود اب تک محض خیالی تھا سلطنت شرقیہ کو بحال کرنے کی عزت کا جو شخص مستحق تھا اس کے انتخاب میں کوئی اختلاف نہ پیش آیا۔ کاپودس تریاس

کاپودس تریاس اور ہپ سی لانتی۔

یونانی آدمی، اسی کے ساتھ سلطنت روس کا وزیر خارجہ اور مدبرین یورپ کی صف اول میں استادہ تھا معلوم تھا کہ وہ یونانیوں کی مراد برآنے کا دل سے مشتاق ہے اور سب یہ بھی سمجھتے تھے کہ زار الکزنڈر کے مزاج میں اسے بہت درخور حاصل ہے۔ غرض ہتیریا کے وکیلوں نے اسی سے اپنی انجمن کا صدر بننے کی درخواست کی مگر کاپودس تریاس سے بڑھکر کوئی شخص اُن اثرات کی قوت کا صحیح اندازہ نہ جانتا تھا جو زار کو یونان کی مدد سے باز رکھنے میں پڑنے والے تھے۔ گذشتہ سال اس نے خود ایک رسالہ شائع کیا تھا جس میں اپنی ہموطنوں کو ہدایت کی تھی کہ جوش میں آکے کوئی غلط کام نہ کر بیٹھیں۔ اور ان سب ذاتی مصالح سے قطع نظر، غالباً وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ روس کا وزیر رہ کر یونان کے زیادہ کام آسکتا ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی جوکھوں کے کام میں شریک ہو جائے۔ بہرحال اس نے ہتیریا والوں کی دعوت رد کر دی اور وہاں سے ناکام ہو کر انھوں نے ایک فوجی سردار کا آسرا لیا جس کا نام شہزادہ ہپ سی لانتی تھا۔ یہ ایک یونانی جلاوطن اور روسی فوج میں خاص ممتاز آدمی تھا۔ اس کا دادا ولیشیہ میں ترکی صوبہ دار رہا لیکن پھر رہیگاس کی سازشوں کے سلسلے میں ترکوں نے اسے سزائے موت دی تھی۔ کہتے ہیں کاپودس تریاس نے بھی ہپ سی لانتی کو اس کام میں اقدام کرنے کی ہمت دلائی جسے خود کرنے سے انکار کیا تھا اور ہپ سی لانتی کا یہ یقین کر لینا جائز رکھا کہ اگر ایک مرتبہ یونان ہتیار سنبھال کر اٹھ کھڑا ہوا تو روس زیادہ عرصے تک دست امداد اٹھائے بغیر نہ رہیگا۔[1]

[1] ۔ مسٹر ڈل سوہن بارتھولڈی، گشیخٹ گریکن لینڈز۔ جلد اول۔ ۱۴۵۔ ہپ سی لانتی کے بھائی کے کاغذات کے

ہپ سی لانتی کو امید تھی کہ استنبول میں زار کی سفارش سے اس کی بہت بڑی جائداد اس کو واگذاشت ہو جائے گی مگر اس نے ان امیدوں کو قربان کر دیا اور ہتیریا کی سرگروہی قبول کر کے ایسے کام کا آغاز کیا جس کی کوئی قابلیت ظاہراً اس میں موجود نہ تھی، بجز شجاعت ذاتی کے جس کا مظاہرہ محاربات نپولین کے زمانے میں وہ ثبوت دے چکا تھا۔

اکتوبر ۱۸۲۰ء میں ہتیریا کے سرغنہ قصبۂ اسمٰعیل میں یہ فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ آیا ترکوں کے خلاف بغاوت کا آغاز یونان سے ہو یا ممالک ڈین یوب سے مولداویہ کے ہوس پو دار (یہ والی) سستوس کی فوج میں جو یونانی سردار تھے ان میں سے اکثر بغاوت میں شریک ہونے کے لئے تیار تھے۔ اور سوائے چند دستوں کے جو کوتوالی کے کام انجام دیتے تھے، ڈین یوب کے شمال میں کوئی ترکی فوج نہ تھی۔ کیوں کہ معاہدۂ بخارسٹ کی رو سے سلطان کا اقرار تھا کہ بغیر زار کی رضامندی کے ان ریاستوں میں ترکی سپاہی نہ بھیجے جائیں گے۔ یہ بات ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہو سکی کہ اہل سازش نے رومانیہ والوں کے اس تحریک میں آیندہ کوئی کارروائی کرنے کا کیا اندازہ کیا تھا؟ یہ تو یقینی بات ہے کہ ہتیریا کے شرکا کو یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی کہ اہل رومانیہ یونانیوں کے ساتھ کوئی حسن ظن رکھتے ہیں یا سلطان کے تخت پر کسی یونانی کو لا بٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اہل سازش نے تو اس حد تک ٹھیک راستہ اختیار کیا کہ اسمٰعیل کے جلسے میں ان کی رائے تھی کہ بغاوت کا آغاز کنار ڈین یوب کی بجائے پلوپونی سس میں ہونا چاہئے۔ لیکن ہپ سی لانتی کے ذہن میں روس کی امداد کا خیال سمایا ہوا تھا اس نے یہ فیصلہ رد کر دیا اور مولداویہ میں بغاوت کرنے پر تل گیا[۱] اس وقت خواہ مخواہ رومانی آبادی کے متعلق گفتگو آئی۔ یہ سب جانتے تھے کہ رومانیہ کے عام باشندے بویار (یعنی زمینداروں کے رئیسانہ مظالم کے شاکی اور گریاں تھے اور خود ان بویاروں کو یونانی ہوس پو داروں کی حکومت سے شدید نفرت تھی۔ لہٰذا ہپ سی لانتی کے مشیروں کو یہ تجویز پسند آئی کہ ولیشیہ کے کسان اول کسی وہیں کے سرگروہ کے ماتحت اپنی تکالیف

ہتیریا کے شرکا کا منصوبہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ :- حوالے سے اور یا اس کے علاوہ دیکھو پروکیش اوسٹن کی کتاب اب فال ڈر گریگین۔ اول ۔[۱۳]

۱۔ گورڈن : گریک ریولیشن ۔ اول ۔ ۹۶ ۔

رفع کرنے کی غرض سے آمادۂ جنگ کر دئے جائیں اور پھر یونانی آگے بڑھکر اس باغیانہ تحریک کو اپنی نگرانی میں لے لیں۔ ایک رومانی، تھیوڈور ولاڈی می رسکو جو روسی فوج میں ملازمت کرچکا تھا اپنے ہموطنوں میں بغاوت بپا کرادینے پر تیار تھا۔ اور ہتیریا کے اراکین کو یہ خیال نہ آیا کہ ممکن ہے ولاڈی می رسکو خود بھی کوئی مقصد علیحدہ رکھتا ہو یا یہ کہ رومانی باشندے یونانی اغراض کو ناکام رکھنے کے زیادہ خواہاں ہوں۔ گویا ہپ سی لانتی کو رومانی، اسلافی اور سلطان کی تمام مسیحی رعایا کو بیوقوف بنانے یا اُن پر اپنا حکم چلانے کا اس درجہ وثوق تھا کہ کسی پشتینی بادشاہ کو اپنے مذہبی حق کی بنا پر خود اپنی رعایا میں بھی اتنے اقتدار مطلق کا یقین نہ ہوگا۔ دھوکا دینے کے لئے دیسی باشندوں میں بغاوت انگیزی کی تجویز مرتب ہوی اور اسی کے مطابق عمل بھی کیا گیا۔ فروری ۱۸۲۱ء میں، ہپ سی لانتی روسی سرحد پر آکر موقع کا انتظار کرنے لگا اور ادھر ولاڈی می رسکو نے جاگیرداری حقوق کی منسوخی کا اعلان کرکے کسانوں کے جم غفیر کے ساتھ بخارست پر چڑھائی کردی۔ ۶ مارچ کو ہتیریا والوں نے اپنی بغاوت کا آغاز ایک ایسے خونی کام سے کیا جو مسیحی مقاصد کے لئے موجب شرم و رسوائی تھا۔ یعنی ان کے ایک شریک سازش کرا دیا اس نے جو ہوس پودار کی یونانی فوج کا گلاٹ زا میں قائد تھا۔ اپنے سپاہیوں کو آزاد کر دیا کہ جو ترک جہاں ملے ڈھونڈ ڈھونڈ کے مار ڈالا جائے۔ دوسرے ہی دن ہپ سی لانتی نے رود پرتھ کو عبور کیا اور کئی سو رفیقوں کے ساتھ جاسی پہنچ گیا۔

ہپ سی لانتی کا ورود رومانیہ میں مارچ ۱۸۲۱ء

اعلان شایع کیا گیا جس میں شہزادۂ ہپ سی لانتی نے باب عالی کی تمام مسیحی رعایا کو سرکشی کرنے کی دعوت دی اور وضاحت کردی کہ یورپ کی ایک بڑی سلطنت (جس سے اس کی مراد سلطنت روس تھی) میرے منصوبے کی حامی اور پشت پناہ ہے۔ سُت سوس نے جو اس وقت ہوس پودار یعنی ترکی والی تھا، تمام نظم و نسق باغیوں کے حوالے کردیا اور بہت بڑی رقم ان کی تحویل میں دے دی۔ دو ہزار مسلح اشخاص جن میں سے بعض باقاعدہ فوج کے سپاہی تھے، جاسی میں ہپ سی لانتی کے گرد جمع ہوگئے۔ اب ڈین یوب کے راستے اس کے سامنے کھلے ہوے مولداویہ کے تمام وسائل امداد اس کے ہاتھ میں تھے اور اگر وہ اسی وقت گلاٹ زا اور ابریلا میں کچھ فوج متعین کردیتا تو

شاید ترکوں کو ڈینیوب کے شمال میں فوج اتارنا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اس یونانی سالار کا ناکارہ ہونا اسی وقت ظاہر ہو گیا جب اس نے مہم کا آغاز کیا۔ ہفتہ بھر تک وہ جاسوسی ہی میں گشت کرتا، یا دربار آرائی اور عطائے خطابات میں مصروف رہا۔ اور پھر بخارست روانہ ہوا تو راستے ہی میں تین ہفتے لگا دئے۔ اس عرصے میں بغاوت کی اطلاع اور یہ خبریں کہ جعلسازی سے اس کے نام سے کام لیا جا رہا ہے۔ زار کو لائے باخ میں ملیں جہاں وہ مجلس مشاورۃ میں آیا ہوا تھا۔ زار اس وقت اپنے آپ کو دل و جان سے رجعت پسند میٹرنک کے اثر میں دے چکا تھا اور اپنے سپہ سالاروں کو احکام بھیج رہا تھا کہ ایک لاکھ روسی سپاہی لے جا کر پیڈمونٹ کی بغاوت کا قلع قمع کر دیں۔ وہ ہپ سی لانتی کا خط پڑھ کر بھی بہت

زار یونانی بغاوت سے تبرّی کرتا ہے۔

ناخوش ہوا جو طلب امداد کے لئے اس کے پاس بھیجا گیا تھا اور مدد اس بغاوت کے واسطے مانگی تھی جس کا حال بیان کرنے میں **اتحاد مقدس** کی اصطلاحات سے کام لیکر اول تو اسے الہامی خیال کا نتیجہ بتایا تھا اور آگے چل کر اسے خفیہ انجمنوں اور ہمہ گیر سازش کا حیرت انگیز کارنامہ دکھایا گیا تھا۔ زار نے خط کا جواب خشونت آمیز دیا۔ ہپ سی لانتی کو روسی خدمت سے برطرف کر دیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اپنے ہتیار ڈال دے پھر جاسی کے روسی قنصل نے ایک اعلان میں صاف صاف شایع کر دیا کہ زار اس کارستانی کو بالکل غلط اور مجرمانہ سمجھتا ہے جس کے سلسلے میں اس کا نام آغشتہ کیا جا رہا ہے۔ ادھر استنبول کے بطریق نے جو سلطان کے حضور میں محض بے بس تھا۔ بغاوت کے سرغنہ اور اس کے متبعین کو ذات باہر کر دئے جانے کا فتویٰ جاری کیا۔ چند ہفتے بعد لائے باخ کی مجلس مشاورۃ نے سرکاری طور پر بھی یہ فیصلہ کیا کہ یونانیوں کی بغاوت بھی اسی قسم کی شوریدہ سری ہے جس نے اطالیہ اور اسپین میں انقلاب بپا کئے [1]

ہتیار سے زار کی تبرّی، اس کی کامیابی کے حق میں بہت مہلک ہوئی یہ سچ ہے کہ ہپ سی لانتی نے دیدہ دلیری سے کام لیا اور حیلہ سازی سے یہی کہتا رہا کہ روسی حکومت کے یہ سرکاری اعلانات محض اصلی منشا کو چھپانے کی غرض سے، اور ان ہدایتوں کے خلاف ہیں

[1] بی اور ایف سرکاری کاغذات۔ ہشتم ۔ ۳-۱۲ ک

جو زار روس خود مجھے صیغۂ راز میں دے چکا ہے۔ لیکن اب کسی کو اس کی بات کا اعتبار نہ ہوا۔ رومانیہ والے یہ سنکر کہ اوس کی طرف سے کوئی مدد نہیں آرہی یا تو الگ ہو گئے اور یا اہل شورش سے دشمن کا سا برتاؤ کرنے لگے۔

بغاوت کی ناکامی

ترکی افواج نے ڈینیوب کو عبور کیا اور ہپسی لانتی بخارسٹ چھوڑ کے سرحد آسٹریہ کی طرف پسپا ہونے لگا۔ ولاڈی می رسکو اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ مگر کمک پہنچانے کے لئے نہیں بلکہ اب اس کا راستہ روکنے اور اسے ترکوں کے ہاتھ میں پکڑوا دینے کی غرض سے ہپسی لانتی کے سب سے دلیر رفیق جیورجکیس نے، جو اولمپس (یونان) کا باشندہ تھا، ولاڈی می رسکو کو خود اس کے مستقر میں پہنچ کر ذلیل کیا اور اس کی غداری شرکائے ہتیرا پر منکشف کر دی جو سرداران فوج کی حیثیت سے ولاڈی می رسکو کے گرد تھے۔ پھر اسے یونانی لشکر میں بھی لے آیا جہاں معلوم تھا کہ اس کا حشر کیا ہوگا۔ مگر یہ کارروائی محض فضول تھی۔ ولاڈی می رسکو کی موت کا جلد ہی انتقام لے لیا گیا۔ ترک آگے بڑھے ہپسی لانتی کو چند آویزشوں میں پے در پے شکست ہوئی اور وہ کمال بے غیرتی سے اپنے رفیقوں کو چھوڑ کر بھاگا کہ آسٹریہ میں اپنے لئے پناہ اور قید خانہ ڈھونڈ ے۔ اس کے سپاہیوں کے جوق جو بے والی وارث رہ گئے تھے مایوسی میں جانبازی سے لڑے اور بہت مہنگے مول اپنی جانیں بیچیں۔ پرتھ کے کنارے اسکولنی کے مقام پر چار سو آدمیوں کے دستے نے جب تک دشمن سے مقابلہ نہ کر لیا، روسی سرحد میں عبور کرنا منظور نہ کیا۔ ہر طرف سے گھر کر وہ اپنے سے دس گنے تعصب کرنے والوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ جیورجکیس نے قسم کھائی تھی کہ دشمن کے ہاتھ میں زندہ نہ گرفتار ہوگا۔ اور اس نے اپنی قسم پوری کی۔ ترکی سپاہیوں نے اسے خانقاہ کے ایک برُج میں گھیر لیا تھا۔ اس نے برُج کے دروازے اپنے ساتھیوں کیلئے کھولدیئے کہ جو بچ سکیں چلے جائیں۔ اور خود باروت کے ایک صندوق کو آگ لگا کر اپنے حملہ آوروں سمیت وہیں جل مرا۔

ہتیرا والوں کا ریاستہائے ڈینیوب پر وار بالکل ناکام رہا اور اس ناکامی کے ساتھ ہی یونانی سیادت میں سلطنت شرقیہ قائم کرنے کی امیدیں بھی ہمیشہ کے لئے مٹ گئیں

موریہ کی بغاوت ۲ اپریل ۱۸۲۱ء

لیکن اگر یہ منصوبہ جو بیرونی امداد کے فضول اعتماد، اور خود حاکم بن کر ایک غیر قوم سے کام لینے کے اندھا دھند یقین پر مبنی تھا۔ اس لئے

درہم برہم ہوا کہ شمالی ڈینیوب کے باشندوں نے بے اعتنائی برتی جو یونانیوں کو صرف بیدار اگر سمجھتے تھے تو یونانی قوم کا وہ حقیقی خروج ان کے اصلی وطن موریہ اور جزائر ایجین ہی میں رونما ہوا جو سرگروہوں کی عدم قابلیت اور صدیوں تک غلامی میں رہ کر ابھرنے والی قوم کی دون فطرتی، نااتفاقی اور ارتکاب جرائم کے باوجود یورپ کے آزاد ممالک میں ایک نئے ملک کا اضافہ کرنے والا تھا۔ ہپ سی لانتی کے مولداویہ میں خروج کرنے کے تھوڑے ہی دن بعد موریہ کے ترکی والی نے اپنے صوبے میں یونانیوں کی کسی عام بغاوت کی پیش بندی کرنے کے لئے اضلاع موریہ کے تمام پری میسٹون کو تری پولت زا میں طلب کیا کہ انھیں بطور یرغمال اپنی حراست میں رکھے۔ شمالی اضلاع کے پری میٹ روانہ بھی ہو گئے تھے لیکن راستے میں ٹھہر گئے اور بحث کرنے لگے کہ انھیں بغاوت کا علم بلند کر دینا چاہئے یا ابھی آیندہ واقعات کا انتظار کیا جائے مگر وہ مقام کلاورتیا پر اس لیس وپیش ہی میں رہے اور وہاں تمام موریہ کے لوگ ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ موریہ کے یونانیوں کی اپنے ستمگروں کے خلاف بغاوت کا مقصد معین شروع ہی سے قتل عام تھا۔ وہ اپنی لڑائی کے گیتوں میں بھی یہی گا رہے تھے کہ "اب موریہ میں، اور دنیا میں کہیں بھی ترک زندہ رہنے نہ پائے گا۔" اس خونی ارادے پر بغاوت کے ابتدائی ایام میں فی الواقع حرف بہ حرف عمل کیا گیا۔ ترک جو اپنے دیہاتی مقامات سے شہروں یا قلعوں میں جہاں حفاظت کا سامان تھا، فرار نہیں ہوئے ان پر یونانیوں نے حملہ کیا اور زن وبچہ، بوڑھا بالا، غرض ہر متنفس کو ذبح کر ڈالا۔ یہ انقلاب کا پہلا باب تھا پہلی مرتبہ فتنے کی آگ جا بجا ۲ اپریل کو بھڑکی اور اس تاریخ سے چند ہفتے کے اندر کھلے ہوئے دیہات میں یہاں سے وہاں تک، ترکی آبادی کی صفائی ہو گئی جو پچیس ہزار کے قریب تھی اور اس قوم کے بچے کھچے افراد، جو اب تک ملک پر مسلط تھے، نو اس تری پولت زا اور بعض اور شہروں کی فصیلوں میں جمع ہو گئے جنھیں یونانیوں نے بلا تاخیر ہر طرف سے گھیرنا شروع کیا۔[۱]

---

[۱] فن لے۔ اول صفحہ ۱۸۷۔ گورڈن: اول ۲۰۳۔ کے منڈلس رومن گشینحٹ گریکن لینڈ، اول ۱۹۱۔ پروکیش اوسٹن اب فال ڈر گریکن۔ اول ۲۰۔

موریہ کی بغاوت اور مسلمانوں کے ذبح عام کی خبریں استنبول پہنچیں تو دار الخلافت کے اہل الرّائے سراسیمہ وششدر رہ گئے اور سلطان محمود جوشِ انتقام سے بے قرار ہوگیا۔ یہ انتقام اپنی تندی میں شیر کا سا انتقام تھا لیکن اس پختہ مزاج اور بیدار مغز فرماں روا کے ہر پُرغضب کام کے مثل یہ انتقام بھی پوری طرح سوچ بچار اور جانچ تول کے لیا گیا۔

استنبول میں طوفانِ غضب

ہپسی لانتی کے کرتوت کے بدلے میں استنبول کے یونانیوں پر پہلے ہی بڑی شدتیں کی گئی تھیں اور بہت سے بے گناہ اشخاص جلّاد کے حوالے کئے جا چکے تھے لیکن عیسائیوں پر کسی عام حملے کی تجویز نہ ہوئی تھی اور نہ سزا دہی کا کام حکّام کے سواد و سرے ہاتھوں تک پہنچا تھا۔ مگر اب اسلامی آبادی کو آزادی دے دی گئی کہ کفّار پر اپنا غضب ڈھائے۔ سلطان نے اپنی رعایا کو حفظِ دین کے لئے ہتیار سنبھالنے کا حکم دیا۔ موت کی سزائیں اور بھی کثرت سے ملنے لگیں۔ عوام النّاس اور سپاہیوں نے بوسفورس کی یونانی بستیوں کو اجاڑ ڈالا۔ اور یونانی مذہب کے عین سب سے مقدّس دن وہ ضرب لگائی گئی جس نے سارے مشرقی یورپ میں سنّاٹا ڈال دیا۔ یعنی استنبول کا

بطریق کو پھانسی ۲۲ اپریل

بطریق وہ نماز جو عید استسقاد (ایسٹر) کی طلوعِ سبت کا افتتاح کرتی ہے پڑھا چکا تھا کہ بابِ عالی کے حاجب نے اسے مجلس کلیسا کے روبرو طلب کیا جو نہایت عجلت میں منعقد کی گئی تھی۔ وہاں سلطان کا ایک فرمان سنایا گیا جس میں گریگوریس چہارم کو غدّار بتایا اور عہدے سے معزول کیا گیا تھا۔ مجلس کو حکم تھا کہ اس کا جانشین منتخب کر لے اور اس نے تعمیل کی۔ جس وقت کہ دوسرے لاٹھ پادری کو خلعتِ بطریقی پہنایا جا رہا تھا۔ گریگوریس کو باہر کھینچ لائے اور وہی عید کا مقدّس جبّہ پہنے پہنے وہ اپنے محل کے پھاٹک پر پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کی لاش عید سبّت کے دن اور اس کے بعد دو دن تک وہیں لٹکتی رہی اور پھر یہودیوں کے حوالے کر دی گئی کہ اس کی بے توقیری کریں اور بازاروں میں گھسیٹ کر سمندر میں پھینک دیں اسی عید کے روز ادرنہ، سلانیک اور ترنودو کے صدر اساقفہ کو موت کی سزا دی گئی۔ گریگوریس کی سمندر میں بہتی لاش کو ایک یونانی جہاز نے اٹھا لیا اور اُڈیسہ پہنچا یا اور چونکہ مسیحی سرزمین تک اس کے پہنچ جانے کو کرامت سمجھا گیا۔ لہذا خود روسی حکّام نے شہدا کی مثل اعزاز واکرام کے ساتھ اس کی تجہیز تکفین انجام دی۔ گریگوریس کا ہتیرا اولوں کی

سازش میں حصہ ضرور تھا لیکن اسے بلا عدالتی تحقیقات کے مروا دیا گیا اور اُس کا جُرم خواہ کتنا ہی سنگین ہو، یہ قتل اس جُرم کی سزا میں نہیں بلکہ اس لئے کیا گیا کہ سلطان کی مسیحی رعایا کو مخوف کر دیا جائے[1]

آیندہ شہور میں، ایشیائے کوچک مقدونیہ اور خود شہر استنبول کے اندر مسیحیوں کے کئی قتل عام ہوئے اور یونانی گرجوں کو ان کے دشمنوں، یعنی یہود و ترک دونوں نے برباد و تاراج کیا۔ سمرنا، ادرنہ اور سلانیک کے یونانی حصے غارت کر دیئے گئے۔

مسیحیوں کے قتل عام اپریل تا اکتوبر

عوام الناس نے جن کا دَور دورہ تھا، ہزاروں کو قتل کیا یا غلام بنا کے بیچ دیا۔ آخر سلطنت روس کے آمادۂ جنگ ہونے کے خوف نے طوعاً وکرہاً سلطان کو آمادہ کیا کہ وہ اِن خوفناک بدعنوانیوں کا سدباب کر اور ان علاقوں میں جہاں بغاوت نہیں ہوئی تھی، پھر کسی حد تک وہ صورت بحال کرے جو تہذیب و تمدن کا لازمہ ہے۔ روس کا فرماں روا اگر رعایا کی مرضی پر چلتا ہوتا تو روسی قوم اور فوج بطریق کے قتل کا بدلہ فوری جنگ کے ذریعے لئے بغیر نہ رہتی۔ استنبول کے روسی سفیر اسٹروگونوف نے اُسی وقت دوسرے سفیروں سے تحریک کی تھی کہ مسیحی آبادی کی حفاظت کے لئے بالاتفاق اپنے اپنے جنگی جہاز طلب کر لیں۔ لیکن انگلستان کے وکیل لارڈ اسٹرینگ فورڈ نے متحدہ کارروائی کرنے سے انکار کر دیا اور اس سیاسی عہدہ دار کے طرز عمل نے باب عالی کو ہمت دلائی کہ روسی سفیر کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے۔ پھر ایک ایسا وقفہ بھی آیا جس میں مشرقی یورپ کے بڑے حصے کی قسمت کا مدار صرف ایک متلون مزاج شخص کے دل کی فوج پر آٹھیرا۔

ان واقعات کا اثر روس پر

یہ سچ ہے کہ زار جب تک لائے باخ میں رہا، پوری طرح یورپ کے رجعت پسندوں کی رائے اور اصول کے ساتھ رہا۔ اور اس اعلان کی بھی اُس نے تائید کی جس میں میٹرنک نے

---

[1] اس بیان میں اور ترکوں کے متعلق اکثر عبارتوں میں مولف کی رنگ آمیزی آشکارا ہے۔ طالب علم کو چاہیئے کہ مولف کی آرا ایک طرف اس کے بیان کردہ واقعات کو بھی بجنسہٖ تسلیم کرنے میں احتیاط کرے۔

مترجم

یونانی بغاوت کو اسپین اور اطالیہ کی شورشوں کے سلسلے میں یورپ کی نظر میں قابل نفرین ٹھیرایا تھا۔ لیکن سینٹ پیٹرز برگ واپس آنے کے بعد ان پردوں کے باوجود جو ہر شخصی بادشاہ اور اس کی رعایا کے اصلی افکار و افکار کے درمیان حائل ہوتے ہیں، اس تک ہر طرف سے وہ اثرات پہنچنے لگے جو لائے باخ کے ماحول سے بالکل متبائن و متضاد تھے۔ اطالیہ اور اسپین میں جو کچھ گذرا ان سے اہل روس کے جذبات برانگیختہ نہ ہو سکتے تھے روسی ملّا، سپاہی اور کسان متحدہ مداخلت کے نظریوں کو یا نپیلز کی مطلق العنانی بادشاہی اور ۱۸۱۵ء کے معاہدوں سے اس کا تعلق سمجھنے سے بالکل قاصر تھا مگر جب اس نے سنا کہ اس کے مذہب کا بڑا پیشوا سلطان کے حکم سے پھانسی پر لٹکا دیا گیا، یا اس کے دینی بھائی مذہب کی خاطر بے یار و مددگار کشمکش کر رہے ہیں، تو اس کا خون جوش مارنے لگا۔ قوم کے دل کی اس تپش کی گرمی الکزنڈر کو بھی محسوس ہوئی۔ اس کی زندگی میں ایک زمانہ تھا جب کہ صرف ایک گھنٹے کے جوش جذبات یا مدلل و سکت ترغیب نے اسے تیار کر دیا تھا کہ سارے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھکر اپنی حلیفوں کے خلاف نپولین کے ساتھ ہو جائے۔ اور ۱۸۲۱ء میں بھی بعض لوگوں کو یقین تھا کہ زار یک بہ یک میٹرنک سے جتنے قول و قرار کئے ہیں، سب سے ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو جائے گا اور مذہبی جوش سے وارفتہ قوم اور فوج کو ہمراہ لے کر ترکوں پر جہاد بول دے گا۔ ادھر سلطان محمود نے خود وہ کام کئے جس سے روس کے طالبان جنگ کو موقع مل گیا کہ یونان کے معاملات سے قطع نظر، خود روس کی عزت و اغراض کے نام سے سلطان کو مورد اعتراض بنائیں۔ ہوا یہ کہ بعض مشتبہ اشخاص کو فرار نہ ہونے دینے کی غرض سے باب عالی نے حکم دیا کہ روسی جہازوں کی استنبول میں تلاشی لی جائے اور بحر اسود سے غلّے کے جتنے جہاز آئے سب کو مجبور کیا کہ اپنا مال باسفورس پر اتار دیں کیونکہ ترکی حکّام کو اندیشہ تھا کہ کہیں استنبول کی رسد کو یونانی جہاز راستے میں غارت نہ کر دیں جو اس وقت بحر ایجین پر چھائے ہوئے تھے۔ دوسرے از روئے معاہدہ روس کو یہ اصرار کرنے کا حق تھا کہ ریاستہائے ڈینیوب پر دیوانی عمّال یعنی ہوس پودار حکومت کریں نہ کہ ترک پاشا۔ لیکن ولیشیہ کی بغاوت فرو ہونے کے بعد بھی نظم و نسق ہوس پوداروں کے حوالے نہ کیا گیا بلکہ ترک قائدین فوجوں سمیت ملک میں موجود اور جنگی قانون کی رو سے حکومت کرتے رہے۔ یہ سب واقعات ایسے تھے کہ روسیوں کو کم سے کم

دکھا دے سکے لئے رنج و شکایت کا موقع مل سکتا تھا۔ گویا اُن مظالم کے علاوہ جن سے سارے یورپ کا دل ہل گیا، زار کو خود روس کی عزت و توقیر کو صدمہ پہنچنے کی بھی تلافی کرنی تھی۔ ادھر سینٹ پیٹرز برگ میں کاپو دس ترپاس کی پھر کمان چڑھنے لگی۔ الغرض، ایک مراسلہ استنبول روانہ کیا گیا جس میں تحریر تھا کہ باب عالی نے دین مسیحی کے لئے موت یا زندگی کی جنگ چھیڑ دی ہے اور اب حکومت ترکی کا دولِ یورپ میں شمار ہونا خواہ نخواہ اس امر پر منحصر ہو گیا ہے کہ وہ ان گرجوں کو جو منہدم کئے گئے ہیں، دوبارہ بنوائے، اور مسیحی عبادات میں کسی قسم کا خلل نہ آنے کی ضمانت دے اور نیز اس بات کا اطمینان دلائے کہ سزا دینے میں گنہگار و بے گناہ میں قرار واقعی امتیاز کرے گی۔ یہ آخری شرطیں پیش کرنے کے ساتھ اس ٹر وگونوف نے حسب ہدایت، مطالبہ کیا کہ آٹھ دن کے اندر جواب مل جائے۔ مگر کوئی جواب نہیں دیا گیا اور ۲۷ جولائی کو سفیر نے استنبول کو خیرباد کہی معلوم ہوتا تھا کہ اب جنگ چھڑنے میں کچھ دیر باقی نہیں ہے۔

روسی سفیر استنبول سے رخصت ہوتا ہے۔ ۲۷ جولائی

وہ پائے تخت جہاں ان واقعات کو سب سے زیادہ خوف و تشویش کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا، وی آنا تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی قسمت ہمیشہ سے دولت آسٹریہ کے حال سے وابستہ رہی ہے۔ اور ہر چند خاندان ہیپس برگ کی نپولین سے جد و جہد اور قریب زمانہ میں پروشیہ اور اطالیہ سے معرکہ آرائیوں نے اس کی مغربی حکمت عملی کے پہلو کو مشرقی کی نسبت زیادہ نمایاں اور متعارف کر دیا ہے لیکن خود آسٹریہ کے حکمران ہمیشہ اپنی مشرقی اغراض کو کم سے کم مغربی کے برابر ہی اہم سمجھتے رہے ہیں۔ سنہ ۱۸۲۰ء سے قبل ترکی کی اصلی دشمن اور مشرقی یورپ کی کشورستان قوت، روس نہ تھا بلکہ دولت آسٹریہ تھی۔ سنہ ۱۷۸۰ء کے بعد بھی آسٹریہ کے بادشاہ جوزف نے روس کی کیتھرائن کے ساتھ ساز کیا اور سلطان کے یورپی مقبوضات کو بانٹ کھانے کی تجویز سوچی بلکہ اسی غرض سے جنگ کا بازار گرم کیا تھا۔ ۱۷۹۵ء میں تھوگٹ نے اسی غرض کو پیش نظر رکھکر اس اتحاد کی تجدید کی اور ۱۸۰۹ء میں معاہدہ تلست ہوتے ہی میٹرنک نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر فرانس و روس کا متحدہ حملہ ترکی پر روکنے کی کوئی تدبیر نہ چل سکے تو خود بھی ترکی کا خاتمہ کرنے میں ان کا شریک ہو جائے۔ لیکن یہ فیصلہ میٹرنک نے صرف لاچاری کی صورت میں کیا تھا

آسٹریہ کی مشرقی حکمت عملی

کیونکہ مذکورۂ بالا اتحاد سے خود آسٹریہ کی شہنشاہی کی خیر نہ رہتی۔ پھر ۱۸۱۴ء سے تو ٹرکی کی قطعی رائے جس میں کوئی تغیر نہ ہوا یہ ہو گئی تھی کہ دولت عثمانیہ قائم رہے اصل میں اس کے تدبّر کا گُر عام طور پر خوف ہوتا تھا اور اب الکزنڈر سے اس کو نپولین کے پہلے ہوے کی نسبت کچھ ہی کم ڈر ہوگا۔ وہ زمانہ جب جوزف اور تھوگٹ روسیوں کے ساتھ مل کر لوٹ مار میں برابر کا حصہ لینے کی ہنڈیا پکایا کرتے تھے، اب گذر چکا تھا۔ آسٹریہ کی نوج گذشتہ بیس سال کی لڑائیوں میں ہر جگہ پٹتی رہی۔ صوبے پہ صوبہ اس سے الگ ہوتا گیا بجز ٹائرول کے جہاں کے باشندوں نے اس کی حمایت کی پس ۱۸۲۱ء میں یہ وزیر جب آسٹریہ کی یورپ میں حیثیت حاضرہ اور اصلی مقبوضات کا، جو اسی کے حسن تدبیر کی بدولت ہاتھ آئے اور باقی تھے، اُس تباہی سے مقابلہ کرتا جس سے آسٹریہ کو مسلسل لڑائیوں کے باعث دس سال پہلے سابقہ تھا تو تعجب کیا ہے اگر وہ خدا کا شکر کرتا کہ ابھی تک ممالک یورپ کے ارباب مشاورۃ شاہی حکمتوں سے اس قدر موافق ہیں۔ نیز موریہ کے بعید گوشے میں تلوار کی جھنکار سن کر کانپ اٹھتا تھا کہ کہیں یہ قضیہ نپولین کے زیر کرنے والے اہل شمال (= روسیوں) کو پھر میدان جنگ میں نہ لا کھڑا کرے[1]

انگلستان کی مشرقی حکمت عملی

روس کے ایجین کی طرف پاؤں پھیلانے سے انگلستان کو آسٹریہ کی مثل کوئی واقعی خطرہ نہ تھا لیکن ۱۷۸۸ء سے جب کہ پٹ نے ہولینڈ اور پروشیہ کے ساتھ اس غرض سے اتحاد ثلاثہ قائم کیا تھا کہ کیتھرائن اور جوزف کے متحدہ حملوں سے باب عالی کو بچایا جائے۔ انگلستان کے اہل الرائے روسی طاقت کی روز افزوں ترقی کو خوف و وحشت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اس سے قبل سلطنت عثمانیہ کو برقرار رکھنے کی غرض برطانیہ کے اصول عمل میں داخل نہ کی گئی تھی اور نہ گروہ ’وہگ‘ نے ۱۷۹۱ء ہی میں اس کا اعتراف کیا۔ پٹ کے اس اتحاد پر زور دینے کا باعث دول یورپ کا توازن رکھنے کی مصلحتیں اور ہمارے زمانے کی طرح، اس کا کوئی تعلق ہمارے ہندوستان میں اقتدار رکھنے سے نہ تھا جیسا کہ آج کل ہو گیا ہے۔

[1] میٹرنک۔ سوم۔ ۶۲۲ و ۷۱۷۔ پروکش اوسٹن۔ اول ۲۲۱ و ۳۰۳۔ بی اور ایف کاغذات سرکاری مختم ۱۳۴۷۔

۱۷۹۲ء سے ۱۸۰۸ء تک کے واقعات نے انگلستان و روس کو قدرتاً ایک دوسرے کا دوست بنا دیا لیکن عہد نامۂ تلسٹ نے اس دوستی کو دشمنی سے بدل دیا اور گو چند سال بعد الگزنڈر پھر اسی غرض کے لئے لڑ رہا تھا جو انگلستان کا سبب جنگ آرائی تھی اور انگلستان میں عام طور پر محاربات ماسکو کے نتائج پر شادیانے بجائے گئے مگر انگلستان کے ارباب بست وکشاد دو دشمن کی ملاقات کو کبھی نہ بھولے اور فتح و کامرانی کے وجد آور موقعوں پر الگزنڈر کی نسبت کچھ نہ کچھ سوئے ظن ان کے باطن میں خلش پیدا کرتا رہا۔ ۱۸۱۴ء کے فرانس کے معرکوں میں کاسل ریا کی بونا پارٹ کے ساتھ معاملہ کر لینے کی آمادگی کی بھی بہت کچھ وجہ یہی خوف تھا کہ نپولین کا قلع قمع ہونے سے پہلے ہی الگزنڈر کے اونچے چڑھے ہوئے ارادے وہم سے نیچے آ رہیں گے اور پھر ان سے اگتا کر وہ اس سے بھی بدتر صلح پر تیار ہو جائے گا جس پر آج اظہار حقارت کر رہا ہے [۱] پھر موتمر وی آنا کی گفت وشنید تو روس و برطانیہ کلاں کو، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مخالفت کے ایسے نقطے پر لے آئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا اس کا فیصلہ تلوار ہی کرے گی۔ اور وہی کشیدگی جو اُس وقت اور کچھ عرصے بعد تک ان دونوں سلطنتوں میں رہی دراصل سبب تھی کہ انگریز وزرا۔ روسی اور برطانوی قوم کی باہمی عداوت کا ایسے لب ولہجے میں اظہار کرتے رہے جو یقیناً غلو آمیز اور مغالطہ انگیز تھی۔ ۱۸۱۵ء سے ۱۸۲۲ء تک زار کی ایک ایک حرکت کو بدگمانی کی نظروں سے گھورا گیا۔ بار بار افواہیں اُڑیں کہ الگزنڈر سلطنت عثمانیہ پر فوج کشی کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور جس وقت یونانیوں کی بغاوت بپا ہوئی تو کاسل ریا اور اس کے ساتھی وزیر سب کو ایک ہی فکر تھی کہ جس طرح ہو سکے روس کو اس مجادلے میں ہاتھ ڈالنے سے قطعاً باز رکھا جائے اور وہ اس خیال پر متفق تھے کہ برطانیہ کی اغراض کا تقاضا یہی ہے کہ سلطان کی حکومت اپنے ممالک میں جس قدر جلد ممکن ہو دوبارہ بحال ہو جائے۔

اس طرح، لندن اور وی آنا دونوں جگہ یونان کی بغاوت کو نہایت شر انگیز ہنگامہ سمجھا گیا جس سے روس اور اس کے ہمسایوں میں جنگ چھڑ جانے اور پھر سارے یورپ کا

---

[۱] ریکو رڈز، کون ٹی نینٹ۔ جلد سوم۔

تازہ جنگ کے اندیشے

امن معرض خطر میں پڑ جانے کا قوی احتمال تھا۔ لوگوں کو یہ بات شاید قابل حیرت نظر آئے کہ ایک قوم کی حصول آزادی کی جدوجہد پر یہ سوال تک کسی کے ذہن میں نہ آیا کہ بغاوت کرنے والوں کے حقوق بھی قابل لحاظ ہیں یا نہیں؟ لیکن کم سے کم ۱۸۲۱ء کے وزرائے برطانیہ کے متعلق تو یہ یاد رکھنا عین انصاف ہوگا کہ بیس سال کی پیہم جنگ یورپ نے جو ۱۸۱۵ء میں ختم ہوئی، بلا کے دل ہلا دینے والے واقعات ان کے صفحۂ خاطر پر نقش کر دیئے تھے اور وہ کسی طرح نہ بھول سکتے تھے کہ اگر یونان کی کوشش احیا کے طفیل، دول عظمیٰ دوبارہ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو جائیں، جیسا کہ قرینہ نظر آتا تھا اور جنگی زبردستی اور دست درازی کا وہی جذبہ پھر بھڑک اٹھے جس نے ایک قرن تک یورپ کو حریفانہ فریق بندی کا آماج گاہ بنائے رکھا، تو یونان کی جیت تمام نوع انسان کے لئے کتنی مہنگی پڑے گی۔ وہ خط پڑھ کر جس میں کاسل ریا نے زار سے التجا کی ہے کہ یورپ کے قیام امن کی خاطر اپنی ناموری اور ہر دل عزیزی کو تصدق کر دے یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہ ہو جائے کہ یہ انگریز مدبر واقع میں دل سے متمنی تھا کہ جس طرح ہو سکے دَور معاندت کو از سر نو عود کرنے سے روکے۔ اور کس قدر اندیشہ مند تھا کہ روسی قوت کے بڑھنے کا محض حسد کیا کیا کچھ مصائب کا پیش خیمہ نہ ثابت ہوگا[1]۔ اگر اُسے یونان کی طرف التفات نہ ہوی، تو اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ یورپ کی وسیع تر مصالح نے اس کی توجہ کو جذب کر لیا تھا اور اتنی ذکاوت و دور بینی اس میں نہ تھی کہ وسعت پذیر قومی حقوق کو تسلیم کرنے کے ساتھ یورپ کے عقدوں کو کسی بہتر طریق پر حل کرنے کی تدبیر سوچ لیتا۔ اس پیچیدگی میں آسٹریہ کا وزیر، کاسل ریا کو اپنا قدرتی حلیف نظر آتا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یورپ میں ہل چل مچ جانے کا اسے بھی اتنا ہی خوف تھا جتنا کاسل ریا کو لیکن اسی خوف کے پہلو بہ پہلو اس کی دوسری مصلحتیں بھی شامل تھیں جو یقیناً بہت تنگ نظری پر مبنی تھیں۔ یہ کہنا کہ میٹرنک یونانیوں کے مقاصد سے بے پروا تھا۔ درست نہیں۔ وہ فی الواقع اس یونانی تحریک کا دشمن تھا

میٹرنک اور یونانی

کیونکہ اسی سے جرمانیہ کی آزادہ روی کو تحریک و تقویت پہنچتی تھی۔

[1] کاسل ریا: ہفتم ۱۶ - میٹرنک - سوم ۵۰۴ -

انسانی عمل کے متعلق میٹرنک کے تھوتے اور پُرطمطراق فلسفے میں، قومی جذبات اور برانگیختگی کی ہر شکل، احمقانہ خود پسندی اور بیہودگی کی فہرست میں داخل تھی۔ جذبۂ آزادی کے جو احسانات نوع بشر پر ہیں، وہ ان کا کوئی ادراک نہ رکھتا تھا۔ وہ انگلستان کے قانون اصلاحات کی شر انگیز تجویز پر اصولی اعتراض کرنے کے لئے جس قدر مستعد تھا اتنا ہی یہ پتہ چلانے کے لئے تیار تھا کہ سروِیہ یا موریہ کے ہر فساد میں کاپودس تریاس کا ہاتھ ضرور ہے۔ اور اگر روسیوں کی چیرہ دستی کا بعید خطرہ اس وقت موجود نہ ہوتا تو بھی یہ دیکھکر کہ جرمن کلّیات کے ناعاقبت اندیش اساتذہ یونانیوں کی حمایت میں شورش کرنے لگے۔ نیز سرکش چھوٹی ریاستوں میں باغیوں کے ساتھ کسی قدر ہمدردی پیدا ہوگئی، وہ طبعاً یونانی بغاوت کو فتنہ قرار دیتا۔

مسائل مشرقیہ کے متعلق میٹرنک کی حکمت عملی کا منشا یہ تھا کہ صورت حالات جیسی تھی اسی طرح برقرار رکھی جائے اور چونکہ یہ یقینی بات تھی کہ روسیوں کے غرور وناز کو جو صدمہ پہنچا اس کی تلافی کرنی پڑے گی لہٰذا میٹرنک کا مشورہ یہ تھا کہ زار کی وہ شکایات جو خاص سلطنت روس سے متعلق ہیں، وضاحت کے ساتھ یونانی آزادی کے مسائل سے علیحدہ کرلی جائیں۔ اور ان پہلی شکایات کے بارے میں ممالک یورپ ایک معین حد تک زار کی تائید میں باب عالی سے سفارش کریں کہ وہ جلد سے جلد اپنے حریف سے مصالحت کرلے۔ تاکہ روس کی شکایت کے اسباب دور ہوجائیں تو الکزنڈر بلا اپنی کسی شکی کے یونانیوں کو مغلوب ہوجانے دے اور استنبول سے اپنی سیاسی تعلقات بحال کرلے جو اس ٹروگونوف کے رخصت ہوجانے سے خطرناک طریق پر منقطع ہوگئے تھے۔

یہ ہوجانے کے بعد اس بات کا فیصلہ کرنا زار کی مرضی پر منحصر تھا کہ آیا روس کے فرماں روا اور مشرقی عیسائیوں کے سرپرست ہونے کی حیثیت سے وہ مسئلۂ شرقیہ کا حل خونریز شمشیر کرے یا اُس اشتراک عمل کے اصول اور مطمح نظر کے مطابق جس کا ۱۸۱۵ء سے وہ ایسا پرجوش معتقد رہا تھا، اپنے مقصد کو بھی یورپ کے مشترکہ غور و بحث کے واسطے چھوڑ دے اور اس کے حلیف زیر نظر مسائل کا جو کچھ فیصلہ کریں اسے قبول کرلے۔ اس آخری صورت میں یہ صاف دکھائی دیتا تھا

الکزنڈر امن و آشتی پر قائم رہتا ہے

کہ یونان کی حمایت میں کوئی حربہ نہیں چلایا جائے گا۔ بہرحال، ایک سال تک دونوں پلڑے برابر تلے رہے اور بالآخر آسٹریہ کی مجلس وزارت میں فتح کے شادیانے بجتے سنائی دئے۔ واضح رہے کہ سینٹ پیٹرز برگ میں یونانی اغراض کے وکیل کاپودس ترباس کو زار کے دل میں جو مخالف لہریں اُٹھ رہی تھیں ان کی قوت کا صحیح اندازہ تھا۔ وہ تاڑ گیا کہ جب الکزنڈر کو اسپین و اطالیہ کے معاملے میں اسی قدرت شغف ہے تو دول یورپ کے اس اتحاد سے وہ کبھی اپنا تعلق قطع نہ کرے گا جسے خود اس نے قائم کیا ہے اور نہ واٹنٹ جائز کے وہ اثرات اس کے دل سے محو ہوں گے جو شاورۂ اے لاشاپل کے بعد سے اس پر طاری ہیں۔ پس جب دلیل و حجت کوئی نہ چل سکی تو اس نے سر اطاعت خم کر دیا اور عہدے سے معزولی کو آنکھوں کے سامنے دیکھکر اس نے ازخود سیاسی معاملات سے دست کشی کر لی اور اپنی عزت و شہرت کا بھرم بنائے ہوئے ظاہرا رخصت سرکاری لے کے

کاپودس ترباس کی کنارہ کشی اگست ۱۸۲۲ء

سینٹ پیٹرز برگ سے چلا آیا اور جنیوا میں گوشہ نشیں ہو کے منتظر رہا کہ آیندہ کیا صورت پیش آتی ہے۔ کنارہ کشی کی بدولت اسے ایک محب وطن کہلانے کا بھی امتیاز حاصل ہوا جس سے یونان کی محبت کے لئے یورپ کے ایک اعلیٰ ترین عہدے کو چھوڑنا پڑا۔ پھر جب تک مغلوب غالب نہ ہو گئے اور آزاد شدہ قوم نے خود اسے اپنی صدارت قبول کرنے کی دعوت نہ دی، کاپودس ترباس گوشۂ عزلت میں متانت و افسردگی کی ایک رہبانی زندگی بسر کرتا رہا گویا اپنے وطن کے مصائب و آلام میں خود بھی حصہ دار ہے۔

۱۸۲۱ء میں ممالک یورپ کے درمیان سیاسی گفت و شنید کی گرمجوشی کا ایک طویل و مدید طوفان بپا ہوا لیکن ہتیاروں کی جنگ میٹرنک کی خواہش کے مطابق یونانیوں اور ترکوں ہی کے واسطے چھوڑ دی گئی۔ جنگ کا پہلا ٹکڑا موریہ کی بغاوت تھی۔ دوسرا

یونانی بغاوت کا پھیلنا

ٹکڑا، بغاوت کا یونان کے شمالی حصص اور جزائر میں وسیع ہونا تھا جہاں بعض اضلاع میں ترکوں نے اس کا بے تکلف اس طرح خاتمہ کیا کہ پھر وہ آیندہ جنگ کے اکھاڑے میں کوئی حصہ ہی نہ لے سکے۔ اور اسی لئے آخرکار جو آزاد مملکت یونان بنی اس میں شامل نہ کئے گئے۔ وسطی یونان، یعنی خلیج کورنتھ سے ملے ہوئے شمال کے علاقے، میں موریہ کی بغاوت کے چند ہفتے بعد فتنہ بپا ہوا اور

یہاں بھی مسلمانوں کے ساتھ اسی قساوت قلب کا برتاؤ ہوا جیسی موریہ میں دکھائی گئی تھی

وسطی یونان۔

یعنی ذکور عام طور پر ذبح کر دیئے گئے اور عورتیں اگر قتل نہ کی گئیں تو زیادہ تر غلام بنا کے فروخت کر دی گئیں اور جب تین سال کے وقفے کے بعد لارڈ بائرن مسولونگھی میں آیا تو اس شہر کی ساری ترکی آبادی کی یادگار صرف تیئیس اسیر عورتوں کا ایک مظلوم و خستہ حال گروہ باقی تھا۔ تھسلی کا ملک بعض مستثنیات کے سوا، شریک نہ ہوا اور اس کے میدان عمل میں نہ آنے سے ترکوں کو اپنے مقاصد میں حد درجے مدد ملی۔ کیونکہ علی پاشا کو اُن دنوں سلطانی افواج نے اپی رس میں گھیر لیا تھا اور تھسلی کے لوگ سلطان کے خلاف عقب میں اُٹھ کھڑے ہوتے تو خود سلطانی افواج کا سلامت نکل جانا دشوار تھا۔ ینینیا کے محاصرے کا انتظام عثمانی سپہ سالار خورشید کے سپرد تھا اور گو اس کا سلسلۂ رسل و رسائل خطرے میں تھا اور گو اس کا تمام گھر بار موریہ کے باغیوں کے ہاتھ پڑ گیا تھا بایں ہمہ یہ سپہ سالار اپنی جگہ پر جما رہا اس کی پامردی کی بدولت سلطنت عثمانیہ کے سرحدی صوبے بچ گئے۔ علی پاشا اور یونانیوں میں کوئی اجتماع نہ ہوا اور ۱۸۲۲ء کے آغاز میں اس البانی سردار کو اپنے قلعے اور زندگی دونوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔

علی پاشا کا مارا جانا فروری ۱۸۲۲ء

ساحل مقدونیہ پر، کالکی ڈیس کے دور دست اضلاع میں جہاں کوہ اتھوس کی راس اور دو قطعے سمندر کے اندر متوازی شکل میں آگے بڑھے ہوئے ہیں، یونانی آبادی بستی تھی اور اندرون ملک کے اسلافی باشندوں سے بیّن طور پر الگ تھی۔ اس نے اپنی قومی اور مذہبی تنظیم کو قائم رکھا تھا۔ اس موقع پر ہیتیریا کے سرغنوں کے ماتحت اس نے بھی ترکوں سے بغاوت کی۔ کوہ اتھوس کے راہبوں نے اپنے ہمسایوں کی مثل ہتیار اٹھائے۔ لیکن خانقاہوں کے ذی امتیاز مسند نشینوں اور ان جانباز لوگوں میں کوئی مناسبت اور موانست نہ تھی جو بغاوت بپا کرانے کے لئے باہر سے آئے تھے۔ لہذا یہ کشمکش جلد ختم ہوگئی۔ اور کچھ تلوار کے زور سے کچھ گفت و شنید کے ذریعے سلطانی اقتدار بلا خاص وقت کے اس پورے علاقے میں بحال ہوگیا۔

کالکی ڈیس

ایجین کی بستیوں میں بغاوت کا جھنڈا سب سے پہلے ہدرا، اسپتزا اور پسارا میں

بلند کیا گیا جو "جہازی جزیرے" کہلاتے تھے اور جہاں ترکی آبادی کے موجود نہ ہونے اور ایک صدی کی مقامی خود مختاری نے موقع دیا تھا کہ لوگوں میں کسی مستعد بحری قوم کے

جزائر ایجین

بہترین اوصاف پورے شدّ و مد سے نشو و نما پا جائیں۔ ہدرا اور اسپتزا ساحل یونان کے قریب تھے لیکن پسارا مجمع الجزائر کے دوسرے سرے پر گویا بالکل ایشیائے کوچک کے سامنے تھا۔ اسی لئے یہاں کے باشندوں کا شریک بغاوت ہو جانا بڑی سرفروشی کی بات تھی کہ وہ ہر ترکی فوج کی پہلی زد میں تھے جو چند گھنٹے بھی سمندر میں تھم کر لڑ سکے اور سامنے کا سارا بری علاقہ گویا فوج کا مخزن تھا کہ جتنے سپاہیوں کی ضرورت ہو بھرتی کر لئے جائیں۔ ہدرا میں عثمانیوں کے خلاف سرتابی کا تعلق اسی چھوٹی سی بستی کے اندرونی جھگڑوں سے بھی تھا اور خود یہ جھگڑے یورپ کے ان عظیم معاشی تغیرات سے وابستہ تھے جو برّاعظم کے دوسرے کنارے پر اور بالکل مختلف صورت حالات میں، انگلستان کے قوانین غلّہ کے نفاذ اور اسی کے سلسلے میں وہاں کے مختلف طبقات میں باہمی کشمکش کا سامان بن گئے تھے۔ دراصل محاربات نپولین کے زمانے میں بہت سی قوموں کی بیرونی تجارت کا سلسلہ قطعاً مسدود ہو گیا تھا۔ انگلستان میں باہر سے بہت کم غلّہ پہنچتا تھا اور بحر متوسط و بحر اقشین میں سوائے یونانی جہازوں کے اور بہت کم کسی قوم کا جہاز مال لاتا لیجاتا تھا۔ جب امن ہوا اور تمام ممالک کی بندرگاہیں اور منڈیاں کھل گئیں تو جس طرح انگلستان کے کاشتکاروں اور زمینداروں کا بیرونی غلّے کی از سر نو درآمد سے نفع کم رہنے لگا اسی طرح جہاز رانی کی آزادی نے ہدرا اور پسارا والوں کے اجارے کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ہدرا کے مالکان جہاز نے وہاں اپنا اقتدار جما رکھا تھا اور ان کے جہازوں کے ملاحوں اور ناخداؤں کو اگرچہ ہر بحری سفر کے نفع میں حصہ ملتا تھا لیکن جزیرے کے انتظامی معاملات میں انھیں کوئی دخل نہیں حاصل ہو سکتا تھا۔ اب تجارت کی کساد بازاری اور افلاس و بے کاری نے سیاسی فرقہ بندی کا بیج بویا۔ ذی ثروت اور صاحب امتیاز مالکان جہاز میں ترکوں سے بگاڑ کرنے کا کوئی میلان نہ تھا مگر ملاحوں اور ناخداؤں کو کچھ جوکھوں نہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے آزادی یونان کا دم بھرا۔ اس کشمکش میں تھوڑے عرصہ تک زرپرستی اور افلاس کی عام خصوصیات کے سوا اور کوئی چیز بروئے کار نہ آئی لیکن آخر ایک اعلیٰ مقصد نے اپنا اثر دکھایا۔ ہدرا یونان کی جانب آگیا کہ جو اس کا حال ہو وہ ہمارا اور گو ذاتی طمع اور بدعہدیوں کے ساتھ

کمال ظلم وسفاکی سے بار ہا ہدرا اور دوسرے جزیرے کے ملاحوں نے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا لیکن ان کی شرکت سے بحری فوج کی ایک بنیاد پڑ گئی جس نے حصول آزادی کی تکمیل کو ممکن بنا دیا۔ ان تین جزیروں نے جو راستہ دکھایا، تھوڑے ہی دن بعد ان سے زیادہ دولتمند اور آباد جزیرۂ ساموس نے اور پھر اکثر جزائر نے اسی کو اختیار کر لیا۔ کریت میں یونانی اور ترکی آبادی ملی جلی رہتی تھی۔ اس نے بھی تلوار سنبھالی اور آیندہ کئی سال تک تباہ کن اور خونی محاربات کا میدان بنا رہا۔

موریہ کے اندر بغاوت کی پہلے ہی ٹکر نے یونانیوں کو مورچہ بند شہروں کے باہر ہر شئے کا مالک بنا دیا تھا۔ پھر ان رہے سہے مقامات کو بھی تسخیر کرنے کی باغیوں نے بلاتاخیر کوشش شروع کر دی۔ تری پولتزا جو ترکی والی کا مستقر تھا اب جنگی کارروائیوں کا مرکز بن گیا اور اسی کی نواح میں یونانیوں کی پہلی ہنگامی حکومت قائم ہوئی جو "مندوہ کال تستی" کہلاتی تھی۔

یونانی سرگروہ

دمت ریوس ہپ سی لانتی نے جو ہتیریا والوں کے سرعسکر شہزادہ اہپ سی لانتی کا بھائی ہوتا تھا، موریہ میں لنگر ڈالا اور چاہا کہ تمام کاموں کا اختیار اس کے تفویض کیا جائے۔ اس کے بھائی کی رومانیہ میں ناکامی کی ابھی تک یہاں اطلاع نہیں پہنچی تھی۔ لہٰذا کسان سپاہیوں نے بڑے جوش خروش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اگرچہ پری تیت جواب تک بلا شرکت مختار کل بنے ہوئے تھے، اس سے کچھ خوش نہیں ہوئے دمت ریوس کے علاوہ دو اور شخص جنگ آزادی میں قیادت کی بدولت اسی زمانے میں مشہور و ممتاز ہوئے۔ یہ مور وکورداتوس اور کولوکوترون تھے۔ جن میں سے پہلا ولیشیہ کے ترکی ہوس پوداروں کی اولاد میں تھا اور اپنے سب حلیفوں سے معلومات اور وسعت نظر کے اعتبار سے بہتر مدبر تھا لیکن اس موقع پر عمل کی جو قوت درکار ہے وہ اس میں نہ پائی جاتی تھی کولوکوترون ایک اکھڑ جنگجو کلفت کا نمونہ تھا۔ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بالکل جنگلی قریب قریب مطلق ناخواندہ، مکار، سخت لالچی، بدعہد اور جنگی یا اخلاقی ضوابط کی ضرورت سمجھنے سے بھی عاری، لیکن اپنے بے قاعدہ طرز کا پیدائشی سپاہی اور اپنے جیسے جاہل گنواروں میں سورما تھا۔ ایک اور شخص بھی تھا کہ اگر اس کی طبیعت اس کی اعلیٰ حیثیت کے مناسب ہوتی تو موریہ کی حکومت کا صدر وہی بنایا جاتا۔ یہ مورومیکالیس گھرانے کا بزرگ خاندان پیترو بی تھا جو پلوپونیسس کے جنوب مغرب میں جہاں ترکوں نے برائے نام سے زیادہ کبھی حکومت

نہ قائم کی، ماٹنا کے سنگستانی ضلع کا حاکم تھا۔ یہ خوش طبع، امیرانہ مزاج کا رئیس اپنے قبیلے والوں پر عہد ہومری کی سی برادرانہ قسم کی حکومت رکھتا تھا اور اپنے پورے نو توانا بیٹوں کے حلقے میں یونان کا سب سے دیدار و آدمی تھا۔ لیکن بڑے بڑے کام کرنے کا اس میں مطلق دماغ نہ تھا۔ وہ حکومت جو وسبرے کے ہاتھ میں سارے وطن پر پھیل جاتی، پیتروبئی کے پاس محض زیب وزینت اور دیکھنے دکھانے کی چیز بنی رہی اور اہل ماٹنا کے دلوں میں قبیلہ پرستی کا جو گہرا جذبہ جاگزیں تھا اُس کا زور بھی ظاہر ہوا تو ایک عرصے کے بعد اُس وقت جب اقطاع یونان کی واحد قومی حکومت کے ماتحت شیرازہ بندی متقاضی ہوئی کہ اس محدود قبیلہ پرستی کو وطنی اغراض کی خاطر قربان کر دیا جائے۔

بغاوت کے آغاز سے اختتام تک اپنی بدنظمی، بے ایمانی اور نفسانیت سے یونانی اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرتے رہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کے سرگروہوں میں بعض اشخاص بہت پاک اور بے لوث شرافت کے موجود تھے اور عام سپاہیوں میں یونانی کسان سالہا سال تک کمال ہمت وعزم کے ساتھ لڑتے رہے۔ لیکن ان میں سے اکثر اشخاص نے جو قوم کے سرآوردہ نمائندہ نظر آتے تھے اپنی حرکتوں سے قومی مقاصد کو بدنام و شرمسار کیا۔ ان کی ابتدائی کامیابیاں انتہا درجے کی دغابازی اور سفاکی سے ملوّث تھیں۔ اگر یہ یونانی تحصلین، مولیشی کے چور اور تُرکی فریب و تشدّد کے وحشیانہ مکتب کے مغرور نہ ہوتے بلکہ بوربن بادشاہ بھی ہوتے جنھیں اپنے ربّانی حقوق کے اعتقاد نے ہر قسم کا کام کر گزرنے میں بیباک بنا دیا تھا، تو بھی بے ایمانی کرنے میں شدید اس سے زیادہ دیدہ دلیری نہ کر سکتے جتنی کہ انھوں نے دکھائی۔ اگست ۱۸۲۱ء میں باضابطہ ترک باشندوں سے امان کا عہد کرنے کے بعد جب نوارینو والوں نے شہر یونانیوں کے حوالے کیا تو انھوں نے اس کے مرد، عورت اور بچّے سب کو بلا تفریق ذبح کر ڈالا۔ دو مہینے بعد ترپی پولت زا کی تسخیر ایک پُرامن فتح کی بجائے، یونانی سرغنوں کے ذاتی حرص و آز کی بدولت ایک وحشت خیز قتل عام کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ یہ سرغنے مصالحت کی گفت و شنید کے اثنا میں، شہر کے اندر داخل ہو گئے اور وہاں کے دولتمند باشندوں سے زر و جواہرات کے عوض ان کی حفاظت کا مول چکانے لگے۔ سپاہیوں نے چھ مہینے محاصرہ کرنے کی صعوبتیں اٹھائی تھیں، انھوں نے دیکھا کہ ان کے ملتے ہوئے انعام میں

سقوط ترپی پولت زا ۵ اکتوبر ۱۸۲۱ء

یہ خیانت و دزدی کی جا رہی ہے۔ لہٰذا کسی حکم احکام کی پروانہ کی اور وقت رپوس تپ سی لانتی کی عدم موجودگی میں ترّی پولت زا کے مورچوں پر یکا یک یورش کر کے قابض ہو گئے۔ ساتھ ہی باشندوں کا قتل عام شروع ہوا اور تین دن تک کُو بہ کُو اور خانہ بہ خانہ قتل و خون کا بازار گرم رہا۔ حتیٰ کہ ہزار ہا نفوس کی آبادی میں سے معدودے چند آدمی تھے جو سلامت رہے۔ خود کولوکوترون کی شہادت محفوظ ہے کہ جب وہ شہر کے دروازے سے بالاحصار تک سوار گیا ہے تو راستے میں اتنی لاشیں پڑی تھیں کہ ایک دفعہ بھی اس کے گھوڑے کے سم زمین کو نہیں چھو سکے۔[1]

یونانی بغاوت کی افتتاحی فصول میں مسیحیوں کی سفاکیاں شاید عثمانیوں ہی کے مساوی رہیں۔ یونانی نے اس غلام کے طیش و غضب کے ساتھ جو اپنے قید و بند توڑتا ہے انتقام لیا اور ترکوں نے پر فتن ایام میں حکومت کا یہی دستور سمجھ کر قتل عام اور استیصال کلّی کا طریق اختیار کیا۔ اور جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ اہل یورپ کا توحش تو ایک ہی نسل کی مہذب حکومت کے اثرات سے فرو ہو جاتا ہے مگر ترک آج بھی اتنا ہی ظالم و سنگدل ہے جتنا محمود ثانی کے زمانے میں تھا، ۱۸۲۲ء کے واقعات نے بھی ثابت کر دیا کہ جلّادی اور

خیوس کا قتل عام اپریل۔جون ۱۸۲۲ء

قصّابی کے کام میں یونانیوں کے بدترین شیطانی جذبات بھی ترکوں کی سدھی ہوئی قوت کے مقابلے میں آخر ہلکے اور کم وزن نکلے۔[2] سلطان کو ترّی پولت زا کے تباہ و تاراج کرنے والے کولوکوترون اور اس کے فتحمند رفیقوں سے بدلہ لینا تو سہل نہ تھا مگر دوسری پُر امن اور بے قصور آبادیاں موجود تھیں۔

---

[1] کولوکوترون: ..... صفحہ ۸۲۔ ترّی کوپ ..... وہ جلد دوم ۶۱، ۶۲۔

[2] یہاں سے لائق مؤلف کتاب کی عقل و انصاف کو مسیحی تعصبات نے پھر اتنا مغلوب کر لیا ہے کہ وہ یورپی مصنّفوں کے عام دستور کے مطابق نہایت بے شرمی سے دروغ گوئی اور افترا پردازی پر اُتر آیا ہے حالانکہ ترکی سپاہ ایک طرف بازاریوں کے کسی بلوے میں بھی ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی سخت ترین دشمنوں کی عورتوں اور بچوں کو جان بوجھ کر اس بے رحمی سے ذبح کیا ہو جیسا کہ یورپ کی قوموں نے ہزاروں مرتبہ کیا اور اب تک کرتے رہے ہیں۔ غنیمت یہ ہے کہ فائف صاحب کی اس کتاب کو آج کل مطالعہ کرنے والوں کو ملتان، بلجیم اور فرانس کے علاوہ ایشیائے کوچک کے تازہ واقعات بھی ابھی تک یاد ہیں جہاں یونانی غاصبوں نے

جہاں اس طرح آزادی سے بلا روک ٹوک اور بے خطر غصّہ اتارا جا سکتا تھا جو ترکوں کے عین حسب مراد صورتیں ہیں۔ جزیرۂ ساموس کی کچھ فوج خیوس میں لنگر انداز ہوئی اور باشندوں کو بغاوت پر ابھارا مگر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی کیونکہ یونانی بیڑے کے موجود نہ ہونے سے خیوس والے اندرون ملک کی سلطانی افواج کا یقینی شکار ہو جاتے۔ با ایں ہمہ ساموسی سرغنے نے اس کام سے ہاتھ نہ اٹھایا اور قلعے کا جس میں ترکی فوج متعیّن تھی محاصرہ کر لیا۔ لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا تھا کہ مدد کے لئے سات ہزار ترک سپاہی آپہنچے اور پرجوش متطوعین کے غول کے غول ان کے ہمراہ تھے۔ ساموسی سپاہ فرار ہو گئی۔ اور خیوس کی بدنصیب آبادی لقمۂ اجل ہونے کے لئے رہ گئی۔ ہفتوں تک سپاہی اور ترک عوام کے جوق ڈھونڈ ڈھونڈ کے لوگوں کو قتل و غارت کرتے پھرے یا جسے چاہا غلام بنا بنا کے فروخت کرتے رہے۔ جزیرے کے ان حصّوں میں جہاں لوگوں نے خانقاہوں میں پناہ لی تھی، وہ ہزاروں کی تعداد میں اکھٹے مارے گئے۔ بعض دوسرے مقامات پر جہاں معافی کی منادی سن کے لوگ لالچ میں اپنے گھروں کو واپس آگئے تھے، وہاں خاندان بہ خاندان ہلاک ہوئے۔ ان کی قسمت جو زندہ بچے مرنے والوں سے بھی غالباً بدتر تھی۔ مصر و تیونس کی غلاموں کی منڈیاں خیوس کے اسیروں سے بھر گئیں۔ خیوسی آبادی کی شرافت و تہذیب اور عالی منزلت کے باعث ان کا یہ حشر اور بھی المناک تھا۔ یورپ کے کسی ضلع میں تمدّن کی ترّقی، تمدّن کی خرابیوں سے اتنی پاک نہ تھی۔ پھر، زمانۂ جدید میں کسی آبادی پر مصیبت کا ایسا پہاڑ نہ ٹوٹا تھا۔ خیوس میں اتلاف جان کے تخمینے بہت بے ضابطہ سے کئے گئے ہیں۔ لیکن سب سے کم تخمینوں میں ایک تخمینہ یہ ہے کہ مقتول اور اسیر (غلاموں) کی کل تعداد تیس ہزار تھی۔ جزیرے میں جہاں پہلے بڑی گہما گہمی تھی، اب بہت چھدری آبادی رہ گئی۔[1] عرصے تک افسردگی چھائی رہنے کے بعد

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ:۔ اس بات کا ثبوت دیا کہ کئی نسل کی "مہذب حکومت" نے ان کے توحش اور شیطانی جذبات کو کس قدر فرو کیا یا کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ مترجم۔

[1] خیوس تیس میل کے قریب لمبا اور بارہ پندرہ میل چوڑا جزیرہ ہے اس کی آبادی اس زمانے میں تخمیناً ایک لاکھ تھی اور اگر مولف صاحب کا تخمینہ مقتولین ویسا ہی تسلیم کر لیا جائے تو بھی خیوس کا قتل عام بداہتہً موریہ اور دیگر اضلاع یونان میں ترکوں کے عام قتل سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جہاں سے ان کی آبادی بالکل نیست و نابود کر دی گئی۔ مترجم

جب آہستہ آہستہ خیوس میں پہلی سرسبزی کے آثار پھر پیدا ہوئے تو آفات سماوی نے ہمارے زمانے میں خیوس کو اور بھی بالکل ویران کر دیا۔ جس روز ترک ان ساحلوں کا مالک نہیں رہے گا اس وقت ممکن ہے کہ از سرِ نو یہ جزیرہ آباد ہو لیکن خیوس کی گذشتہ تاریخ کا باب تو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

۱۸۲۲ء کے قتل عام سے یورپ کی رائے عامہ پر جو اثر پڑا وہ بہت گہرا اور پائے دار تھا اگرچہ اس سے حکومتوں کے طرز عمل میں کوئی فوری تغیر نہ ہوا۔ تاہم یونانیوں سے عام ہمدردی اور ترکوں سے بغض کے ان جذبات کو جنھوں نے آخر کار دولِ یورپ کو دوسرا طریق عمل اختیار کرنے پر مجبور کیا، ایک یونانی ناخدا کے ولولہ انگیز کارنامے سے بڑی تقویت پہنچی جس نے خیوس کے برباد کرنے والوں سے انتقام لیا نیز اس غیر متوقع کامیابی سے جو اندرون ملک میں باغیوں کو سلطان کی افواج قاہرہ کے مقابلے میں حاصل ہوئی یونانیوں کی جماعت کارفرما کا صدر اس وقت مور کورداتوس تھا۔ اور اس جماعت کی بڑی

کناریس کا کارنامہ
۱۸ جون ۱۸۲۲ء

مجرمانہ غفلت تھی کہ اس نے بر وقت جہاز بھیج کر ترکوں کو خیوس میں اُترنے سے نہ روکا۔ اور جب ایک دفعہ ترک جزیرے میں پہنچ گئے تو پھر جو جہاز بھیجے گئے وہ قتلِ عام سے باشندوں کو بچانے میں بے دست و پا تھے اور سوائے ترکی جہازوں پر حملہ کرنے کے اور کوئی کام نہ کر سکتے تھے۔ اس موقع پر "آتش زن" جہاز کا حربہ چلایا گیا جس سے پہلے بھی اسی سمندر میں ۱۷۷۰ء کے وقت ترکوں کے مقابلے میں کامیابی ہوئی تھی۔ رمضان کا مبارک مہینہ ختم ہوا تھا اور ۱۸ جون کی شام کو ترک سپہ سالار کار اعلیٰ اپنے علم بردار جہاز پر ایک ہزار سے کچھ زیادہ آدمیوں کے ساتھ عید کی خوشی منا رہا تھا۔ جہاز کو رنگ برنگ کی قندیلوں سے روشن کیا گیا تھا۔ انھی تقریبات مسرت کے درمیان پسارا کے ایک ناخدا، کونسٹن ٹائن کناریس، اپنے جہاز کو چپکے سے بلا خبر ہوئے ترکی جہازِ جنگ کے دائیں پہلو پر لے آیا اور اپنے مستول کی کمانی کو ترکی جہاز کے تابدان میں اڑا کر اپنی آتش گیر مادّوں میں آگ دیدی اور دبے پاؤں چھوٹی کشتی میں بیٹھکر فرار ہو گیا۔ ہوا تیز چل رہی تھی۔ چند لمحے میں ترکی جہاز والے آگ کے بادل میں لپٹ گئے۔ جہاز پر باروت آگ لے گئی۔ ساتھ کی کشتیاں ڈوب گئیں اور جہاز اپنے آدمیوں سمیت سطح آب تک جل گیا۔ اس کے ساتھ کے جہازوں کو جلدی سے دُور ہٹ جانے کی پڑ گئی کہ جلنے والے جہاز سے جو شرارے چاروں طرف برس رہے تھے، ان سے

محفوظ رہیں۔ کاراعلی کا ایک مستول نے گرکر کام تمام کیا اور اس کے بہت کم آدمی تیر کر زندہ بچے یا انھیں مدد کو دوڑنے والی کشتیوں نے اٹھالیا۔ باقی سب ہلاک ہوگئے۔ کنارِس کی اس کارستانی نے عثمانی بیڑے پر ایسا خوف طاری کیا کہ وہ بلاتاخیر ایجین کے سمندروں سے کھسک گئے اور دردانیال کی توپوں کی پناہ لی۔ کنارِس کو پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اس کارنمایاں نے اسے یورپ بھر میں نامی گرامی آدمی بنادیا۔ اس کی کامیابی محض اتفاق، یا جسارت پر مبنی نہ تھی بلکہ اس میں جہاز رانی کی مہارت اور مستقل مزاجی دونوں عجیب طور پر شامل تھیں۔ اس کارنمایاں کی دوسرے بھی نقل کرتے رہے مگر کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوئے البتہ کنارِس نے اسی سال کے اندر دوبارہ اسی قسم کا کام کر دکھایا۔ یونانی جہاز رانوں میں وہ سب سے تیز اور ایک سیدھا سادہ منکسر مزاج سورما تھا جنگ آزادی میں شاندار کارناموں کے بعد سیاسی ملازمت میں بھی اس نے وطن کی عمدہ خدمات انجام دیں۔ وہ بڑی عمر پاکر بڑھاپے تک تندرست اور مرتے دم تک یونانی قوم کا مایۂ ناز و مرجع عقیدت رہا جس کا وہ قرار واقعی مستحق تھا۔

۱۸۲۲ء کے موسم بہار میں البانی باغی علی پاشا کی قلع قمع ہوجانے سے سلطان محمود کو موقع ملا کہ اپنی پوری بری قوت یونانی بغاوت کے مقابلے میں صرف کرے۔ کیونکہ اب تک ینینا کی مزاحمت نے گویا اسے لنگڑا کر رکھا تھا۔ اندرون ملک کے باغیوں کو ابھی تک منتشر دستوں اور دُور دست چھاؤنیوں کی فوج سے سابقہ تھا لیکن اب وہ دو طرف سے طاقتور لشکر کی زد میں آگئے۔ علی پاشا کے سرکوب، خورشید نے تھسلی کے شہر لاریسا میں پڑاؤ ڈالا اور

یونان پر دو طرفہ حملہ ۱۸۲۲ء

اسی مرکز سے دو فوجیں زاویہ بناتی ہوئی جنوب کی طرف روانہ ہوئیں پہلی عمر بریونی کے ماتحت تھی اور اسے حکم تھا کہ جنوبی اپیرس کے راستے خلیج کورنتھ کے غربی سرے تک بڑھے اور وہاں سے خلیج کو عبور کر کے موریہ میں داخل ہوجائے دوسرے فوج کا سردار درملی (؟) وسطی یونان کی تسخیر اور خاکنائے کورنتھ سے موریہ میں پہنچنے پر مامور تھا۔ اور مقصد یہ تھا کہ آخر میں دونوں فوجیں مل کر ترکی بیڑے کے اشتراک سے تری پولتزا کو تسخیر کریں اور ان ساحلی قلعوں کو باغیوں سے نجات دلائیں جہاں ابھی تک ترک دستے مغلوب نہ ہوئے تھے۔ ان دونوں سپہ سالاروں کے ماتحت کسی طرح پچاس ہزار سے کم سپاہی نہ ہوں گے۔ اور درملی کے پاس اپنے ساتھی کی نسبت کہیں زیادہ فوج تھی۔

اس طاقتور دشمن کے مقابلے میں دفاع کے وسائل یونانیوں کے پاس بہت تھوڑے تھے اور اس وقت بھی ان کی امیدوں میں کوئی جان نہ پڑی جب کہ صدر حکومت موروکورداتوس نے خود جنگی قیادت ہاتھ میں لی اور مغربی یونان کی افواج کا سپہ سالار بن گیا۔ دراصل انھی مغربی اضلاع میں پوری قوت سے وار کرنے کی شدید ضرورت بھی تھی۔ باشندگان سُلی سترہ برس تک کارفو میں جلاوطن رہنے کے بعد اپنے پہاڑی علاقے میں واپس آئے اور اب اہل یونان کے ساتھ جدوجہد میں شرکت کر رہے تھے وہ بغاوت کا بیرونی مورچہ بھی تھے اور یونانیوں اور البانیہ کی مسیحی آبادیوں کے درمیان وساطہ بھی بن گئے تھے اور ان البانی مسیحیوں کے طرز عمل کا ترکوں کے خلاف جنگ میں بڑا اور فیصل اثر پڑ سکتا تھا اسی لئے موروکورداتوس کی یہ رائے تو بالکل صحیح تھی کہ یونانی ارباب بست وکشاد کا سب سے مقدم اور عاجل فرض شہر سُلی کو دشمن کے ہاتھ سے مخلصی دلانا ہے۔ کوئی لائق سردار اس کام کا بیڑا اٹھاتا تو یہ سعی یونانیوں کی بساط سے بھی باہر نہ تھی لیکن ایک ایسے سیاسی آدمی کا سربراہ ہونا جسے امور جنگ سے کوئی واقفیت نہ تھی، انتہا درجے کے جوکھوں کا کام تھا۔ بایں ہمہ موروکورداتوس نے قابل تر اشخاص کے ہاتھ سے فوج کی قیادت لیکر اپنی ماتحتی میں فوجوں کو نواح ارتا تک بڑھایا اور ہر کام کو بُری طرح انجام دیا۔ چنانچہ بوتزار نامی ایک البانی سردار کو ایک بہت ہی ذمہ داری کی خدمت تفویض کر دی حالانکہ اس کی وفاداری مشتبہ تھی۔ اور فوج کے دو مختصر سے دستوں کو ترکوں کے پورے لشکر کی زد میں چھوڑ دیا۔ ان دستوں میں سے ایک "محبانِ یونان" کا دستہ کہلاتا تھا اور اس میں ممالک یورپ کے وہ پردیسی سرداران فوج شامل تھے جو

"محبان یونان" کا استیصال ارتا کے قریب۔ ۱۶ر جولائی

معمولی سپاہی کی حیثیت سے یونان کی طرف سے لڑنے آئے تھے اس دستے کا فوجی ضبط اور قاعدہ دانی یونانیوں کی اپنی فوجوں سے کہیں بہتر و افضل تھی اور اس کے قائد وہ لوگ تھے جو محاربات نپولین میں لڑ چکے تھے۔ لیکن یہ قابل قدر جمعیت جس کے نمونے پر ایک باضابطہ فوج مرتب ہو سکتی تھی یونانی سپہ سالار کی نااہلی اور اس کے حلیف کی غدّاری کی بھینٹ چڑھی۔ البانیوں نے محبان یونان کو دغا دی اور انھیں چھوڑ کر چلتے بنے۔ انھوں نے ترکوں کا بہادری سے مقابلہ کیا اور قریب قریب سب کھیت رہے۔

تب موروکورداتوس اور باقی ماندہ یونانی فوج مسولونگھی میں ہٹ آئی۔ سلویوں کا جب اور کوئی سہارا نہ رہا تو وہ اپنے گھر چھوڑ کر نکل جانے اور کارفو میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے پھر بھی ان کی مزاحمت نے ترکی پیش قدمی میں کئی مہینے کی تاخیر ڈال دی اور اوائل نومبر سے پہلے عمر۔ بریونی کی فوج آس پاس کے مقامات کو فتح کر کے مسولونگھی کے سامنے تک نہ پہنچ سکی لیکن شہر کے اندر موروکورداتوس کی قیادت میدان جنگ کی نسبت زیادہ کارآمد ثابت ہوئی۔ اس نے کہدیا تھا کہ جب تک ایک متنفس بھی ترکوں سے لڑنے کے لئے باقی ہے میں شہر کو نہ چھوڑوں گا۔ دفاعی مورچے تیار کئے گئے اور محاصرین کو دو مہینے تک یونانیوں نے روکے رکھا

مسولونگھی کا ناکام محاصرہ نومبر ۱۸۲۲ء

چھٹی جنوری ۱۸۲۳ء کے دن بریونی نے حملے کا حکم دیا۔ مگر حملہ آور بھاری نقصان کے ساتھ پسپا کر دیے گئے اور عثمانی سپہ سالار نے جاڑے بھر وہاں رہنا ناممکن سمجھ کر اپنا توپ خانہ وہیں چھوڑ دیا اور اندرونی علاقے میں ہٹ گیا۔[1]

اس اثنا میں درمیلی ۲۴ ہزار پیادہ اور ۶ ہزار سوار لئے ہوئے تھسلی سے آگے بڑھا اور یہ تنا زبردست لشکر تھا کہ ترکوں اور وینس والوں کی آخری جنگ ۱۷۱۵ء کے بعد کبھی یونان کے میدانوں میں نہ اترا تھا اس کی آمد آمد کی دہشت ہی سے مزاحمت کی ساری امیدیں ٹوٹ گئیں۔ وہ بیوشیہ اور اٹیکا سے گھستا اور علاقہ پامال و تاراج کرتا ہوا جولائی ۱۸۲۲ء میں خاکنائے کورنتھ پر آ پہنچا۔ پہاڑی دروں کو یونانیوں نے چھوڑ دیا۔ انھوں نے جو حکومت ارگوس میں قائم کی تھی وہ کافور ہو گئی اور درمیلی نوپ لیا کی طرف چلا جہاں کے ترک محصورین مجبور ہو کر ہتیار رکھد ینے والے تھے۔ لیکن حملہ آوروں کی دو سخت خطاؤں نے یونانی مقاصد کو خاک میں ملنے سے بچا دیا۔

درمیلی خاکنائے کورنتھ سے گزر جاتا ہے جولائی ۱۸۲۲ء

درمیلی جن دروں سے گذرا تھا وہاں کی حفاظت کے لئے فوج متعین کرنے میں اس نے غفلت کی اور دوسرے عثمانی بیڑے کے امیر نے جسے نوپ لیا میں بری فوج سے آملنا چاہئے تھا، درمیلی کی عدول حکمی کی اور اپنے جہازوں کو پتراس تک لئے چلا گیا۔ اپنے وطن کی اس نازک حالت میں، دو یونانیوں نے ثابت کر دکھایا کہ وہ ان مشکلات کے مناسب حال

[1] گورڈن۔ اول ۳۸۸۔ فن سے۔ اول ۳۳۰۔ مینڈل سون۔ اول ۲۶۹۔

کام کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں یعنی دمت ریوس ہپ سی لانتی نے جو اُس وقت مجلس وضع قوانین کا صدر تھا اپنے ساتھ والوں کے ہمراہ فرار ہونے سے انکار کر دیا اور صرف چند صد سپاہیوں کو لیکر ارگوس کے بالا حصار میں قلعہ بند ہو گیا۔ دوسرے کو لوکوتروں نے مارامار تری پولٹ زا جا کر ہر شخص کو جو ہتیار اٹھانے کی اہلیت رکھتا تھا ساتھ لیا اور نہایت عجلت سے ارگوس آپہنچا جہاں قلعے والے ابھی تک ترکوں کے مقابل ڈٹے ہوئے تھے۔ اس حال میں درَمیلی کو موریہ کے اندر بڑھنے کا ارادہ چھوڑنا پڑا اور دمت ریوس کی پامردی نے یونانیوں کو اتنی مہلت بہم پہنچا دی کہ ان کی بہت معقول جمعیت مرتب ہو گئی اور اب عثمانی سپہ سالار کو دروں کے غیر محفوظ چھوڑنے کے تباہ کن عواقب نظر آئے۔ کیونکہ ان دروں پر کولوکوتروں نے جا قبضہ کیا۔ گرمی کی خشک سالی سے تُرکی فوجوں کو رسد میسّر نہ آنے کا اندیشہ لاحق ہو گیا اور بیڑا جو انھیں قریبی علاقے کی رسد سے مستغنی کر سکتا تھا، سو میل دُور ہو گیا غرض یا تو درَمیلی کو سارا یونان اپنے قدموں کے نیچے نظر آتا تھا اور یا اسے چار و ناچار دشمنوں کے درمیان سے دوبارہ گزر کر خاکنائے کورنتھ کو واپس آنا پڑا۔ کولوکوتروں نے

اس کی پسپائی اور تباہی
اگست ۱۸۲۲ء

دروں پر اس کا راستہ روکنے کا نقشہ بہت سلیقے سے بنایا تھا اور اگر ان تجاویز پر خاطر خواہ عمل ہوتا تو عثمانی فوج کا ایک سپاہی زندہ بچکر نہ آسکتا تھا۔ لیکن خود یونانیوں کی بدنظمی اور طماعی کی بدولت درَمیلی کی فوج کے ایک حصّے نے کورنتھ تک واپس آنے کا راستہ نکال لیا۔ یونانی واپس ہونیوالے دشمن کو تہ تیغ کرنے کی بجائے مال و اسباب کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے اور فوج کے جن دستوں کو بڑے اور اصلی حملے میں ملکر کام کرنا چاہیئے تھا، وہ چھوٹی چھوٹی اور اپنی اپنی کامیابیاں پانے کی دُھن میں رہے۔ بایں ہمہ تُرکی فوج کے نقصانات اور ہمت شکنی بھی کامل تباہی کی مرادف تھی۔ خود درَمیلی بیمار ہو کر راہیِ اجل ہوا اور اس کے باقی ماندہ سپاہی جو باغیوں کے ہاتھ سے بچ آئے تھے، نواح کورنتھ میں بیماری اور فاقہ کشی سے تلف ہو گئے۔

۱۸۲۲ء کے ان معرکہ آرا واقعات نے دولِ یورپ کی آنکھیں کھول دیں اور انھیں یونانیوں کے قومی خروج کی اصلی نوعیت اور انجام کار ان کے کامیاب ہو جانے کا قرینہ دکھائی دیا۔ ترکی فوجیں سردست اتنی خستہ ہو گئی تھیں کہ آیندہ سال سلطان اس پیمانے پر کوئی جنگی کارروائی

یونانیوں کی خانہ جنگی ۱۸۲۴ء

نہ کر سکتا تھا۔ لیکن شاید یونانیوں کے حق میں بہتر یہ ہوتا کہ لڑائی کا

سلسلہ جاری ہی رہتا کیونکہ اس قوم کی کوششوں کو جو اس شدت و افراط سے مقامی رقابتوں اور انفرادی عداوت اور نفسانیت میں مبتلا تھی، بیرونی دباؤ کے سوا اور کوئی شئے متحد نہ رکھ سکتی تھی اور خطرے کی پوری شدّت مشکل سے ختم ہوی ہوگی کہ خود یونانیوں میں باہم لڑائی ہونے لگی۔ کولوکوتروں نے مجلس وضع قانون کے علی الرغم اپنی حکومت جمائی اور موریہ کے بعض مستحکم مقامات پر قابض ہوگیا۔ لیکن اس نام ونہاد عسکری فریق کی دیوانی حکام کے خلاف پہلی شورش کچھ بہت اہم نہ تھی۔ موریہ کے پرّیمیت امن شکنوں کے مقابلے میں جزائر اور وسطی یونان کے نائبین کے شریک کار ہوگئے اور تھوڑے ہی عرصے میں صلح صفائی ہوگئی۔ ہدرا کے ایک کارخانۂ جہاز کا دولتمند مالک، مسمیٰ کوکن دوریوتس صدر حکومت بنایا گیا اور وسطی یونان کا ایک بہت بارسوخ اہل الرّاے، کولتس، اس کا وزیر مقرر ہوا۔ مگر عسکری اور عام ملکی افراد کی باہمی عداوت کی جگہ اب ایک زیادہ خطرناک مخاصمت ایک ضلع کی دوسرے ضلع کے ساتھ رونما ہوئی جس نے یونانی قوم کے وجود کو خطرے میں ڈال دیا۔ نئی حکومت کا یہ میلان آشکارا ہو جانے میں کچھ بھی دیر نہ لگی کہ وہ جزائر کے فائدے کی خاطر ہر شئے قربان کرنے پر تیار رہے ہے۔ خود کن دوریوتس محض نالائق شخص تھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ فوجی اور دیوانی عہدوں پر اپنے دوست احباب یعنی ہدرا کے ناخداوں کا تقرّر کرنے سے اس کی اور بھی جگ ہنسائی ہوئی۔ دوبارہ لوگوں نے حکومت سے انحراف کیا اور اب کے کولوکوتروں سے اس کے سابقہ دشمن یعنی موریہ کے پرّیمیت بھی مل گئے۔ فریقین میں شدید جنگ کا آغاز ہوگیا اور حکومت نے جس کا اصلی کارفرما کولتّس تھا وہ مستعدی دکھائی کہ دوست دشمن دونوں حیران رہ گئے۔ ہدرا سے ایک طاقتور فوج نے موریہ پر حملہ کیا۔ جن اضلاع نے باغیوں کی مدد کی تھی ان کے ساتھ کوئی رحم روا نہ رکھا گیا۔ کولوکوتروں کو کامل شکست ہوئی اور مجبوراً اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کرنا پڑا۔ اسے ہدرا لاکر قید خانے میں ڈال دیا گیا اور وہ وہیں رہا تاآنکہ تازہ خطرے کے رونما ہونے سے اس کی خدمات یونان کے لئے ناگزیر نہ ہوگئیں۔

عجب نہیں کہ درمیلی کی فوج کی بربادی اور عثمانی بیڑے کے کوئی مفید کام نہ کرسکنے سے سلطان کو یہ شبہ ناشی ہونے لگا ہو کہ بلا امداد یونان کو مطیع کرنا اس کی اپنی قوت سے فی الواقع خارج ہے۔ اگر ملک یونان فتح ہو جائے تو بھی یہ یقینی بات تھی کہ

محمود مصر سے مدد طلب کرتا ہے

ترکی بیڑا جزیروں کو مسخر نہ کر سکتا تھا اور نہ ان جزیروں سے سامان رسد اور کمک کے موریہ کی بندرگاہوں تک پہنچنے کا سدِّباب کر سکتا تھا۔ غرض سلطان محمود اگرچہ اب تک بہیم سعی کرتا رہا تھا کہ اپنے ان خراج گزاروں کا قلع قمع کر دے جو علی پاشا کی طرح صدر حکومت سے آزاد ہونے کی طرح ڈال رہے تھے لیکن اس موقع پر اسے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑی کہ انہی میں سب سے خطرناک خراج گذار سے اعانت کی استدعا کرے۔ نپولین کی فوجوں کے اخراج کے بعد جو کچھ عرصے تک ملک میں بدنظمی مچی رہی انہی پُرآشوب ایام میں والیٔ مصر محمد علی پاشا نے بڑی قوت پائی اس کا بیڑا دولت عثمانیہ کے بیڑے سے بھی زیادہ طاقتور ہو گیا اور اس نے ایک فوج اعراب، حبوش اور فلاحین سے مرتب کی جس میں فرانسیسی سرداروں کے ذریعے یورپ کے فوجی نظام اور ضوابط مروّج کئے۔ اسی قسم کی اصلاح سترہ سال پہلے محمود کے پیش رو سلطان سلیم ثالث نے عثمانی افواج میں بھی کرنی چاہی تھی لیکن استنبول کے عسکریوں نے اسے نہ چلنے دیا، اور نئی نئی باتیں نکالنے کی بدولت خود سلیم کی جان گئی۔ دھن کا پکّا اور کم گو محمود ایک مدت سے جاں نثاریوں کے استیصال کے منصوبے بھی سوچ رہا تھا کہ یہ شوریدہ سر سپاہی اسلاف کی اسی فوج بے پناہ کی محض ناکارہ اور قابلِ ننگ یادگار تھے اور اب نہ خود لڑنا چاہتے تھے نہ اپنے حاکموں کو اپنے بجائے کوئی زیادہ کارآمد جمعیت تیار کرنے دیتے تھے۔ ممکن ہے کہ سلطان کے دلنشیں ہو گیا ہو کہ دشمنان اسلام پر مصر کی طرز جدید کی افواج کے فتح پانے سے ان فوجی اصلاحات کا راستہ کشادہ ہو جائے گا جنہیں وہ خود نافذ کرنے کی تجویزیں سوچ رہا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس دُور دراز اور جوکھوں کی مہم میں اپنے خراج گزار کی قوت ضائع ہونے کے امکان کو بھی خلاف مصلحت نہ سمجھتا ہو۔ بہر حال اگر ہم سلطان محمود کی پوری سیرت اور طرز عمل کا رنگ پیش نظر رکھیں تو یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ پاشائے مصر کو اس کے بدگمان اور دُور بین آقا کا تغلب و دست درازی کی دعوت دینا، دو حال سے خالی نہ تھا کہ یا تو سلطان کو کامل یقین ہو گیا تھا کہ اس موقع پر مصر کی امداد کی شدید ضرورت ہے اور یا اپنے آیندہ حریف بن جانے والے ماتحت کو اس راستے پر لگا کر وہ کوئی گھات کھیل رہا تھا تاکہ آگے چل کر خود پاشائے مصر سے بھگت سکے۔ یونانی بغاوت فرو کرنے میں امداد کا انعام یہ پیش کیا گیا تھا کہ محمد علی کو برّی اور بحری افواج کی اعلیٰ سپہ سالاری اور جزیرہ

کریت دے دیا جائے گا۔ ۱۸۲۴ء کے اوائل میں اس مفہوم کے پیام سکندریہ پہنچے اور محمد علی نے جس کی ہوسِ جاہ غیر محدود تھی اپنے سلطان کی تجاویز پر بہت گرمجوشی سے لبیک کہی اور سپہ سالاری کا منصب خود تو نہیں لیا مگر اپنے متبنّیٰ فرزند ابراہیم کے نام سے قبول کر لیا۔

اب سکندریہ میں پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ فوج کی تعداد نوے ہزار تک بڑھائی گئی اور انگریزی کارخانوں کے نئے جہازوں کا بیڑے میں اضافہ کیا گیا۔ مصری اور ترکی فوجوں کے مل کر کام کرنے کا ایک نقشہ مرتب ہوا جس سے آخر میں یونان کی فتح یقینی نظر آتی تھی۔ قرار پایا کہ جزیرۂ کریت پر ابراہیم قبضہ کر لے اور اسی سے اپنے جنگی مرکز کا کام لے کہ یہ جزیرہ موریہ کے جنوبی سرے سے ساٹھ میل سے زیادہ دور نہ تھا۔ پھر متحدہ یا بہ یک وقت ایجین کے بڑے بڑے جزیروں پر حملہ کیا جائے اور ان یونانی مورچوں کی تسخیر نیز اُن کے بحری وسائل کی بربادی کے بعد ابراہیم کی فوجیں تنگ سمندر کو عبور کر کے کریت سے موریہ میں اتر آئیں اور یونان خاص کی جو باہر کی امداد و دستگیری سے محروم ہو جائے گا، تسخیر کو مکمل کر لیں۔

ترکی و مصری تجاویز

صقالیہ کی طرح، کریت بھی یورپ و افریقہ کے درمیان کا قدرتی زینہ ہے اور جس وقت سلطان نے مصر کو مدد کے لئے بلایا، اسی وقت یہ عیاں ہو گیا کہ اب کریت ہی وہ جگہ ہے جس کی حفاظت و پاسبانی یونانیوں کو اور سب کاموں سے مقدّم سمجھنی ہو گی۔ لیکن کن دوریوتس کی ناشدنی حکومت کو اپنے خانگی جھگڑوں ہی سے فرصت نہ تھی اہل کریت کی مدد کے لئے پکار کا کوئی جواب نہ دیا گیا اور ۱۸۲۴ء کے موسم بہار میں ایک زبردست مصری فوج نے جزیرے میں لنگر ڈالے۔ وہاں کے قلعوں کو مسخر کر لیا اور کریت والوں کی مزاحمت کا کمال سفّاکی کے ساتھ قلع قمع کر ڈالا۔ جب جنگ آرائی کا یہ مرکز ہاتھ آ گیا تو دوسرے جزیروں پر مصری اور ترکی متحدہ بیڑے کے حملے شروع ہوئے۔ کریت سے کوئی تیس میل کے فاصلے پر کاسوس واقع ہے اسے مصریوں نے اچانک آ دبایا اور وہاں کی آبادی کی صفائی کر دی۔ پسارا ترکی بیڑے کے حملے کے لئے منتخب ہوا تھا۔ بغاوت کے آغاز سے پسارا والے عثمانی سواحل کے حق میں بلائے بے درماں بن گئے تھے۔ انھوں نے

مصری فوج کریت کو فتح کرتی ہے۔ اپریل ۱۸۲۴ء

یونان کی بے بہا بحری خدمات انجام دی تھیں اور اگر یونانی زمین کا کوئی ٹکڑا اس قابل تھا کہ جب تک ایک کشتی کے ملاحوں کے ہاتھ میں بھی پتوار باقی رہے اس وقت تک اس قطعے کی حفاظت سے منہ نہ موڑا جائے تو وہ یہی پسارا کا ذرا سا پہاڑی ٹاپو تھا۔ لیکن

پسارا کی تباہی۔ جولائی۔ ۱۸۲۴ء

بہیم اطلاع و انتباہ کے باوجود یونانی حکومت نے ترکی بیڑے کا درۂ دانیال سے چپ چاپ نکل آنا روا رکھا اور مہم کا اصلی مقصد جس کی سارے یورپ کو خبر تھی، چھپانے کی غرض سے بعض بالکل بھدے حیلے یونانی حکومت کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے کافی ہو گئے جیسا کہ آئندہ واقعات سے ثابت ہوا، یونانیوں کے پاس جزیرے والوں کو کمک پہنچانے کے بہت کافی وسائل بھی موجود تھے۔ مگر جس وقت ترکی امیر البحر خسرو جہازوں میں دس ہزار سپاہی لے کر پسارا کے سامنے نمودار ہوا تو یونانی بیڑا وہاں سے کوسوں دور تھا۔ خود اہل پسارا نے اپنی قوت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کیا۔ وہ اپنے بری توپخانہ کے گھمنڈ پر یہ سمجھے ہوئے تھے کہ پسارا کی چٹانیں کبھی مسخر نہیں ہو سکتیں ان غلط امیدوں کی حقیقت بہت جلد آشکار ہو گئی۔ اِدھر تو البانیوں کی ایک جمعیت بستی کے عقب میں کمندیں ڈال ڈال کر پہاڑی پر چڑھ گئی اور اُدھر ترکوں نے سامنے کے رُخ قدم جما لئے اور کثرت تعداد کے زور سے اپنے دشمنوں کو پنجے میں دبوچ لیا۔ کوئی امان نہ مانگی گئی نہ دی گئی آٹھ ہزار پساروی مقتول یا گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے اور ایک تہائی سے زیادہ باشندے بھاگ کر قریب کے جزیروں میں پناہ نہ لے سکے [1]

ترکی مصری نقشۂ جنگ کا پہلا مرحلہ اس طرح کامیابی سے طے ہو گیا اور اگر خسرو اپنی

---

[1] گورڈن۔ دوم، ۱۲۸۔ اس واقعۂ ہائلہ کی اطلاع میٹرنک کو ۳۰ جولائی کے دن اِشل میں ہوئی گینٹز لکھتا ہے کہ "امیر میٹرنک سیر تفریح کے لئے جس میں افسوس ہے میں ہم رکاب نہ جا سکا، باہر گئے ہوئے تھے مگر میں نے فرانسس کو یہ ضروری رقعہ دے کر فوراً پیچھے دوڑایا اور وہ انھیں ایسی جگہ ملا جہاں غالباً کپتان پاشا کا نام کبھی پہلے کسی نے نہ سنا ہو گا۔ امیر نے جلد معاودت کی اور (آہستہ سے کہ یونانیوں کے خیر خواہ نہ سن پائیں) ہم نے اس واقعے پر ایک دوسرے کو مبارکباد دی جو کچھ تعجب نہ تھا کہ یونانی بغاوت کے خاتمے کا آغاز ثابت ہو"

پہلی فتح کے بعد ہی ساموس پر بلا تاخیر حملہ کر دے تو غالباً مدد پہنچنے سے پہلے یہ جزیرہ بھی ہتیار ڈال دیتا۔ لیکن دوسرے ترکی سرداروں کی مثل، خسرو کو بھی ٹھیر ٹھیر کر دم لینے کا شوق تھا اور وہ پسارا سے عید کا تہوار منانے مدلّلی دیمتی لین، چلا آیا۔ اس عرصے میں یونان کی ہدراوی حکومت کو بھی پسارا کی مصیبت کبریٰ نے چونکا کر خطرے کا احساس کرادیا تھا۔ پس ایجین کے پار ایک بڑا بیڑا روانہ کیا گیا اور ساموس کے بری اور بحری تحفظ کی بہت کافی تیاریاں کر لی گئیں۔ ترکی جہازوں پر حملے میں بھی کسی قدر کامیابی ہوئی

ایشیائے کوچک کے سواحل کے قریب یونانی کامیابیاں ١٨٢٤ء

اور گو ابراہیم مصری جہاز لے کر ایشیائے کوچک کے ساحل پر پہنچ گیا تھا لیکن یونانی بیڑا اپنے دشمن کی متحدہ بحری قوت سے بھی وررہا۔ مسلمان سرداروں کی جنگی مساعی بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ یونانی آتش زن جہازوں نے انھیں خوب پریشان اور خوفزدہ کیا اور بالآخر جب ساموس کو مل کر فتح کرنے کا خیال ترک کرنا پڑا اور ابراہیم کریت روانہ ہوا کہ اپنے اصلی مقصد کو تنہا پورا کرے، تو کھلے سمندر میں یونانی اس کے مقابل ہوئے اور اسے ایشیائے کوچک کی طرف پسپا ہونا پڑا۔ ١٨٢٤ء کے موسم خزاں میں شہور گذشتہ کے شدید نقصانات کی کسی حد تک تلافی ہو گئی اور مصری بیڑے کی حالت خاصی طرح نازک ہو جاتی اگر یونانی جاڑوں بھر اُن پر نگرانی قائم رکھتے۔ لیکن انھوں نے ابراہیم کی مستعدی کا غلط اندازہ کیا اور اس خیال میں پڑ گئے کہ ابراہیم آیندہ موسم بہار تک کریت پہنچنے کی از سر نو کوشش نہ کرے گا۔ بے پروائی یا بے بنیاد خبروں سے دھوکا کھا کے وہ ہدرا واپس چلے آئے اور سمندروں کو خالی چھوڑ دیا۔

ابراہیم کریت پہنچ جاتا ہے۔ دسمبر ١٨٢٤ء

ابراہیم کو موقع ہاتھ آیا اور آغاز دسمبر میں وہ جہاز میں بیٹھ کر بغیر دشمن کا سامنا ہوئے کریت پہنچ گیا۔

موسم سرما کے صاف دن میں ساحل کریت سے تےگتوس کی برف پوش چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن دشمن کے فی الواقع سامنے پہنچ جانے کے باوجود یونانیوں نے موریہ کے

ابراہیم کا قدوم موریہ میں فروری ١٨٢٥ء

راستے کی حفاظت سے غفلت برتی۔ ٢٢ فروری ١٨٢٥ء کے دن ابراہیم بلا کسی مزاحمت کے سمندر سے پار ہوا اور پانچ ہزار آدمی مقام مودون پر اُتار دیئے۔ یہی نہیں بلکہ قبل اس کے کہ اسے

روکنے کی کوئی کارروائی کی جائے وہ دوبارہ کریت گیا اور اس سے بھی بڑی فوج موریہ میں لے آیا۔ ملک یونان کی تقدیر کا اب گویا فیصلہ ہوگیا۔ ابراہیم نے موڈون سے نوارینو پر پیش قدمی کی اور راستے میں یونانی فوجوں کو شکست دے کے قبل ازیں کہ یونانی بیڑا مدد کو پہنچے، جزیرۂ سفاک تریا کی متعینہ فوج سے ہتیار رکھوا لئے۔ یہ سفاک تریا وہی مقام ہے جہاں اسپارٹہ والوں کا ہتیار ڈالنا قدیم تاریخ یونان کا مشہور واقعہ ہے۔ پھر نوارینو کے سارے قلعے مفتوح ہو گئے اور ابراہیم ظفرمندی کے ساتھ فوج کو لئے ہوئے وسط موریہ کی طرف بڑھا۔ یونانیوں نے اپنے پرانے سرگروہ کولوکوتروں کو ہدرا کے قید خانے سے نکال کر اپنا سپہ سالار بنایا تھا لیکن درہیلی پر غلبہ پانے والا بھی ابراہیم کے دستوں کی مطلق تاب نہ لاسکا جن میں سوڈان کی خونخوار فوجوں کے سپاہی شامل تھے اور وہی قواعد سیکھکر انھی ہتیاروں سے جنگ کر رہے تھے جو یورپ کی بہترین فوجوں کے پاس تھے۔ کولوکوتروں دھکے دے کے تری پولٹزا سے نکال دیا گیا اور اسی طرح اپنے صدر مقام کو خود تاراج و ویران کر کے پسپا ہوا جس طرح روسی ماسکو سے پسپا ہوے تھے۔ ابراہیم نے اپنی فوجوں کو دم لینے کی بھی مہلت نہ دی بلکہ تیزی سے نوپ لیا پر بڑھا اور ۲۴ جون کو اس درے کی چوٹی تک پہنچ گیا جہاں سے خلیج ارگوس قدموں کے نیچے نظر آتی ہے۔ یہیں سے ہدرا کے پہاڑی جزیرے پر اس کی نظر پڑی اور بے اختیار پکارا "ارے چھوٹے سے جزیرے بھلا دیکھوں تو بھی کب تک تو میرے ہاتھ نہ آئے گا۔" خاص نوپ لیا کے دروازوں تک مصری سپہ سالار خود بڑھا اور سب برج اور دمدمے دیکھتا پھرا جن کی نسبت امید تھی کہ ایک ہی حملہ میں سر ہو جائیں گے لیکن یہاں اُسے رکاوٹ پیش آئی تھی۔ اس عام فراری اور ہراس و ہراسیگی میں دمتر یوس ہپ سی لانتی نے دوبارہ اپنے حواس بجا رکھے۔ وہ چند سو آدمی لے کر لرنا کی چکیوں کے کارخانے میں مورچہ بند ہوگیا اور ابراہیم کے ہراول نے اس مقام پر یورش کی تو اس نے حملہ آوروں کو پسپا کر دیا۔ مصری سپہ سالار سمجھ گیا کہ ایسے ایسے لوگوں کے مقابلے میں نوپ لیا کی تسخیر بغیر باقاعدہ محاصرے کے نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا وہ تری پولٹزا چلا آیا اور یہاں سے اپنے ترکتاز جوق چاروں طرف بھیجدئے کہ جسے پائیں قتل کریں اور علاقہ پامال کر ڈالیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نشانہ صرف دشمن کے وسائل کو

برباد کرنا تھا بلکہ وہ موریہ کو بالکل ویران اور یونانی آبادی کا مطلق استیصال کر دینا چاہتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وحشی جیسے ابھی سے موریہ کا پاشا نامزد کر دیا گیا تھا، یورپی تہذیب کے عین مولد میں یورپ کی نسل کا نام ونشان مٹا دینے کا ارادہ رکھتا تھا کہ یونان کی خاکستر پر حبوش و فلاحین کی ایک نئی بربری ریاست قائم کرے۔ اس بارے میں سرکاری طور پر جو استفسار کئے گئے ان کے جواب میں باب عالی نے کوئی ایسا ارادہ ہونے کی تردید کی اور اس کی نوعیت ایسی تھی کہ شہادتیں فراہم نہ ہوسکتی تھیں۔ لیکن ایک وقت کی زیادتی دوسرے وقت میں حماقت ثابت ہوا کرتی ہے اور ابراہیم کے شدائد کا الٹا اسی کے خلاف بُرا نتیجہ نکلا۔ ابراہیم کے اسی استیصال اور نوآبادی کے مفروضہ منصوبوں سے یورپ بھر میں محبانِ یونان کو سب سے قوی حجت ہاتھ آئی اور دول یورپ کو یونان کی طرف سے بزور شمشیر مداخلت کرنے میں جو تذبذب و تامل تھا وہ سب سے زیادہ مذکورۂ بالا سبب ہی سے دُور ہو گیا۔ کیونکہ اب وہ زمانہ گذر گیا تھا کہ یورپ اپنے کسی ضعیف ترین جزو کا بھی اسلامی دنیا میں ضم ہونا گوارا کر لیتا۔

مگر اس سے قبل کہ یورپ کی طاقتیں میدان میں در آئیں اور وہ توڑتے یونانیوں کے ہتیاروں سے زیادہ کارگر حربے کا وار کریں ترکی و یونان کی اس جدوجہد میں ایک نہایت المناک واقعہ پیش آیا کہ جس وقت

مسولونگھی کا محاصرہ۔ اپریل ۱۸۲۵ء تا اپریل ۱۸۲۶ء

ابراہیم موریہ پر سیل بے پناہ کی طرح چھا گیا تھا ترکوں نے مغربی یونان پر حملہ کیا اور شہر مسولونگھی کی ناکہ بندی کر لی مسولونگھی کا ایک مرتبہ پہلے محاصرہ ہوا اور اس میں محاصرین ناکام رہے تھے اور جس طرح سرغوسہ میں ہوا تھا معلوم ہوتا ہے یہاں بھی پہلی دفعہ نجات پا جانے کے زور میں شہر والوں نے تہیہ کر لیا کہ مر جائیں گے مگر اطاعت قبول نہ کریں گے اور اس ارادے پر سرغوسہ کے ہسپانویوں سے بھی زیادہ دلاوری کے ساتھ قائم رہے۔ اس وقت سے جب سے کہ ترکی سپہ سالار رشید نے ۱۸۲۶ء کے موسم بہار میں خشکی اور سمندر کی طرف سے اپنا دوسرا حملہ شروع کیا، قلعہ بند فوج اور باشندوں نے کمال استقلال سے حملہ آوروں کی ہر پیش قدمی کی مزاحمت کی۔ رشید نے توپوں سے مورچوں میں رخنے ڈال ڈیئے اور فوج پہ فوج ان رخنوں پر ہجوم کے واسطے بھیجتا رہا مگر سب بے سود ہوا۔ مہینوں تک ترکوں کی یورشیں بلا استثنیٰ پسپا کی گئیں یہاں تک کہ ہدرا کا بیڑا آ گیا اور ترکی جہازوں کو جگہ چھوڑ کر ہٹ جانا پڑا جس سے خود رشید کے لئے خاص

خطرہ پیدا ہوگیا اور جب موسم سرما قریب آ گیا اور یونانی قزاقوں کے گروہ محاصرین کے عقب میں زیادہ قوت و سرگرمی دکھانے لگے تو مصری فوج اور اس کے سپہ سالار کو طلب کیا گیا کہ جو مہم ترک سر نہ کر سکے وہ آ کر اسے انجام کو پہنچائیں۔ ہدرا کے ناخدا اپنا زیادہ ٹھیرے رہنا بے ضرورت سمجھ کر چلے گئے اور اگرچہ وہ بعد میں تھوڑی دیر کے واسطے پھر آئے مگر خلوص و تن دہی سے کام نہ کیا اور جو کیا وہ کچھ کارگر نہ ہوا ابراہیم نے ۱۸۲۶ء کے اوائل میں مہم کا انتظام شروع کیا اور فخریہ دعویٰ کیا کہ جو کام ترکوں سے نو مہینے میں نہ بن پڑا تھا وہ چودہ دن میں کر دکھاؤں گا۔ مگر اس کے جنگ آزمودہ سپاہیوں نے دست بدست لڑائی میں یونانیوں سے کامل شکست کھائی اور مصری سپہ سالار نے جو یونانی دشمن، ترک حلیف اور خود اپنے سردار سبھی سے سخت برہم تھا، اقرار کیا کہ مسولونگھی کو محاصرہ کر کے ہی تسخیر کرنا ہوگا۔ اب اس نے چپٹی تہ کی کشتیوں کا بیڑا تیار کرنے کا حکم دیا کہ شہر اور کھلے سمندر کے درمیان جو پایاب کھاڑیاں ہیں ان میں ڈال دیا جائے۔ اس طرح مسولونگھی ہر طرف سے گھیر گیا اور یونانی سرداران جہاز اپنا بیڑا لے کر آخری مرتبہ آئے اور کھاڑیوں میں جبراً راستہ نکالنا چاہا تو ان کا زور نہ چلا اور دشمن کو پانی میں پوری طرح مسلط دیکھ کر ایک ناکام کوشش کے بعد وہ وہاں سے چل دیئے اور مسولونگھی کو تقدیر کے حوالے کر گئے۔ محاصرے کی ابتدا ہونے کے ٹھیک ایک سال بعد اپریل ۱۸۲۶ء کے تیسرے ہفتے میں شہر کی رسد ختم ہوگئی اور اس ارادے پر جو مدت سے شہر والوں نے ٹھان رکھا تھا کہ مرد عورت بچے پوری آبادی اطاعت قبول کرنے کی نسبت لقمۂ شمشیر ہونے کو ترجیح دے گی، فی الواقع عمل کیا۔ ۲۲ اپریل کی رات کو تمام اہل مسولونگھی، بجز ان کے جنھیں پیرانہ سالی، خستگی یا علالت نے گھروں سے نکلنے کے لائق نہ چھوڑا تھا، شہر کے دروازوں پر صف آرا ہوئے عورتوں نے مردانہ لباس پہنے اور ہتیار لگائے اور بچوں نے طپنچے ہاتھوں میں لئے۔ پھر سپاہیوں کی ایک جماعت کے عقب میں وہ ترکی آتش باری میں خندق کے پار ہوئے ان کے مقدمے کی سپاہ نے ہر رکاوٹ کو سامنے سے ہٹا دیا اور ترکی صفوں تک راستہ نکال لیا۔ اس موقع پر ہنگامے میں کسی چیخ پکار کو ان لوگوں نے جو ابھی تک پلوں پر تھے غلطی سے پسپا ہونے کا حکم سمجھا اور غیر فوجی باشندوں کا ایک حصہ شہر میں واپس چلا گیا اور عقب کے فوجی بدرقے نے بھی انھی کا ساتھ دیا۔ بایں ہمہ اگلی فوجیں آگے بڑھ گئیں

اور امید تھی کہ تھوڑے سے بچے اور عورتیں تو ماری جائیں گی لیکن وہ خود نکل جائیں گے کہ اس سے قبل ہی غداری کی وجہ سے، ترکی سپہ سالار اُن راستوں سے آگاہ ہو گیا جن سے یہ فوجیں نکل جانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ یہ فوجیں ترکی لشکر گاہ سے باہر ہو چکی تھیں اور اب یونانی ارماتولون کے قزاقانہ جرگوں کے آپہنچنے کے انتظار میں تھیں جنھوں نے وعدہ کیا تھا کہ دشمن کے عقب پر ٹوٹ کر آگریں گے۔ کہ اتنے ہی دوستوں کے بجائے عثمانی سوار اور البانیوں کی صفیں کی صفیں اُن کے مقابل آجمیں جو مسولونگھی سے پہاڑوں تک جانے والے راستے پر گھات میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ پھر ان حیران و سراسیمہ خستہ و ماندہ یونانیوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے میں غنیم نے مطلق رحم نہ کیا اور کئی ہزار آدمیوں میں سے صرف پندرہ سو مرد اور چند عورتیں اور بچے جان سلامت لے کر محفوظ مقامات تک پہنچ سکے۔ یونانیوں کے شہر سے باہر نکلنے کے وقت ہی ترک مسولونگھی کے اندر داخل ہو گئے تھے۔ اور ان یونانی سپاہیوں نے جو گڑبڑ میں پلوں ہی سے واپس چلے گئے تھے، ثابت کر دیا کہ انھوں نے یہ کام بزدلی کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔ وہ آخر دم تک بے جھجک لڑتے رہے اور ان کے تین دستے گولہ بارود کے تین مخزنوں پر جاجمے اور جب ترکوں نے نرغہ کیا تو انھوں نے بارود میں آگ لگادی اور مخزنوں کے ساتھ خود بھی اڑ گئے۔ چند ہزار عورتیں اور بچے شہر کے اندر اور باہر یا پہاڑوں پر سرگرداں پھرتے ہوئے پکڑے گئے لیکن ان کے سوا اور بہت کم اسیر ترکوں کے ہاتھ آئے۔ کیوں کہ مسولونگھی کے مرد یا بچے آزاد ہو گئے تھے یا وہیں کام آئے عللہ

علہ۔ فاضل مولف نے اپنی تر زبانی سے مسولونگھی کے معرکے کو شجاعت کی عجیب و غریب داستان بنا دیا ہے حالانکہ اس کی اصلیت، جیسا کہ خود مولف کے اقوال سے ظاہر ہو سکتی ہے، صرف اس قدر ہے کہ مسولونگھی کے باغیوں کو جب تک بیرونی رسد اور مدد ملتی رہی وہ اپنی مضبوط بروج و حصار کے اندر قلعہ بند ہو کے مقابلہ کرتے رہے مگر جب تھی خشکی اور خاص کر سمندر کی طرف سے راستے مسدود ہوئے انھوں نے فرار ہونے کی ٹھان لی اور بیرونی قزاقوں سے ساز باز کر کے ایک رات کو چھپ کر نکل جانا چاہتے تھے بلکہ دور تک نکل گئے تھے کہ ترکوں کو خبر ہو گئی اور انھوں نے تعقب کیا۔ بہادران مسولونگھی نہایت بے حواس ہو کر بھاگے۔ وہ اپنی بیوی بچوں کو بھی باہر لائے تھے

مسولونگھی سے فتوحات عثمانی کا سیلاب مشرق کی طرف اُمنڈ پڑا اور ایتھنز کا قلعۂ اکروپولس کا اپنی نوبت پر طویل وصعب محاصرہ شروع ہوا۔ باغی حکومت کے قبضے میں اب خاص ملک یونان میں نوپ لیا کے سوائے مشکل سے اور کوئی زمین باقی رہی تھی اور نوپ لیا بھی ابراہیم پاشا کی پیش قدمی سے معرض خطر میں آگیا تھا۔ تاہم یونانی حکام نے پورا زور لگا دیا کہ اکروپولس رشید کے ہاتھ نہ پڑ سکے۔ مگر سب کوششیں رائیگاں گئیں۔ اس وقت چرچ اور کوچرین نام کے دو انگریز عہدہ داروں کو یونان کی بری اور بحری فوجوں کے سب انتظامات

سقوط اکروپولس ۵ر جون ۱۸۲۷ء

تفویض کر دیئے گئے لیکن ان انگریز سپہ سالاروں نے ترکی افواج پر جو حملے کئے اس میں سخت ذلت اٹھائی اور قلعے کی یونانی فوج نے ۵ر جون ۱۸۲۷ء کے دن ہتیار ڈال دیئے۔ مگر وہ وقت اب گذر چکا تھا جب کہ کوئی عثمانی فتح یونان کو آزاد ہونے سے مانع آسکتی۔ یونان اتنی مدت تک لڑتا رہا جو دولِ یورپ کو اس کا حامی بنانے کے لئے کافی تھی۔ اور اسی مہینے میں جس میں مسولونگھی فتح ہوا اُن حکومتوں نے عدم مداخلت کا اصول قطعی طور پر ترک کر دیا جو اپنے ارادوں کو عمل میں لانے کی بھی سب سے زیادہ قابلیت رکھتی تھیں اگر یہ جدوجہد ابتدائے بغاوت سے تین سال کے اندر ختم ہو جاتی تو سلطان کو یونان پر دوبارہ تسلط جمانے سے کوئی روکنے کی کوشش نہ کرتا۔ روس کو اتحاد مقدس کے اصول نے مسحور کر رکھا تھا۔ اور گو، جنگ کے دوسرے سال کاسل ریا کی موت اور کیننگ کے

بقیہ مضمون صفحہ گذشتہ:۔ جس کا مطلب ممکن ہے ترکوں کو دھوکا دینا یا حملہ کرنے سے روکنا ہو۔ چنانچہ انھیں فی الواقع ترکوں نے گزند نہیں پہنچایا اور غالباً ترکوں کی اسی احتیاط کی وجہ سے بہت سے مفرور جان بچا کر پہاڑوں میں چھپ سکے۔ شہر فتح ہو گیا۔ یہ نکتہ چینی راقم الحروف کو اس لئے ضروری نظر آئی کہ ناظرین کو ایک مرتبہ پھر متنبہ کر دیا جائے کہ گو فاضل مولف نائف نے اُن جھوٹے افسانوں کو جو یورپ میں ترکوں کے خلاف اور یونانیوں کی مدح و حمایت میں شہور کئے جاتے تھے بڑی کوشش سے معقول بنا پیرائے میں پیش کیا ہے لیکن اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوی اور ان کے اقوال غمازی کرتے ہیں کہ ترکوں سے بیجا تعصب کے جوش میں انھوں نے صداقت اور مورخ کے فرائض کا پورا لحاظ نہیں رکھا اور ان کی یہ تحریریں پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مترجم

برسرِ اقتدار ہونے سے یونان کو برطانوی وزارت کے اندر ایک قوی دشمن کی بجائے اپنا ایک قوی دوست مل گیا لیکن انگلستان کو غیر جانب داری چھوڑ کر کارروائی کرنے میں بہت عرصہ لگا۔ یہ سچ ہے کہ کیننگ نے یونان کے ساتھ اپنی ہمدردی کو کبھی راز میں نہیں رکھا اور نہ اس خواہش کو چھپایا کہ لڑائی کے اس کمزور فریق کو غیر جانب دار رہ کر جس قدر مدد دی جا سکتی ہے، اس میں دریغ نہ کیا جائے۔ بایں ہمہ جب وہ عہدہ پر مامور ہوا تو یہ موقع نہ آیا تھا کہ انگریزوں کا مداخلت کرنا ممکن یا مفید ہوتا۔ اس کی رائے تھی کہ جب تک دوسری دُوَل یورپ کے طرزِ عمل میں نیز خود متخاصمین کی حالت میں کوئی حسب مراد تبدیلی نہ ہو، اس وقت تک مشرق میں قیام امن کی غرض سے انگلستان کے اثر سے کام لینا مناسب نہ ہوگا۔

جس قدر زیادہ عرصے تک جنگ جاری رہی اسی قدر سارے مغربی یورپ میں رائے عامّہ یونان کی زیادہ حامی ہوتی گئی۔ ۱۸۲۴ء میں لارڈ بائرن کی اس قوم کے درمیان جسے وہ آزاد کرانے کے لئے آیا تھا، موت نے تمام متمدن دنیا کی پرولولہ التفات کو اپنی طرف کھینچ لیا اور یونانیوں کے حق میں وہ کام کیا کہ اگر بائرن اور زیادہ جیتا تو غالباً خود کوئی ایسا کام انجام نہ دے سکتا۔ فرانس اور انگلستان میں جہاں رائے عامّہ کا حکومت کے طرزِ عمل پر بڑا اثر پڑتا تھا، اور اسی طرح جرمانیہ میں جہاں اس قسم کا اثر مفقود تھا، لوگوں نے جا بجا انجمنیں قائم کیں کہ یونانیوں کی اسلحہ، ذخائرِ حرب اور زرِ نقد سے مدد دیں۔ ان باتوں کے باوجود یونان کی حمایت میں دُوَل یورپ کے مل کر مداخلت کرنے کی پہلی تحریک سینٹ پیٹرزبرگ ہی کی طرف سے ہوئی باغیوں کی جانب کیننگ کا کھلا ہوا میلان دیکھ کر زار کی حکومت کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ کیا تعجب ہے تھوڑے ہی دن بعد انگلستان یونانی ساعی کی پشتی بانی پر اکھڑا ہو جائے جس سے خود کیننگ کے پیشرو اور میٹرنک کے ایما سے

روسیوں کی متحدہ مداخلت کے لئے پہلی تحریک ۱۲ جنوری ۱۸۲۴ء

روس اب تک کنارہ کش رہا تھا۔ اور جب یونان کی حمایت ہی کی جائے تو یہ روسیوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ حمایت کی خدمت ان کی بجائے کوئی اور انجام دے۔ الغرض، ۱۲ جنوری ۱۸۲۴ء کو زار کی طرف سے ایک یادداشت یورپ کے تمام درباروں میں بھیجی گئی جس میں یونانی مسئلے کے حل کرنے کی تجاویز تھیں اور یہ تحریک کی گئی تھی کہ ان تجویزوں کو

یورپ کی بڑی طاقتیں ترکوں سے بزورِ شمشیر یا سیاسی تعلقات منقطع کرنے کی دھمکی دیکر منوائیں
اس یادداشت میں جزائر کو چھوڑ کر خاص یونان کو تین ریاستوں میں تقسیم کرنے کی تجویز کی تھی
جو سلطان کی باج گزار رہیں اور ترکی فوجیں بھی ان میں مقیم رہیں لیکن اور سب معاملات میں
اندرونی طور پر ہو آمداویہ اور ولیشیہ کی مثل خودمختار ہوں، باقی جزائر میں وہاں کا مقامی نظم و نسق بحالہٖ
قائم رکھا جائے۔ یہ تجویز اس اعتبار سے تو بعد کی جملہ تجویزوں سے جو عمل میں آئیں فضیلت رکھتی تھی کہ اس میں
کریٹ وائی رس کو مملکت یونان کے اندر داخل کیا گیا تھا ورنہ اس کے دوسرے سب اجزا محض
روس کے فائدے کو پیش نظر رکھکر مرتب کئے گئے تھے۔ اس کا خلاصہ مقاصد یہ تھا کہ
یونان میں بھی ایک مجموعہ ایسے صوبوں کا بنا دیا جائے جیسے ڈینیوب میں بنائے گئے تھے
تاکہ روس کو عثمانی معاملات میں دخل دینے کا ہمیشہ موقع ملتا رہے اور اسی کے ساتھ خود یونانی
اپنی کوئی ایسی آزاد و مستقل حکومت نہ قائم کر سکیں جو اپنے بل بوتے پر کھڑی ہو سکے۔ روسیوں کی
ان تجاویز کو کیاوری سے منسوب کرنا درست نہ ہوگا کیوں کہ ان کا منشا اتنا صریح تھا کہ یورپ کے
کسی ایک صاحب الرّائے کو بھی اس بارے میں کوئی مغالطہ نہ ہوا۔ اور میٹرنک کا ایک
بالکل معمولی جملہ اس بات کے لئے کافی ہوگیا کہ روسی حکومت یونان کی آزادی کے
برخلاف اپنی رائے کا صاف صاف اعلان کردے چنانچہ زار نے اس آزادی کے منصوبے کو
محض ایک "بیہودہ خیال" کے نام سے یاد کیا لیکن روسی تجویز کا جن فریقوں سے تعلق تھا
ان میں سب سے زیادہ زور شور سے اس تجویز کی تعریض خود یونانیوں نے کی۔ اور ان کی
(باغی) حکومت کی جانب سے ایک مخالفت نامہ لندن بھیجا گیا جہاں سے جواب میں
کیننگ نے انھیں کامل یقین دلایا کہ برطانیہ کسی ایسی تجویز کا ساتھ نہ دے گا جس میں یونانیوں کے
متعلق بغیر خود ان کی رضامندی کے کوئی فیصلہ کیا گیا ہو۔ دوسری سرکاروں میں زار کی
یادداشت کی نسبت اُسی قسم کے اخلاق و تواضع کے الفاظ سے کام لیا گیا جو ایسی حکومت کے ساتھ
برتنے لازمی ہوتے ہیں جس سے اختلاف کرنا خطرے سے خالی نہ ہو۔ سینٹ پیٹرزبرگ میں
شاورۃ کے جلسے پہ جلسے منعقد ہونے لگے جن کا مقصود اُن تجاویز پر غور و بحث کرنا تھا جن کے
عمل میں لانے کا کسی شریک جلسہ کا بھی قصد نہ تھا گو کیننگ نے سینٹ پیٹرزبرگ کے برطانوی
سفیر کو حکم بھیج دیا تھا کہ ان کارروائیوں سے کوئی سروکار نہ رکھے لیکن مشاورتوں کا سلسلہ
طویل وقفوں کے ساتھ، ۱۸۲۴ء کے موسم بہار سے اگلے سال کی گرمیوں تک

سسکتا ہوا جاری رہا [1]

ادھر اس اثنا میں روسی فوج اور قوم میں سخت ناخوشی کی ایک لہر اٹھ رہی تھی۔ الکزنڈر کے یونانیوں کی جد و جہد میں دستگیری سے انکار کر دینے سے اور پھر اس کی بیائی اتحاد کی کوششوں کا ایسا حقیر نتیجہ نکلنے سے، روسیوں کے قومی فخر و غرور کو جس قدر صدمہ پہنچا؛ اس سے کچھ کم صدمہ ان کے مذہبی جذبات کو نہ ہوا تھا یورپ کی تمام قوموں میں صرف روسی ایسے تھے جن کی ہمدردیاں قدیم یونان کے علوم و فنون کے رہین منت ہونے کی بنا پر مطلق نہ تھیں مگر یونانی بغاوت کی مذہبی نوعیت کا یورپ بھر میں صرف وہی صحیح احساس رکھتے تھے۔ ان کے سیاسی خیالات میں مذہبی عنصر کی قوت کا اس ایک ہی واقعے سے

روسیوں کی ناراضی اور سازشیں

خوب اندازہ ہو سکتا ہے کہ ۱۸۲۵ء کے جاڑوں میں رود نیوا کی جن طغیانیوں سے سینٹ پیٹرزبرگ تہ آب ہوا، انھیں لوگوں نے قہر الٰہی سے تعبیر کیا جو اس لئے نازل ہوا کہ زار ہلال و صلیب کی باہمی جنگ میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا۔ علاوہ ازیں ملک میں لوگوں کی دل برداشتگی کے اور اسباب بھی مفقود نہ تھے۔ اگرچہ الگزنڈر اپنی آئینی حکومت قائم کرنے کے وعدے بھول بھلا چکا تھا مگر بہت سے روسی خاص کر فوج میں ایسے تھے کہ ان کے دل سے ان مواعید کی یاد فراموش نہ ہوئی تھی۔ فرانس پر ۱۸۱۵ء کی فوج کشی میں اور اس کے بعد تین سال وہاں قبضے کے زمانے میں جو فوجی سردار شریک تھے وہ اپنے وطن واپس آئے تو مدنی ترقی اور آئینی حقوق کے وہ خیالات مغربی یورپ سے لے کر آئے جو انھیں اپنے وطن میں کسی طرح میسر نہ آ سکتے تھے۔ اور جب وہ دل خوش کن امیدیں جو زار کے اسی قسم کے جذبات سے متکیف ہونے کی بنا پر موجزن ہوئی تھیں، رخصت ہو گئیں اور استبداد اور استحصال ناجائز کا دورہ پہلے کی طرح پھر جاری ہو گیا تو فوج کی وہ غیر مشروط وفاداری اتنی مضبوط نہ رہ سکی کہ انقلاب آمیز تحریکات کا اس پر کوئی اثر بھی نہ ہو سکتا۔ ایسے ملک میں جہاں حکومت سے مخالفت یا اصلاحات کا آغاز کرنے کے قانونی

---

[1] پیرو کیش اسٹن۔ اول ۔ ۲۵۳۔ چہارم ۱۳۳۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات ۔ دوازدہم ۹۰۴۔ اسٹے پلٹن کیننگ، صفحہ ۴۹۲ میٹرنک چہارم ۱۲۷ لنگٹن کا این ایس۔ دوم ۲۷۲۔ ۲۹۶۔

وسائل مطلق مفقود تھے، لوگوں کی دل برداشتگی نے خواہ مخواہ سب سے خطرناک صورت، یعنی فوجی سازش کی شکل اختیار کی عساکر روس میں خفیہ انجمنوں کا چھتّا سا بن گیا۔ شمال اور جنوب کے دونوں حصوں میں بارسوخ اشخاص نے نوعمر سرداران فوج میں کام کرنا شروع کیا اور آئینی حکومت کو بزور قائم کرنے کے مقصد میں ایک معقول جمعیت کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ سب سے پختہ ارادے کے دل چلے سازشی جنوبی افواج میں تھے۔ ان لوگوں نے حتمی طور پر یہ امید ترک کر دی تھی کہ جب تک الکزنڈر زندہ ہے کوئی ملکی اصلاح عمل میں آنی ممکن ہے۔ اور ٹھان لی تھی کہ جس طرح الکزنڈر کا باپ اور بعض دیگر اسلاف قربان کئے گئے اسی طرح الکزنڈر کی بھی ملکی ضروریات کی خاطر قربانی چڑھا دینی چاہئے۔ اگر وہ شہادت قابل اعتبار مانی جائے جو بعد میں سازش سے علاقہ رکھنے والوں نے دی تھی، تو معلوم ہوتا ہے کہ قطعی طور پر یہ تجویز مرتب کر لی گئی تھی کہ ایک بڑی فوجی نمائش کے موقعے پر جو ۱۸۲۵ء کے موسم خزاں میں جنوبی روس میں ہونی قرار پائی تھی، زار کو عین اس کے سپاہیوں کے روبرو مار ڈالا جائے۔ اور یہ طے ہوا تھا کہ بادشاہ کی ہلاکت کے ساتھ ہی ایک ہنگامی حکومت قائم کر کے آئین کی منادی کرا دی جائے۔

الکزنڈر اپنی رعایا میں اس طیش و ہیجان کے بڑھنے سے آگاہ تھا اور اس کی سیاسی گفت و شنید میں جو ناکامی ہوئی اس سے اتنا پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ ضبط کرنا مشکل تھا لہٰذا اگست ۱۸۲۵ء میں اس نے مجالس مشاورت کو تو یہ لکھکر برخاست کر دیا کہ آیندہ دولت روس کو جو کچھ کرنا ہوگا اپنے اختیار تمیزی سے کرے گی، اور خود سینٹ پیٹرز برگ سے بحر اسود کی طرف روانہ ہو گیا۔ حامی جنگ فریق کے بعض سرگروہ اس سفر میں اس کے ہمرکاب تھے لیکن اس طرف آتے ہی اس احساس نے اسے انتہا درجے کے اندوہ و ملال میں مستغرق کر دیا کہ اس کی ساری پہلی آرزوؤں کا تو نتیجہ صرف یہ

الکزنڈر کی وفات یکم دسمبر ۱۸۲۵ء

نکلا کہ اب اس کے ہر طرف سازشوں کا بازار گرم ہے اور بین الاقوامی امن کی خاطر روس کی جنگی اغراض کو قربان کرنے کا انجام یہ ہوا کہ آج اس کا ملک تمام یورپ کے سامنے کمزور و بے بس نظر آتا ہے۔ با ایں ہمہ اسے ابھی تک صلح یا جنگ کا قطعی فیصلہ کر لینے میں تامل تھا اس کی حرکات و سکنات

اور اس کے دلی خیالات کچھ پُر اسرار سے ہو گئے تھے کہ عین اس وقت جب کہ سارا یورپ گوش بر آواز تھا کہ تذبذب و تعطل کا یہ وقفہ کس طرح ختم ہوتا ہے، بحر اسود کی ایک دور دست بندرگاہ سے ناگہاں یہ اطلاع چاروں سمت بھیجی گئی کہ زار نے وفات پائی ؛ الکزنڈر کی عمر پورے پچاس برس کی بھی نہ تھی لیکن وہ اُس علالت کو دعا دیتا تھا جس نے اسے ایک پُر افکار و آلام دنیا سے اُٹھا لیا اور ایک ایسی سرگذشت کا خاتمہ کر دیا جس میں سرشار کن ناموری اور غیر محدود امید کے بعد کامل کرب و ناامیدی چھا گئی تھی۔ وہ چوبیس برس بادشاہی کرتا رہا اور اس اعتبار سے اس کی عمر کچھ بھی زیادہ نہ تھی لیکن کارفرمایان یورپ میں وہی سب سے زیادہ زندگی سے اُکتا گیا تھا۔ اقتدار و مسرت اور شوق و اضطرار کی بدولت ایسی ساعتیں بارہا اُس پر گذریں جن سے اس کے معاصرین میں نپولین کے سوا اور کوئی لذت اندوز نہ ہوا تھا لیکن یہ سب فانی چیزیں تھیں اور آخر میں اگر کوئی شئے اس کے لئے مایہ تسکین و تسلّی ہوئی تو وہ مذہبی تسلیم و رضا تھی اور یہ اعتقاد کہ شاید میری نسبت ایک برتر و اعلیٰ قوّت تعالیٰ شانہ ہی اُن مقاصد کو بر لائے جس میں مجھے نامرادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بڑے بڑے کاموں اور بڑے بڑے واقعات میں بھی بڑائی کبھی الکزنڈر کے حصے میں نہ آئی۔ اس کی ممتاز ترین خوبی، یعنی اس کی امیدیں اور ولولے، ٹھیک وہ چیز تھی جسے اس سے کمتر درجے کے لوگ اس کا سب سے بڑا قصور سمجھتے تھے اور آخر میں خود الکزنڈر نے ان امیدوں کو چھوڑ دیا اور علانیہ انھیں خیرباد کہہ دی۔ استقامت، گہری نظر اور ایک ہی مقصد کو سامنے رکھنے کے اوصاف جن سے انسان واقعات کو حسب منشا ڈھال سکتا ہے ظاہراً الکزنڈر میں شاذ و نادر کبھی جمع ہوئے یا ان کی جھلک سی کبھی دکھائی دی۔ اور نہ در اصل انھی کی کمی سے اس کے عہد ابتدائی کا وسیع و خوش نما منظر پہلے دُھندلا ہوا اور پھر اس کی نظر سے بالکل اوجھل ہو گیا۔ تا آنکہ آخر زمانے میں اس میں اور ان کارفرمایانِ جور و جبر میں، جن کے ہاتھ میں وہ آلۂ بیجاں بن گیا تھا، سوائے اس کے کچھ فرق باقی نہ رہا کہ الکزنڈر خوف خدا اور فیاضی کے جذبات سے متصف تھا۔

الکزنڈر کی ناگہانی موت نے دربار روس کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا کیونکہ یہ کچھ معلوم نہ تھا کہ اس متوفیٰ کا جانشین کون ہو گا؟ سلطنت کا ولی عہد، الکزنڈر کا بھائی،

کونس ٹن ٹائن، محض جاہل اور سنگدل وحشی تھا اور گو وہ اپنے آپ کو اس بات کا پورا اہل سمجھتا تھا کہ پولینڈ والوں پر ظلم و جور کا سکہ بٹھائے لیکن غنیمت ہے کہ اتنی عقل اس میں ضرور تھی کہ زار روس بننے کی آرزو نہ رکھتا تھا۔ وہ اپنی حق وراثت سے چند سال قبل لادعویٰ ہو گیا تھا لیکن اس دست برداری کا عام طور پر اعلان نہیں ہوا تھا اور نہ اس کے چھوٹے بھائی امیر الامرا (گرینڈ ڈیوک) نکولاس کو بتایا گیا تھا کہ آیندہ اسے وارث تخت بنانے کا مسئلہ طے ہو چکا ہے جس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ یہی سبب تھا کہ جب الکزنڈر کی وفات کی خبر سینٹ پیٹرز برگ پہنچی اور سرکاری محافظ خانے سے ان عہدہ داروں نے کونس ٹن ٹائن کے لادعویٰ کا کاغذ نکال کر پیش کیا جن کی تحویل میں یہ دستاویز تھی تو نکولاس نے اس کو واجب العمل نہیں مانا اور سپاہیوں سے کونس ٹن ٹائن ہی کی وفاداری کا حلف لوایا جو خود اس وقت وارسا میں تھا۔ ادھر کونس ٹن ٹائن نے اپنے بھائی کی بادشاہی کی منادی کرا دی تین ہفتے اسی دو دلی میں گذر گئے جن میں وارسا اور سینٹ پیٹرز برگ کے درمیان قاصد دوڑتے رہے کیونکہ نکولاس نے اس وقت تک کہ براہ راست بڑے بھائی کا حکم نہ پہنچے، تاج قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ آخر یہ تحریر بھی آگئی اور ۲۶ دسمبر کو نکولاس منصب شاہی پر فائز ہوا لیکن ان چند روز کے تذبذب کی مختصر مہلت ہی سے سینٹ پیٹرز برگ کے سازشیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ سپاہی کونس ٹن ٹائن کی اطاعت کا حلف لے چکے تھے۔ اسی کی بنیاد پر بعض فوجی سرداروں کو جو سازش میں شریک تھے موقع ملا کہ نکولاس کو غاصب قرار دیں اور وارث جائز کی وفاداری کے پردے میں اپنے اصلی مقصد کو چھپالیں۔ عام سپاہی آئین کے معنی بھی نہیں جانتے تھے مگر وہ بگڑ بیٹھے کیونکہ ان سے ایسا ہی کہا گیا تھا۔ حتیٰ کہ کہتے ہیں انھوں نے یہ سمجھ کر "کونس ٹی ٹیوشن" (= آئین) کے نعرے بلند کئے کہ اس سے کونس ٹن ٹائن کی بیوی مراد ہے! جب فوج کو نکولاس کی اطاعت کا حلف اٹھانے کے لئے طلب کیا گیا تو ماسکوی دستے نے صاف انکار کر دیا اور ایوان امارت کے سامنے جا کر مربع شکل میں صف بندی کر لی۔ فوج خاصہ کے سواروں نے ان پر حملہ کیا تو اسے بھی انھوں نے پسپا کر دیا۔ اب دوسری فوجوں کے جوق بھی نکل نکل کے باغیوں میں آملے اور عام باشندوں میں بھی شورش و بغاوت کے آثار نمودار ہونے لگے۔ نکولاس نے اس موقع پر

سینٹ پیٹرز برگ کی فوجوں کی سرتابی۔ ۲۶ دسمبر ۱۸۲۵ء

وہ طبعی مستعدی نہیں دکھائی جو نپین مابعد میں اس کا نمایاں وصف ثابت ہوی۔ اس کے برعکس کچھ عرصے تک قوت بازو پر بھروسہ کرنے کی بجائے وہ گویا تقدیر پر تکیہ کئے رہا۔ خواہ اس کا سبب یہ ہو کہ اپنے حق بادشاہی کے متعلق ابھی تک اس کے دل میں خلش ہورہی تھی یا یہ کہئے کہ اس کی فطرت کے فولادی جوہر کے پوری طرح ظہور میں آنے کے لئے اسی قسم کی ابتلا ضروری تھی جس میں وہ تخت نشینی کے وقت مبتلا ہوا، غرض جو سبب بھی ہو یہ یقینی بات ہے کہ اس نازک موقع پر نئے زار نے اس پاس کے لوگوں پر اس عزم مصمّم کا جس سے آیندہ دولت روس پر فرماں روائی ہونے والی تھی، کوئی خاص کرشمہ نہ دکھایا۔ فوج کا حصّۂ اعظم مطیع و فرماں بردار رہا تاہم اسے بغاوت کے مقام تک لانے میں دیر لگی۔ اعلیٰ رتبے کے سردار باغیوں کی فہمائش کے لئے بھیجے گئے اور انھیں میں سے جنرل ملورادووِیش نے جو محاربات نپولین کا جنگ آزمودہ سردار تھا، اس کوشش میں کہ سپاہی اس کی بات سنیں، مہلک زخم کھایا۔ غرض کہیں شام ہونے تک توپ خانے کو کام میں لانے کا حکم ملا اور زار کا فرمان پہنچا کہ باغیوں کی صفوں پر چھرّے کے گولے چلائے جائیں۔ اس کارروائی کا فوری اثر ہوا۔ اس آگ کے سامنے سے جس کا خود جواب نہ دے سکتے تھے، باغی بھاگ کھڑے ہوئے اور آن کی آن میں ساری شورش و سرکشی ختم ہوگئی۔ اس شورش کو جنگی قابلیت کا کوئی سربراہ میسّر نہ آیا تھا اور عین اس وقت جب کہ فوج کی پیش قدمی یا زار کے محلات پر یورش سے کامیابی ہونی ممکن تھی، شورش کے سرغنہ غائب تھے۔ دوسرے خود سپاہیوں میں عام طور پر اس بات کی مطلق خواہش نہ تھی کہ روس کے نظام حکومت کے برخلاف کسی تحریک میں حصّہ لیں۔ اس سازش کا اثر روس کے اندرونی معاملات میں اگر باقی رہا تو وہ فقط یہ نظر آتا تھا کہ آیندہ سے نکولاس ایسی شدت و سختی کے ساتھ جس میں ذرا بھی نرمی نہ آئی، مطلق العنان حکومت کے اصول پر کاربند ہوگیا۔ اور عہد گذشتہ کی ساری دلفریب امیدیں محو و ناپدید ہوگئیں۔ ایک حولدار کی سی تعلیم و خیالات اور ایک کور تعلّد کے سے راسخ اعتقاد کا آدمی تخت و تاج کا مالک ہوا۔ اس پر یہ بغاوت ہوی جس نے بادشاہ کے حق میں بدترین کام کیا۔ پس اب اگر کوئی جہاں پناہ کے جامع و بے نقص احکام کی کامل اطاعت و متابعت کا فرض ادا کرنے میں سر مو کوتاہی کرے تو

اس کے نصیب کی برگشتگی! علہ

بیان کیا جاتا ہے، اور یہ صداقت کے قرینے سے بھی خالی نہیں کہ بیرونی معاملات میں زیادہ زوردار طرز عمل اختیار کرنے پر زار کو اسی ۱۸۲۵ء کی بغاوت نے کمربستہ کر دیا۔ سازشی گرفتار ہو کر عدالت میں لائے گئے تو انھوں نے اظہار دیا کہ ہمارا ارادہ تھا کہ بلا تاخیر فوجوں کو لیکر ترکوں پر چڑھ دوڑیں گے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ ایسا کرتے تو ساری قوم ان کا ساتھ دیتی۔ خود نکولاس کو یونانیوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور تھی تو برائے نام ہو گی کیونکہ وہ جمہوریت پسند لوگ تھے اور جس آزادی کو وہ حاصل کرنے کے درپے تھے وہ زار کی نظر میں محض لانظمی تھی۔ اس نے ایک غیر سلطنت کے نائب سے ایک مرتبہ کہا کہ "یونانیوں کا ذکر نہ کرو۔ میں انھیں باغی کے نام سے یاد کرتا ہوں" لیکن یونانی جمہوریت کے کام آنے سے نکولاس کو کتنا ہی اغراض ہو، مصلحت اور طبعی میلان دونوں کا مقتضیٰ یہ تھا کہ وہ اپنے پیشرو کے مذبذب طریق رسل ورسائل کو ترک کر دے اور مشرق کی جنگ و پیکار کو جلد سے جلد ختم کرا دے۔ ادھر کیننگ پہلے ہی روسی سفیر کے ساتھ روس اور اس کے حریف انگلستان کے باہمی طرز عمل میں تبدیلی کے امکانات پر گفتگو کر چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ روس و برطانیہ میں جدید تعلقات قائم کرنے اور مشرقی معاملات میں اشتراک کی کوشش کا یہی وقت ہے جس کی الکزنڈر کے عہد میں، کیننگ کے نزدیک کوئی عملی صورت نہ تھی۔ پس ڈیوک اوف ولنگٹن کو سینٹ پیٹرزبرگ بھیجا گیا

انگلستان و روس کا اقرارنامہ ۴ اپریل ۱۸۲۶ء

جس کا ظاہری مقصد تو نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر رسمی مبارکباد ادا کرنا تھا لیکن درحقیقت اسے خود جنگ چھیڑنے سے باز رکھنا اور اس بات پر رضامند کرنا تھا کہ یا تو تنہا انگلستان کو مداخلت کا موقع دے یا انگلستان و روس دونوں مل کر یونان کی طرف سے مداخلت کریں۔ اس مقصد میں وفد کو کامیابی ہوی میٹرنک نے بہتیرا چاہا کہ نئے زار کو بھی اسی سیاسی جالے میں الجھائے جس میں اس کے پیشرو کو اتنے عرصے تک پھانسے رکھا تھا مگر کوئی تدبیر نہ چلی۔

علہ۔ کورف: "نکولاس کی تخت نشینی" صفحہ ۲۵۳۔ ہرزن: "رویش ورس ورنگ" صفحہ ۱۰۔ بنڈل سوہن۔ اول صفحہ ۲۵۶ یشنٹر لر: "ہستواران ٹیم" اول ۔ ۱۹۵ ۔

اتحادِ مقدس کا طلسم ٹوٹ گیا۔ نکولاس مشرقی معاملات میں آسٹریہ کے گذشتہ اثر پر ہی پیچ و تاب کھاتا تھا۔ سفیروں کی مجلس مشاورہ وغیرہ کی ایک تجویز اس نے نہ سنی۔ ۴ اپریل ۱۸۲۶ء کے دن سینٹ پیٹرزبرگ میں ایک اقرار نامہ پر دستخط ہو گئے جس میں روس و برطانیہ نے وہ شرطیں طے کر لیں جن کے مطابق برطانیہ کو ترکی کے معاملے میں ثالثی کرنے کی اجازت دی گئی۔ شرطیں یہ تھیں کہ یونان سلطان کا خراج گزار رہے لیکن وہ اپنے حکام کا خود انتخاب کرنے اور اپنی تجارتی تعلقات میں بالکل آزاد ہو۔ اس منصوبے پر جسے آج کل بوریا بستر اٹھا کر نکال دینے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اتنی وسیع شکل میں عملدرآمد کی قرار داد ہوئی تھی کہ اس زمانے میں جو لوگ مشرق کی محکوم اقوام کے سب سے سرگرم وکیل ہیں انھوں نے اتنی سخت شرطیں کبھی نہیں پیش کیں۔ یعنی مذکورۂ بالا اقرار نامے کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ نہ صرف ترک عہدہ دار بلکہ بچی کھچی ساری ترک آبادی ملک یونان سے خارج کر دی جائے اور ترکوں کی جو املاک یونان خاص یا جزیروں میں ہوں انھیں یونانی خرید لیں۔[۱]

گفت و شنید کا یہ پہلا مرحلہ تھا جس نے یونانی آزادی کو مسلّم کر دیا۔ اقرار نامے پر دستخط خفیہ طور پر ہوئے تھے مگر کچھ وقفے کے بعد اسے یورپ کی دوسری حکومتوں کے پاس بھیجا گیا۔ وی آنا کے اہل الرائے کو اس نے سخت منغض کیا اور میٹرنک نے اوّل اوّل دعوے سے کہا تھا کہ انگلستان و روس کا اتحاد ناممکن ہے۔ مگر جب یہ اتحاد فی الواقع ہو گیا تو اس کو جو غم ہوا اور غصہ آیا اس کی پوری کیفیت بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔ کبھی تو وہ کہتا کہ یہ کیننگ انقلاب پسند سازش ہے جس نے ناتجربہ کار و نوجوان زار کو دم جھانسہ دے کر یورپ کے اشد آزاد خیال گروہ کا حلیف بنا لیا۔ اور کبھی کہتا کہ انگلستان، روس کی ہوس و دراز دستی کا آلۂ ہیجان بن گیا ہے۔ وہ زور دیتا تھا کہ یورپ اب سے پہلے اندازہ ہی نہ کر سکتا تھا کہ کاسل ریا کی موت سے اسے کتنا نقصان پہنچا! ادھر پیرس اور برلن میں تو اس کے سفیروں نے ان سلطنتوں کو روس و انگلستان کی متحدہ مداخلت سے بدظن و مشتبہ کر دینے میں کوشش کا کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا اور ادھر آسٹریہ کے سفیرِ لندن نے شاہ جارج کو کیننگ سے جو ذاتی پرخاش تھی

[۱] بی اور ایف سرکاری کاغذات۔ چہاردہم ۶۳۰۔ میٹرنک، چہارم ۱۶۱ و ۲۱۲ و ۲۲۰ و ۳۷۲۔ ولنگٹن۔ این، ایس دوم ۵۸۵، ۱۴۸، ۲۴۴؛ گینیٹر۔ ڈی۔ آئی۔ سوم ۳۱۵۔

اُس سے کام لیا اور انگلستان کے طبقۂ امرا کے اُس ذی اثر گروہ سے اس وزیر کے خلاف جوڑ توڑ کئے جس کے دلوں میں اب تک آسٹریہ کا دیرینہ عزو وقار جاگزیں تھا۔ بااین ہمہ صرف برلن ایسا میدان تھا جہاں میٹرنک کی چالیں پوری پوری طرح کامیاب ہوئیں کیونکہ شاہ فریڈرک ولیم کو ہنوز نوجوان زار نکولاس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی اور اس لئے یہ دشواری پیش نہیں آئی کہ دو استادوں میں سے کس کی سنے اور کس کی نہ سنے؛ غرض یونانیوں سے ہمدردی رکھنے کے باوجود اس فرماں روانے پروشیہ کو مجوزہ مداخلت میں حصہ لینے سے باز رکھا اور سب معاملات سے الگ تھلگ خاموش بیٹھا رہا اور اس طریق عمل کی توجیہ یہ کی کہ مشرق سے پروشیہ کی کوئی مادی اغراض متعلق نہیں ہیں۔ دوسرے سچ یہ ہے کہ پروشیہ نہ سلطنت عثمانیہ کی ہمسایہ تھی نہ اس کے پاس بحری قوت تھی لہٰذا وہ ترکی کے معاملات پر کوئی اثر بھی نہیں ڈال سکتی تھی۔

پروشیہ سے کہیں زیادہ معاملے کا انحصار فرانس پر تھا اور وہاں اس وقت حکومت بالکل فرقہ "وراثت شناس" (Ligitimist) کے حسب مراد کی جارہی تھی لوئی ہجدہم نے ۱۸۲۴ء میں وفات پائی اور کونٹ آرتوا چارلس دہم کے لقب سے اس کا جانشین ہوا تھا۔ وراثت شناسوں کے اصول کا منطقی اعتبار سے مقتضیٰ یہ تھا کہ وہ باغی رعایا کے مقابلے میں سلطان کے موروثی حقوق کی حمایت کریں۔ لیکن سلطان ہسپانیہ کے فرڈی نینڈ کی طرح بوربن خاندان سے کیا، مسیحی مذہب تک کا آدمی نہ تھا اور ایسی صورت میں جب کہ شہریار جائز غیر مسیحی اور بغاوت کرنے والی رعایا عیسائی ہو، نہایت راسخ الاعتقاد وراثت شناسوں کا ضمیر بھی موروثی بادشاہ اور ملت مسیحی کے ربانی حقوق میں فرق و فصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہوسکتا تھا۔ اور آخر ایسی پریشان کن مجبوری میں یہ سادہ تر راستہ پسند کرسکتا تھا کہ خاموش بیٹھے رہنے کی بجائے قوم کے حسب مراد عملی کارروائی کرے

معاہدۂ روس و انگلستان و فرانس، جولائی ۱۸۲۷ء

فرانس کے آزاد خیال اور اشد بادشاہ پسند، دونوں گروہوں میں یونان سے بھی ہمدردی رکھنے والے موجود تھے بلکہ شاید یہی ایک مقصد ایسا تھا جس کے متعلق فرانس کے جملہ سیاسی گروہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ایک دوسرے کے کسی حد تک ہم خیال ہیں۔ آزاد خیالوں کو تو کمال مسرت اس لئے بھی کہ یورپ میں ایک نئی آزاد حکومت قائم ہونے کے آثار تھے اور خود چارلس دہم جیسے پکے کیتھولکوں کو سینٹ لوئی اور

محاربات صلیبیہ کے قصے یاد تھے۔ روس و آسٹریہ کے قطع تعلق کے جو آثار نظر آرہے تھے، اس کی اور نیز فرانس و روس میں دوستی قائم کرنے کی انتہائی اہمیت کو بھی سیاست خارجہ کے (فرانسیسی) شاطر خوب سمجھتے تھے۔ غرض اس طرح اکثر افراد قوم کے لیے غرض جذبۂ ہمدردی اور گہری سیاسی مصالح کی مقتضیات، بالکل ایک ہوگئی تھیں۔ پس حکومت فرانس نے اصول وراثت شناسی اور میٹرنک کے ساتھ بعض وعدے وعید کو بھی جو ۱۸۲۵ء میں اس کے پیرس آنے کے وقت گئے تھے، بالائے طاق رکھا اور تہیہ کر لیا کہ مشرق میں انگلستان و روس کی مداخلت کی حکمت عملی کو مان لے اور یہ دونوں سلطنتیں جو عملی کارروائی کریں ان میں خود بھی حصہ لے۔ اب اقرار نامہ سینٹ پیٹرزبرگ ایک باقاعدہ معاہدے کی بنیاد بن گیا جس پر لندن میں جولائی ۱۸۲۷ء میں دستخط ہوگئے۔ اس دستاویز کی رو سے انگلستان، روس اور فرانس نے مشرق کی جنگ وجدال کا خاتمہ کر دینے کا بیڑا اٹھایا جو تمام قوموں کی تجارت کے نقصان کی بنا پر سارے یورپ کا معاملہ بن گئی تھی۔ قرار دیا گیا کہ متخاصمین کو ایک ماہ کی ہنگامی صلح اور دول کی ثالثی قبول کرنے کی دعوت دی جائے۔ یونان سلطان کی سیادت شاہی کے ماتحت آزاد ہو۔ اسلامی آبادی اقرار نامہ سینٹ پیٹرزبرگ کی تجویز کے مطابق اضلاع یونان سے اٹھا دی جائے اور یونانی اپنی نئی مملکت کی حدود میں تمام ترکی املاک کا قبضہ لے لیں اور سابق مالکوں کو اس کا تاوان ادا کر دیں۔ تینوں دول متعاہدین نے عہد کیا تھا کہ وہ خود ممالک مشرقی میں جدید مقبوضات یا خاص تجارتی مراعات حاصل نہ کریں گی۔ معاہدے کی صیغۂ راز کی دفعات میں یہ انتظام بھی طے کر لیا گیا تھا کہ اگر ترک ان تجاویز کو مسترد کر دیں تو کیا کارروائی کی جائے۔ یعنی ایک مہینے کے اندر ہنگامی صلح کی تجویز اگر منظور نہ ہوئی تو دول کو اتفاق تھا کہ دونوں لڑنے والوں کو اطلاع دیدی جائے کہ ہم نے آئندہ لڑائی روک دینے کا ارادہ کر لیا ہے۔ پھر اس ارادے کو عمل میں لانے کی ضروری کارروائی کی جائے بغیر اس کے کہ متعاہدین خود لڑائی میں کوئی حصہ لیں یہ بھی قرار پایا کہ تینوں سلطنتوں کے جو بحری دستے بحر متوسط میں ہیں ان کے سرداروں کو شرائط معاہدہ کے مطابق ضروری ہدایتیں بھیجدی جائیں[۱]

[۱] بی اور ایف سرکاری کاغذات، چہاردہم ۶۳۲۔ مفد ہم ۲۰۔ ولنگٹن، این ایس۔ چہارم، ۵۷۔

معاہدۂ لندن پر مشکل سے دستخط ثبت ہوئے ہوں گے کہ کیننگ فوت ہوگیا۔ یہی انگریز وزیر تھا جس نے اپنے اسلاف کی حکمت عملی سے حتمی طور پر انحراف کیا۔ وہ حکمت عملی جس نے روسیوں کی پیش قدمی روکنے کی خاطر مشرق کی مسیحی اقوام کو ترکوں کی دائمی غلامی میں پڑے رہنا گوارا کیا اور آسٹریہ کے اس نظام سے برطانیہ کلاں کو وابستہ کر دیا جو قومی

کیننگ کی وفات
اگست ۱۸۲۷ء

آزادی کے اصول اور نام تک کا دشمن تھا۔ کیننگ، دولتِ روس کا اندھا دھند دوست نہ تھا۔ انگلستان کے ایشیائی مفاد و اغراض کی اس کے دل میں بھی وہی قدر و قیمت اور اتنی ہی لو لگی ہوئی تھی جتنی اس کے کسی حریف کے دل میں۔ اور اپنے زمانے کے انگریز اہل الرائے میں وہ سب سے آخری شخص ہوتا جو انگلستان کے واجبی اثر و اقتدار میں ذرا سی کمی ہونی بھی گوارا کرتا۔ با ایں ہمہ، اسے اپنے اسلاف کے برخلاف نظر آگیا تھا کہ بعض بڑی بڑی قوتیں مصروفِ عمل ہیں جو مشرق (= مشرقی یورپ) میں، انگلستان کی شرکت سے خواہ انگلستان کے علی الرغم، وہ انقلاب سرانجام کئے بغیر نہ رہیں گی جس کا وقت آگیا ہے۔ اور کیننگ اتنا صاحب تدبّر ضرور تھا کہ اس عقیدے کو اس نے تسلیم نہیں کیا کہ انگلستان کی سود و بہبود لازماً اور دائماً نوعِ انسان کے سچے مفاد اور عہد حاضر کے اعلیٰ جذبات سے تضاد و پرخاش رکھتی ہے۔ نظر بر ایں اس نے سلطنت عثمانیہ کے مقبوضات بجنسہٖ قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی نہ یہ طرزِ عمل اختیار کیا کہ روس تو فقط اپنے بل بوتے پر یونان کو آزاد کرے اور انگلستان الگ تھلگ رہ کر فقط دھمکی اور جنگی تیاری پر اکتفا کرے۔ اس کے

کیننگ کی حکمت عملی

بجائے وہ آزاد کرانے کے کام میں روس کا شریک ہوگیا اور مشرق میں روس کی کسی ناواجب چیرہ دستی کا بہترین تدارک اسی متحدہ کارروائی کو سمجھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلستان کو جنگی مداخلت کا پابند بناتے وقت کیننگ کو یہ امید تھی کہ سلطان یونانی مسئلے کا حل دُول کی تجویز کے مطابق امن کے ساتھ منظور کر لے گا اور اس معاملے میں یا اور کسی بنائے مخاصمت پر بابِ عالی اور سلطنت روس میں علیحدہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے گی۔ لیکن ان میں سے کوئی امید بھی پوری نہ ہوئی۔ دُول متحدہ کو بزورِ شمشیر مداخلت کرنی پڑی اور جونہی انہوں نے مشترکہ وار کیا، روس و ترکی میں ایک علیحدہ جنگ بھی

چھڑ گئی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر کیننگ کا رشتۂ حیات اتنی جلد قطع نہ ہو جاتا تو واقعات کی رفتار میں کیا تبدیلی ہوتی لیکن خواہ اس کی تدابیر ڈین یوب پر آتش جنگ کو بھڑکنے سے روکنے میں کامیاب ہوتیں یا نہ ہوتیں، معاہدے کے اکثر نتائج نے یہ ضرور ثابت کر دیا کہ اس کی حکمت عملی درست و صائب تھی۔ یونان کی ایک آزاد مملکت قائم ہو گئی کہ آگے چل کر مشرقی یورپ میں اسلافیوں کا غلبہ روکنے میں نہایت کارآمد مہرہ ثابت ہو اور ادھر روس و ترکی کی جنگ نے، جس کا مدت سے لوگوں کو وہم تھا، کوئی ایسا مصیبت انگیز نتیجہ پیدا نہ کیا جن کی خواہ مخواہ توقع کی جاتی تھی۔ اپنے اسلاف کے مقابلے میں کیننگ کے تدبر کی نسبتی قدر و منزلت کے متعلق انگلستان اور یورپ کے اہل الرائے کبھی کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کی فہرست میں داخل ہے جن کی بدولت اس ملک (یہ انگلستان) نے نوع انسان کی عزت و تکریم کا استحقاق حاصل کیا۔ اس کی یادگار اور اس کے اصول کی خوبی کی سب سے بڑی تصدیق مشرق[1] میں قومی آزادی کا وجود ہے اور جب پچاس برس کے بعد برطانیہ کے بعض حکام نے پھر عدم مداخلت کا وہی طریقہ اختیار کیا جس طرح کہ کاسل ریا نے اس کو سمجھا تھا اور دولت روس کے ساتھ اس غرض سے کہ بلغاریہ کو آزادی دلائی جائے کوئی کارگر اتحاد کرنے سے انکار کر دیا تو اس وقت بھی کیننگ کی ۱۸۲۷ء کی کارروائی کی نظیر پکار پکار کے مذکورۂ بالا حکمت عملی کی تردید کر رہی تھی اگرچہ اس فریق کے سرگروہوں نے جس سے کیننگ تعلق رکھتا تھا کوئی خاص کوشش اس بات کی بھی نہیں کی کہ کیننگ کے طرز عمل کی کوئی تاویل یا اس سے دست برداری کا اعلان کرتے۔ بے شبہ یہ حجت پیش کرنی ممکن ہے کہ کیننگ نے تصریحاً فوجی قوت سے کام لینے کی قرارداد نہیں کی تھی۔ لیکن اس بحث میں اگر کوئی اس رائے پر جما رہے کہ جس وقت ترکوں کی ضد نے مداخلت کا مقصد حاصل ہونے کی اور کوئی تدبیر باقی نہ رہنے دی تو اس وقت کیننگ، ولنگٹن کی طرح عذر معذرت کا لہجہ اختیار کرتا، تو

[1] ۔ "مشرق" سے فاضل مؤلف کی مراد مشرقی اور مسیحی یورپ ہے اور نوع انسان میں بھی ظاہرا وہ صرف اہل یورپ کو قابل شمار سمجھتے ہیں۔

مترجم

درحقیقت اس نے کیننگ کی سوانح عمری کو گویا فضول ہی مطالعہ کیا تھا[1]

کیننگ کے مرنے سے تھوڑے دن کے وقفے کے بعد، اس کا حریف ڈیوک ولنگٹن برسر اقتدار ہو گیا لیکن وقت کے وقت متوفی کی تجاویز پر عملدرآمد میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ معاہدۂ لندن کی قرار داد کے مطابق دُول متحدہ نے متخاصمین کے سامنے بلا تاخیر ثالثی کی تجویز پیش کی اور عارضی طور پر جنگ روک دینے کا مطالبہ کیا۔ ہنگامی صلح کی یہ تجویز یونانیوں نے تو قبول کر لی مگر ترکوں نے اسے حقارت سے مسترد کر دیا۔ اس انکار کی بنا پر جنگ جاری رہی کیونکہ یہ مہمل بات ہوتی کہ یونانیوں سے کہا جائے کہ وہ خاموش بیٹھے قتل ہوتے رہیں محض اس لئے کہ ان کا غنیم لڑائی روکنے پر آمادہ نہ تھا۔ اس کے برخلاف، اب ضروری ہو گیا کہ ترکوں کو، جنھوں نے دُول متحدہ کی طے کردہ ثالثی منظور نہیں کی، لڑائی جاری رکھنے کی قوت سے محروم کر دیا جائے۔ انھی دنوں مصر سے کمکی افواج کا بڑا بھاری لشکر آیا تھا

بحری سرداروں کی مداخلت ستمبر ۱۸۲۷ء

اور نوارنیو سے مہم روانہ ہونے والی تھی جسے ابراہیم پاشا نے ہدرا پر حملہ کرنے کے لئے فوج کے اجتماع کا مقام بنایا تھا اور یہ یقینی تھا کہ ہدرا کی تسخیر یونانی بغاوت کا قطعی طور پر خاتمہ کر دیتی۔ مگر انگریزی بیڑے کا سپہ سالار کوڈرنگٹن اور فرانسیسی امیر البحر دی رگنی ساحل یونان کے قریب پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے ابراہیم پاشا سے گفتگو کی کہ جب تک استنبول سے مزید ہدایات

[1] مباحث پارلیمنٹ۔ ۱۱ مئی ۱۸۲۸ء۔ یہ کہنا کہ چونکہ معاہدۂ ۱۸۲۷ء کی ایک دفعہ میں رسمی طور پر یہ قرار داد کی گئی تھی کہ متعاہدین "متخاصمین کی جنگ میں کوئی حصہ نہ لیں گے" اس لئے کیننگ نے جنگی کارروائی کا امکان ہی نہ سوچا تھا، لوگوں کو سخت غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ معاہدے کی یہ شرط جنگی قوت کے بغیر پوری ہی کیونکر ہو سکتی تھی کہ اتحادی "جہاں تک ان کی قدرت میں ہے متخاصمین کا تصادم ہونے سے انھیں باز رکھیں گے" جس کی مذکورۂ بالا دفعہ ہی کے سلسلے میں انھوں نے ذمہ داری لی تھی۔ پھر اس قرار داد کا کیا مطلب تھا کہ وہ انھی شرائط کے مطابق بیڑے کے سرداروں کو مناسب احکام "بھیج دیں گے"؟ خود ولنگٹن جنگ نوارینو سے قبل معاہدۂ لندن کی مذمت ہی اس بنا پر کرتا تھا کہ اس میں "جبر کی وہ صورتیں تجویز کی گئی ہیں جو کسی طرح جنگی تدابیر سے کم یا زیادہ نہیں ہیں" اور اس قول کی شدت سے تردید کرتا تھا کہ معاہدہ لندن بلا واسطہ اقرار نامہ سینٹ پیٹرزبرگ پر جو خود ولنگٹن کا مرتب کردہ تھا مبنی ہے۔ دیکھو ولنگٹن "این الیس" چہارم ۱۴۷ و ۲۲۱۔

وصول نہ ہوں پاشائے موصوف وعدہ کرے کہ کوئی فوجی نقل وحرکت نہ کرے گا۔ ابراہیم نے ۲۵ ستمبر کو زبانی یہ وعدہ بھی کر لیا لیکن چند ہی روز بعد اسے معلوم ہوا کہ ترکوں کو تو اس طرح نقل وحرکت سے روک دیا گیا ہے اور ادھر یونانی برابر مصروف جنگ ہیں، جن کے وہ مجاز تھے[1] اور اسی سلسلے میں انھوں نے انگریز ناخدا ہیسٹنگز کے ماتحت خلیج کورنتھ کے اندر ایک درخشاں فتح بھی حاصل کر لی ہے۔ اس پر ابراہیم طیش میں آکر بندرگاہ نوارینو سے پتراس کی طرف جہاز لے کر چلا تھا مگر کوڈرنگٹن نے زانٹے پر اپنا بیڑا ٹھیرا رکھا تھا وہ مصری سپہ سالار کا روانہ ہونا سن کر فوراً تعاقب میں روانہ ہوا اور شدومد سے بیڑا ڈبو دینے کی دھمکی دی جس کی وجہ سے ابراہیم کو طوعاً وکرہاً واپس ہونا پڑا۔ اگر اس وقت فرانس وروس کے بیڑے بھی اس کے پاس ہوتے تو کوڈرنگٹن، ابراہیم پاشا کے اس طرح باہر نکل آنے سے پورا فائدہ اٹھاتا اور ساری یونانی بندرگاہوں کا راستہ روک کر اسے مجبور کرتا کہ سیدھا اسکندریہ چلا جائے اور اس طرح دول متحدہ کی مداخلت کا منشا بلا جنگ وجدال تکمیل کو پہنچا دے لیکن اسے مصری جہازیوں کی بد نصیبی سمجھیں، کہ انگریز امیر البحر یہ کام تنہا نہ کر سکتا تھا۔ ابراہیم پاشا نوارینو واپس آیا تو وہاں وہ سلطانی احکام ملے جن کے آنے تک اسے جنگ روکے رکھنے پر رضامند کر لیا گیا تھا۔ یہ احکام خاص ترکی دیوانہ پن کی ترنگ میں لکھوائے گئے تھے۔ ان میں ابراہیم کو حکم ہوا تھا کہ موریہ کی تسخیر پوری تندہی سے جاری رکھے اور وعدہ تھا کہ مسولونگھی کے محاصرے میں اس کا ہم چشم رشید پاشا اس کی پوری معاونت کرے گا۔ اب ابراہیم نے عواقب کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور پھر اپنے تاراجی دستوں کو باہر بڑھایا۔ کوئی جان اور کوئی شئے جو مایحتاج زندگی میں شامل ہے، نہیں بچی۔ نہ صرف فصلیں پامال کی گئیں بلکہ میوہ دار درخت بھی جو ملک کی مستقل غذا رسانی کرتے ہیں، کاٹ دیے گئے ساحل کی طرف بڑھنے والے انگریز سرداروں کو

[1] یونانی تو مجاز تھے یا نہ تھے مگر فاضل مؤلف نے یہ کچھ نہ بتایا کہ انگریز کپتان کا یونانیوں کی طرف سے لڑنا کس حد تک جائز تھا؟ آگے بھی دول کی اس جنگ اور ترکی وروس کی جنگ کے واقعات لکھنے میں فاضل مؤلف نے کچھ غلط بیانی اور کچھ رنگین بیانی سے اصل حقیقت چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن اس سے الٹی بدگمانی پیدا ہوتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اس موقع پر بھی دول یورپ نے ترکوں کے ساتھ ناجائز کر اور افسوسناک قابوچی پن سے کام لیا۔
مترجم

جلتے ہوئے دیہات کی آگ اور دھوئیں کے دَل بادل دیکھکر معلوم ہوا کہ ان کی تجاویز مصالحت کا ترکوں نے کس رنگ میں جواب دیا۔ اسی پر کپتان ہیملٹن نے لکھا کہ "اگر ابراہیم یونان میں رہا تو فرض کیا جاتا ہے کہ ملک کی ایک تہائی آبادی کامل فاقہ کشی کے باعث ہلاک ہو جائے گی۔

فوراً عملی کارروائی کرنا ضروری ہوگیا۔ خاص کر اس لئے کہ موسم کافی گذر چکا تھا اور

جنگ نوارینو - ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۷ء

جاڑوں میں ابراہیم کے بیڑے کی ناکہ بندی ناممکن تھی۔ مصری مستقر پر پیام بھیجا گیا کہ لڑائی بند، موریہ کو خالی کر دیا جائے اور مصری و ترکی بیڑا استنبول و سکندریہ کو واپس چلا جائے۔ اس پیام کے جواب میں یہ اطلاع آئی کہ ابراہیم پاشا نوارینو سے اندرون ملک کسی جگہ چلا گیا ہے اور اب معلوم نہیں کہاں ملے گا۔ لہذا متحدہ بیڑے کے سرداروں کے سامنے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ اپنی موجودگی محسوس کرائیں۔ ۱۸ر اکتوبر کو فیصلہ کیا گیا کہ انگریزی، فرانسیسی اور روسی بیڑے جو اس وقت ایک جا ہو گئے تھے، صف جنگ باندھ کر نوارینو کی بندرگاہ میں داخل ہوں۔ اس نقل و حرکت کو مظاہرے کا نام دیا گیا تھا اور چونکہ بیڑے کے سرداروں نے فی الواقع حملہ کرنے کی نہیں ٹھانی تھی لہذا یہ براہ راست جنگی کارروائی نہ تھی لیکن ہر توپ چلنے کے لئے بھری ہوئی تھی اور یہ سمجھی سمجھائی بات تھی کہ مقابل کے بیڑے نے کوئی مزاحمت کی تو فوراً لڑائی چھڑ جائے گی پرانا آدمی ہونے کے اعتبار سے کوڈرنگٹن متحدہ بیڑوں کا قائد ہوا اور ساتھ کے سرداروں کو جنگ چھڑ جانے کی صورت میں اس نے جو ہدایات دیں وہ نلسن کے الفاظ پر ختم ہوتی تھیں کہ "کوئی ناخدا جو دشمن کے جہاز کے قریب تک جہاز لا کھڑا کرے گا وہ کچھ غلطی نہ کرے گا۔"

غرض انگریز امیر البحر پوری قوت سے وار کرنے کی ٹھان کر ۲۰ر اکتوبر کی دوپہر کو نوارینو کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔ پیچھے پیچھے فرانسیسی اور روسی بیڑے آگئے اور متحدہ بیڑا عثمانی جہازوں سے پستول کی مار تک بڑھ کر لنگر انداز ہوا۔ انگریزی گولہ انداز جہاز (Corvette) "ڈارٹ متھ" نامی کو ٹھیرنے کی جو جگہ بتائی گئی تھی اس کے قریب ہی سامنے کے رُخ ایک ترکی آتش زن پڑا تھا۔ انگریزوں نے درخواست کی کہ یہ خطرناک کشتی ذرا فاصلے سے ہٹادی جائے۔ اس پر انکار ہوا تب ایک انگریزی کشتی بھیجی گئی کہ

اُس کی ڈوریاں کاٹ دے تو اس کشتی کا گولیوں سے استقبال کیا گیا۔ ادھر سے "ڈارٹ متھ" اور ایک فرانسیسی جہاز نے جواب دیا پھر تو عام جنگ ہونے لگی۔ کوڈرنگٹن ابھی تک "کشت وخون" سے بچنا چاہتا تھا اس نے اپنا ناخدا محرم بے کے پاس جو ابراہیم کے غیاب میں قیادت کر رہا تھا، روانہ کیا اور تجویز کی کہ طرفین سے آتش بازی بند کر دی جائے۔ محرم بے نے توپ سے جواب دیا۔ انگریزی ناخدا مارا گیا اور کوڈرنگٹن کے جہاز پر بھی گولہ لگا۔ اس واقعے نے انگریز امیر البحر کا پیمانۂ صبر چھلکا دیا اور اس نے گولوں سے اپنے مدمقابل کے ٹکڑے کر دیئے۔ پھر طرفین کے سب جہاز مصروف جنگ ہو گئے۔ ترکوں کے پاس آٹھ سو توپیں زیادہ تھیں اور وہ بڑی پامردی سے لڑے۔ چار گھنٹے تک فریقین گھری ہوئی لنگر گاہ میں بالکل پاس رہ کر لڑتے رہے۔ اور ادھر ابراہیم کے بیس ہزار سپاہی گرد کی پہاڑیوں پر سے اس جنگ کو جس میں خود کوئی حصہ نہ لے سکتے تھے کھڑے دیکھتے رہے۔ مگر نتیجۂ جنگ کے متعلق ایک لمحے کے لئے بھی کوئی شبہ نہ تھا۔ ترکی بیڑے کی بے ترتیبی اور بے ضابطگی نے اسے دشمن کا آسان شکار بنا دیا۔ ان کے جہاز پر جہاز ڈوبے یا پاش پاش ہو گئے اور شام ہونے سے پہلے اتحادیوں کا کام پورا ہو گیا۔ دوسرے دن جب ابراہیم پاشا اپنے سفر سے نوارینو واپس آیا تو بندرگاہ میں ہر طرف جہازوں کے ٹکڑے اور لاشیں بہ رہی تھیں۔ اس کے چار ہزار بحری سپاہی کام آئے اور وہ بیڑا جو ہدرا کی مہم سر کرنے کے لئے مجتمع تھا، کامل طور پر برباد ہو گیا[۱]۔

سارے یونان میں یہ معلوم ہوا کہ قوم کی جان بچ گئی۔ دُوَل یورپ کی یہ مداخلت بالکل اچانک اور بڑی سے بڑی امیدوں کے بھی ماوری تھی اور گو اس مداخلت کا مقصود نہیں سوچا گیا تھا کہ یونان کو پوری آزادی دلوائی جائے لیکن نوارینو کے پہلے ہی تصادم کی شدت اچھی خاصی علامت تھی کہ بات اصل منشا سے کہیں آگے بڑھ جائے گی۔ جنگ نوارینو کی استنبول اطلاع آنے پر بابِ عالی نے جو طرزِ عمل اختیار کیا وہ عین وہ تھا جو ترکی کے بدترین دشمن چاہتے ہوں گے۔ بجائے اس کے دُوَل ثلاثہ کی ثالثی کے خلاف

[۱]۔ یورکیر کی سیرت کوڈرنگٹن۔ جلد دوم ۶۲۔ مراسلات امیر البحر۔ ۱۰ر نومبر ۱۸۲۷ء۔ مباحث پارلیمنٹ ۱۴ر فروری ۱۸۲۸ء۔

ضد میں کمی آتی باب عالی نے اپنے بیڑے پر دول یورپ کے اس طرح حملہ کرنے کو کھلا ہوا جرم اور شرمناک زیادتی قرار دیا اور دول متحدہ کے سفیروں سے نقصان کے تاوان کا مطالبہ کیا۔ بحث و دلائل بے کار ثابت ہوئیں اور یونانیوں کے ساتھ متارکۂ جنگ کی فہمائش قطعی طور پر حقارت کے ساتھ مسترد کر دی گئی تو تینوں سفیر اپنی حکومتوں کی ہدایت کے مطابق، ترکی پائے تخت سے رخصت ہو گئے (۸ دسمبر)

نوارینو کے بعد انگلستان کا تعطل

اگر اس وقت کیننگ زندہ ہوتا تو گمان غالب یہ ہے کہ نوارینو کی ضرب لگانے کے بعد ہی، سلطان سے معاہدۂ لندن منوانے کی دوسری ضروری تدابیر کی جاتیں اور برطانیہ کی فوجیں کافی قوت کے ساتھ حرکت میں لائی جاتیں تاکہ روسیوں کو بطور خود کوئی کارروائی کرنا نہ ضروری رہے نہ ممکن۔ مگر اس نازک موقع پر حکومت برطانیہ کے قوائے عمل شل ہو کے رہ گئے۔ اصل میں کیننگ کی حکمت عملی اس قدر اس کی ذاتی رائے کا نتیجہ تھی اور وہ اپنی ساتھی وزیروں کو ان کے علی الرغم اتنے جبر سے کھینچ لایا تھا کہ جب اس کی جگہ خالی ہوئی تو کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ جانشینی کا حق ادا کرتا یا اس کی آرا کو الٹ دیتا۔ اور جو لوگ اس کی جگہ مقرر ہوئے وہ اس طرح کام کرتے رہے گویا اس قلعے میں جسے کیننگ نے جبراً و قہراً سر کیا تھا، دخل بیجا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ روسیوں کے ساتھ ۱۸۲۶ء کے عہد و پیمان کے جواز کی اصلی بنیاد، کیننگ ہی نہیں خود ولنگٹن نے یہی بتائی تھی کہ روس کو تنہا کارروائی کرنے سے روکنا ضروری ہے، پس جب نوارینو میں روسی اور ترکی جہاز فی الواقع لڑ پڑے اور بجز رسمی اعلان کے درحقیقت لڑائی شروع ہو گئی تو اس وقت برطانیہ کا پہلے سے بھی زیادہ فرض ہو گیا کہ اپنے رقیب (روس) کو پوری طرح قابو میں رکھے اور استقلال اور تواتر کے ساتھ زور ڈال کر روس و ترکی دونوں کو جتادے کہ عہد نامۂ لندن کے سوا دوسری شرائط نہیں مانی جائیں گی۔ دولت عثمانیہ پر ایسا قہرناک و بے درماں حملہ کر گزرنے کے بعد معاملے کو ادھورا چھوڑ دینا اور قرار دادہ مقصد تک نہ پہنچنا، بہ الفاظ دیگر روس کو موقع دینا کہ جنگی جبر کے سلسلے کو برطانیہ نے جہاں چھوڑا تھا وہاں سے وہ خود اسے ہاتھ میں لے اور اپنے مجروح حریف سے تنہا اور ریخ کی لڑائی لڑ کر فائدہ اٹھائے۔ یقیناً ایسی حکمت عملی تھی جس سے زبوں تر خیال میں نہیں آتی۔ بایں ہمہ، کیننگ کی موت

اور قانون اصلاحات کے پیش کئے جانے کے درمیان، اس تغیر اور بے ڈھنگے پن کے دور میں، یہی حکمت عملی تھی جس پر انگلستان کے وزیروں کا عملدرآمد رہا۔

ادھر حکومتِ روس کی عین تمنا یہی تھی کہ روس و فرانس ترکی بیڑے کو برباد و تباہ کرنے کے بعد، ایک طرف کھڑے ہو کر تماشہ دیکھیں اور وہ خود ترکوں سے گتھ جائے اور باب عالی کی ناعاقبت اندیشی کے باعث یہ دونوں سلطنتیں اس جنگ کو نہ روک سکیں نہ قابو میں رکھ سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ روس اور ترکی کے درمیان جس قدر نزاعی امور ایسے تھے جن کا یونان سے تعلق نہ تھا، وہ ایک عہد نامے کے ذریعے جو اکتوبر ۱۸۲۶ء میں بمقام اکرمان مرتب ہوا روسیوں کے حق میں طے ہو چکے تھے اور اس لئے ترکی سے لڑنے کا کوئی معقول حیلہ روس کے پاس نہ تھا۔ لیکن سلطان کو جوش غضب نے از خود رفتہ کر دیا یا در پردہ یہ امید تھی کہ آخر کار مغربی دول حکومت روس سے قطع تعلق کر لیں گی۔ جس کی بنا پر وہ روس کو ٹوک کر بلا تاخیر جنگ پر کمربستہ ہو گیا۔

روس و ترکی کی جنگ اپریل ۱۸۲۸ء

ایک اعلان جو کسی مجذوب درویش کی ہانک معلوم ہوتا ہے (اگرچہ کہتے ہیں کہ اسے خود سلطان محمود نے تیار کیا تھا) شائع ہوا جس میں اسلامی دنیا کو ہتھیار اٹھانے کی دعوت دی گئی تھی۔ روس کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن اور یونانی بغاوت کا اغوا کرنے والا قرار دیا تھا۔ عہد نامہ اکرمان کی نسبت بیان کیا تھا کہ وہ جبراً لکھوایا گیا اور اس کا مقصد صرف مہلت حاصل کرنا تھا۔ "روس نے اپنی دیوانگی دوسری سلطنتوں میں بھی ساری کر دی اور ان کے ساتھ اتحاد کر لیا ہے کہ دولت عثمانیہ کی رعایا کو اپنے آقا کی محکومی سے مل کر آزاد کرا دیں۔ لیکن ترک دشمنوں کی تعداد کو خاطر میں نہیں لاتا۔ شریعت مسلمانوں کو حکم دیتی ہے کہ اپنے دین پر کوئی آنچ نہ آنے دیں۔ لہٰذا اگر تمام کفار بھی ان کے خلاف متحد ہو جائیں تو بھی وہ میدان جنگ میں داخل ہونا اپنا فرض سمجھیں گے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں گے کہ وہ ان کا حافظ و نگہبان ہو۔" اس اعلان کے ساتھ ہی فوج بھرتی کی جانے لگی۔ اور استنبول کے بہت سے مسیحی باشندے نکالے جانے لگے روسیوں کو کسی دوسرے بہانے کی حاجت نہ تھی۔ دربار سینٹ پیٹرزبرگ نے سلطان کے اس برس پڑنے کے ساتھ ایسا سلوک کیا گویا یہ کسی مہذب سلطنت کا فہمیدہ و سنجیدہ اعلان تھا اور ۲۶ اپریل ۱۸۲۸ء کو اشتہار جنگ سے اس کا جواب دیا۔ پھر اس

کارروائی کے اثر میں کسی قدر اعتدال پیدا کرنے اور فرانس و انگلستان سے اپنے روابط حاضرہ کا پورا فائدہ اٹھانے کی غرض سے روس نے اس بات کا ذمہ لے لیا کہ فریق متخاصم کی حیثیت سے حلقۂ جنگ کو بڑی ممالک اور بحر اسود تک محدود رکھے گا اور بحر متوسط میں معاہدۂ لندن کی شرائط کے مطابق فرانس و انگلستان کی طرح غیر جانب دار حلیف بنا رہے گا۔

اعلان جنگ کا یہ موقع جو روسیوں نے ڈھونڈا ان کے حق میں خاص طور پر نہایت مساعد اور فریق مقابل کے واسطے سخت ناسازگار تھا۔ نہ صرف ترکی بیڑا غیر جانب داروں کے ہاتھوں برباد ہو چکا تھا بلکہ اسی زمانے میں جاں نثاری فوج کو خود اس کے آقا نے نیست و نابود کر دیا تھا اور طرز جدید کی جو سپاہ اس کی جگہ مرتب ہونے والی تھی، اس کی تنظیم کی ہنوز نوبت نہ آئی تھی۔ ۱۸۲۶ء ہی میں سلطان نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ مجوزہ فوجی اصلاح میں مزید

ترکی کی فوجی حالت

تساہل و تعویق روا نہ رکھی جائے اور جاں نثاری فوج کا قلع قمع کرنے میں ایک مرتبہ جان و مال ہر شئے کی بازی لگا دی جائے۔ باسفورس کے دوسرے ساحل سے کافی سپاہ استنبول میں مجتمع کی گئی کہ سلطان کو اپنی کامیابی میں کوئی تردد نہ رہے۔ پھر جاں نثاریوں کو کہلا بھیجا گیا کہ مغربی طرز پر جو نئے دستے تیار کئے جانے والے ہیں، ان کے لئے چیدہ سپاہی حاضر کریں اور جب انھوں نے تبختر کے ساتھ یہ مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور علانیہ سلطان سے سرتابی کی تو محمود کے اناطولی سپاہیوں نے عین استنبول کے اندر جاں نثاریوں کو کاٹ کے دھر دیا[1]۔ اس طرح ترکی سپاہ کی اصلاح میں جو سب سے بڑی رکاوٹ تھی وہ دور ہو گئی تو تنظیم جدید کا کام پوری سرگرمی سے شروع ہوا لیکن یہ کام تکمیل کو پہنچنے نہ پایا تھا کہ دشمن میدان میں آ گیا اور سلطان محمود کو روسیوں کا مقابلہ ایسی فوج سے کرنا پڑا جس کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی اور جو مغربی اور ترکی ضوابط کی معجون مرکب سے بے ترتیبی کی حالت میں تھی۔ یونانیوں کے ساتھ اتنے عرصے تک لڑتے لڑتے سلطنت کے مداخل ختم ہو چکے تھے اور ادھر جاں نثاریوں کے استیصال نے لوگوں میں کچھ اس قسم کی جھنجلاہٹ پیدا کر دی تھی کہ سلطان کو یقین تھا کہ خود دار الخلافت میں کسی وقت بھی بغاوت بپا ہو سکتی ہے۔ لیکن اپنی طبعی کمزوری اور ایسے نامساعد حالات میں جنگ شروع کرنے کی

[1] روزن، "گشیشٹ در ترکی"، اوّل۔ صفحہ ۷۵۔

باوجود سلطنت ترکی میں دو سال تک کلّہ بہ کلّہ لڑنے کی قابلیت ثابت ہوی اور اگر بہتر مشورہ ملتا تو تیسرے سال کے محاربات میں بھی وہ قسمت آزمائی کے لئے تیار ہوسکتی تھی ۔

روس کی فوجی حالت

۱۸۲۸ء میں روس کے حربی ساز و برگ کی نسبت ساری یورپ کو جو یقین تھا دراصل اس سے وہ بہت کم تھا۔ ۱۸۱۲ء میں لشکر نپولین کی بربادی اور اسی کے مابعد محاربات میں الکزنڈر کے جنگی کارنامے جو سقوط پیرس پر ختم ہوے ایسے واقعات تھے جن سے روسیوں کی مستعدی اور قوت کی بڑی دھاک بیٹھ گئی تھی حالانکہ یہ خیال حقیقت کے خلاف تھا۔ اور طرفہ تر یہ کہ ۱۸۲۸ء کے واقعات سے اس عام یقین میں خلل تو آیا لیکن جنگ کرمیہ کے زمانے تک وہ پوری طرح ہر گز زایل نہوا تھا۔ روسی سپاہی کی دلیری اور جفاکشی کے متعلق تو یہ حسن ظن کچھ بیجا نہ تھا مگر ۱۷۹۹ء کے بعد، جب کہ انگلستان اور آسٹریہ میں روس کی فوجی تنظیم کو جنگلیوں کی تنظیم سے کچھ ہی بہتر سمجھا جاتا تھا، روسی نظام کے بہت کچھ ترقی کر جانے کی نسبت جو گمان لوگوں نے قائم کئے وہ بیشتر بے اصل تھے ایک سرتاپا بگڑے ہوے نظام کی ساری علامتیں، یعنی تعداد کی قلت، رسد کی کمی، بیماری کی افراط ۱۸۲۸ء میں بھی ایسی نمایاں تھیں کہ اور کبھی نہ ہوں گی۔ اگرچہ حکومت روس کم سے کم سات برس سے برابر جنگ کی تیاری میں مصروف تھی تاہم ستّر ہزار سے زیادہ سپاہی پرتھ کے کنارے پر جمع نہ کئے جا سکے۔ فوج کا سپہ سالار وٹ جنسٹین، ۱۸۱۲ء کے دلیران نامی میں سے تھا لیکن اس کی آزمودہ کاری اب عملی کام کے لائق نہ رہی تھی۔ اور صرزار نکولاس نے لشکر میں پہنچ کر اپنے بے موقع دخل دہی سے کاموں کو اور خراب کیا۔ روسیوں میں سب سے بہتر سردار پاکی ویش تھا اور اسے ایشیائے کوچک پر پیش قدمی کرنے والی فوجوں کی قیادت دی گئی تھی۔ ساز و سامان کے لئے اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا مگر اسی سے یہ آزادی میسر آئی کہ اس نے اپنا فوجی نظام بطور خود مرتّب کر لیا اور وہ نتایج حاصل کئے جو روسیوں کی وادئ ڈینیوب میں ناکامی کے بالمقابل بالکل دوہری نوعیت رکھتے تھے۔

۱۸۲۸ء کی جنگ میں میدان میں اترتے وقت یہ ضروری تھا کہ زار آسٹریہ کو خواہ مخواہ تشویش و پریشانی کا موقع دینے سے احتراز کرے۔ کیونکہ حکومت آسٹریہ نے پہلے ہی اس کے خلاف جتھا بنانے کی کوشش کی تھی جو ناکام رہی۔ اسی بنا پر فوجی نقل و حرکت کا میدان

محاربہ ۱۸۲۸ء

حدود آسٹریا سے تا امکان بعید ترین فاصلے پر رکھا گیا تھا۔ اور جب رومانیہ پر بلا مزاحمت قبضہ ہو گیا تو ڈینیوب کو روسیوں نے اس مقام سے جہاں دریا کی دو شاخیں ہو گئی ہیں کسی قدر مغرب میں ہٹ کر عبور کیا (۸ جون)، ترکوں نے غنیم سے میدان میں جم کر لڑنے کا کوئی قصد نہیں کیا۔ بلکہ قلعوں کی مدافعت پر قناعت کی اور یہ وہ طرز جنگ ہے جو ترکی میں فن حرب کے تنزّل کے بعد اس قوم کے اوصاف صبر و ضبط کے عین مناسب حال ہے اب ریلا، سلسٹریا، ڈینیوب کے کنارے اور بلقان کے قریب تر وارنا اور شوملا ترکوں کے بڑے بڑے مورچے تھے جن میں سے ابریلا کو خاصی بڑی (روسی) فوج نے جنگ شروع ہوتے ہی آگھیرا۔ اسی کے ساتھ سلسٹریا کی نگرانی کے لئے ایک چھوٹا دستہ چھوڑا تھا اور فوج کا ہراول دبروجہ کے علاقے سے بحر اسود کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں چھوٹے موٹے ساحل مقامات فتح کرنے کے بعد امید تھی کہ اس کا روسی بیڑے سے تعلق قائم ہو جائے گا۔ جنگ کے پہلے چند ہفتوں میں (روسیوں کو) خوب کامیابیاں ہوئیں۔ ۱۸ جون کو ابریلا کا قلعہ سر ہو گیا اور دبروجہ کے مورچے یکے بعد دیگرے حملہ آوروں کے قبضے میں آ گئے جن کی اس ضلع میں کوئی کارگر مزاحمت نہیں کی گئی لیکن ان کامیابیوں کے بعد ہی ان کو اصلی لڑائی پیش آنے لگی۔ قلّت تعداد کے باوجود روسی فوج کے تین حصے کر دئے گئے تھے۔ اور یہ سلسٹریا، شوملا اور وارنا پر علیحدہ علیحدہ بڑھائے گئے۔ شوملا میں ترکی فوج کا حصّۂ اعظم عمر بریونیس کے ماتحت مجتمع تھا۔ حملہ آور جتنی فوج کو مقابلے میں لے کر آئے وہ اس مہم کو سر کرنے کے لائق نہ تھی اور یہ کوشش کہ ترکوں کو اپنے مورچہ بند لشکرگاہ سے باہر کھلے میدان میں لگا لائیں، کامیاب نہ ہوی۔ محاصرے کی مشکلات اتنی زیادہ نکلیں کہ کچھ عرصے بعد وٹ جنسٹین نے تجویز کی کہ اس مقام پر پیش دستی سے ہاتھ اٹھا لیا جائے اور جب تک وارنا فتح نہ ہو جائے، یہاں صرف ایک معمولی جمعیت دیکھ بھال کے واسطے متعیّن کر دی جائے۔ لیکن زار نے اس تجویز پر عمل کرنے سے منع کر دیا پھر جس قدر تکان اور بیماریوں سے روسی ضائع ہوے ترکوں کو تقویت پہنچی اور ۲۴ ستمبر کو عمر مورچوں کے باہر نکلا اور وارنا کی مدد کے لئے مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ اس موقع پر نکولاس نے پھر اپنے سپہ سالاروں کی رائے مسترد کر دی اور اپنے عمزاد بھائی یوجین امیر ورٹم برگ کو حکم دیا کہ کوچ کرنے والے ترکوں پر اتنی فوج سے جو اس کے

ماتحت تھی، حملہ کرے۔ یوجین نے تعمیل کی اور سخت شکست کھائی۔ اگر اس وقت ترک قوت و مستعدی سے کام لیتے تو اس جنگ ہی کا غالباً خاتمہ ہو جاتا مگر عین ایسے نازک موقع پر عمر پیچھے رُک رہا اور ۱۱؍ اکتوبر کے دن وآرنا مسخر ہو گیا۔ صرف یہی ایک فتح روسیوں کو حاصل ہوئی اور پھر موسم اس قدر بڑھ آیا کہ کوہستان بلقان کو طے کرنے یا غیر مفتوحہ قلعوں کی تسخیر میں کسی خاص کوشش کرنے کا موقع نہیں رہا۔ شوملا اور سلستریا اپنے مدافعین کے ہاتھ میں رہے اور روسی اپنی قلت سپاہ کے تناسب کے لحاظ سے شدید نقصانات اٹھاکر، وآرنا اور ڈبن یوب کی طرف ہٹ آئے کہ آیندہ فصل بہار میں پھر جنگ جاری کریں[1]

لشکر زار کی اس غیر متوقع ناکامی نے ترک اور ان کے یورپی خیر خواہوں کی ہمت بڑھا دی۔ میٹرنک نے ازسرنو جتھا بنانے کی تدبیریں کیں اور فرانسیسی وزیروں کو اضلاع رہائن تک کے واگذاشت کر دیئے جانے کا لالچ دیا لیکن یہ سب بے سود ثابت ہوا۔ سلطان نے بھی گفت و شنید شروع کی تھی مگر یہ دیکھ کر کہ جنگ کے گذشتہ واقعات نے دشمن کے لب ولہجہ میں کوئی فرق نہیں پیدا کیا، اسے منقطع کر دیا۔ اصل یہ ہے کہ اب روس کی شہرت معرض خطر میں آگئی تھی اور لشکر کی نیک نامی پر جو حرف آیا تھا اسے دُور کرنے کی خاطر نکولاس غالباً یہاں تک تیار ہو جاتا کہ آسٹریہ اگر ترکی سے اتحاد کر لیتی تو ان دونوں سے جنگ کرتا۔ پس جاڑے کا سارا موسم دُور دُور سے فوجیں طلب کرنے میں صرف ہوا۔ وٹ جنس ٹین کو سپہ سالاری سے ہٹا دیا گیا اور خود زار بھی میدان جنگ سے، جہاں سوائے کاموں میں فساد پیدا کرنے کے اس نے اور کچھ نہیں کیا تھا، واپس چلا گیا۔ فوج کی سپہ سالاری دے بیش کے تفویض ہوئی جس کی ولادت اور تربیت پروشیہ کی تھی اور اس کے کام میں بادشاہ کی موجودگی اور مشوروں سے جنھوں نے اس کے پیشرو کے وقت میں رکاوٹیں ڈالی تھیں، کوئی خلل نہیں پڑا۔ نئے سپہ سالار کا ارادہ یہ تھا کہ سلستریا کو فتح کرتے ہی شوملا کی فتح کا انتظار کئے بغیر بلقان سے گزر جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کو

محاربہ ۱۸۲۹ء

[1] مولٹکے: "روسیک ترکیش فلڈسگ" صفحہ ۲۲۶ مع نوٹ۔ جلد اول صفحہ ۶۷۔

پیش نظر رکھکر ۱۸۲۹ء کی ابتدائی بہار میں بیڑا بھیجدیا گیا کہ کوہستانِ بلقان کے دوسری طرف کسی بندرگاہ پر پہلے سے قبضہ کرلے۔ پھر دے بیش نے سلستریا پر ایک جیش بھیج کر جنوب میں بڑھنے کی تیاریاں کیں لیکن قبل اس کے کہ محاصرے کی کارروائی میں کوئی ترقی ہو خود ترک میدان میں آگئے۔ اور مئی کے آغاز میں رشید پاشا جواب وزیر اعظم بنایا گیا تھا، شوملا سے مشرق کی طرف چلا کہ روسیوں کی ضعیف جمعیت کا جو اس کے اور وآرنا کے درمیان میں ابھی تک سرمائی مقامات میں پڑی تھی، مقابلہ کرے۔ اس کی فوجی برتری نے اسے آسانی سے فتح کا یقین دلایا تھا لیکن چند غیر اہم لڑائیاں جیتنے اور اپنے مستحکم قلعے سے دور تک بڑھ آنے کے بعد اس نے دشمن کے سامنے بے کار پڑے رہنا گوارا کر لیا تاآنکہ دے بیش پوری ڈین یوب کی فوج لے کے بعجلت اپنے ساتھی کی مدد کو چلا اور بلغاریہ کو طے کرکے ترکوں کے عقب میں آگیا وہ حملے کے لئے تیار اور ترکوں کی غلطیوں کی بدولت ایسے موقع پر پہنچ گیا تھا کہ خواہ ایک ہی جھپٹے میں شوملا پر قابض ہو جائے خواہ ترکی افواج کا تہس نہس کرڈالے۔ چنانچہ اس نے دشمن پر کھلے میدان میں حملہ کرنے کی ٹھان لی اور ۱۱ر جون کو جب رشید کی فوج اس کوشش میں تھی کہ شوملا کے راستوں کو دوبارہ چھین لے اسے کول وچہ کی لڑائی میں کامل ہزیمت ہوئی چودہ دن بعد سلستریا کا قلعہ سر ہو گیا اور دے بیش ان مزید افواج کو لے کر جو پہلے سلستریا کے محاصرے میں مصروف تھیں، اس قابل ہو گیا کہ بلقان کے پار کوچ جاری رکھے۔

افواہ عام نے ان چھدری قطاروں کو جو سب سے پہلے روسی علم اڑاتی ہوئی کوہستان بلقان پر چڑھیں، لاکھوں کا ٹڈی دل بنادیا۔ ہر جگہ مزاحمت کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حملہ آور بلا دقت پہاڑوں کے پار ہو گئے اور ۱۹ر اگست کو آدرنہ کے سامنے کھڑے تھے جس نے بغیر تاخیر اطاعت قبول کرلی۔ دے بیش فوجوں کی کمزوری پر پردہ ڈالنے کی غرض سے ظاہرا بکمال دلیری سے دائیں بائیں ہر طرف ہاتھ مارنے شروع کئے

بلقان کو عبور کرنا جولائی ۱۸۲۹ء

اور سواحل افشین وایجین دونوں طرف اپنے دستے روانہ کردیے۔ روسی بیڑے نے اس نقل وحرکت میں ساتھ دیا اور بہت جنوب میں قریب قریب خلیج بوسفورس تک،

ساری بندرگاہیں روسیوں کے قبضہ میں آگئیں ۔ مرکزی سپاہ خاص استنبول کے راستے پر بڑھنے لگی ۔ اُس وقت اگر سلطان کو اپنے پائے تخت پر پیش قدمی کرنے والوں کی اصلی تعداد کا، جو بمشکل بیس ہزار جوانوں سے کچھ زیادہ ہوگی۔ صحیح علم ہوجاتا تو غالباً وہ سمجھ لیتا کہ ان ہجوم کرنے والوں کی حالت خود اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے ۔کیونکہ وہ بے بیش دشمن کے مُلک میں قلب تک مٹھی بھر فوج سے بڑھا چلا آیا تھا بیماری اس کی صفوں کو روزانہ گھٹا رہی تھی اس کے سپاہی سمندر سے سمندر تک بہت بڑے علاقے پر پھیلے پڑے تھے اور اس کے رسل و رسائل کے ذرائع پر مغرب کی طرف سے البانیہ کے جنگجو قبائل کے حملوں کا اندیشہ ہوگیا تھا ۔کچھ دیر سلطان استنبول کی فصیلوں پر جم کر لڑنے کا ارادہ ظاہر کرتا رہا لیکن دار الخلافت کے اندر بغاوت کا خوف، سازشوں کا انکشاف اور ادھر ایشیا میں، جہاں قارص و ارض روم دشمن کے قبضے میں آگئے تھے، ترکی فوجوں کی ناکامی، یہ سب ایسے اسباب تھے کہ وہ بہت جلد صلح کی سلسلہ جنبانی کرنے اور ان معتدل شرائط کو ماننے پر آمادہ ہوگیا جنھیں روس کی حکومت نے جو اپنی مشکلات سے واقف تھی، سلطان کے سامنے پیش کیا ۔ دراصل لڑائی کو زیادہ عرصے جاری رکھکر انگلستان کی بدظنی کو تقویت پہنچانا اور آسٹریہ کو حملہ کرنے کی دعوت دینا' زار کی کھلی ہوی بے عقلی ہوتا. اور اگرچہ فرانس کے بادشاہ چارلس دہم اور اس کی مجلس وزارت نے تلسِت کا زمانہ یاد کرکے سلطنت عثمانیہ کو آپس میں بانٹ کھانے اور یورپ کے نقشے کو از سر نو مرتب کرنے کی تجویز کی تھی جس کی رو سے بلجیم اور پلاٹی نیٹ کے ملک فرانس کو مل جاتے، لیکن یہ تجویز اس قدر بعد از وقت ہوی کہ اس کا کوئی اثر نہ ہو سکا[1]۔ یورپ کی عام جنگ میں روسیوں کو اپنا کوئی فائدہ نظر نہ آتا تھا بلکہ نقصان ہی نقصان رہتا ۔ ترکی کو وہ مغلوب اور صلح پر مجبور کرچکا اور بخوبی امید کرسکتا تھا کہ آیندہ سنین میں استنبول میں بھی اس کا طوطی بولے گا اور کوئی ایسی ملکی تبدیلی، قبضہ والحاق وغیرہ کی بھی نہیں ہوئی جس سے اس کے حریفوں کو سلطان کی طرف سے مداخلت کا حیلہ ملتا پس زار فیاض کرم فرما کا بہروپ بھر کے ایک پرغار وادی سے

[1] ۔ وائل کمپیل بستم ۔ ۱۶ ۔ اس تجویز کی رو سے ڈینیوب کے صوبے روسیوں کو، بوسنیہ اور سرویہ آسٹریہ کو ملتے۔ سیکسنی اور ہالینڈ کا ملک پروشیہ کو دیا جاتا اور خود ہالینڈ کے بادشاہ کو استنبول میں بادشاہ بنایا جاتا ۔

نہایت خوبی کے ساتھ باہر نکل آیا اور فائدے میں بھی رہا کہ جس قدر ملک بلا جوکھوں قبضے میں رہ سکتا تھا وہ ہاتھ آ گیا اور ۱۴ر ستمبر کو آدرنہ میں صلحنامے پر دستخط ہو گئے۔

عہد نامۂ آدرنہ سے زار کو ایشیا میں تھوڑا سا نیا علاقہ ملا۔ یعنی بحر اسود کے مشرقی ساحل پر اناپا اور پوتی کی بندرگاہیں زار کی قلمرو میں داخل کر لی گئیں۔ لیکن اس کی

معاہدۂ ادرنہ ۱۴ر ستمبر ۱۸۲۹ء

سب سے اہم شرطیں وہ تھیں جن میں ڈینیوب کی ریاستوں میں زار کے حقوق محافظت کی تصدیق و توسیع کی گئی تھی اور روسی رعایا کو ساری سلطنت عثمانیہ میں برّی اور بحری تجارت کی سہولتیں بہم پہنچائی گئیں۔ ولیشیہ اور مولداویہ سے سلطان کے اقتدار کو اور بھی کامل طور پر دفع کرنے کی غرض سے، ہوس پوداروں کے عہدے کو ہفت سالہ کی بجائے تا زیست کر دیا گیا اور سلطان سے صراحتاً اقرار لیا گیا کہ وہ قریبی ولایتوں کے ترک پاشاؤں کو ان صوبوں میں دخل دینے کی اجازت نہ دے گا۔ ڈینیوب کے بائیں کنارے پر ترک کوئی قلعہ نہیں بنا سکیں گے۔ ڈینیوب کی ریاستوں کے اندر کسی مسلمان کو توطن کی اجازت نہ ہو گی اور جو لوگ وہاں کی جاگیرات کے مالک ہیں وہ ڈیڑھ سال کے اندر ان زمینوں کو فروخت کر دیں گے۔ باب عالی نے عہد کیا کہ ترک بحر اسود سے آنے والے روسی جہازوں کو کبھی نہ روکیں گے اور تسلیم کیا کہ ایسا کرنا نقض معاہدات کے مرادف ہو گا اور روسیوں کو بدلہ لینے کا حقدار بنا دے گا۔ دردانیال اور خلیج استنبول کو تمام دول کے تجارتی جہازوں کے لئے جن کی ترکوں سے صلح ہو کھول دیا گیا اور پہلے جو رعایت روسی جھنڈے کے لئے مخصوص تھی اب وہ سب تجارتی جہازوں کے لئے عام کر دی گئی بحر اسود میں بھی تجارت کی اسی قسم کی آزادی دی گئی اور ترکی و روس کے گذشتہ معاہدوں کی توثیق و تصدیق ہوئی بہ استثناء ان امور کے جن کی معاہدۂ ادرنہ نے ترمیم کی ہو۔ معاہدۂ لندن کو جہاں تک اس کا تعلق یونان کی آزادی سے تھا باب عالی نے تسلیم کر لیا اور ایک دستاویز ملک یونان کی حدبندی کے متعلق دول متحدہ نے مارچ ۱۸۲۹ء میں مرتب کی۔ زر نقد کی صورت میں روسیوں کو تاوان کا حقدار قرار دیا گیا اور چونکہ اس کی مقدار کا تعین تراضی طرفین پر چھوڑا گیا تھا لہذا حکومت روس کو استنبول میں تھوڑا سا دباؤ رکھنے یا فریق مغلوب کی آشتی کا صلہ دینے کا بھی موقع باقی رہا۔[۱]

۱۔ ہرٹ سلٹ، "نقشۂ یورپ از روئے عہد نامہ" دوم۔ ۸۱۳۔ روزن اول۔ ۱۰۸۔

روس اور ترکی کے مابین اس جنگ سے گو فریقین کی ملکی حدود میں کوئی تغیر نہیں ہوا لیکن یونان کے تصفیے میں اس کا دوگونہ اثر پڑا۔ یعنی اول تو اس جنگ سے برطانیہ میں خوف و شکوک پیدا ہوئے اور وہاں کی حکومت نے ڈیوک ولنگٹن کی وزارت میں اصرار کیا کہ یونان کی نئی ریاست جہاں تک ہوسکے تنگ حدود میں محدود رکھی جائے[1] اور دوسرے ترکی کی انتہائی کمزوری اور روسیوں کے قریب قریب بالکل زیر اقتدار ہو جانے کی وجہ سے وہ خیال کہ آزاد شدہ صوبوں پر سلطان کی سیادت کسی نہ کسی شکل میں بحال رکھی جائے، ترک کر دیا گیا جس سے یونان میں بالکل ایک خود مختار حکومت قائم ہوئی جن دونوں دول متحدہ نے دست اندازی کا ارادہ کیا، اسی زمانے میں خود یونان کے اندر ایک نمایاں تغیر پیدا ہوا تھا۔ وہ یہ کہ مقامی سرگروہوں کا دور گزر گیا اور اپریل ۱۸۲۷ء میں یونانیوں نے روس کے سابق وزیر خارجہ کاپودس تریاس کو سات سال کے لئے اپنا صدر منتخب کیا۔ کاپودس تریاس نے اس آواز پر لبیک کہی۔ ایام بغاوت کی مثل، اس وقت بھی وہ یونان سے دور تھا۔ پھر یونان روانہ ہونے سے پیشتر وہ یورپ کی بڑی بڑی حکومتوں کے پاس یہ معلوم کرنے کی غرض سے گیا کہ ان سلطنتوں سے اسے کس حد تک مالی اور اخلاقی امداد ملنے کی توقع ہوسکتی۔ زار نکولاس سے ملاقات کے دوران میں اس بادشاہ نے اپنا مافی الضمیر صاف صاف ظاہر کر دیا کہ اسے کاپودس تریاس سے روس کی مسلسل اعانت و دستگیری کے عوض میں کن کن شرطوں کے بجا لانے کی توقع ہے۔ یعنی یہ کہ یونان کو شورش و فساد کی بلا سے نجات دلائی جائے جس کا مطلب یہ تھا کہ جمہوریت کے بجائے وہاں شخصی حکومت قائم ہو۔ یونان، دولت عثمانیہ کا خراج گزار رہے۔ گویا روس کے لئے ترکی اور یونان دونوں کے معاملات میں دخل دینے کا دروازہ کھلا رہے۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ اس آخری شرط کو کاپودس تریاس پورا کرنے کے لئے کس حد تک آمادہ تھا۔ کیونکہ روس کا کتنا ہی ادب اس کے دل میں جاگزیں ہو اس کی اپنی ہوس اقتدار اور حب وطن دونوں اس بات کے مانع تھیں کہ وہ دربار روس کے

کاپودس تریاس یونان کا صدر منتخب ہوتا ہے۔ اپریل ۱۸۲۷ء

[1] ولنگٹن۔ این ایس۔ چہارم۔ ۲۹۷۔

ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن جائے۔ اور گو ظاہرا اس نے زار کا یہ فیصلہ کہ یونان ایک باج گزار ریاست رہے۔ تسلیم کر لیا لیکن غالباً وہ شروع ہی سے کامل خود مختاری حاصل کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ باقی رہی زار کی یہ شرط کہ مقامی حکومت خود اختیاری کی بجائے یونان کے اندر شخصی حکومت قائم کی جائے، تو اس بارے میں خود کاپوڈس ترياس اپنی مربی کا ہم آہنگ تھا۔ وہ ایک مطلق العنان صدر حکومت کا وزیر رہ چکا تھا اور اس نے سارا تجربہ ہی ایک مطلق العنان بادشاہ کا ماتحت عہدہ دار رہ کر حاصل کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس وقت میٹرنک سے مباحثہ پیش آیا کہ اطالیہ میں کامل شخصی یا شاہی بحال کی جائے یا کسی حد تک اسے مشروط کر دیا جائے تو کاپوڈس ترياس نے دربار روس کے زیادہ آزاد خیال طبقے کی طرف سے حجت و وکالت کی تھی۔ ورنہ در اصل اسے آزادی کے آئین کی نہ کوئی تحقیقی واقفیت تھی نہ سچی پاسداری۔ اور وہ بھی اٹھارویں صدی کے مطلق العنان مصلحین کے انھی خیالات کے دائرے میں چکر لگاتا تھا جن کا ایک نمونہ جوزف ثانی تھا[1]۔

اقرارنامہ ہائے نومبر ۱۸۲۸ء و مارچ ۱۸۲۹ء

ترک، کاپوڈس ترياس کے یونان پہنچنے کے وقت تک موریہ پر مسلط تھے۔ جنگ نوارینو کے بعد بھی ابراہیم نے یونانی قلاع پر اپنی گرفت سست نہ ہونے دی اور دول متحدہ کو ایک فرانسیسی لشکر بھیجنے کی ضرورت پڑی کہ ترکوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں۔ یہ فرستادہ لشکر جنرل میسوں کی قیادت میں ۱۸۲۸ء کی گرمیوں میں ساحل یونان پر لنگر انداز ہوا اور چونکہ ابراہیم وار پار کی لڑائی کی نوبت پہنچانی نہ چاہتا تھا لہذا اس نے تری پولتسا کو جلا کے زمین کے برابر کرا دینے اور وہاں شورہ بلوا دینے پر قناعت کی اور اُس مقام سے ہٹ گیا۔ اس عرصے میں روس و ترکی کی جنگ شروع ہو گئی اور کاپوڈس ترياس نے دردانیال کی ناکہ بندی میں روسی بیڑے کو مدد دی جس سے حکومت برطانیہ کا سخت معتوب ہوا۔ نومبر ۱۸۲۸ء میں فرانس، انگلستان اور روس کے قائم مقاموں کی ایک مجلس مشاورت لندن میں ہوئی اور یہ اقرار پایا کہ اتحادیوں کی جنگی کارروائی موریہ اور

---

[1] منڈل سوہن بگراف کاپوڈس ترياس۔ صفحہ ۴۴۔

جزائر تک محدود رکھی جائے گی۔ اس قرارداد کی بنا پر کاپوڈس ٹریاس نے ترکوں کے خلاف جنگ جاری رکھنے کی بہت شدومد کے ساتھ تیاریاں کیں کہ جس شے کو دلوانے کا اتحادی ذمہ نہیں لیتے اسے تلوار کے زور سے حاصل کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۲۹ء کے موسم سرما میں جب کہ روس ڈین یوب کی جانب سے ترکی پر چڑھائی کر رہا تھا کاپوڈس ٹریاس نے مسولونگھی اور خلیج کورنتھ کے تمام متصلہ شمالی قطعات کو دوبارہ حاصل کر لیا۔ اُدھر باب عالی کا نومبر کی مجلس مشاورۃ کے بعد جدوجہد جاری رکھنا حسب معمول اس کے اعداء کے حسب مراد ہوا کہ دوبارہ لندن میں جو گفتگو ہوئی، وہ پہلے سے بھی زیادہ یونانیوں کے حق میں تھی۔ چنانچہ ۲۲ مارچ ۱۸۲۹ء کو ایک اقرار نامہ پر دستخط ثبت ہوگئے جس میں یونان کی شمالی سرحد کو اس خط تک وسعت دے دی گئی جو خلیج ارتا کو خلیج وولو سے ملاتا ہے۔ مگر اس اقرار نامے میں بھی یونان پر سلطان کی سیادت کے بحال رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا اور اس کا حاکم کسی ایسے موروثی شہزادے کو بنانا تجویز ہوا تھا جو یورپ کے کسی فرماں روا خاندان سے ہو لیکن دول متحدہ کے حکمراں بادشاہوں کے کنبے کا آدمی نہ ہو[1]۔

اب برطانیہ نے باب عالی سے پھر ثالثی قبول کرنے کی استدعا کی اور پھر چودھویں مرتبہ یہ استدعا مسترد ہوئی۔ لیکن اخیر نوبت پہنچنے کا وقت بھی قریب آگیا تھا۔ دے بیش نے بلقان کو عبور کیا اور پھر جو سلطان نے گذشتہ نومبر کی شرائط کو ماننا چاہا جنھیں پہلے مسترد کر دیا تھا تو اتحادیوں نے شنوائی نہ کی۔ بلکہ معاہدۂ آدرنہ نے مارچ کے اقرار نامے کی شرطیں منوائیں۔ اس طرح یونان اس حد بندی سے بچ گیا جس میں ایتھنز، مسولونگھی بھی ترکی علاقے میں شامل رہتے۔ خلیج کورنتھ کے شمالی اضلاع کو مملکت یونان میں

لیوپولڈ یونان کا تاج قبول کر لیتا ہے فروری ۱۸۳۰ء

داخل کرنے کا اصول تسلیم کر لیا گیا اور باب عالی کے خیر خواہوں کو صرف اتنی حجت کا موقع مل سکا کہ ان اضلاع کی حدود کو جن کی اقرار نامۂ لندن میں محض سرسری صراحت ہوئی تھی، جہاں تک ہو سکے تنگ اور کم کردیں۔ روسیوں کو تو دولت عثمانیہ کے خلاف کامیابیاں

[1] بی اور ایف کاغذات سرکاری، مجلد ہم، صفحہ ۱۳۲؛ پروکیش اوسٹن، پنجم، ۱۳۶۔

سیر کر چکی تھیں اور وہ فریق مغلوب کے مربی کا بہروپ لینے کا متمنی تھا لہذا یونان کے معاملے میں اس نے دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ رہی حکومت برطانیہ تو اس نے ہر قطعۂ زمین کے لئے جسے نئی مملکت کو دئے جانے کا خیال تھا مزاحمت کی اور آخر دول کو ایسی سرحد کے تعیّن پر رضامند کر لیا جو لفظی معنی کے اعتبار تک سے شرائط معاہدہ کے مطابق نہ تھی۔ شمالی اکرنانیہ اور اطولیہ کا ایک حصّہ، یونان سے جدا کر لئے گئے اور وہ سرحد بنائی گئی جو اکے لوس ندی سے شروع ہو کر تھرموپلی کے قریب ایک مقام پر ختم ہوتی تھی اس کے برخلاف، یہ دیکھکر کہ استنبول میں روسیوں کا اقتدار جم گیا اور بظاہر آیندہ بھی رہے گا، دول یورپ کے لئے کوئی وجہ نہ رہی کہ یونان پر سلطان کی سیادت قائم رکھی جائے چنانچہ اس کو بالاتفاق حذف کر دیا گیا اور ملک یونان کی حدود کو بہت بُری طرح بھینچ کر نیز جزائر میں کریت و ساموس تک سے محروم کر کے اس کی خود مختار بادشاہی، جارج چہارم کی متوفیہ بیٹی شارلٹ کے شوہر، شہزادہ لیوپولڈ امیر سکیس کوبرگ کے سامنے پیش کی گئی۔ کچھ عرصے خط کتابت کے بعد، جس میں لیوپولڈ نے یونان کی حدود کو بڑھانے کی بے سود کوشش کی، آخر ۱۱ر فروری ۱۸۳۰ء کو اس نے یونان کا تاج قبول کر لیا۔

کاپودس تریاس کی حکومت یونان میں

اس اثنا میں کاپودس ترياس اپنی عقل کے مطابق ایک ایسے ملک کی تنظیم اور اس پر حکمرانی کرنے کی سخت کوشش کر رہا تھا جہاں شائستہ تمدّن کی بجالی میں، بدنظمی، بے ربطی، اور ناواجبی کے جملہ عناصر حائل تھے۔ سارا علاقہ اجڑا پڑا تھا بہت کم آبادی رہ گئی تھی اور بعض مقامات بالکل جنگلی ہو گئے تھے۔ اندازہ کیا جاتا تھا کہ کل دس لاکھ سے کچھ اوپر آبادی میں سے تین لاکھ آدمی ترکوں سے جنگ کے دوران میں لقمۂ اجل ہوئے۔ تمام سیاسی اور معاشرتی نظام کو از سر نو تعمیر کرنا تھا۔ اور یہ کام دانا سے دانا حاکم کے لئے بھی کچھ کم دشوار نہ ہوتا کہ کاپودس ترياس کے ذاتی خیالات اور ان لوگوں کے مزاج میں تباین کی بدولت، جن میں رہ کر اسے کام کرنا پڑا، یہ مرحلہ اور بھی مشکل ہو گیا۔ یونانی قومیت کی تہ زمین ہی مقامی حکومت یا قریٔ کی تنظیم تھی۔ قومی مجالس اور قومی سپاہ کی ترتیب کے باوجود، جنگ کے آخر تک یہ ضلع پرستی کا قوی جذبہ جوں کا توں برقرار رہا۔ ہدرا کے مالکان جہاز، موریہ کے پریمیٹ، اور شمالی جرگوں کے سرغنے سب کے سب علیحدہ قسم کی

معاشرت کا نمونہ اور آئین و مراسم کا مجموعہ رکھتے تھے جو ایک دوسرے سے اتنا ہی جداگانہ تھا جتنی ان کی مقامی بولیاں یا وہ اولیا جن کی اپنے اپنے مقام پر درگاہیں مرجع انام تھیں۔ یہ زبردست مقامی تمدن قومی اتحاد کے حق میں بعض اعتبار سے مفر بھی، اس میں شک نہیں کہ اس وقت تک باعث گرمجوشی ضرور رہا جب تک کہ یونان کی آزادی کے لئے جدوجہد جاری تھی۔ اور اب جب کہ وہ مقصود حاصل ہوگیا یہ بخوبی ممکن تھا کہ اسی شئے کو مقامی حکومت خود اختیاری کے ایسے نظام کی بنیاد بنا دیا جائے جو کار آمد بھی ہو اور مقبول عام بھی۔ لیکن اپنے عہد کے بڑے بڑے آدمیوں کی طرح کاپودس تریاس کی نظر میں ملک کا اتحاد اس کے تمام حصوں کی یکسانی کے مراوف تھا۔ اور اس راہ کی ساری موانع کی طرف سے آنکھیں بند کرکے وہ حکومت کا ایسا نظام مرتب کرنے بیٹھ گیا جو سرتاپا ایسا ہی سخت مرکزی تھا جیسا کہ فرانس کو نپولین سے ملا تھا۔ کاپودس تریاس کو ہموطنوں پر اپنی دماغی برتری کا، نیز اپنی دیانت کا اور خدمتِ وطن کے لئے ذاتی ثروت کو قربان کردینے کا احساس تھا۔ لہٰذا ان لٹیروں اور خائنوں کے متعلق، جن پر وہ یونان کے طبقۂ عمال کو مشتمل جانتا تھا، اظہار حقارت کرنے میں اس نے کبھی احتیاط و مصلحت کا لحاظ نہیں کیا اور ان یونانی عہدہ داروں کے ساتھ قولاً فعلاً وہی برتاؤ کرتا رہا گویا کہ وہ فی الواقع ڈکیت اور چور ہیں کاپودس تریاس کے اس آبرو شکن تحکم پر اندرون ملک کے دہقان تو خوش تھے کیونکہ انھیں یونانی کلفتوں اور یورپی مینوں کے ہاتھ سے بھی قریب قریب اتنی ہی ایذا پہنچی تھی جتنی ترکوں سے، اور ان میں کاپودس تریاس کا نام آخر تک مقبول رہا۔ لیکن آزادی کی طویل جدوجہد میں جن اشخاص نے قوم کی رہنمائی کی تھی ان کے گروہ اور خاصکر جزیروں کے مالکان جہاز میں خصومت کا جذبہ پیدا ہوگیا کیونکہ یہ اہل جزائر اپنی ہفت سالہ سعی و کشمکش پر کاپودس تریاس کے اظہار حقارت کو سراسر ناانصافی سمجھتے تھے۔ پس ان کی ناراضی سے یہ بھی بہت جلد ظاہر ہوگیا کہ یونان کی از سر نو تنظیم کا کام اُن آلوں سے جو کاپودس تریاس کے گردوپیش موجود تھے نہیں چل سکتا بلکہ ان سے بہتر وسائل کی ضرورت پڑے گی۔

اسی اندرونی مخاصمت کے دوران میں لیوپولڈ امیر سیکس کوبرگ کے شاہ یونان مقرر کئے جانے کی اطلاع پہنچی۔ مارچ ۱۸۲۹ء میں دول یورپ کی اس قرارداد سے کہ

کسی شاہی خاندان کا آدمی یونان کا فرماں روا بنایا جائے، غالباً کاپو دس تریاس کی اس امید کا خاتمہ نہیں کیا تھا کہ خود وہ یونان کا ہوس پودار یا امیر بن جائے گا۔ تختِ شاہی پر کسی کو متمکن کرنا دشواریوں سے خالی نہ تھا اور لیوپولڈ کے انتخاب کا اعلان ہوا تو بھلا کاپودس تریاس ان دشواریوں کو کیوں کم کرنے لگا تھا۔ اس کی چالاکی، اور ہیر پھیر کے طریقوں سے کام نکال لینے کی قدرت اتنی زیادہ اور اس طرح عادت میں داخل ہوگئی تھی کہ لیوپولڈ کی تخت نشینی کی مخالفت میں کوئی کام علانیہ کرنے کی اس سے بہت کم توقع تھی۔

لیوپولڈ کا تخت سے لادعویٰ ہو جانا۔ مئی ۱۸۳۰ء

تاہم اس بات کا ثبوت ظاہراً میسر آسکتا ہے کہ جب یونانیوں نے لیوپولڈ سے اپنی رضامندی ظاہر کرنی چاہی تو کاپودس تریاس نے اس کوشش کو دبایا اور اس شہزادے کو مسلسل خطوط بھی لکھے جو اگرچہ بڑے حزم و احتیاط سے تحریر کئے گئے تھے لیکن غالباً ان کا مقصد یہ تھا کہ لیوپولڈ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ جس کام کے لئے وہ یونان جا رہا ہے وہ کسی کے بنائے نہیں بن سکتا۔ دوسرے لیوپولڈ کو عین تاج یونان قبول کرنے کے وقت بھی اس معاملے میں تردد تھا۔ اسے صاف نظر آگیا تھا کہ مملکت یونان میں جو علاقہ داخل کیا گیا ہے وہ اس قدر چھوٹا ہے کہ نہ امن وامان قائم رکھنے کے لئے کافی ہے نہ خودمختار بادشاہی۔ لکرنانیہ اور شمالی اِطولیہ کے ملک یونان سے جدا کر دیئے جانے کے معنے یہ تھے کہ اندرونِ یونان کے باشندوں کا مستعد ترین جزو ہاتھ سے نکل جائے اور شمالی سرحد پر غالباً آئے دن جنگ و جدال برپا رہے۔ پھر کریت کی علیحدگی اس بات کو لازمی بناتی تھی کہ یونان کو دوالیہ ہونے کی حالت میں بھی جنگی بیڑا رکھنا پڑے تاکہ موریہ کے جنوبی ساحل کی ترکوں کے حملے سے مدافعت کی جاسکے۔ تاج قبول کرتے وقت ہی لیوپولڈ نے یہ سب عذرات دُوَل کے سامنے پیش کئے تھے مگر اس وقت اسے کہہ سن کر آمادہ کر لیا گیا کہ انھیں واپس لے لے۔ با ایں ہمہ وہ پوری طرح ان شرائط سے کبھی راضی نہ ہوا تھا، جو اس پر عائد کی گئی تھیں۔ چند مہینے تک وہ اسی تذبذب میں رہا۔ پھر یا تو کاپودس تریاس کے خطوں سے متاثر ہو کر یا کسی اور اثر سے اس نے یہ فیصلہ کیا اور صاف کہہ دیا کہ جن شرائط پر اسے حکومت یونان تفویض کی جا رہی ہے وہ ناقابلِ برداشت ہیں۔ اور تاج سے لادعویٰ

ہو گیا (مئی ۱۸۳۱ء)[۵]

اس طرح کاپو دس تریاس کو اپنی حریف کی طرف سے نجات مل گئی اور پھر اسی کام سے براہ راست سابقہ پڑا جس کی عقدہ کشائی کرنا، اُس کے فرض منصبی یا ہوس اقتدار کا تقاضا تھا۔ لیو پولڈ کی نامزدگی نے کاپو دس تریاس کے تعلقات اُن سب کے ساتھ بہت خراب کر دئے تھے جن سے یونان میں اس کا معاملہ پڑتا تھا۔ کیونکہ اسی موقع پر ایک اجنبی پردیسی کی آمد پر ان لوگوں کا جوش مسرت و تہنیت دیکھ کر کاپو دس تریاس کو ٹھیک اندازہ ہوا کہ یہ لوگ خود اس سے کتنی خصومت رکھتے ہیں۔ اس کی حکومت پر عجیب طرح کی تاریکی چھا گئی۔

کاپو دس تریاس کی حکومت اور موت

جس نسبت سے دشواریاں بڑھیں اور مخالفت ہر جگہ زیادہ مستقل ہوتی گئی اسی قدر صدر حکومت نے زیادہ سختی پر کمر باندھی اور اپنے حصول مقاصد کے وسائل اختیار کرنے میں انصاف و مصلحت سے زیادہ اعراض کرنے لگا۔ آس پاس کے اشخاص پر اعتماد نہ تھا لہٰذا ان کی سرکوبی کے لئے اس نے سرکاری عہدوں کو اپنے گرگوں اور عزیز اقربا سے بھرنا شروع کیا جو ظالم اور اسی کے ساتھ نالائق تھے۔ اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالی گئیں اور مزاحمت ہوئی تو اس کا جواب اس نے قید و تعدّی سے دیا۔ عدالتیں معطل کر دی گئیں جاسوسی اور سینٹ پیٹرزبرگ کا کوتوالی کا نظام یہاں بھی رائج کیا گیا۔ حتٰی کہ باقاعدہ بغاوت پھوٹ پڑی اور ایک طرف تو ہدرا کے امیر البحر میاؤلیس نے یونانی بیڑے کے بہترین جہازوں کو باروت سے اُڑا دیا کہ صدر کے ہاتھوں میں نہ پڑ سکیں اور اُدھر مائنا کے وحشی علاقے نے جہاں ترکی محصّل کا کبھی گزر نہ ہونے پایا تھا، یونان کی نئی حکومت کو مالگزاری ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ کاپو دس تریاس نے بڑی تیز دستی سے بغاوت فرو کی۔ خاندان موروِمی کالیس کے کئی افراد جن میں مائنا کا سابق رئیس پیتروبی بھی شامل تھا، گرفتار کر لئے گئے۔ مزید براں جب پیتروبی کی ضعیفہ ماں جس کے کنبے کے چونسٹھ آدمی ترکوں کے خلاف جنگ میں کام آئے تھے، اس کی رہائی کے لئے منت سماجت کرنے آئی تو کاپو دس تریاس نے اس کے بعد بھی اپنے

۵۔ اسٹوک مار: اول، ۸۰۔ مینڈل سوہن: "کاپو دس تریاس" صفحہ ۲۷۲۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات۔ ہفدہم ۴۵۳۔

مغلوب دشمن کی کوئی فی الواقع ہتک عزت کی یا لوگوں نے خواہ مخواہ ایسا خیال کر لیا۔ غرض اہل مَانا کے دلوں میں جذبۂ انتقام نے جوش مارا۔ پتروبی کا ایک بیٹا اور ایک بھتیجا صدر حکومت کی گھات میں بیٹھ گئے اور ۹؍ اکتوبر سنہ ۱۸۳۱ء کے دن جب وہ نوپلیا کے سینٹ اسپی ری دیون کے کلیسا میں داخل ہو رہا تھا ایک طپنچے کی گولی اور ایک جنبیے کی ضرب نے اسے مار کر گرا دیا۔ اس کو متنبہ بھی کیا جا چکا تھا کہ لوگ اس کی جان لینے کی فکر میں ہیں۔ لیکن اس نے نہ اپنی عادتیں چھوڑنی گوارا کیں اور نہ محافظین کا کوئی پہرہ مقرر کیا۔

کاپودس تریاس کے اس قتل پر لوگوں کو جو ترس آیا اور افسوس ہوا اس نے بہت کچھ اس کی حکومت کے متعلق نکتہ چینی کا منہ بند کر دیا اور اس کے نام کو یونانی قوم میں کمال معظم و محترم بھی بنا دیا۔ دوسرے اس کے خاتمے نے ملک کو بدنظمی کی بلاؤں میں پھنسا دیا۔ اس کے بھائی اوگسٹس ٹاین نے کوشش کی تھی کہ خود مختارانہ حکومت کو بحالہ قائم رکھے لیکن اس میں ناکامی ہوئی اور ہر طرف خانہ جنگی برپا ہو گئی اور اجانب نے یونان کے معاملات میں دست اندازی کی بالآخر دول یورپ نے مل کر یونان کے لئے دوسرا بادشاہ تلاش کیا تو اس پریشان کن طوفان بے تمیزی کا خاتمہ ہوا۔ یعنی بوریہ کا

اوتھو شاہِ یونان
یکم فروری ۱۸۳۳ء

شہزادہ اوتھو حکمرانی کے لئے ایتھنز آیا اور بوریہ کے عہدہ داروں کا ایک گروہ بھی اپنا ساتھ لایا جن کی نسبت یورپ کی سرکاروں کو یہ حسنِ ظن ہو گیا تھا کہ یونان کا مستقبل ان کے ہاتھ میں محفوظ رہے گا۔ اس مرتبہ سابق کی سرحدوں کی نسبت جو لیوپولڈ کے لئے طے ہوئی تھیں، کچھ توسیع بھی کر دی گئی لیکن کریت، تھسلی اور اپی رس اب بھی یونان میں شامل نہیں کئے گئے۔ جب اس طرح تنگ حدود میں پہنچا اور پھر ایک آزاد حکومت کے سارے مصارف کا بار پڑا تو یونان سے نہ اپنے خرچ پورے کئے جا سکے اور نہ دولِ خارجہ کی ریشہ دوانیاں روکی جا سکیں لہٰذا آئندہ ایک نسل میں یونان میں جو کچھ ہوتا رہا اس سے وہ امیدیں پوری نہ ہوئیں جو آزادی یونان کے مستقبل کے متعلق قائم کی گئی تھیں۔ بایں ہمہ نوع انسان کا قومی آزادی سے حسنِ عقیدت رکھنا محض لایعنی نہیں ہے اور آزادی کے بعد یونانی قوم کا کیسے ہی غیر مساعد حالات سے سابقہ ہوا، یہ نہیں ہو گا کہ ایک آزاد قوم کی سعی اپنی قوم کے دوسرے گروہوں کے واسطے جو ابھی تک محکومی میں پڑے ہیں حوصلہ افزا اور باعث رشک نہ ہو۔ یونان کی نئی بادشاہی

کتنی ہی مفلس وزبوں حال کیوں نہ تھی، اس نے صرف ان یونانیوں کے دل میں بے چینی کی لہر دوڑا دی جو ترکی زنجیروں میں مقید تھے بلکہ جزائر آئی اونیہ کے خوشحال یونانی باشندوں میں بھی یہی جذبہ پیدا کیا جو انگریزوں کی ماتحتی میں آ گئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء میں یونانی مملکت کی توسیع کی پہلی کارروائی یہ عمل میں آئی کہ برطانیۂ کلاں نے ان جزیروں کو حکومت یونان کے پاس منتقل کر دیا۔ پھر خود ہمارے زمانے نے یہ روز سعید دیکھا کہ تھسلی کے الحاق سے یونان کی قوت ودولت میں اضافہ ہوا۔ اور اس ملک میں تعلیم وتجارت کی نشوونما اب اسی شد ومد سے ہو رہی ہے جیسی یورپ کے کسی اور ملک میں۔ زراعت اور صنعت وحرفت میں البتہ وہ ابھی تک بہت پیچھے ہے۔ یونان کے حکمراں، کاؤر اور سارڈینیہ کے اس ماہر سیاست کی تقلید میں جس نے اتحاد اطالیہ کے واسطے مصارف کثیر کا کبھی مُنہ نہیں کیا، اپنے مالیات پر اتنی بڑی فوج اور بیڑے کا خرچ ڈالنا گوارا کر رہے ہیں جو بمداخل اور ضروریات حالیہ دونوں کے اعتبار سے مفرط ہے۔ ایک شاندار سیاسی مستقبل کی خیالی امید کی خاطر ملک کی مادّی ترقی کو بہت کچھ قربان کیا جا رہا ہے۔ اس بات کا فیصلہ مستقبل پر مبنی ہے کہ ترکوں کے مشرقی یورپ سے تدریجی اخراج کے بعد سرحدوں میں لازمی طور پر جو ردوبدل ہوگا، اس میں یونان اتنا فائدہ بھی حاصل کر سکے گا یا نہیں جس سے اس خرچ کثیر کے موجودہ نقصانات اور خرابیوں کی تلافی ہو جائے۔

فرانس ۱۸۳۰ء سے پہلے۔ چارلس دہم کا عہد۔ وزارت مارتن یاک
وزارت پولن یاک۔ ڈیوک اور میان الجیر اس کی جنگ۔ جولائی کے حکمنامے۔
جولائی کا انقلاب۔ لوئی فلیپ کی بادشاہی۔ انقلاب جولائی کی نوعیت اور عواقب۔
بلجیم کے واقعات۔ بلجیم کی بغاوت۔ دول عظمیٰ۔ مداخلت اور مملکت بلجیم کی ازسرنو
خودمختاری۔ معاملات پولینڈ۔ وارسا کی شورش۔ پولینڈ اور روس کی جنگ۔
پولوں کا استیصال اور ان کی آئینی حکومت کا خاتمہ۔ معاملات اطالیہ۔ پاپائی
ریاستوں کی شورش۔ فرانس و آسٹریہ۔ آسٹریہ کی دست اندازی۔ انکونا پر
فرانس کا قبضہ۔ معاملات جرمانیہ۔ پروشیہ؛ زوال ورین برنزوک، ہنوور،
سیکسنی۔ ہسے لے ٹی نیٹ۔ جرمانیہ کی رجعت۔ سوئزرلینڈ میں جلاوطنیاں، سوئے میں
داخلہ۔ جلاوطنوں کا منتشر کیا جانا۔ فرانس، میں عہد لوئی فلیپ۔ اور پیہم بغاوتیں۔
پارلیمنٹ کی سرگرمیوں کا زمانہ۔ انگلستان ۱۸۳۲ء کے بعد؛ قانون اصلاحات۔

جس وقت نپولین کی خانہ براندازی کے بعد موتمر ویآنا میں یورپ کے نقشے کو ازسرِنو مرتب کیا گیا تو لارڈ کاسل ریا نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ اس وقت جو کچھ تصفیہ بھی ہو، کوئی دُوراندیش سیاست داں اس کے سات برس سے زیادہ قائم رہنے کی پیشین گوئی نہیں کرسکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس مدت سے دُگنی مدت گزرنے کے بعد بھی ۱۸۱۵ء کے معاہدات، یورپ میں، نافذ ہیں۔ نپولین آرام سے آغوش لحد میں جاسویا۔ فرانس کی انقلاب انگیز قوتوں میں کسی نئی زندگی کے آثار نہیں نظر آئے۔ جس قدر شاہان بوربن کی جڑیں گہری اُترتی گئیں

اور مخالفت کے عناصر روز بروز ضعیف ہوئے اسی نسبت سے وہ خطرات جو ہر دل میں ساری تھے قصۂ پارینہ معلوم ہونے لگے اور وہی ملک جو ۱۸۱۵ء کے انقلاب شکن معاہدوں کا خاص طور پر ہدف تھا، انقلاب انگیزی کے خلاف کوشش میں اب گویا قدرتی طور پر آسٹریہ اور روس کے دوش بدوش مصروف سعی ہوگیا۔ ہسپانیہ کے آئین پسندوں پر لوئی ہجدہم کی فوج کشی اس بات کی علامت تھی کہ یورپ کے اُن شاہی خاندانوں سے جو ۱۸۱۵ء میں فرانس کے خلاف متحد ہوئے تھے، اب فرانس کی کامل مصالحت ہوگئی۔ لہذا شوموں اور اے لاشاپل کی قرار دادوں پر گو کسی کو اعتراض نہ ہوا ہو لیکن اب وہ دول یورپ کے واقعی تعلقات کا صحیح مظہر نہ رہے۔ فرانس کی انقلاب پسند سمجھی جانے والی حکومت کے خلاف یورپ کی سرکاروں میں باہم کوئی دلی اتحاد نہیں رہا۔ اس کے برخلاف، مشرقی معاملات میں پیچیدگی پیدا ہوئی تو روس اپنے آسٹروی حلیف سے ٹوٹ کر حتمی طور پر فرانس کے ساتھ متحد ہوگیا۔ صلحنامۂ اورنہ کے بعد اگر کوئی طاقت سب سے الگ پڑی رہ گئی تو وہ دولت آسٹریہ تھی۔ اور یورپ کو اب کسی تازہ دست درازی کا خوف تھا تو وہ انقلاب انگیز سرغنوں یا باغیانہ ضرب المثلوں سے نہ تھا بلکہ چارلس دہم اور زار روس کے رشتۂ اتحاد کی بنا پر تھا۔ جب بوربن بادشاہ کے وزیر، فرانس کی توسیع حدود کی خاطر مشرق کے توازن دول میں ہر قسم کی ردّ و بدل قبول کرنے پر آمادہ تھے تو یورپ میں کوئی شخص مشکل سے یہ توقع کر سکتا تھا کہ دربار سینٹ پیٹرز برگ اُن فوائد کو جو اسے پیش کئے جا رہے تھے عرصے تک مسترد کرتا رہے گا۔ پھر، اگر کسی ایسی تجویز پر عملدرآمد ہو جو روس کو ڈین یوب تک اور فرانس کو رہائن تک پہنچاوے تو ۱۸۱۵ء کی قرار دادہ حدود کا نابود ہو جانا قریب قریب یقینی تھا۔ لیکن اس خطرے سے ۱۸۱۵ء کی قرار دادیں اُن واقعات کی بدولت محفوظ رہ گئیں جو خود فرانس کے اندر پیش آئے۔ کیونکہ وہاں ۱۸۳۰ء کا انقلاب اگرچہ خود فرانس والوں پر کوئی خاص اثر نہ ڈال سکا مگر یورپ کی اقوام اور حکومتوں پر اس نے بہت کافی اثر ڈالا۔ اور گو بعض تنگ حدود میں اس انقلاب نے آئینی آزادی کو تقویت پہنچائی لیکن اس کا زیادہ وسیع نتیجہ یہ ہوا کہ دول ثلاثۂ مشرقیہ کا اتحاد جو ۱۸۲۶ء میں ٹوٹ گیا تو دوبارہ تازہ ہوگیا اور اتحادِ مقدس کے ارکان عظمیٰ مغرب کی آزاد خیالی کے خلاف اپنی اغراض کو مشترک دیکھ کر پھر باہم مل گئے۔

چارلس دہم کا تخت فرانس پر آنا، اہل رجعت اور کلیسائی گروہ کی فرماں روائی کے مرادف تھا۔ وزیر وی لیل نے ۱۸۲۲ء میں اقتدار تو اشد بادشاہ پسندوں کی وکالت کر کے حاصل کیا لیکن عہدہ پانے کے بعد اسے عقل ضرور آگئی تھی اور ۱۸۲۴ء میں لوئی ہجدہم کی وفات تک اپنی فریق کے اشد گروہ کو اُسی نے قابو میں رکھا تھا۔ مگر اب اسے اپنے عہدے کی قیمت میں دربار کی ہر بات ماننی پڑتی اور ان احکام کی اپنے نام سے تصدیق کرنی پڑتی تھی جنھیں خود اس کی رائے سراسر غلط بتاتی تھی۔ چارلس دہم اور اس کے رجعت پسند حاشیہ نشینوں کی طبائع کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں کے لئے وہ لوگوں کو اس قدر برخاستہ خاطر کرتے کہ کسی دانشمند حکومت کے کہیں زیادہ اہم تغیرات سے بھی شاید اسی قدر برانگیختگی ہوتی ہوگی۔ مثلاً توہین مذہبی کا ایک قانون ۱۸۲۵ء میں پیش ہوا تو اس گروہ نے دور وسطیٰ کی اس وحشیانہ[1] سزا کو دوبارہ نافذ کرانا چاہا کہ خاطی کا ہاتھ قطع کر دیا جائے۔ جس سے تمام معقول آدمیوں کو سخت اکراہ پیدا ہوا۔ یا جب املاک لایوصٰی بہا میں فرزند اکبر کو بعض جزوی حقوق زیادہ دینے کا ضابطہ بنا تو اس گروہ نے ضابطۂ مذکور کے تمہیدی فقرے میں یہ اعلان کر کے سارے باشندوں کو ڈرا دیا کہ فرانس میں میراث کی مساوی تقسیم کا مروجہ اصول، حقوق شاہی کے معارض ہے۔ پس، اس قسم کی حکومت نے جس پر پہلے ہی لوگوں کو اعتماد نہیں رہا تھا جب عہد انقلاب کے تارکین وطن کے واسطے یہ قانون بنانا چاہا کہ انقلاب کے زمانے میں ان کی جائدادیں ضبط ہونے سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی میں چار کروڑ پونڈ کی رقم سرکار سے عطا کی جائے تو اس کی سخت مخالفت ہوئی حالانکہ اس سے اہل ملک کو یہ فائدہ ضرور پہنچا کہ اس تجویز سے ان لوگوں کا حق مسلم ہو گیا جنھوں نے ضبط شدہ جائدادوں کو خریدا تھا اور جنھیں طرح طرح کے شبہے رہتے تھے جو مذکورۂ بالا تجاویز سے ہمیشہ کے لئے زائل ہو گئے پھر اس رقم خطیر کو مہیا کرنے کی غرض سے جب یہ مالی تدبیر اختیار کی گئی کہ قومی قرضے کی

---

[1] یہ بھی جدید اہل یورپ کا ایک نفسانی وہم ہے کہ قطع ید کی سزا کو وحشیانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سزا جرم کی نوعیت کے اعتبار سے دی جاتی ہے ورنہ خاطی کو بیکار کر دینے کے لحاظ سے قید اور قتل دونوں سزائیں ”وحشیانہ“ ہیں۔ — مترجم

شرح سود پانچ فیصدی کی بجائے تین فیصدی کر دی گئی تو اس سے سرمایہ لگانے والے خاص کر پیرس کے ذی اثر ساہوکار بہت دل برداشتہ ہوئے۔ مگر اس طرح کی کسی قانونی کارروائی سے، زیادہ جس شے نے لوگوں کو ناخوش کیا وہ حکومت کا مذہبی فرقے سے رشتۂ اتحاد جوڑنا اور خانقاہی جماعتوں کی، جن کا وجود ہی فرانس میں خلاف قانون تھا، پشت پناہی کرنا تھا۔ مونت لوسیر نے، جو قدیم طبقۂ امرا کا فرد اور خود بادشاہ پسند فرقے کا آدمی تھا، جیسوائٹ فرقے پر عدالت میں مقدمہ بھی دائر کیا۔ پھر اہل کلیسا اور ان کے مخالفین میں سخت مناقشہ برپا ہوا جس میں شاہی دربار بھی نکتہ چینی سے نہیں بچا۔ تب حکومت نے قانون احتساب کو، جسے بیچ میں منسوخ کیا جا چکا تھا، فرمان شاہی کے ذریعے دوبارہ نافذ کر دیا۔ لوگوں میں حکومت کے نامقبول ہونے کی یہ انتہا تھی۔ مجلس مبعوثین پر سے اس کا اثر زائل ہو گیا اور وہی ضابطہ جو وی لیل نے اپنی کمال اقتدار کے زمانے میں اس غرض سے بنایا تھا کہ حکومت کے لئے باعث استقلال وپائیداری ہو گیا، اب اسی کے حق میں مہلک ثابت ہوا۔ یعنی، اس نے یہ طریقہ اڑا دیا تھا کہ مجلس کی ہر سال جزوی تجدید ہو اور مبعوثین کی ایک خمس تعداد انتخاب ہوتی رہے اور اس کی بجائے انگلستان کی ہفت سالہ پارلیمنٹ کا انتخاب عام کا طریقہ جاری کیا تھا۔ ۱۸۲۷ء میں چارلس نے یہ سمجھکر کہ وزیروں کو مجلس مبعوثین کی نسبت عام باشندوں میں زیادہ رسوخ حاصل ہے، اپنے حق امتیازی کی بنا پر مجلس کے انفساخ کا حکم دیا اور از سر نو انتخاب عام عمل میں آیا۔ اس میں حکومت نے کامل شکست کھائی اور وہ مجلس منتخب ہوئی جس میں آزاد خیال فرقے کے مخالفین کی تعداد بادشاہ کی طرفداری سے تین گنی تھی۔ اب وی لیل کی وزارت نے استعفیٰ دے دیا۔ شاہ چارلس کو اکثریت والے گروہ سے وی لیل کا جانشین مقرر کرنا گوارہ نہ تھا اور تھوڑی دیر اسے سخت لڑائی شروع کرنے کا بھی خیال آتا رہا لیکن آخر دوسری صلاح ان لی اور بغیر اس کے کہ سچائی سے قومی منشا کے آگے سر جھکائے اس نے وی کونت دی مارتن یاک کو وزارت تفویض کی جو بادشاہ پسندوں کے گروہ وسطیٰ کا فرد اور معتدل اصلاح اور صلح آشتی کے طرز عمل کا حامی تھا (۴ جنوری ۱۸۲۸ء)

اہل فرانس اور خاندان بوربن کی شاخ اکبر میں اتحاد کا آخری موقع ہاتھ سے نکل گیا تو

مارتن یاک کی وزارت ۲۹-۱۸۲۸ء

اس میں وزیر موصوف کا کچھ قصور نہ تھا مارتن یاک نے مقامی حکام کو بعض اختیارات تفویض کئے جانے کی ایک تجویز پیش کی اور ہر چند یہ

مجوّزہ اختیارات محدود تھے تاہم قنصلی کی تاسیس کے زمانے سے جتنے اختیارات انھیں حاصل رہے اُن سے زیادہ تھے۔ لہذا اس نے آزاد خیال فریق سے التجا کی کہ وہ مقامی حکومت کی ایک اور قسط حاصل کرنے میں اس کی مدد کریں جسے امید ہے کہ عام اہل ملک بھی خوشی سے قبول کریں گے لیکن مجلس میں اختلاف کی لے اتنی بڑھی ہوی تھی کہ معتدل مزاج ارکان بھی آپس میں متحد نہ ہو سکتے تھے۔ آزاد خیال فرقہ اس قسم کے حقوق پر اڑ گیا جن کو مارتن یاک کسی طرح نہ مان سکتا تھا۔ تجویز چلنی غیر ممکن ہوگئی۔ رجعت پسندوں نے اس معاملے میں اپنے مخالفین کا ساتھ دیا۔ خود شاہ چارلس درپردہ اپنے وزیر کے خلاف تھا اور حاسدانہ مسرت کے ساتھ اس کی مجلس میں اکثریت کو قابو میں نہ لا سکنے کا تماشا دیکھتا تھا۔ اپنے پورے اثر سے مارتن یاک کے موافق کام لینے اور اپنی کھلی ہوی طرفداری سے مذبذب قوتوں کو مجتمع کر لینے کی بجائے وہ مارتن یاک کی ناکامی پر خوش ہوا جو اس کے نزدیک تمام حقوق و مراعات کے فضول ہونے کا ثبوت تھی اور اس وزیر کو عہدے سے برطرف کر کے اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ واقعات کی رفتار نے میرے اس یقین کی تصدیق کر دی کہ ملکی مجلس کے ساتھ مل کر حکومت کرنی غیر ممکن ہے۔ پھر جن وزیروں کو اس نے مقرر کیا ان کے نام سے نہ صرف فرانس میں بلکہ یورپ بھر کے سیاسی حلقوں میں خوف و تشویش پیدا ہوگئی۔ کیونکہ یہ اُن لوگوں کے نام تھے جو استبداد کے تند و شدید ترین حامی تھے اور جن کا بادشاہی مشیر ہو جانا سوائے اس کے کوئی معنی نہ رکھتا تھا کہ فرانس کے مروّجہ نظام آئینی پر بلا واسطہ حملہ کیا جائے۔ وزارت کا صدر رنژولے پولن یاک، ان دنوں

پولن یاک کی وزارت۔ ۹ اگست سنہ ۱۸۲۹ء

فرانس کی طرف سے لندن کا سفیر تھا۔ مذہبی اوہام نے اس کو خاص مخبوط بنا دیا تھا اور کاڈوڈل نے نپولین کے قتل کا جو اقدام کیا تھا، اس میں شرکت کی بنا پر اسے طویل مدت تک قید بھگتنی پڑی تھی۔ پھر سنہ ۱۸۱۴ء میں وہ فرانس واپس آیا تو اس نے منشور شاہی کی پابندی کی قسم کھانے سے اس وجہ سے انکار کر دیا کہ اس میں غیر کیتھولک فرقوں کو مذہبی آزادی دی گئی ہے۔ وزارت کے ماتحت ارکان میں جنرل بورمون اور لابوردونئے بھی تھے جن میں سے پہلا تو واٹرلو کی جنگ میں انگریزوں کو

دغا دے چکا تھا اور دوسرا ۱۸۱۶ء کے اہل رجعت کے دور وہشت انگیزی کا سرغنہ تھا۔[1]

نئی وزارت، مجلس مبعوثین کے اجلاس ۱۸۲۹ء کے برخاست ہوتے ہی مرتب کر دی گئی تھی لہٰذا اہل مجلس اور نئے وزیروں کا آمنا سامنا ہونے میں کئی مہینے کا وقفہ پیش آیا۔ اس مہلت میں لوگوں کے لئے یہ قرینہ اجنبی اور نیا نہیں رہا کہ بادشاہ سے کشمکش ہونے والی ہے بااین ہمہ یہ خیال کہ خاندان شاہی میں فی الواقع تغیر ہونے میں کچھ دیر نہیں رہی، عام طور پر نہیں پایا جاتا تھا۔ بوناپارٹی فرقے کا کوئی سردھرا نہ تھا کیونکہ قدرتی طور پر ان کا سرگروہ نپولین کا بیٹا ہو سکتا تھا اور وہ اس وقت دربار آسٹریہ کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا۔ حامیان جمہوریت کی تعداد تھوڑی، اور تنظیم ناقص تھی۔ دوسرے عام اہل ملک کے دل سے ۱۷۹۳ء کے کشت و خون کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا تھا۔ ایسی شاہ چارلس سے جدوجہد کرنے کی سوچنے والے زیادہ تر مجلس مبعوثین کو زور آزمائی کا میدان سمجھتے تھے یا جس صورت میں حکومت کی طرف سے آئین شکنی کی جائے تو آخر درجہ پر وہ سرکاری محاصل دینے سے انکار کرنے کی تدبیر سوچتے تھے۔ لیکن ان سب پرانے فریقوں کے علاوہ سیاسی اہل الرائے کا ایک چھوٹا سا شاطر گروہ اور بھی تھا جس نے دور ہی سے بیٹھے بیٹھے خاندان بوربن کی حکمران شاخ کو معزول کرنے اور لوئی فلیپ، امیر اورلیان کو تخت شاہی پر متمکن کرنے کا منصوبہ باندھا۔ اس سازباز کا سرغنہ تالی ران تھا کہ جب دربار میں اس کے ساتھ سبکی اور مخالفت کا برتاؤ ہوا تو اس پرانے شاطر نے حکومت کے سرنگوں ہونے کی تاک لگائی اور جب مقررہ آثار نظر آنے لگے تو اس نے اُدھر رُخ پھیر دیا جدھر سے اس بادشاہی کا جانشین ہاتھ آنے کی سب سے زیادہ توقع تھی۔ مجلس مبعوثین کے تمام آزاد خیال حلقوں میں لوئی فلیپ پر بہت اعتماد تھا اس شہزادے کی سرگذشت بہت عجیب اور یادگار تھی۔ وہ اُس امیر اورلیان کا بیٹا تھا جس نے اپنا نام "اِگالتے" (مساوات) رکھا اور اپنے عمزاد لوئی شانزدہم کے قتل کی

۱۸۳۰ء کے قراین با بر حامیان اورلیان

[1] ویئل کا رلی - نوزدہم، ۲، ۵۰ - دور جدید ہوراں، دہم ۸۵ -

رائے دی تھی مگر خود بھی عہد دہشت و خونریزی میں ہلاک ہوا۔ نوجوان لوئی فلیپ جیکوبن فرقے کی انجمن کا رکن تھا اور ژیماپ کے میدان میں جمہوریۂ فرانس کی طرف سے لڑا تھا۔ پھر ملک بدر ہو کمال عسرت کی حالت میں سوئزرلینڈ میں ریاضی پڑھا کر پیٹ پالتا رہا۔ اس نے نہ صرف پرانی دنیا بلکہ نئی دنیا میں بھی عرصے تک آوارہ گردی کی اور آخر ایک عرصے کے بعد اس کا نصیبہ جاگا۔ صقالیہ کے بادشاہ فرڈی نینڈ کی بیٹی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس رشتے نے شاہانِ یورپ سے اس کے وہ تعلقات بحال کر دیئے جو اس کے باپ نے سلب کرا دئے تھے اور اسے تخت شاہی تک پہنچنے کی دوبارہ آرزو پیدا ہو گئی۔ نپولین کے حملۂ ہسپانیہ کے وقت، وہ ہسپانوی سیاست دانوں سے جو اپنے غیر حاضر بادشاہ کے بجائے کسی دوسرے کو بادشاہ بنانے پر مائل تھے، ریشہ دوانی کرتا رہا۔ ایک اور موقع پر جزائر آئی اونیہ کے بادشاہ ہو جانے کی بھی اسے امیدیں رہیں۔ صلحنامۂ پیرس کے بعد جب دُول متحدہ کے بادشاہ اور وزرا انگلستان گئے، تو لوئی فلیپ کو بھی اس کے خسر نے بھیجا تھا کہ اُن میں رہ کے مورے کے خلاف ریشہ دوانی کرے۔ چنانچہ اسی کوشش کے سلسلے میں وہ نہ صرف ممالک یورپ کے اُن سب مدبرین سے جو لندن میں جمع تھے بلکہ انگلستان کے ہر ممتاز اہل الرائے سے واقف ہو گیا۔ بعد میں اس نے فرانس میں سکونت اختیار کر لی اور خاندان اورلیان کی وسیع جاگیریں اس کے نام واگذاشت کر دی گئیں۔ یہ جاگیریں پہلے ضبط کر لی گئی تھیں مگر زمانۂ انقلاب میں ان کا حصۂ اعظم فروخت ہونے سے بچ گیا تھا۔ لوئی ہجدہم اور چارلس دہم کے زمانۂ بادشاہی میں فلیپ کی کیفیت عجیب رہی۔ اس نے سیاسی معاملات میں براہِ راست کوئی حصہ نہیں لیا نہ بادشاہ کی علانیہ مخالفت شروع کی۔ لیکن اپنے مکان موسومہ **قصر شاہی** کو اس نے دارالسلطنت کی سیاسی اور علمی انجمن کے سب سے درخشاں افراد کا مقام اجتماع بنا دیا۔ پھر شاہی ڈیوڑھی توئی لیر میں تو طرز قدیم کی طمطراق اور درباری مراسم کے تکلفات برتے جاتے تھے، مگر یہاں امیر اورلیان ایک عام شہری کی مثل ابنائے وطن سے ملتا جلتا تھا۔ وہ چالاک، زیرک اور مستعد آدمی تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ جو عملی کام اس کے ہاتھ میں آئے گا اسے بخوبی انجام دے سکے گا لیکن حقیقت میں اس کی نظر کچھ بہت گہری یا منصوبے کچھ زیادہ بلند یا خیالات راسخ و پختہ نہ تھے۔ ایک ہنس مکھ سفید پوش کے پردے میں

وہ سازش کا صریحی میلان اور شخصی اقتدار حاصل کرنے کے قوی شوق کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا۔ حتیٰ کہ آیندہ واقعات نے لوگوں میں یہ یقین بھی پیدا کر دیا تھا کہ چارلس دہم کی انتہائی وفاداری کے اظہار کے ساتھ ساتھ لوئی فلیپ در پردہ اسے تخت سلطنت سے ہٹا دینے کی تدبیریں کرتا رہا مگر تاریخی شواہد اس کے برخلاف یہ بتاتے ہیں کہ فلیپ کے دل میں خواہ کیسی ہی تمنائیں اُبھرتی ہوں، دراصل ۱۸۳۰ء کے انقلاب میں اس کا سب سے غالب جذبہ تھا تو یہ خوف کہ کہیں وہ پھر جلا وطن اور اپنے املاک سے محروم نہ کر دیا جائے۔ سچ یہ ہے کہ شجاعت کی صفت سے وہ متصف نہ تھا اور جس وقت بادشاہ اس کے راستے میں حائل ہوا تو اس نے بادشاہ کے خلاف اگر کوئی جرم کیا تو وہ صرف یہ تھا کہ بعض مواعید کے ایفا میں بھونڈے عذر اور لیت و لعل کرتا رہا۔

ماہ مارچ ۱۸۳۰ء کے آغاز میں فرانس کی مجلس مبعوثین کا مقررہ وقفے کے بعد اجلاس ہوا۔ بادشاہ کی افتتاحی تقریر سے اس کا اپنے ارادے پر قائم ہونا بلکہ دھمکانا مترشح تھا۔ اس کے جواب میں مجلس کے شعبۂ ادنیٰ کی طرف سے ایک عرضداشت پیش کی گئی

مجلس کا اجلاس اور التوا۔ مارچ ۱۸۳۰ء

کہ موجودہ وزرا کو برطرف کر دیا جائے۔ عرضداشت لے جانے والے وفد کے ساتھ بادشاہ جس طرح پیش آیا اسی سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔ اور دوسرے ہی دن اجلاس کے چھے مہینے کے لئے ملتوی کرنے کا حکم نافذ ہوا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اب اس مجلس کے دوبارہ اجلاس کا موقع ہی نہ دیا جائے گا۔ لہٰذا سارے ملک میں ہر دو فریق کی طرف سے بلا تاخیر جدید انتخابات کی تیاریاں پوری سرگرمی سے ہونے لگیں۔ دربار شاہی کی طرف سے دباؤ ڈالنے کے سب ذرائع جو حکّام فرانس کا معمول تھے، استعمال کئے گئے۔ دوسرے بادشاہ کو امید تھی کہ ممالک بیرونی میں کسی نمایاں جنگی فتح یا سیاسی گفتگو کی کامیابی سے بھی رائے عامّہ پر اثر ڈالا جا سکے گا۔ بلجیم کو لینے کے لئے روس کے ساتھ ابھی تک رسل و رسائل جاری اور مجلس وزارت کے زیر بحث تھے۔ ادھر الجزائر کے ڈے سے تنازعہ ہو گیا۔ اس جھگڑے نے پولن یاک کو افریقہ میں کشور کشائی کی جنگ چھیڑنے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ جنرل بورمون، وزارت جنگ کا عہدہ چھوڑ کر عربوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا کہ اُس کے نام کو ابھی تک جو بٹّہ لگا ہوا تھا اسے دور کرے۔ حکومت کو

بھروسہ ہوگیا کہ تسخیر الجزائر کا اعلان ہوگیا تو انتخابات میں ناکامی کی صورت میں بھی عام اہل ملک کسی نازک موقع پر حکومت کا پورا پورا ساتھ دیں گے۔

ابھی مجلس کے انفساخ کا معاملہ معرض بحث میں تھا کہ پولن یاک نے بادشاہ کی خدمت میں ایک گزارش پیش کی جس میں اپنی رائے ظاہر کی تھی کہ اگر انتخابات کا نتیجہ خلاف مراد برآمد ہوا تو حکومت کے سامنے کونسا چارۂ کار باقی رہے گا۔ منشور شاہی میں ایک فقرہ بہت سست اور ناقص زبان میں تحریر تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ قوانین پر

پولن یاک کی تجویز

عملدرآمد اور حفظ امن سلطنت کے لئے ضروری قواعد و ضوابط بنانا بادشاہ کے فرائض میں داخل ہوگا۔ لاکلام یہ الفاظ بادشاہ کے آئینی اور معمولی اختیارات سے متعلق تھے لیکن پولن یاک نے ان کی یہ تعبیر کی کہ اس دفعہ کی رُو سے بادشاہ آئین تک کو معطل کرنے کا مجاز ہے جب کہ مجلس مبعوثین وزرائے شاہی کی مخالفت کر رہی ہو۔ اصل یہ ہے کہ پولن یاک کے ذہن میں جماعت عاملہ اور مجلس شوریٰ کے باہمی تعلق کا ویسا ہی تصور تھا جیسا کہ ان جیکوبن نظما کا، جنھوں نے "فروک ٹی دار" ۱۷۹۶ء کی فیصلہ کن کارروائی کی تھی۔ پھر جو تدابیر اس وزیر نے آخر میں اختیار کیں وہ بھی کسی قدر معتدل پیرائے میں وہی تھیں جنھیں جمہوریت کے چھٹے سال بادشاہی انتخابات کے بعد باراس اور لاری ویلیپر نے اختیار کیا تھا۔ پولن یاک کا کہنا یہ تھا کہ مجلسی آئین کو معطل کرنا منشور شاہی کی خلاف ورزی نہیں ہے کیونکہ اسی منشور نے بادشاہ کو حفظ امن کے لئے احکام نافذ کرنے کے اختیارات دیئے ہیں اور اس کی ضرورت ہونے نہ ہونے کا فیصلہ بادشاہ اور اس کے وزرا سے بہتر اور کون کرسکتا ہے؟ بات تو بہت صاف تھی، بااں ہمہ خود پولن یاک کے ساتھی وزیروں میں بعض کو ان تدابیر کے پُرمصلحت اور جائز ہونے میں تردد تھا۔ بادشاہ چارلس بھی اپنے تمام تعصبات کے باوجود منشور کے ظاہری الفاظ کے خلاف کام کرنے سے بچنا چاہتا تھا اور اس دفعہ پر بہت عرصے تک غور کرتا رہا جس میں شاہی اختیارات کی تصریح تھی۔ آخر اس نے اپنے دل کو تسلی دے لی کہ اس کے وزیر نے جو معنی لئے ہیں وہی صحیح ہیں اور اختلاف کرنے والے وزیروں کے استعفے قبول کرکے پولن یاک کے طرز عمل کی باضابطہ منظوری دے دی[1]۔

---

[1] علہ۔ "پروسیس دے اکس منسترے" اول۔ ۱۸۹۔

انتخابات ۱۸۳۰ء

جون میں دوبارہ عام انتخاب ہوا تو اس کے نتائج فریق اختلاف کی امیدوں سے اور طرفداران حکومت کے شبہات سے بھی کہیں بڑھے چڑھے نکلے۔ یعنی تمام مبعوثین جنھوں نے مارچ میں بادشاہی تقریر کے جواب میں اس ناگوار عرضداشت کے موافق رائے دی، بلا استثنیٰ دوبارہ منتخب ہوئے اور اس پر طرّہ یہ ہوا کہ حکومت کے حامیوں میں سے پچاس پہلے مبعوث ناکام رہ گئے۔ وزیروں نے اب تک تفصیلی طور پر کوئی بات طے نہیں کی تھی کہ انھیں کیا کارروائی کرنی چاہیئے لیکن اب چند صورتوں پر جو ان کے سامنے پیش ہوئیں انھوں نے غور کیا اور ان سب تدابیر کو جن سے مصالحت کی کوئی شکل نکل سکتی تھی مسترد کر کے، ٹھان لی کہ جدید انتخابات کو ناجائز و کالعدم قرار دیا جائے، اخبارات کی زبان بندی کر دی جائے اور موجودہ طریق انتخاب کی بجائے دوسرا طریقہ نافذ کیا جائے جس سے مقام انتخاب اور مبعوثین دونوں کامل طور پر حکومت کی گرفت میں آجائیں۔ یہ سب کام نئی مجلس کے انعقاد سے قبل اور فرمان شاہی کے ذریعے عمل میں لانے کی تجویز ہوئی۔ افتتاح مجلس کی تاریخ بھی جہاں تک ممکن تھا ذرا ہٹا دی گئی تا کہ جنرل بورمون کو افریقہ میں فتح پانے کا پورا موقع مل جائے۔ جس کے ذریعے دربار فرانس اپنی وقار و اعزاز کو دوبارہ حاصل کرنے کی بڑی بڑی امیدیں باندھ رہا تھا۔ ۹۔ جولائی کو سقوط الجزائر کی اطلاع آگئی۔ مگر یہ اطلاع جس کو بڑے طمطراق کے ساتھ شائع کیا گیا تھا، ملک میں کوئی جوش نہ پیدا کر سکی۔ بادشاہ اور قوم کے درمیان کشمکش نے ہر شخص کی توجہ کو جذب کر رکھا تھا اور اسقفوں اور کوتوالوں کی مبالغہ آمیز مبارک بادوں سے توی لیبر کے خلوت نشیں بھی دھوکا نہ کھا سکتے تھے۔ رائے عامہ کے فریق اختلاف کے ہم آہنگ ہونے میں شبہے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ بایں ہمہ شاہ چارلس کو یہ یقین نہ تھا کہ پیرس کے عوام، طبقہ متوسط کے رائے دہندوں یا ان اخبار والوں کی طرف سے لڑنے کھڑے ہوں گے جن کے خلاف اس کے احکام نافذ ہونے والے تھے اور اگر کسی کی جنگجوی سے خوف ہو سکتا تھا تو وہ یہی پیرس کے عوام الناس تھے۔ مگر جب نہ وہ اخبار پڑھتے تھے نہ رائے دیتے تھے تو پھر انھیں آئینی قانون سے کیا سروکار ہو سکتا تھا؟ یا ایسے معاملے میں جس کا تعلق صرف بادشاہ اور طبقۂ متوسط سے تھا، یہ لوگ کیوں نہ اُن نودولتوں کے مقابلے میں جو بلا حق امرائے خاندانی بن بیٹھے تھے،

اور دوسروں کی محنت مزدوری سے اپنا کام چلاتے تھے، بادشاہ کا ساتھ دیں؟
رہے سیاسی اہل الرّاے جو میدان میں تلوار کی لڑائی نہیں لڑ سکتے تھے، تو یہ اسی وقت تک
موجب فساد و پریشانی تھے جب تک کہ انھیں تقریر و تحریر کی اجازت دی جائے۔ ایسے
مبعوثین کی مجلس بند کرنے اور اخباروں کے چھاپے خانے توڑ پھوڑ ڈالنے کے لئے
بادشاہ کے پاس بہت کافی فوج تھی۔ دوسرے، دیکھو لوی شانزدہم بھی اگر آخرکار
جنگجو عوام کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کا سبب یہی تھا کہ شروع میں وہ سیاست دانوں
اور فصیح گفتاروں کی بہت رعایتیں کرتا رہا۔ نظر بریں شاہ چارلس اور وزیر پولن یاک
نے عزم بالجزم کر لیا کہ مجلس کا انعقاد نہ ہونے دیں اور اس کی مقرّرہ تاریخ سے ایک
ہفتہ قبل وہ فرامین شائع کر دیں جن کا مدعا فتنہ پردازوں کی بکواس کو روکنا اور فرانس میں
شخصی بادشاہی کے حق کو علی الرّغم اعدا فائق ثابت کرنا تھا۔ اور یہ ارادہ کرتے وقت
ان کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ اس کام کے کرتے ہی لوگ ہتھیار سنبھال کر
لڑائی شروع کر دیں گے۔

الغرض، ۲۶ جولائی کو سرکاری اخبار "مونی تیور" میں بادشاہ اور سامنے تمام
وزیروں کے دستخط سے یکے بعد دیگرے چند حکم نامے شائع کر دئے گئے۔ پہلے میں
یہ امتناعی حکم تھا کہ کوئی اخبار بادشاہ کی اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔ دوسرا

۲۶ جولائی ۱۸۳۰ء کے حکمنامے۔

مجلس کے انفساخ کا حکمنامہ تھا۔ تیسرے میں رائے دہندوں کی
شرائط ملکیت میں مالیت کا اضافہ، دو رائے کے حق کا طریقہ، مجلس کی
میقات میں تبدیلی، اور منشور شاہی کے اس متروک فقرے کی تجدید تھی جس کی
رو سے وضع قوانین میں ہر تحریک کا اختیار صرف حکومت عاملہ سے مخصوص تھا۔ دوسرے حکمناموں
میں جدید ضوابط کے ماتحت نئی مجلس کے قیام کا حکم تھا اور مجلس بادشاہی میں چند ایسے ارکان
نامزد کئے گئے تھے جو فرانس بھر میں بہت متعصب اور بدنام بادشاہ پسند تھے۔ غرض مجموعی طور پر
دیکھئے تو ان حکمناموں نے آئینی اور نیابتی نظام حاضرہ کا کوئی اثر آثار مشکل سے باقی چھوڑا تھا۔
اس پر پہلی ضرب اہل مطابع پر پڑی اور مزاحمت کی پہلی کارروائی بھی ارباب صحافت کی
طرف سے ہوئی کہ انھوں نے اخبار "نیشنال" کے نوجوان مدیر تیئر کی سرکردگی میں
ایک احتجاج شائع کیا جس میں صاف طور پر کہہ دیا گیا تھا کہ ہم ان حکمناموں کو خلاف قانون

تصور کریں گے۔ اور مجلس کے دونوں شعبوں اور عام اہل ملک کو آمادہ کیا گیا تھا کہ وہ بھی اس مدافعت میں شریک ہوں۔ اوّل اوّل تو ایسا نظر آیا کہ غالباً اس معاملے میں اخبار والوں کا اور کوئی ساتھ نہ دے گا۔ دار السلطنت کے لوگ عام طور پر خاموش رہے اور انھی دونوں مجلس کے جوار کان منتخب ہوئے تھے اور اخبار نویسوں نے اُن سے بہ حیثیت نائب قوم ہونے کے جو داد فریاد کی اس پر بھی انھوں نے کسی کارروائی کرنے کی صلاحیت نہ دکھائی۔ غرض ان بزدل سیاست دانوں سے کچھ نہ ہوا البتہ جمہوریت پسندوں کی ایک گمنام جماعت نے لوگوں کو وہ جھنجوڑی دی جس کا نتیجہ خاندان بوربن کا خاتمہ ہوا۔ دراصل یہ چند مستعد کام کرنے والے تھے جن کا مجلس کی نیابت میں کوئی دخل تھا نہ صحافت میں، لیکن ۱۷۹۲ء کی روایات ان کے ذریعے منتقل ہوتی تھیں اور انھوں نے کاربوناری وغیرہ بیرونی سازش کرنے والوں کی تائید میں انھی دنوں پیرس کے اندر خفیہ انجمنیں بنائی تھیں اور کاریگر، طلبہ، اور متوسط طبقے کے جوان عمر لڑکوں کی خاصی تعداد جمہوریت کی حمایت میں جمع کر لی تھی۔ اور اخبار والے تو مزاحمت کے قانونی وسائل پر بحث مباحثہ ہی کرتے رہے اور معتوثین واقعات کے انتظار میں رہے لیکن جمہوریت پسندوں کے سرگروہوں نے جلسہ کر کے جنگی بغاوت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چھاپہ خانے والوں اور دوسرے آجروں سے بھی ان کو، غالباً بلا کسی سازباز کے اتفاقی، مدد اس طرح ملی کہ اخباروں کی عام بندی کی وجہ سے انھوں نے ۲۷ جولائی کی صبح کو اپنے کارخانے بند کر دیئے اور کاریگروں کو اندر نہیں گھسنے دیا۔

اس طرح احکام شاہی کی اشاعت کے دوسرے دن پیرس کی صورت بدل گئی کہ جا بہ جا لوگوں کی بھیڑ لگ گئی اور انقلابی نعرے لگائے جانے لگے؛ موہوں نے جیسے اچانک فوج کی سپہ سالاری دی گئی تھی، شاہی محل سرا (لوی لیر) کے گرد سپاہی متعین کر دیئے اور نواح میں عوام کے جو مورچے تیار کئے گئے تھے، ان کو تسخیر کر لیا۔ لیکن عام لوگ ابھی تک مسلح نہ ہوئے تھے اور کوئی قابل ذکر لڑائی پیش نہیں آئی۔ شام کے وقت لافیئت پیرس پہنچ گیا اور اہل بغاوت کو ایک حقیقی رہنما مل گیا گو وہ ایسا ظاہر نہ کرتا تھا رات کے وقت اس کے متبعین نیشنال کے دفتر میں جمع ہوئے اور تغیر کے روکنے کے

۲۷ جولائی۔

باوجود فیصلہ کیا کہ عام بغاوت کی جائے۔ یہ دیکھکر تییر جو بادشاہ کا صرف آئینی اور مجلسی مقابلہ کرنا چاہتا تھا، پیرس سے چلا گیا کہ آیندہ واقعات کا انتظار کرے اور جن لوگوں نے کثرتِ رائے سے اس کی نہ چلنے دی تھی انھوں نے پیرس کے تمام محلوں سے پیام سلام اور بغاوت کی اصلی کارروائی یعنی ہتھیار بانٹنے شروع کئے۔ چہارشنبہ ۲۸ جولائی کی صبح کو سب سے پہلے مسلح ہو جانے والے گروہوں نے جنگی مخزن اور کئی بڑے ذخائر اسلحہ وگولہ باروت پر حملہ کر کے انھیں اپنی قبضے میں لے لیا۔ ہر جگہ مورچوں کی باڑیں تیار کردی گئیں۔

۲۸ جولائی۔

اہل شورش کی تعداد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچی اور اجتماع کے پرانے مقام یعنی ایوانِ بلدیہ (پیرس) کی طرف بڑھتے بڑھتے انھوں نے اس ایوان "ہوتیل دویل" پر قبضہ اور اس کی چھت پر انقلاب کا سہ رنگ جھنڈا نصب کیا۔ مارمون نے بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ معاملہ بہت نازک ہے اور رعایت کرنے کا مشورہ دیا پھر وہ فوجوں کو حرکت میں لایا اور سخت کشمکش کے بعد چند باموقع مقامات پر قابض اور باغیوں کو ایوانِ شہر سے نکال دینے میں بھی کامیاب ہو گیا۔

اس عرصے میں مبعوثین، روزِ گذشتہ کی قرارداد کے بموجب اپنے ایک ساتھی کے مکان میں دوبارہ جمع ہوئے اور ان میں اتنی ہمت بھی آگئی کہ انھوں نے اعلان کیا کہ شاہی حکمناموں کے باوجود، قانوناً قوم کے نائب ہمیں ہیں۔ مزید براں انھوں نے مارمون کے پاس ایک وفد بھیجکر التجا کی کہ کشت وخون کو روکے اور وعدہ کیا کہ اگر بادشاہ اپنے حکمنامے منسوخ کر دے تو قیامِ امن میں ہم مدد دیں گے۔ مارمون نے جواب دیا کہ میں حکم شاہی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ تاہم اس نے شاہی محل "سینٹ کلاوڈ" کو ایک اور خط بھیجا جس میں مبعوثین کی استدعا مان لینے کی تاکیدی سفارش کی۔ اسے صرف ایک ہی جواب ملا اور وہ یہ حکم تھا کہ اپنی فوجوں کو مجتمع کر کے پیوستہ صفوف میں کام کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو مقامات سخت جدوجہد کے بعد لئے گئے تھے شام سے پہلے انھیں چھوڑنا پڑا اور بھوکی پیاسی تھکی ماندی فوجیں پیرس کے بازاروں سے ہوتی ہوئیں محلسرائے توی لیریں واپس آئیں۔ راستے میں بعض سپاہیوں نے عوام سے مواخاتِ کارشتہ جوڑا اور بعض کو باغیوں نے گھیر کر ہتھیار رکھوا لئے۔ متوسط طبقے کے لوگ ۱۷۸۹ء اور ۱۷۹۲ء کی طرح اس مرتبہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے عوام اور سپاہیوں کی

جنگ و آویزش کا تماشا دیکھتے رہے۔ شہر سے سینٹ کلاؤڈ تک برابر خبریں بھیجی جارہی تھیں لیکن بادشاہ کو خطرے کا اس قدر کم احساس اور محلسرا کی شاہی فوج کے غلبے کا اتنا یقین تھا کہ وہ حسبِ معمول شام کے وقت سات ٹیپ کھیلتا رہا۔ اور جب فرانسیسی سفیر متعینہ سینٹ پیٹرز برگ، ڈیوک دِموتمار رات ہوتے پر آیا اور باریابی کے لئے مُصر ہوا تو بادشاہ نے دوسرے دن صبح سے پہلے ملنے سے انکار کر دیا۔

دوسرے دن صبح ہوئی تو سرکشی کرنے والوں نے محلسرا پر بڑھنا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے مورچے انھوں نے سر کئے۔ پلیس وان دوم میں جو سرکاری جمعیت متعین تھی

۲۹ جولائی۔

وہ اپنے سردار کو چھوڑ کر چل دی کہ مبعوثین کی ہدایات کے مطابق کام کرے۔ سوئسی دستہ اس وقت تک لوور کی مدافعت پر مقرر تھا۔ اب مارمون نے اس دستے کو مذکورۂ بالا جمعیت کی بجائے تعینات کیا اور ایسا کرنے میں تھوڑی دیر کے لئے لوور کو غیر محفوظ چھوڑ دیا۔ بلوائیوں نے جو اس عمارت کو خالی دیکھا تو فوراً اندر جھپٹ پڑے اور اس کی کھڑکیوں پر سے محلسرائے توئی لیر کا صحن ان کی زد میں آگیا جہاں سپاہ محفوظ صف بستہ کھڑی تھی۔ پھر کیا تھا۔ دوپہر سے پہلے سارا قضیہ چک گیا۔ چند دستے جو الگ رہ گئے تھے لڑے اور ہلاک ہوئے لیکن فوج کی جمعیۃ اصلیہ اپنے سپہ سالار سمت پلیس دلاکون کورو کی طرف پسپائی ہوئی اور پھر اس نے پیرس کو خالی کر دیا[1]

اس تمام عرصے میں امیر اورلیان چھپا رہا۔ اسے خبردار کر دیا گیا تھا کہ دربار اس کی گرفتاری کی فکر میں ہے اور خواہ دربار کے خوف سے خواہ عام لوگوں کے ڈر سے وہ اپنے جنگلوں میں ایک شکارگاہ کے مکان کے اندر دبک رہا تھا اور سوا اپنی بیوی اور بہن کے کسی کو خبر نہ ہونے دی تھی کہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ اس کے ہوا خواہ، جن میں ایک دولتمند اور ہر دلعزیز ساہوکار لافِت مبعوثین میں نہایت ذی اثر مبعوث تھا، امیر اورلیان کا نام پیش کرنے کا موقع ڈھونڈ رہے تھے لیکن کامیابی کا بہت کم قرینہ

---

[1] لافیئت جلد چہارم۔ ۳۸۳۔ مارمون، ہشتم ۲۲۸۔ دوپین ''انقلاب جولائی'' صفحہ ۷۔ اوڈی لون بارو: اوّل۔ ۱۰۵۔ ساران: ''لافیئت'' اول ۲۱۷۔ برارو: انقلاب ۱۸۳۰ء۔ صفحہ ۲۰۔ طریر انڈرڈے جولی روان یوشن'' صفحہ ۸۷

نظر آتا تھا۔ عام طور پر معوثین کا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ حکمنامے منسوخ کر دیئے جائیں۔ باقی خاندان شاہی میں کسی تغیر کے وہ سراسر خلاف تھے۔ در اصل خود شاہ چارلس کی ہیکڑی اور بعض پے در پے اتفاقی واقعات کا یہ نتیجہ تھا کہ تاج شاہی بوربن خاندان کی شاخ اکبر کے ہاتھ سے نکل گیا کیونکہ جب تک توئی لیر کو باغیوں نے سر نہ کر لیا، بادشاہ نے حکمناموں کو منسوخ کرنے کی رائے کی مطلق شنوائی نہ کی۔ مگر جب توی لیر پر اہل شورش کا فی الواقع قبضہ ہو گیا تو چارلس دب گیا اور اُس نے مخالف معوثین کے گروہ کے افراد سے نئی وزارت مرتب کرنے کا کام ڈوک دِ مورتمار کے تفویض کیا۔ بایں ہمہ اعلان عام کے ذریعے اپنے پہلے احکام منسوخ کرنے کی بجائے اس نے دو قاصد پیرس بھیجے کہ وہ معوثین کو فقط زبانی بادشاہ کی رائے بدلنے کی اطلاع دے دیں۔ یہ قاصد ایوان شہر میں آئے جہاں لافیئت کی صدارت میں ایک مجلس بلدی مرتب کر لی گئی تھی۔ اور جب وہ اپنے بیان کی کوئی تحریری سند نہ پیش کر سکے تو انھیں معوثین کی جماعت کے پاس بھیج دیا گیا جو اُس وقت لافِت کے مکان میں اجلاس کر رہی تھی معوثین نے تحریری ضمانت طلب کی۔ لافِت اور تیئر نے ایسر اور لیان کی وکالت میں تقریر کی لیکن مجلس مجموعی طور پر ابھی تک چارلس دہم سے ہی معاملہ طے کرنے پر آمادہ تھی اور صرف حکمناموں کی تنسیخ کا تحریری حکم اور ڈوک د مورتمار کی اصالتاً موجودگی چاہتی تھی۔

اب آدھی رات آ چکی تھی۔ شاہی قاصد سینٹ کلاؤڈ واپس گئے لیکن انھیں اپنی اطلاع پیش کرنے کی اجازت نہ ملی تاآنکہ دوسری صبح ہوئی اور بادشاہ سلامت بیدار ہوئے۔ پھر چارلس نے مطلوبہ حکم پر دستخط ثبت کر دیئے اور ڈوک د مورتمار شہر کی طرف چل پڑا۔

۳۰ جولائی لیکن رات بھر کی تاخیر نے حامیان اورلیان کو کام کرنے کی فرصت بہم پہنچائی اور چارلس کے سو کر اٹھنے سے پہلے تیئر پیرس کی گلی گلی میں بڑے بڑے اشتہار چسپاں کرا چکا تھا جس میں لوئی فلیپ کے مناقب درج تھے کہ خاندان شاہی کا یہی وہ فرد ہے جو انقلاب فرانس کا دل و جان سے حامی رہا، ژیماپ کے میدان میں سپاہی بن کر لڑا اور اب اگر کوئی آئینی بادشاہ بن سکتا ہے تو یہی شہزادہ ہے۔ اس مدح نامہ کے شائع ہونے کے کئی گھنٹے بعد معوثین دوبارہ لافِت کے مکان میں جمع ہوئے اور مورتمار کے آنے کا انتظار کرتے رہے لیکن ان کا انتظار کرنا رائگاں گیا۔

سینٹ کلاوڈ سے آتے میں مورتمار کی گاڑی راستے میں روک لی گئی اسے مجبوراً بہت چکر کے راستے سے باڑوں کو پار کر کے پیادہ پا آنا پڑا۔ جب گرمی اور تکان سے چور چور ہو کر وہ لافِت کے مکان پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ مبعوثین یہاں سے اجلاس برخاست کر کے قصر بوربون میں جمع ہیں۔ پھر پیچھے پیچھے وہاں تک جانے کی بجائے روک نے اپنی پیادہ روی لوکسم برگ پر ختم کر دی جہاں اُمرا جمع تھے۔ حامیان اورلیان نے اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھایا اور دوسری صبح کے جلسے میں لوئی فلیپ کو حکمران بنانے کی علانیہ تحریک کی گئی۔ پھر تیسرے پہر کو بھی جب مبعوثین جمع ہوئے اور مورتمار نہ پہنچ سکا تو قرار پاگیا کہ امرا اور مبعوثین کی ایک جماعت لوئی فلیپ کے پاس بھیجی جائے کہ وہ پیرس آئے اور نائب السلطنت (لفٹننٹ جنرل) کا عہدہ قبول کرے۔ اُمرا کی مجلس میں بھی اس تجویز کی کوئی مخالفت نہ ہوئی اور پھر اسی قرار داد کے مطابق ایک وفد نیولی روانہ ہوا کہ لوئی فلیپ کو اس کی دیہی اقامت گاہ میں تلاش کرے۔ یہ امیر وہاں نہ ملا مگر اس کی بہن نے وفد کا استقبال کیا اور ذمہ لیا کہ لوئی فلیپ حسب قرار داد ضرور پیرس پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد اس نے بھائی کو اس کے تہہ خانے میں اطلاع دی اور اس کی بیوی کے باز رکھنے کے باوجود آمادہ کر لیا کہ فلیپ دار السلطنت کو روانہ ہو جائے چنانچہ ۳۰ر جولائی کو رات زیادہ آچکی تھی جب لوئی فلیپ اپنے مکان (قصر شاہی) میں پہنچ گیا اور دوسرے دن صبح کو مجلس کے وفد سے ملاقات کی اور وہ منصب جو یہ لوگ دینا چاہتے تھے، قبول کر لیا۔ تب ایک اعلان اہل پیرس کے نام شائع کیا گیا کہ ملک کو بدنظمی اور خانہ جنگی سے بچانے کی غرض سے امیر اورلیان نے نائب السلطنت کا عہدہ اختیار کر لیا ہے۔

لیکن اس وقت پیرس میں مجلس مبعوثین کے علاوہ ایک اور صاحب اقتدار جماعت بھی موجود تھی اور اس جماعت کو ہرگز بھی گوارا نہ تھا کہ عوام کی فتح و جانفشانی کا سارا فائدہ لوئی فلیپ اور اس کے حاشیہ نشینوں کے نصیب میں آئے۔ شرح اس اجمال کہ یہ ہے کہ لافیئت اور مجلس بلدی نے

ہوتیل دِ ویل۔

جو ہوتیل د ویل یعنی ایوان شہر میں متمکن تھی ہنگامی حکومت کے سارے اختیارات خود حاصل کر لئے تھے اور اس کے گرد و پیش مسلح عوام کا وہ مجمع موجود تھا جس نے

دو روز پہلے لوی لیپر کو سر کیا تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں جو لوگ لڑے ان میں سے ایک نے بھی لوی فلیپ کو بادشاہ بنانے کی خاطر اپنی جان جوکھوں میں نہیں ڈالی تھی اور جہاں تک کسی خاص سیاسی مقصد کا تعلق ہے پیرس والے اگر لڑے تو جمہوریت کے واسطے لڑے تھے۔ پس اس ہنگامی حکومت اور عوام الناس کو نئے نائب السلطنت کے برسر اقتدار ہونے سے رضامند کرنا ضروری تھا اور اسی غرض سے خود لوی فلیپ سعوتین اور امرا کے بدرقے کے ساتھ ایوان شہر میں آیا جس وقت پلس وگریو کے مقام پر وہ عوام النّاس کی بھیڑ میں گھسا تو موقع خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن فلیپ کی برجستہ تقریر کی قابلیت اس کے خوب کام آئی اور وہ بھیڑ میں سے بلا گزند اندر کی عمارت تک پہنچ گیا جہاں لافیئت نے اس کا استقبال کیا۔ اس ۱۷۸۹ء کے آزمودہ کار محب وطن پر مدح و ستایش اور مواعید کی بوچھار کی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ جھروکے پر لوگوں کے سامنے آیا اور لوی فلیپ سے اس حال میں بغل گیر ہوا کہ یہ شہزادہ سہ رنگ جھنڈے کو ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا یعنی اُسی انقلاب کے نشان کو جو ۱۸۱۵ء کے بعد سے کبھی پیرس میں نہیں اڑا تھا۔ اس منظر نے حسب مراد اثر کیا مجمع عام کی طرف سے نعرۂ تحسین بلند ہوا اور اگر بعض پختہ کار پھر بھی اپنے خیال پر جمے رہے اور انھوں نے ایک بوربن کے صدق و خلوص کو مشتبہ جانا اور جمہوریت کی منادی کرا دینے کا مطالبہ کیا تو انھیں یہ وعدہ کر کے ٹال دیا گیا کہ آخری فیصلے کی عام باشندگان فرانس سے استدعا کی جائے گی۔

اس اثنا میں چارلس دہم اپنے اہل و عیال اور معقول فوج سمیت ہٹ کر رام بوئلے چلا آیا تھا۔ یہیں اسے اورلیان کے مجلس کی طرف سے منصب نائب السلطنت قبول کرنے کی خبر ملی۔ بوڑھے بادشاہ کے لئے یہ بہت صدمے کی بات تھی کیونکہ بعض اور لوگوں کو تو لوی فلیپ کی وفاداری میں شبہ تھا لیکن چارلس اب تک اس شہزادے کے خلوص پر کامل بھروسہ کئے ہوئے تھا۔ اوّل اوّل اس نے ارادہ کیا کہ لوار کے پار جا کر تلوار سے قسمت آزمائی کرے مگر ساتھ کے سپاہی منتشر ہونے لگے اور چارلس، یہ دیکھ کر کہ میرے مقاصد کے سرسبز ہونے کی کوئی امید نہیں، ولیعہد سمیت، اپنے کمسن پوتے شامبور المخاطب

چارلس دہم

بہ ڈوک دبوردو کے حق میں، تخت سے دست بردار ہوگیا۔ اُس نے لوی فلیپ کو خط لکھا اور گویا اپنی رائے سے اسے نائب السلطنت مقرر کر کے یہ خواہش کی کہ ہنری پنجم کی بادشاہی کا اعلان کرا دے اور اس کی نابالغی کے زمانے میں اسی نئے بادشاہ کی طرف سے حکومت کرے۔ یہ ٹھیک طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس خط کا لوی فلیپ نے اس وقت جواب دیا تو وہ بطور خود کوئی فیصلہ کر چکا تھا یا نہیں اور اُس کا جواب نیک دلی کی بنا پر تھا یا جان بوجھ کر اس نے جھوٹ بولا کیونکہ جہاں سرکاری طور پر اس نے چارلس کو یہ لکھا کہ آپ کا مراسلہ مجلس کے دونوں شعبوں میں پیش کر دیا جائے گا، وہاں نج میں یہ بھی لکھ بھیجا کہ میں اپنے نئے عہدے پر صرف اسی وقت تک قایم رہوں گا کہ مجھے ڈوک دبوردو کی تخت نشینی کا پورا اطمینان ہوجائے۔ بوڑھے بادشاہ کی اس طرح بات بنی رکھکر، لوی فلیپ نے اس سے درخواست کی کہ وہ پیرس کی نواح سے جلد رخصت ہوجائے۔ اور جب چارلس نے اس پیام پر کوی اعتنا نہ کی تو لوی فلیپ نے قشونِ وطنیہ کے چند دستے ادھر بھیج کر اسے ڈرایا کہ وہاں سے فرار ہوجائے۔ یہ تدبیر چل گئی اور شاہی خاندان ابھی تک دربار شاہی کی پُر ملال شان بنائے ہوے آہستہ آہستہ فرانس میں سے گزرتا ہوا مغربی ساحل کی طرف روانہ ہوا۔ شربورگ پر یہ لوگ جہازوں میں سوار ہو کر انگلستان پہنچے جہاں ان کا معمولی شہریوں کی طرح استقبال ہوا۔ اہل برطانیہ کو عام طور پر ان خانماں برباد بوربنوں سے کوئی ہمدردی نہ ہوی۔ تاہم انھیں ہولی روڈ کے محل میں رہنے کی اجازت مل گئی اور چارلس دہم دو سال تک وہیں رہا۔ لیکن آب و ہوا اور اسکاٹ لینڈ کے صدر مقام کی صحبت اس زوال یافتہ خاندان کے انحطاط پذیر بوڑھے سردار کو موافق نہ آئی اور اس نے آسٹریہ کی مناسب مزاج پناہ ڈھونڈی اور وہیں مقام گورٹز میں نومبر ۱۸۳۶ء میں اس نے وفات پائی۔

شاہ چارلس کی تخت سے دست برداری کا پہلا سرکاری اعلان لوئی فلیپ نے مجلس کے اس اجلاس میں کیا جو اس نے بہ حیثیت نائب السلطنت ۳ اگست کو منعقد کیا تھا۔ اسی میں مبعوثین کے سامنے تقریر کرتے ہوے اس نے بیان کیا کہ مجھے ایک خط ملا ہے جس میں بادشاہ اور ولی عہد دونوں کی تخت سے دست برداری کی تحریر ہے، لیکن اس تقریر میں ڈوک دِبوردو کے متعلق جس کے

لوئی فلیپ کا بادشاہ بنایا جانا۔ ۷ اگست

حق میں اس بچے کے دادا اور چچا دونوں تخت سے دست بردار ہوئے تھے، ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ حالانکہ اگر لوئی فلیپ یہ تذکرہ کردیتا کہ یہ دست برداریاں مشروط ہیں اور وہ ڈوک دِ بوردو کی صغر سنی کے ایام میں اپنے اتالیق ہونے کا اعلان کرتا تو اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ سلطنت کے وارثِ جائز کو مجلس اور شہر والے بلاچون وچرا قبول کرلیتے۔ لوئی فلیپ نے اب تک کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا کہ اب محض عہدۂ اتالیقی اختیار کرنے میں کسی قسم کی قباحت ہوتی۔ اور اُدھر مجلس نے خاندان شاہی کو معزول کرنے کی کوئی خواہش نہیں کی تھی۔ پھر سوائے لافئیت کے اور جو لوگ انقلاب کے بانی مبانی تھے انھیں شاہان بوربُن سے جتنا سوءِ ظن تھا اسی قدر اورلیان سے بھی ناراضمند تھے۔ لیکن جس وقت سے لوئی فلیپ نے چارلس دہم کے پوتے کے حق کو اپنے سکوت سے نظر انداز کیا اسی وقت سے خود اُس کی تخت نشینی لابد ہوگئی۔ یہ بات ایک گمنام سے مبعوث کے حصے میں آئی کہ اس نے تاج شاہی فلیپ کو دینے کی تحریک کی جس کے ساتھ منشور شاہی کی ترمیم کی شکل میں بعض شرطیں بھی اس نے پیش کیں مجلس میں یہ تحریک، ۷ اگست کو منظور کرلی گئی اور مبعوثین کی پوری جماعت قصر شاہی کی طرف روانہ ہوئی کہ امیر اورلیان کو اپنی قرارداد سے مطلع کرے۔ لوئی فلیپ نے بھی کچھ رسمی اظہار تاسف کے بعد اعلان کیا کہ وطن کی اس صدا پر مجھے لبیک کہے بغیر چارہ نہیں۔ مجلس ماتحت جب اس طرح بادشاہی کا فیصلہ کرچکی تو دارالامرا نے بھی جس نے ان تمام مشکلات میں اپنے آپ کو صفر محض ثابت کیا تھا، یہی قرارداد منظور کرلی اور اسی طریقے پر اورلیان کی خدمت میں مبارک باد کہتے حاضر ہوئے۔ دو دن کے بعد لوئی فلیپ نے منشور شاہی پر، مجلس کی جدید ترمیمات کے ساتھ، کاربند رہنے کا حلف لیا اور اس کے شاہ فرانسیسیاں ہونے کی منادی کرادی گئی۔

اس انقلاب کا اس طرح خاتمہ ہوا اور گو اُس وقت اس کا بڑے جوش خروش کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا تھا، لیکن بعد کی نسلوں کی رائے نے اس کی شان شوکت اور قدر و منزلت کو بہت کچھ کم کردیا ہے۔ ۱۷۸۹ء کے انقلاب کے مقابلے میں ۱۸۳۰ء کا یہ ہنگامہ جس نے خاندان بوربُن کا تختہ اُلٹا، محض سطح کی سرسراہٹ تھی۔ اس کا نوع انسان کے افکار میں کسی خاص تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں اور نہ اس نے تمدن یا

انقلاب ۱۸۳۰ء کی نوعیت

تشریح قوانین میں کوئی بڑا تغیر اپنی یادگار چھوڑا۔ انقلاب کی بنا صرف یہ تھی کہ حکومت عاملہ کی طرف سے آئین شکنی ہوئی۔ اور انقلاب کا نتیجہ بھی صرف اسی قدر ہوا کہ نظم ونسق کے اختیارات ایک قسم کے اہل الرائے کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے گروہ کے ہاتھ میں آ گئے۔ رہیں وہ ترمیمات جو خود آئین حکومت میں کی گئیں تو وہ کچھ بہت وقعت نہیں رکھتیں۔ فرانس میں ۱۸۳۰ء سے پہلے بھی بالکل مطلق العنان حکومت نہ تھی اور نہ ۱۸۳۰ء کے بعد وہاں کوئی بالکل قومی حکومت قائم ہو گئی ۔ خلافت الٰہی کے مدعی کی بجائے جس کی خدمت وپاسبانی کے لئے عالی خاندان امرا ہر وقت حاضر رہتے اور جس کی بزم شورت میں جیسواٹ فرقے کے گناہ بخشوانے والے جبہ پوش چھائے ہوئے تھے اب جو شخص بادشاہ ہوا وہ معمولی باشندوں کی شکل چھتری بغل میں دبائے پیرس کے گلی کوچوں میں پیادہ پا گزرتے یا اپنے بچوں کو عام سرکاری مدرسوں میں بھیجنے میں کوئی عار نہ کرتا تھا لیکن دل میں وہ بھی موروثی حقوق بادشاہی کا اسی قدر پختہ اعتقاد رکھتا تھا جس قدر اس کے اسلاف ۔ اور شخصی بادشاہی کرنے کی صلاحیت تو ان اسلاف سے بھی زیادہ اس میں پائی جاتی تھی ۔ وہ زنجیریں جنھوں نے اضلاع وبلاد کے مقامی انتظامات کو صدر حکومت کے تحت جکڑ رکھا تھا اسی طرح سخت رہیں۔ عہدہ داروں کے زور میں کچھ کمی نہیں آئی اور رائے دینے کا حق اسی طرح قوم کے ایک جزو قلیل تک محدود رہا۔

لیکن "انقلاب جولائی" کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ نظم ونسق میں اس نے ایک حقیقی اور مستقل تغیر کر دیا۔ اس نے حامیان کلیسا کے اقتدار کی بساط الٹ دی اور اساقفہ نہ صرف دار الامرا سے خارج کئے گئے بلکہ تمام سرکاری محکموں سے پادریوں کا اثر ناپدید ہو گیا جس کا چارلس دہم کے زمانے میں وہ کچھ زور تھا۔ حکومت نے کھلے بندوں دنیا داری کا رنگ اختیار کیا۔ طریق تعلیم کو مذہبی معاملات سے علیحدہ کرنے میں وہ کھرا پن اور سختی دکھائی گئی کہ اگر کسی پادری نے اپنے کیتھولک تعلیم کے مدرسے الگ کھولنے پر ضد کی تو اہل انصاف میں اس کی بڑی قدر ہوئی کہ وہ استبداد کے مقابلے میں اپنی آزادئ رائے اور انفرادی حقوق کے لئے لڑا اور

ان پر قائم تو رہا؛ ادھر طبقۂ امرا کو عود بادشاہی سے جو بیا سہی اقتدار مل گیا تھا، وہ اس انقلاب کے بعد رخصت ہوا۔ بچے کھچے بادشاہ کش جو ۱۸۱۵ء میں خارج البلد کئے گئے تھے، انھیں فرانس واپس آنے کی اجازت ہوگئی اور انھی میں سفاکی کا حامی بمر پر بھی تھا جو اب پھر مجلس میں مبعوث منتخب ہوا۔ بایں ہمہ، انقلاب ۱۸۳۰ء میں انتہا پسند اتنے فائدے میں نہیں رہے بلکہ اصلی جیت متوسطین کی رہی۔ خود لوئی فلیپ اس طبقے کا حقیقی نمایندہ تھا اور وہ طاقت جس نے اسے اٹھارہ برس تک فرانس کے تخت پر متمکن رکھا پیرس کے قشون وطنیہ کی طاقت تھی جو متوسط طبقے ہی کی فوج تھی۔ اس متین وخشک بلید الطبع طاقت سے وہ سیماب وش آتشیں جذبات دست وگریباں ہو رہے تھے جو خاندان بوربن کے استیصال سے وجود پذیر ہوے اور جن کو جمہوریت کی آرزو اور فرانسیسی تلوار کے زور سے یورپ میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی تمنا ہیجان میں لا رہی تھی۔ انھی جذبات کے جوش بدوش صاحبان املاک اور مزدور پیشہ طبقے کے درمیان روز افزوں عناد اپنا کام کر رہا تھا اور ان اسباب نے مل کر یہ کچھ عرصے کے لئے یہ خطرہ پیدا کر دیا تھا کہ کہیں فرانس کی نئی بادشاہی خاک میں نہ مل جائے اور ممالک یورپ میں پھر جنگ وجدال کے شعلے نہ بھڑک اٹھیں! سہ رنگ پرچم دوبارہ ہوا میں لہرایا، ایک عرصے تک گھٹے رہنے کے بعد، وہی جمہوریت اور ملک گیری کے نغمے پھر گونج اٹھے۔ ادھر اس خاندان شاہی کے اخراج نے جسے واٹرلو کے بعد زبردستی فرانس کے سر پر سوار کر دیا گیا تھا، حامیان عوام کے دل میں فتحمندی کا ناز پیدا کیا اور ان سب اسباب نے مل کر ملک میں انھی نیم داستانی جنگی ولولوں کو تازہ کر دیا جن کے جوش نے ۱۷۹۲ء میں اہل فرانس کو آمادہ کر دیا تھا کہ سارے یورپ کو طوق استبداد سے آزادی دلائیں۔ ہر جوش طبایع کو فرانس ایک دفعہ پھر اقوام کا حامی اور نجات دہندہ نظر آنے لگا۔ دور گذشتہ میں فرانس کی جنگی دست درازی ظلم وغارت گری، زرستانی اور مظلوموں کی آہ وفریاد، یہ سب واقعات طاق نسیاں پر رکھ دئے گئے۔ اور جب یکے بعد دیگرے یورپ کے ملکوں میں آزادی کا وہی نعرہ گونجا جو پیرس کے بازاروں میں بلند کیا گیا تھا، اور یورپ کے حصے میں شورش وبغاوت بپا ہوگئی تو لوئی فلیپ اور چند محتاط اشخاص جو اس کے گرد تھے، مشکل ہی سے فرانسیسی قوم کو میدان جنگ میں

کو دپڑنے سے روک سکے۔

انقلاب جولائی سے پہلی ریاست جو متاثر ہوی وہ مملکت ندرلینڈز تھی۔ بلجیم کے ان اضلاع کا ہالینڈ سے الحاق کرکے جو سابق میں آسٹریہ کے ماتحت تھے (یہ نئی مملکت دی ندرلینڈز) تیار کی گئی تھی) تاکہ شمال میں فرانس کی وسعت و درازی کا خاطر خواہ انسداد ہو جائے اور یہ الحاق پٹ کی بڑی پسندیدہ تجویز تھی جس نے اس کی وفات کے دس برس بعد (موتمر وی آنا میں) عملی صورت اختیار کرلی۔ اس زمانے کے ارباب حکومت قومی اور مذہبی ناموافقتوں پر چنداں اعتنا نہ کرتے تھے حالانکہ الحاق کے وقت ہی

معاملات بلجیم

بلجیم کے کیتھولک اُسافقہ نے اس انتظام کی مخالفت کی تھی جس میں تمام مذاہب کے ساتھ مساوی رواداری کا اختیار ایک پروٹسٹنٹ فرماں روا کے تفویض کر دیا گیا تھا۔ بلجیم والے ۱۸۱۴ء سے پہلے مسلسل بیس برس تک فرانس کے ساتھ وابستہ رہے تھے۔ فرانسیسی نہ صرف ان کی علمی زبان تھی بلکہ اونچے طبقوں میں وہی بولی بھی جاتی تھی۔ اور گو آبادی کا فلیمشی حصہ قوم ڈچ سے برادری کا قریبی تعلق رکھتا تھا لیکن یہ تعلق ایسے زور شور کے ساتھ جیساکہ بعد میں ظہور میں آیا' اس وقت تک نمایاں نہیں ہوا تھا۔ غرض شمالی اور جنوبی ندرلینڈز کی باہمی عداوت ناقابل ازالہ نہ سہی اتنی قوی ضرور تھی کہ ان ملکوں کو متحد کرنا عقدۂ دشوار بن گیا تھا اور حکومت ہیگ نے ان مخالفین میں آشتی پیدا کرنے کی صحیح تدابیر بھی نہیں کیں۔ برخلاف اس کے، بلجیم کے مبعوثین کی تعداد مجلس میں ڈچوں سے کم رکھی گئی حالانکہ تعداد میں اہل بلجیم زیادہ تھے۔ سرکاری عہدوں پر باہر سے ڈچ لوگ بھر دیئے۔ مداخل و مصارف کے انتظام میں بھی ڈچوں کے مفاد کا زیادہ لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور ولندیزی زبان ہی تمام مملکت کی سرکاری زبان قرار دے دی گئی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ شکایتوں کی سب سے بڑی علت یہ تھی کہ اہل کلیسا بلجیم میں مذہبی اقتدار کا ٹھیکہ اور تعلیم پر پورا اختیار حاصل کرنا چاہتے تھے۔ خاندان اورنج کے پروٹسٹنٹ بادشاہوں کا ابدی دشمن یہی فرقۂ کلیسا تھا اور ان مناقشات کی تہ میں' جو ۱۸۳۰ء میں مملکت ندرلینڈز کا تار و پود بکھرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئے سب سے قوی جذبہ انہی کلیسائی اغراض پر مبنی تھا جن کی بدولت چالیس برس پہلے بھی شہنشاہ جوزف کے خلاف بلجیم میں طغیان و سرکشی کا ہنگامہ برپا ہوچکا تھا چنانچہ

اس موقع پر دوبارہ یہ نادر کیفیت وقوع پذیر ہوی کہ اہل کلیسا نے عوام الناس بلکہ انقلاب پسند فریق سے رشتۂ اتحاد جوڑا اور ایک ایسے طرز حکومت کی مخالفت میں جس سے دونوں بیزار تھے، متحد ہو جانے کی خاطر بلجیم کے پادریوں نے حکومت کے سیاسی مخالفین کے جمہوری اصول تسلیم کر لئے اور اس کے عوض میں یہ مخالفین بھی تھوڑی مدت کے لئے رضامند ہو گئے کہ پاپائی اقتدار پر حملہ کرنے سے باز رہیں گے۔ پھر اس پیمان کی طرفین نے سچائی سے پابندی بھی کی تا آنکہ وہ مقصد جس کے لئے یہ معاہدہ ہوا تھا، حاصل ہو گیا[1]۔

انقلاب جولائی ۱۸۳۰ء سے چند مہینے پیشتر ہی اہل بلجیم اور ان کے حکام کے درمیان اتنی شدید خصومت ہو گئی تھی کہ فساد پھوٹ پڑنے کے لئے باہر سے کسی بڑے صدمے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ پیرس کے زلزلوں کی لرزش فوراً بروسلز میں محسوس ہوی اور ۲۵ اگست کو اسی شہر میں ایک انقلاب انگیز ناٹک بغاوت آغاز کرنے کی علامت بن گیا۔ صدر مقام سے شورش کی آگ شہر بہ شہر پھیلتی ہوی سارے جنوبی ندرلینڈز میں بھڑک اٹھی۔

بلجیم کی بغاوت۔ اگست ۱۸۳۰ء۔

بادشاہ نے مجلس ملکی منعقد کی اور بلجیم کے نظم و نسق کو ہالینڈ سے علیحدہ قائم کرنے پر رضامند ہو گیا۔ لیکن طوفان اب بھی نہ تھما ڈچ سپاہیوں کی ایک جمعیت بروسلز میں آ پہنچی جس سے امن امان کے ساتھ تصفیہ ہو جانے کی ساری امیدیں نابود ہو گئیں۔ لڑائی کے لئے باڑیں تیار کی گئیں اور بازاروں میں ایک جھڑپ بھی ہوی۔ پھر سپاہی شہر کو یورش کر کے فتح نہ کر سکے تو بیرونی حصوں میں ہٹ آئے اور کئی روز تک ادھر ادھر حملے کرتے رہے۔ اس کے بعد فوج وہاں سے رخصت ہو گئی اور ہنگامی حکومت نے جو اسی وقت قایم کر لی گئی تھی بلجیم کے بالکل آزاد ہو جانے کا اعلان کر دیا۔ کچھ دیر اس بات کا امکان رہا کہ شاید یہ لوگ ہالینڈ کے ولی عہد کو جو شروع سے بیچ بچاو کرا دینے میں کوشاں نظر آتا تھا۔ اپنی نوساختہ مملکت کا بادشاہ بنا لیں گے۔ لیکن بغاوت میں شدت کا بڑھنا، فرانسیسی قاصد اور مطوعین کی سرگرمی، اور ادھر انٹ ورپ پر ڈچ سپاہیوں کا جو قلعے کے اندر

---

[1] ۔ جسٹ: "ریوالیوشن بلجہ"۔ اول ۸۵۔ کانگری نیشنال، اول، ۱۲۴۔

متعین تھے گولہ باری کرنا، ان سب نے مل کر اس قسم کی امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ بلجیم نے بزور آزادی حاصل کر لی اور اب خاندان اورنج سے اس کا تعلق دوبارہ صرف تلوار ہی کے زور سے قائم ہو سکتا تھا۔

برّاعظم کی ایک کوچک ترین ریاست میں بغاوت کی اس تکمیل نے خطرہ پیدا کر دیا کہ کہیں تمام یورپ میں جنگ کی آگ نہ بھڑک اٹھے۔ یہ سچ ہے کہ باغیوں کو یہ کامیابی فرانسیسی فوج کی سرپرستی میں حاصل نہیں ہوئی تھی، با ایں ہمہ کوئی شک نہیں کہ اس میں فرانس کے انقلاب پسند فرقے سے اتحاد کا کچھ نہ کچھ دخل ضرور تھا۔ دوسرے اس بغاوت نے ایک سلطنت کو توڑ دیا جو دول یورپ کے معاہدات ۱۸۱۵ء سے قائم ہوئی تھی۔ پھر یہ کہ اس کا بوربن بادشاہوں کی معزولی سے آغاز یا وہ لگاؤ تھا کہ جو صورت یہاں پیدا ہوئی، وہ بہ شکل ان صورتوں سے متمیز تھی جن میں کہ دول یورپ نے اپنی فوجوں کو میدان میں لے آنے کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ ان سب باتوں کے باوجود یورپ کی اکثر سرکاریں مان گئی تھیں کہ فرانس میں جمہوریت کا کوئی بدل اگر ہو سکتا تھا تو یہی لوئی فلیپ کا بادشاہ بنایا جانا تھا۔ لہذا عام طور پر دول کا میلان یہ تھا کہ فلیپ فرانسیسوں کو جنگ سے باز رکھنے کی جو کوشش سچے دل سے کرے، اس کی تائید کی جائے۔ خاصکر انگلستان میں تو یہی خیال تھا۔ اور مسئلۂ بلجیم کے تصفیے میں انگلستان ہی کے اتحاد عمل کا لوئی فلیپ خاص طور پر خواستگار ہوا۔ واضح رہے کہ اس کی اپنی ہر مصلحت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ امن قائم رہے۔ کیونکہ جنگ چھڑنے کی صورت میں برّاعظم کی سب سلطنتیں فرانس کے خلاف صف آرا ہوتیں اور کامیابی کا بہت ہی کم کوئی قرینہ رہ جاتا۔ یہ امید بھی صرف اس صورت میں ہو سکتی تھی جب کہ ۱۷۹۳ء کے انقلابی وسائل اور تبلیغ کا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ اور دوسری طرف جنگ میں محض ہنگامی ناکامی کا بھی نتیجہ یہ ہوتا کہ اسے اپنے تخت اور شاید جان سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے۔ غرض اس کی ذاتی مصالح اور نیز مزاج دونوں نے اس کو جانی جنگ فریق کا سخت مگر خفیہ مخالف بنا دیا اور اس حال میں وہ کہن سال بیاسی شاطر جس نے بوربن خاندان، جمہوریت اور پھر سلطنت، سبھی کی یکساں خدمت کی تھی، اسے اپنا بہترین حلیف نظر آیا کہ انگلستان کے ساتھ دوستی اور اشتراک کی

فرانس کا تعلق بلجیم کی بغاوت سے۔

حکمت عملی اختیار کرنے میں جو دانش مندی مگر غیر ہر دلعزیزی کا کام تھا یہی مدبر اس کے حسب منشا چلنے کی پوری قابلیت رکھتا ہے۔ یہ تالی ران تھا کہ جس وقت اور لوگ انتقام واٹرلو کی صدائیں بلند کر رہے تھے، اس کو نظر آگیا کہ فرانس کی سب سے مقدم ضرورت یہ ہے کہ اسے سب دُول سے خارج اور الگ پڑے رہنے کے مہلکے سے نجات دلائی جائے۔ اور جس طرح سو مرو ی آنا میں اس نے انگلستان وآسٹریہ کو دو شمالی سلطنتوں سے توڑ لیا تھا، اسی طرح اب ملک ستانی کا اقدام کرنے سے پہلے اس نے فکر کی کہ فرانس کو کم سے کم ایک بڑی طاقت سے متحد کر لیا جائے کہ وہ یورپ کے تمام ملکوں کا نشانہ بننے سے بچ جائے۔ روس، دوست کی بجائے دشمن ہوگیا تھا اور بوربنوں کے اخراج نے زار نکولاس کو انتہا درجہ ناراض کر دیا تھا۔ اسی طرح آسٹریہ اور پروشیہ سے بھی یہ امید نہ تھی کہ وہ اس حکومت سے دوستانہ روابط قائم کرنا پسند کریں گی جس کی بنیاد ایک انقلاب پر پڑی تھی پس تالی ران اب اسّی سال کی عمر میں پھر سفیر بن کر لندن آیا جہاں ۱۷۹۲ء میں وہ کام کر چکا تھا یہاں اس نے ولنگٹن اور نئے بادشاہ ولیم چہارم سے خط کتابت کی اور انھیں یقین دلایا کہ لوئی فلیپ کے عہد بادشاہی میں تو فرانس بلجیم کے انقلاب کو اپنی درازدستی کا ذریعہ نہیں بنائے گا۔ پھر عام اصول بنانے کی قدیم صلاحیت سے کام لے کر اس نے یہ اصول وضع کیا کہ یورپ کی آیندہ حکمت عملی عدم مداخلت کے اصول کے ماتحت رہنی چاہیے۔ تالی ران کی کوششیں کامیاب ہوئیں۔ فرانس اور انگلستان کے درمیان ایسی مکمل مفاہمت ہوگئی کہ شاہ ہالینڈ کی طرف سے دُول مشرقیہ کے میدان جنگ میں اترنے کا سارا خدشہ جاتا رہا حالانکہ دول شرقیہ کے مداخلت کرنے سے فرانس کے ساتھ لازماً جنگ ٹھن جاتی۔ مسئلہ بلجیم کا فیصلہ لندن کی ایک مجلس مشاورت کے سپرد کر دیا گیا۔ بلجیم میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں وہ روک دی گئیں اور سال کے ختم سے پہلے مجلس مشاورت نے اصولاً بلجیم کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا۔ پھر جنوری ۱۸۳۱ء میں ایک اقرار نامے پر دستخط ہو گئے جس میں ہالینڈ اور بلجیم کی حدود اور ہر دو ریاست کا قومی قرضے میں حصہ مشخص کر دیا گیا[1]

فرانس اور انگلستان

[1] ولنگٹن، این، ایس، ہفتم ۳۰۹۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات ہفت و ہم ۶۱، میٹرنک پنجم ۴۴۔

اس حد تک تو یہ پیچیدگی جس سے امنِ یورپ میں خلل آنے کا اندیشہ تھا غیر متوقع آسانی کے ساتھ حل ہو گئی لیکن یہ دشواری کی صرف پہلی منزل تھی۔ دو مرحلہ حل کو طے کرنا ابھی باقی رہا کہ بلجیم کے لئے کوئی بادشاہ فراہم کیا جائے اور سرحد کی جو قرارداد انھوں نے کی ہے اس پر بلجیم اور ہالینڈ دونوں کی رضامندی حاصل کی جائے۔ خود بلجیم والوں کو تو فرانس کے ساتھ تعلق رکھنا محبوب تھا لہٰذا وہ اپنا بادشاہ لوی فلیپ کے منجھلے بیٹے ڈوک دِنمور کو بنانا چاہتے تھے۔ اور گو لوی فلیپ نے سرکاری طور پر تو اس منصوبے کی تائید کرنے سے انکار کر دیا جو تمام یورپ کی نظر میں بلجیم کو ایک فرانسیسی صوبہ بنا دینے کے مرادف ہوتا۔ لیکن جب بوناپارٹی خاندان کا ایک شخص یوجن بیوہارنے اس منصب کا امیدوار ہوا تو لوی فلیپ نے خانگی طور پر مذکورۂ بالا تجویز کی تائید کی۔ چنانچہ ۳ فروری ۱۸۳۱ء کو ڈوک دِنمور ہی بادشاہ منتخب کیا گیا۔ لیکن لندن کے اہل مشاورت پہلے ہی طے کر چکے تھے کہ اس انتخاب کو منظور نہ کیا جائے گا۔ اور حکومت برطانیہ نے اپنا منشا صاف طور پر جتا دیا تھا کہ فرانس کے اقتدار کی ایسی کسی توسیع کو انگلستان بزور روکے گا۔ پس لوی فلیپ نے حتمی طور پر اپنے بیٹے کے لئے تاجِ شاہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور جب بوناپارٹی امیدوار ہٹا لیا گیا تو انگلستان و فرانس دونوں رضامند ہو گئے کہ لیوپولڈ امیر سیکس کوبرگ کا نام پیش کریں، اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ متفقہ طور پر بادشاہ بنا لیا جائے تو لوی فلیپ کی کسی بیٹی سے شادی کرے۔ اس مشورے کو اہل بلجیم نے مان لیا اور ۴ جون کو لیوپولڈ کو بادشاہ منتخب کر لیا۔ لیوپولڈ نے بھی اس شرط کے ساتھ بادشاہی قبول کر لی کہ اس نئی مملکت کی سرحد اور مالی معاملات کے متعلق بعض قراردادوں میں ترمیم کر دی جائے جنھیں مشاورتِ لندن نے مرتب کیا اور اب تک حکومت بلجیم نے قبول نہیں کیا تھا۔

لیوپولڈ شاہ بلجیم بنایا جاتا ہے۔ ۴ جون

سرحد بلجیم کے بند و بست میں دشواری پیش آنے کا سب سے بڑا سبب

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ ... ہلکی براند گیشنخت فرانکریش، اوّل ۱۷۱۱۔ اشوک ۱۱۔ اوّل ۱۴۳۔ ملیور: "پامرسٹن" دوم ۔ ۵ ہرٹ سلٹ "میپ اوف یورپ" سوم ۸۱۔

ریاست لکسمبرگ کا محل وقوع تھا کہ یہ علاقہ انقلاب فرانس سے قبل تھا تو آسٹریہ کے
ماتحت لیکن اسے ہمیشہ سے آسٹروی ندرلینڈز سے جدا قطعہ سمجھا جاتا رہا اور عہد نامہ
۱۸۱۴ء کے وقت جب اسے شاہ ہالینڈ کی نساو کی موروثی املاک کے عوض میں دیا گیا
تو اُس وقت ریاست ہائے جرمانیہ میں اس کی سابقہ رکنیت کو بھی بحال کر دیا گیا جس سے

حدود بلجیم کا فیصلہ

ہالینڈ کا بادشاہ رئیس لکسمبرگ ہونے کی حیثیت سے جرمن
امیروں میں بھی داخل ہو گیا۔ اور جرمن سپاہ کو حق مل گیا کہ وہ لکسمبرگ
کے قلعے پر جو جبل الطارق کے بعد یورپ بھر میں سب سے مستحکم قلعہ تھا، قابض رہے۔
لیکن بلجیم کی مذکورۂ بالا بغاوت میں لکسمبرگ کے باشندے بھی شریک تھے اور قلعے کے
سوا یہاں کا سارا علاقہ بلجیم کی نئی حکومت کے ماتحت آگیا تھا۔ ڈچ حکومت کے اس کلی انقراض
کے باوجود لندن کے اہل مشاورت کی نظر میں لکسمبرگ کی جنگی اور بین الاقوامی اہمیت
اس قدر زیادہ تھی کہ انھوں نے لکسمبرگ کی پوری ریاست کو بلجیم کی نئی مملکت سے
علٰحدہ رکھا اور اعلان کر دیا کہ وہ حسب سابق شاہ ہالینڈ ہی کے ممالک میں شامل رہے گا۔
اب لیوپولڈ کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اس فیصلے کی تنسیخ یا ترمیم کر دی جائے اور اہل مشاورت بھی
اس حد تک دب گئے کہ انھوں نے اعلان جنوری کی بجائے بہت سی نئی دفعات مرتب کیں
جن میں لکسمبرگ کے قضیئے کا فیصلہ آیندہ پر اٹھا رکھا۔ ہالینڈ کے بادشاہ نے اعلان جنوری کو
تسلیم کر لیا تھا اب جو اس نے سنا کہ اس اعلان کو دول نے ترک کر دیا تو اس نے تلوار
سنبھالی اور پچاس ہزار سپاہی بلجیم میں بھیج دیئے۔ لیوپولڈ نے فرانس سے مدد کی التجا کی
اور ایک فرانسیسی فوج فوراً سرحد عبور کر کے بلجیم پہنچ گئی یہ دیکھ کر ہالینڈ والے واپس چلے گئے
اور پھر فرانسیسی فوجیں بھی واپس طلب کر لی گئیں۔ ان کی مراجعت سے پہلے لیوپولڈ نے
ایک عہد نامے پر دستخط کر دیئے کہ وہ اپنی جنوبی سرحد کے پانچ قلعوں کو مسمار کرا دے گا
اب اہل مشاورت نے پھر اپنا کام شروع کیا اور ایک تیسری صورت تجویز کی جس میں
لکسمبرگ کو ہالینڈ اور بلجیم کے درمیان تقسیم کر دیا تھا۔ بلجیم نے اسے مان لیا مگر ہالینڈ نے
مسترد کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دول یورپ کا صرف لیوپولڈ کے ساتھ معاہدہ ہو گیا اور
۱۸۳۲ء کے آغاز سے تمام سرکاروں نے بلجیم کی نئی بادشاہی کو، مشاورۂ لندن کے
تیسرے فیصلے کے مطابق خود مختار حکومت تسلیم کر لیا انگلستان کی طرف سے لارڈ پامرسٹن نے

فرانس کو چپہ بھر بھی نیا علاقہ ملنے کی حتمی طور پر مخالفت کی، اس بنیاد پر، کہ اگر جدید الحاق کا سلسلہ شروع ہوا تو آیندہ قیام امن کا اطمینان خاک میں مل جائے گا۔ اسی دانش مندانہ اور محکم حکمت عملی نے، حکومت بلجیم کی تاسیس کے معاملے میں دول یورپ کے اتحاد کو برقرار رکھا اور اب دول مغربی کے سامنے صرف شاہ ہالینڈ کی مخالفت دور کرنے کا مرحلہ باقی رہ گیا جس نے اس وقت تک اینٹ ورپ کے بالاحصار پر قبضہ کر رکھا تھا اور کسی فہمائش یا حکم کو نہ سنتا تھا۔ اس حصار کو محاصرہ کرنے کا کام ایک فرانسیسی جیش کے تفویض ہوا اور انگریزی جہازوں نے شیلٹ ندی کی ناکہ بندی کی۔ شدید گولہ باری کے بعد حصار تسخیر اور لڑائی ختم ہو گئی اور ایک قطعی تصفئے کے لئے گفتگو شروع ہوی۔ مگر چونکہ بلجیم والے لکسمبرگ کے سارے علاقے پر، بہ استثنائے قلعہ، متصرف تھے لہذا ایسے تصفئے کی امیں تو کوئی جلدی نہ ہو سکتی تھی جس میں ان کے مقبوضات کا ایک حصہ ہاتھ سے نکل جاتا اور ادھر شاہ ہالینڈ محض اپنے تمرد سے ریت ولعل کرتا رہا۔ غرض سالہا سال تک معاملہ اسی طرح معلق اور جو ہنگامی انتظام ہوا تھا وہ قائم رہا یہاں تک کہ کہیں اپریل ۱۸۳۹ء میں جاکر بلجیم اور ہالینڈ کے درمیان باضابطہ صلحنامہ مرتب اور مکمل ہوا۔

متحدہ ندرلینڈز کی مملکت کے اس طرح درہم برہم ہونے کو اور ایک بغاوت پر بلجیم کی نئی بادشاہی کے قیام کو غالباً یورپ کی مشرقی سلطنتیں اس طرح آسانی سے گوارا نہ کرتیں اگر ۱۸۳۰ء کے خریف میں دولت روس آزاد ہوتی کہ اپنی پوری قوت سے اس معاملے میں کوئی کارروائی کر سکے۔ لیکن اسی زمانے میں پولینڈ میں ایک ہنگامہ برپا ہوا جس کے باعث زار کو اپنی ساری فوجیں خود اپنی سلطنت کے اندر مجتمع کرنی پڑیں۔ یہ لڑائی رعایا کی اپنی حکومت سے

معاملات پولینڈ

بغاوت نہ تھی بلکہ کہنا چاہئے کہ ایک مسلح قوم کی دوسری قوم سے قوت آزمائی تھی۔ پولینڈ، یعنی وہ علاقہ جو پہلے وارسا کی ڈچی میں شامل تھا، ۱۸۱۵ء کے معاہدوں کے رو سے ایک علحدہ بادشاہی بنا دیا گیا تھا جس پر زار روس کی سیادت تھی لیکن وہ سلطنت روس میں داخل نہ تھا۔ اس کا نظم و نسق اور فوج علحدہ تھی اور وہاں کی مجلس اضلاع (ڈائٹ) کے اجلاس اسے ایک اس قسم کی نیابتی حکومت بخشتے تھے جس کے مشابہ کوئی چیز روس خاص میں نہ پائی جاتی تھی۔ الکزنڈر کے عہد حکومت میں مجموعی طور پر

پولینڈ کے آئینی نظام حکومت کا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا، اس میں شک نہیں کہ اصلی اقتدار ایک مطلق العنان فرماں روا کے ہاتھ میں تھا اور وہ بھی پولینڈ کے باہر سینٹ پیٹرز برگ میں رہ کر حکم چلاتا تھا جس سے پولینڈ کی مجلس خواہ مخواہ روسی حکومت کی مزاحم اور مدمقابل بن گئی تھی تاہم الگزنڈر اور پولینڈ والوں کے درمیان جو ذاتی تعلقات تھے، انھوں نے اس بادشاہ کے جیتے جی کسی علانیہ بغاوت کی نوبت نہ آنے دی۔ لیکن نکولاس تخت نشین ہوا تو یہ شخصی تعلقِ دوستی رخصت ہوگیا اور پولینڈ اور دربار روس کے واقعی تعلقات کی تلخ حقیقت پوری طرح بے نقاب ہوگئی۔ ۱۸۲۵ء کی سازشوں میں بہت سے پول شریک پائے گئے اور ان میں آٹھ کو ابتدائی تحقیقات کے بعد، وارسا کی مجلس عمائد (سینٹ) میں فیصلے کے لئے پیش کیا گیا۔ ان کے جرم کی قوی شہادتیں موجود تھیں۔ پھر بھی اس مجلس نے انھیں رہا کردیا۔ اس فیصلے کو ملتوی رکھ کے نکولاس نے مجلس منعقد کرنے سے انکار کردیا اور نہ صرف روسی فوجیں پولینڈ میں بھیجدیں بلکہ نظم ونسق کے ہر شعبے میں روسی عہدہ دار مقرر کرکے آئین کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے یہ شکایتیں نہ ہوتیں تو بھی پولینڈ کے اُمرا کی کثیر جماعت روسیوں سے اتنی کاوش رکھتی تھی کہ غالباً جلد یا کچھ دیر بعد وہاں بغاوت ہوئے بغیر نہ رہتی۔ ادھر ان مالکان جاگیر کے ہاتھ میں عام کسان جو نکبت وجہالت میں گرفتار تھے محض آلۂ ہیجان بن گئے۔ پولینڈ میں مقامی حکومت کے جو کچھ حقوق دیئے گئے تھے وہ قریب قریب بلا شرکت خاندانی امرا کے قبضے میں تھے یا مالکان زمین کے جن کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ مغربی یورپ میں غلطی سے عام طور پر انھی کو پولینڈ کی اصلی قوم سمجھا جاتا رہا۔ جب نپولین نے ۱۸۰۷ء میں پروشیہ کے ہاتھ سے وارسا کی ڈچی جبراً چھینی تو کہنے کو وہاں کے سرفوں کو آزاد کیا ورنہ اس سے عام باشندوں کی حالت پر بہت ہی کم کوئی اثر پڑا۔ کیونکہ گو نپولین نے غلامی کی قانونی صورت کو منسوخ کیا لیکن کاشتکار کو اپنی زمین میں ذرا بھی مالکانہ حقوق نہیں دئے اور اس طرح، کہنا چاہئے کہ اُسے اپنے زمیندار کے پنجے میں اسی طرح پھنسا رہنے دیا جیسا کہ وہ اس وقت سے قبل تھا۔ بلکہ سچ پوچھئے تو یہ آزادی کا نام اُلٹا وہاں کے کاشتکار کے حق میں مضر ہوا اس لئے کہ ظاہر میں تو اسے تہید کی آزادی حاصل ہوگئی لیکن حقیقت میں وہ سرکاری عہدہ داروں کی اس حمایت ونگرانی سے بھی

محروم رہ گیا جو پر وشوی حکومت کے دور میں (۱۷۹۵ء سے ۱۸۰۷ء تک اپنے مالک کے مظالم سے بچاتی تھی۔ پولینڈ کی تباہی اور لاعلاج مصیبت یہ تھی کہ وہاں کے اُمرا کو اپنے دائرے کے باہر کوئی ملک کوئی حق کوئی قانون نہ سوجھا تھا اور اس خواب غفلت سے یہ لوگ بیدار ہوئے تو اس وقت جب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ زار کی جن مداخلتوں کو خلاف آئین سمجھ کر یہ اُمرا کی برادری پیچ و تاب کھاتی تھی، وہ ایک حد تک وہی کارروائیاں تھیں۔ جو انھیں امرا کے بیجا اختیارات کے خلاف کی جاتی تھیں اور گو ۱۸۳۰ء میں امرا کے ایک گروہ پر اپنے قومی زوال کا راز منکشف ہو گیا تھا اور یہ لوگ سرف (= رعیت) کو حقوق مالکانہ کی آزادی دینے پر آمادہ تھے، لیکن مجموعی طور پر اس قسم کا کوئی جوش طبقۂ امرا میں نہیں پایا جاتا تھا اور نہ زمانہ ہائے دراز کے جرائم کی جنگ و انقلاب کے ہنگامے میں تلافی ہو سکتی تھی۔

پولینڈ کے سب سے عالی رتبہ امیروں کے تنگ دائرے اور کم استطاعت و جنگجو امیروں کے عام طبقے کے درمیان بھی کھلا ہوا فرق موجود تھا۔ مقدم الذکر کے نمایندے ایسے لوگ تھے جیسے روس کا سابق وزیر اور الگزنڈر اوّل کا دوست زار تورسیکی۔ یہ لوگ زمانۂ قریب میں قوت فرماں روا کے مقابلے میں کامیابی کی مطلق امید نہ رکھتے تھے پس وہ

وارسا کی سرکشی
۲۹ نومبر ۱۸۳۰ء

اپنی قوم کو برابر یہی مشورہ دیتے تھے کہ ۱۸۱۵ء کے نظام حکومت سے پولینڈ کو جو کچھ قومی آئین مل گئے ہیں (اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آئین پولینڈ کو سلطنت روس میں ضم ہو جانے سے بچانے کے لئے کافی تھے) انھی کو حزم و احتیاط سے ترقی دی جائے اور آخر کار ملکی خود مختاری حاصل کرنے کا منصوبہ تازہ رکھا جائے۔ پس دراصل وہ محض چھوٹے درجے کے اُمرا فوج کے ماتحت سرداروں اور خود وارسا کی آبادی تھی جن کے افراد نے مل کر نام نہاد جماعت احرار بنائی اور جن میں سرکشی کا جذبہ سب سے زیادہ تھا۔ ترکی سے محاربہ ۱۸۲۸ء کے دوران ہی میں ان لوگوں نے ہنگامہ بپا کرنے کے مسودے پکائے تھے لیکن بد قسمتی سے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں تغافل برتا گیا حالانکہ اس سے ایسا کام لیا جا سکتا تھا جو روس کے حق میں مہلک ہوتا۔ اور اس کی بجائے یہ خدمت انقلاب فرانس ۱۸۳۰ء کے حصے میں آئی کہ ایک بے وقت و بے اثر چنگاری بھڑکا دے۔ محاربات نپولین کی یاد اور فرانسیسی جمہور کے پرجوش نعروں نے وارسا میں محبان وطن کے دلوں کو ان خام خیالیوں سے بھر دیا کہ مغربی یورپ کے آزادی پسند گروہ

اُن کے ساتھ کوئی جنگی اتحاد کرلیں گے ان لوگوں کے مشورے پر جو یورپ کے حالات سے بہتر واقفیت رکھتے تھے اعتنا نہ کی گئی ۔ ۲۹ ہر نومبر ۱۸۳۰ء کو بغاوت پھوٹ پڑی وارسا میں پولینڈ والوں کی فوجوں نے اہل شورش کا ساتھ دیا اور روسی سپاہی امیر کبیر کونس ٹن ٹائن کے ماتحت جس کی جان بال بال بچی، صدر مقام سے ہٹ گئے [۱]

اس وقت تک پولینڈ کا نظم ونسق ایک مجلس شوریٰ کے ہاتھ میں تھا جس کے ارکان کو زار بہ حیثیت شاہ پولینڈ ہونے کے نامزد کر دیتا تھا اور وہ سینٹ پیٹرز برگ میں ایک معتمد شاہی کے زیر ہدایت کام کرتی تھی ۔ اس مجلس شوریٰ کا صدر لوبکی تھا، پولینڈ کا

زار کے ساتھ گفتگو کی کوشش

باشندہ مگر زار نکولاس کا ارادت مند تھا۔ پس وارسا میں اہل شورش نے کامیاب ہوتے ہی اس مجلس کو برطرف کیا اور ایک ہنگامی حکومت قائم کی ۔ اور ہر چند بغاوت اسی نام نہاد جماعت احرار کا کام تھا۔ لیکن عالی رتبہ اُمرا کے قدیم ذی اقتدار خاندانوں کا ابھی تک اتنا اثر تھا کہ حکومت بالاتفاق انھی کے تفویض کی گئی ۔ زار تورلیس کی حکومت کا صدر نشین مقرر ہوا اور اس نے اور اس کے ہمصفیروں نے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ روس کے ساتھ دوستانہ گفت وشنید کی جائے۔ نومبر کی بغاوت کو انھوں نے کسی قومی سرکشی کا آغاز نہیں قرار دیا بلکہ اسے محض ایک ہنگامے سے تعبیر کیا جو حکومت کی غیر آئینی کارروائیوں سے پیدا ہوا ہو ۔ پولینڈ کے نئے حکام کی یہ جماعت نکولاس کے مزاج کو اس قدر غلط سمجھی تھی کہ وہ یہی گمان کرتی رہی کہ اپنے سپاہیوں کے نکالدیئے جانے اور اپنے نائبوں کا وارسا میں تختہ اُلٹ دیئے جانے کے باوجود یہ بادشاہ امن امان کے ساتھ پولینڈ والوں کو ان کی منہ مانگی مراعات دے دے گا اور آیندہ پولینڈ کے آئین کی سبھی پابندی کرنے کا ذمہ لے گا چنانچہ لوبکی اور ایک دوسرے عہدہ دار کو سینٹ پیٹرز برگ بھیجا گیا کہ مطالبات زار کے سامنے پیش کریں ۔ اور مزید براں یہ درخواست کریں کہ ان سب روسی صوبوں میں بھی جو کسی وقت پہلے مملکت پولینڈ کا جزو تھے آئینی حکومت رائج کردی جائے اگرچہ اس بات پر فی الواقع زور دینا مقصود نہ تھا ۔

پولینڈ کے ان ایلچیوں کا جس طرح سرحد روس پر استقبال ہوا وہی ان کے حق میں

---

[۱] - اسمٹ، گشخٹ ۔۔۔ اوسٹانڈس" اول ۱۴ - نیز اسپانر ایضاً" اول ۱۷۷ - للول ہ "ہستوار دیولون" اول - ۳۰۰ -

خال بد کی کیفیت رکھتا تھا یعنی ان سے کہدیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو ایسے سرکاری عہدہ دار کی حیثیت سے پیش کریں جو زار کے حضور میں پولینڈ کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لوبکی نے تو یہاں پہنچکر معلوم ہوتا ہے کہ پولینڈ کے تعلق کو خیرباد کہدی البتہ اس کے ساتھی نے خدمت سفارت کو انجام دیا اور زار کے حضور میں باریاب ہوا۔ نکولاس نے لب ولہجہ تو ایسے شخص کا اختیار کیا جس پر ناروا زیادتی کی گئی ہو اور یہ بھی کہا کہ وہ ہرگز کوئی ایسا ارادہ نہیں رکھتا کہ گناہگاروں کے ساتھ بے گناہ سزا پا جائیں۔ لیکن یہ بھی صاف صاف جتا دیا کہ پولینڈ کے سامنے صرف دو صورتیں ہیں: یا غیر مشروط اطاعت اور یا کامل تباہی! اس عرصے میں ان ہرکاروں نے جو ایلچی کے ابتدائی مراسلات لے کر وارسا آئے تھے، اطلاع دی کہ ابھی سے تمام راستے روسی فوجوں سے پٹ گئے ہیں جو اپنے شکار کی سیدھ باندھے چلی آرہی ہیں۔

حکومت پولینڈ کے اس خیال خام کے طفیل کہ زار نکولاس کے ساتھ مصالحانہ معاملہ ہوجانا ممکن ہے، بیش قیمت وقت کے چھ ہفتے ضائع ہوگئے۔ اگر وارسا کی سرکشی کے بعد ہی فوج کی عام بھرتی اور لتھوآنیہ پر لشکرکشی شروع کردی جاتی تو عجب نہیں کہ اس وسیع صوبے کے وسائل اور ساز وسامان بھی روس کے خلاف میزان کے دوسرے پلڑے میں دھرے ہوتے۔ ہرچند لتھوآنی آبادی کئی صدی تک پولینڈ سے وابستہ رہنے کے باوجود قوم غالب میں مطلق جذب نہیں ہوئی اور زبان وعقائد کے اعتبار سے پولوں کی بہ نسبت روسیوں سے زیادہ قریبی رشتہ رکھتی تھی، بااین ہمہ وہاں کے امرا پولینڈ کی قوم کا جزو مسلم تھے اور اپنی غلام رعایا پر اتنا اقتدار ضرور رکھتے تھے کہ اسے میدان جنگ میں دھکیل دیں گو رعایا کو کچھ خبر نہ ہو کہ لڑائی کیسی اور کس کے لئے ہورہی ہے۔ صوبے میں روسی چھاؤنیاں بڑی اور قوی نہ تھیں اور بیکایک حملہ کرکے انھیں دبالینا ممکن تھا۔ پھر یہ کہ جب ایک مرتبہ وارسا کے باشندے زار نکولاس کے مقابلے میں تلوار لے کے اٹھ کھڑے ہوئے تو اب کامیابی کا امکان صرف اسی صورت میں تھا کہ بغاوت کی آگ تمام نیم پولی صوبوں میں بھڑکا دی جائے اور عام طور پر لوگوں کو جنگ کی دعوت دی جائے۔ لیکن دوسری مصلحتوں کے علاوہ جنھوں نے وارسا کے بڑے امیروں کو ایسی انتہائی کارروائی کرنے سے باز رکھا، ایک یہ خیال بھی ان کے ذہن میں سمایا ہوا تھا کہ پولینڈ کے اس نظام حکومت کی حمایت میں جو معاہدۂ دی آنا کے روسے قائم ہوا تھا، دول یورپ دست اندازی کریں گی۔

دیبیش کا حملہ پولینڈ پر
فروری ۱۸۳۱ء

حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ بہ جد وجہد اگر ملک پولینڈ کی حدود سے تجاوز کرتی تو وہ ایک ایسی انقلابی تحریک بن جاتی جس کی کوئی سرکار تائید نہ کرسکتی تھی۔ بہرحال جب پولینڈ کا ایلچی سینٹ پیٹرزبرگ سے زار نکولاس کا جواب لے کر واپس آگیا تب کہیں جا کے جماعت امرار کو پورا غلبہ حاصل ہوا اور مصالحت کی امیدیں محو و ناپدید ہوئیں۔ اسی وقت مجلس ملکی نے یہ قرارداد منظور کی کہ اعلان کر دیا گیا کہ شاہان رومانوف نے پولینڈ کی بادشاہی کو غصب کر لیا ہے۔ اور روس کے خلاف اس کشمکش کی تیاریاں شروع ہوئیں جس پر قوم کی مرگ وزیست کا انحصار تھا۔ مگر وہ ابتدائی موقع جب کہ سلطنت روس غیر محفوظ و غافل کھڑی تھی ہاتھ سے نکل چکا اور دوبارہ نہ آسکتا تھا۔ فوج یہ فوج مغرب کی طرف لیتھوآنیہ میں بھیجدی گئی تھی تبلعوں کی متعینہ جمعیتوں کی تعداد و قوت کی کمی پوری کی جا چکی تھی اور فروری ۱۸۳۱ء میں خود روسی سپہ سالار دے بیش نے پیش قدمی کی اور ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں کو لے کر پولینڈ کی سرحد کو عبور کیا۔

پولینڈ کی سپاہ اگرچہ تعداد میں غنیم سے کہیں کم تھی لیکن ایسی گئی گذری بھی نہ تھی۔ اس کے سرداروں میں بہت سے وہ تھے۔ جو محاربات نپولین میں جنگی خدمت انجام دے چکے تھے۔

جنگ پولینڈ ۱۸۳۱ء

بااین ہمہ ان میں کوئی اعلیٰ سپہ سالار ایسا نہ تھا جو آزادانہ قیادت کرتا رہا ہو دوسرے خود رائی اور عدول حکمی کی وہی خصلت جس سے پولینڈ اتنا کچھ نقصان اٹھا چکا تھا۔ ابھی تک موجود تھی کہ ناکامی کی صورت میں اپنے نام نہاد سرداروں کے اقتدار میں کمی آتے ہی یہ روٹے کار آجاتے۔ شروع شروع کے معرکوں میں روسی حملہ آور سپاہ کا بہت بہادری سے مقابلہ کیا گیا اور اگرچہ پولی سپاہی وارسا کی طرف پسپا ہونے پر مجبور ہوئے لیکن دے بیش کو اتنے شدید نقصان پہنچے تھے کہ اسے اپنی پیش قدمی روک کر اور تازہ کمک ملنے کا انتظار کرنا پڑا۔ مارچ کے مہینے میں پولوں نے خود جارحانہ کارروائی کی اور غنیم کے بعض دستوں کو جو اصلی جمعیت سے الگ تھے یکایک جا دبایا۔ مگر ان کے سپہ سالار میں اتنی مستعدی اور تیز رستی نہ تھی کہ ان ابتدائی فوائد سے اور زیادہ کام لے لیتا۔ آخر روسی فوجیں ایک مقام پر آملیں اور اوسٹرولنکا میں ایک لڑائی جم کر ہوی جس میں جانبازانہ مقابلے کے بعد پولینڈ والوں نے شکست کھائی۔ لیکن اسی زمانے میں روس کے لشکر میں وبائے ہیضہ پھیل گئی۔ دے بیش اور ہیر کبیر کونس ٹن ٹائن جنگ کے دوران ہی میں تیر اجل کا شکار ہوے اور گو پولینڈ والوں کو کامیابی سے مایوسی ہو چکی تھی لیکن کشمکش میں چند ماہ کا اضافہ ہوگیا۔

انھوں نے لتھو آنیہ اور پوڈولیہ پر یورش کی مگر ان کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ روس کی طرف سے پاسکی وچ فاتح قارص کو طلب کیا گیا کہ اپنے ہمچشم (دے بیش متوفی) کی جگہ فوج کی قیادت کرے۔ جو لوگ میدان جنگ یا شفاخانوں میں کام آئے تھے ان کی بجائے تازہ روسی فوج کے جوق درجوق آپہنچے۔ مغربی یورپ کی دوسری سلطنتوں نے تو پولینڈ کی آزادی کی حمایت میں انگلی تک نہ ہلائی اور حکومت پروشیہ نے اس خوف سے کہ کہیں بغاوت خود پروشیہ کے پولی صوبوں متعدی نہ ہو جائے، جنگی ساز وسامان بہم پہنچا کے روسی سپہ سالار کے کام میں مدد دی۔ اہل پولینڈ کے منصوبوں پر ضرب پر ضرب لگنے لگی۔ خود وارسا بد عملی، ساز باز اور مکر و غدر کا آماج گاہ بن گیا۔ آخر کار روس کی سپاہ دار الملک میں داخل ہو گئی اور پولینڈ کے باقی ساقی سپاہیوں نے ہتھیار رکھ دئیے یا ملک چھوڑ کر پروشیہ یا آسٹریہ کی سرحد میں چلے گئے۔ یہ بغاوت بڑی نادانی اور جوشش بے جا کے ساتھ شروع کی گئی تھی اسکے نتائج بھی نہایت مہلک اور المناک برآمد ہوئے یعنی پولینڈ کی آئینی حکومت توڑ دی گئی اور وہ ایک علٰحدہ مملکت کی بجائے سلطنت روس کا معمولی صوبہ بنا لیا گیا۔ اس کے حمایتی ممالک یورپ میں بے خانماں پھرنے لگے یا سائبیریہ میں فراموش و گم ہو گئے زار کی سیاوت سے مخالفت کئے بغیر آئینی آزادی کے تدریجی نشوو نما سے اہل پولینڈ کو جو کچھ مل سکتا تھا وہ سب اس لڑائی کی بدولت خاک میں مل گیا۔ اور سلطنت روس کی مثل پولینڈ کے مستقبل کا انحصار بھی صرف حکومت بادشاہی کی روشن خیالی اور عالی ہمتی پر رہ گیا۔ فتح ۱۸۳۱ء کے بعد جو جابرانہ کارروائیاں کی گئیں اُن سے پولینڈ کی قومیت اور زبان تک کا وجود کچھ عرصے تک معرض خطر میں پڑ گیا اور اگر یہ صحیح ہے کہ روسی استبداد نے پولینڈ کے کسانوں کے لئے آخر کار وہ کام کیا جو ان کے ہموطن مالکوں نے اپنے صدیوں کے اقتدار میں کبھی انجام دینا نہ چاہا تھا، تو اگر سیاسی آزادی کے کچھ آثار باقی چھوڑ دئے جاتے تو بھی غالباً کسانوں کی اس رستگاری کا زمانہ کچھ بہت دُور نہ ہٹا جاتا۔ دوسرے اگر اس طبقے کے حصۂ اعظم کا جسے ایک وقت میں پولینڈ کی اصلی قوم قرار دیا جاتا تھا قلع قمع نہ کر دیا جاتا تو بھی اس رستگاری کی قدر و قیمت میں کچھ کمی نہ آجاتی[1]۔

سقوط وارسا۔ ۸ ستمبر ۱۸۳۱ء

[1] لیوری بیولو/ لموتین صفحہ ۱۹۹۔ مل امپائیڈی زار "اوّل" ۳۸۰ ؛ للی ول: "کون سی ویشنز" صفحہ ۳۱۷۔

وسیچولا کے کناروں پر اس کشاکش کے وقت آسٹریہ کی حکومت کا طرز عمل غیر جانب داری مگر پوری نگرانی کا تھا۔ پولینڈ کا وہ ٹکڑا جو اس کے قبضے میں تھا مذکورہ بالا ہنگامے سے کچھ زیادہ خطرے میں نہیں آیا کیوں کہ گلیشیہ کے اکثر اقطاع میں آبادی روتھینی النسل اور کلیسائے یونان کی پیرو تھی جسے پولینڈ کے پول اور کیتھولک اُمرا سے مطلق مناسبت نہ تھی اور وہ اہل پولینڈ کے گذشتہ تسلط کو ظلم و آلام کا زمانہ تصور کرتی تھی۔ ہاں یورپ کی ہر ہل چل میں آسٹریہ کو اگر خطرہ ہو سکتا تھا تو مشرق کی طرف سے نہیں بلکہ اطالیہ کی طرف سے تھا۔ چنانچہ اپنے اسلافی ہمسایوں کی جنگ و جدل میں تو حکومت آسٹریا اطمینان سے خاموش بیٹھی رہی مگر اس کے مقابلے میں اطالیہ کے معاملات میں اس نے بڑی قوت و سرگرمی سے کام کیا۔ واضح رہے کہ ۱۸۲۱ء میں وہاں نیپلز کی

پاپائی ریاستوں کی شورش۔ فروری ۱۸۳۱ء

آئینی تحریک کے جبراً فرو کئے جانے کے بعد بھی اطالیہ کی کاربوناری اور دوسری خفیہ انجمنوں کی کارستانی میں ذرا فرق نہ آیا تھا۔ ان کے صدر مقامات جنوبی اطالیہ سے ہٹا کر پاپائی ریاستوں میں منتقل کر دئیے گئے تھے اور فرانس اور دوسرے ممالک میں بیشمار اطالوی جلا وطن فرانس کے ایسے انقلاب پسند سرگروہوں سے جیسے لافیئت تھا، اور نیز خود اطالیہ کے اندر حکومت وقت کے مخالفین سے برابر رسل و رسائل میں مصروف تھے پاپا پائیس ہشتم کے مرنے سے کلیسائی ریاستوں کے نظم و نسق میں جو تعطل پیدا ہوا وہ اہل سازش کے حق میں نہایت مفید مطلب تھا۔ پیرس کی طرف سے بھی امداد کا اطمینان دلایا گیا اور اطالوی سرگروہوں نے طے کیا کہ ۵ فروری ۱۸۳۱ء کو تمام چھوٹی ریاستوں میں عام شورش برپا کر دی جائے۔ شورش کا اشارہ ہونے کے انتظار میں منوتی نے جو مودنا میں محبان وطن کے ایک گروہ کا صدر تھا، اپنے رفیقوں کو ۳ فروری کے دن پہلے سے جمع کر لیا اور معلوم ہوتا ہے کہ خود وہاں کے امیر کبیر نے بھی اسے فریب دیا لیکن اعلان سرکشی کے بعد اسے مغلوب کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ بولونا میں شورش کے آغاز اور پاپائی ریاستوں کے شمالی حصے میں اس کے بہ سرعت پھیلنے سے خود امیر کبیر کو بہت جلد بھاگ کر حدود آسٹریہ میں پناہ لینی پڑی۔ اگرچہ وہ اپنے قیدی منوتی کو ساتھ لیتا گیا اور آخر میں اسے قتل کرا دیا۔ ادھر پاپا گریگوری شانزدہم کے انتخاب کی

رسم مشکل سے ادا ہوئی ہو گی کہ خبر پہنچی کہ بولونا نے پاپا کے دنیاوی اقتدار کے خاتمہ کا اعلان کر دیا ہے۔ گریگوری بغاوت کی نوعیت کو پوری طرح نہ سمجھ سکا تھا لہذا اس نے اسقف بن ونوتی کو شمال کی طرف بھیجا کہ مصالحت یا جبر سے، جیسا موقع ہو، کام کرے۔ یہ پادری حاکم اہل شورش کے ہاتھ میں پھنس گیا۔ بغاوت جنوب میں پھیلی اور گریگوری کو اپنے تخت کی فوجوں سے فرو کرنے کی امید باقی نہ رہی تو اس نے آسٹریہ کو مدد کے لئے پکارا۔[1]

فرانس کا طرز عمل

حکومت فرانس نے انقلاب جولائی کے وقت سے سیاسیات یورپ کا بنیادی اصول عدم مداخلت کو قرار دیا تھا۔ اس نے اپنے ہمسایوں کے معاملات میں دست اندازی کے ارادے سے بری رہنے کا اعلان کیا اور اس کے عوض میں یہ چاہا تھا کہ دوسری سلطنتیں بھی، بلجیم اور سیوائے وغیرہ ایسے علاقوں میں جو سرحد فرانس سے ملے ہوئے تھے کوئی مداخلت نہ کریں۔ لیکن لوئی فلیپ کے صلاح کاروں کے سامنے کوئی واحد مقصود نہ تھا۔ وزراء دول خارجہ کے سفیروں کے سامنے کچھ زبان بولتے تھے مجلس مبعوثین کے روبرو کچھ بولتے تھے۔ اور لافیت یا اطالوی جلاوطنوں اور سازشیوں سے جو حکومت فرانس کے زیر سایہ رہتے تھے کچھ اور ہی گفتگو کرتے تھے۔ ۱۸۳۱ء کے اوائل میں حکومت کا سرگروہ لافت ایک کمزور سیاست داں تھا جو انقلاب انگیزی کا گرویدہ اور باغیانہ فقروں سے مرعوب تھا لیکن استقلال واستقامت کے ساتھ کوئی کام کرنے کی اس میں صلاحیت نہ تھی اور اسی طرح لوئی فلیپ کا اس وقت مقابلہ کرنے کی بھی قوت نہ رکھتا تھا جب کہ اس بادشاہ نے مقبول عام قومی رہنما کا سانگ ختم کیا اور اپنا وہی اصلی روپ اختیار کر لیا جو کسی فرماں روا خاندان کے کائیاں اور مطلب ہوشیار سرگروہ کا ہوا کرتا ہے اسی لئے ایک عرصے تک لوگوں کو انتظار رہا کہ دیکھئے حکومت فرانس کی حکمت عملی بازاریوں کے جذبات کے اشارے پر چلتی ہے یا لوئی فلیپ کی بزدلی کے تحت۔ آسٹریہ کے سفیر نے آسٹریہ کی اطالیہ میں دست اندازی کی صورت میں فرانس کے

---

[1] بیانکی، "دمکاتی اس تنی" اول ۴۵۔ لافارینا، پنجم ۲۴۱۔ فارینی، اول ۴۲۔

ارادوں کے متعلق استفسار کیا تو اسے سرکاری طور پر یہ جواب ملا کہ پارما اور موڈنا کے علاقوں میں جہاں خاندان ہیپس برگ کے عزیز قریب حکمراں ہیں آسٹریہ کی مداخلت کو گوارا کر لیا جائے گا لیکن اگر مداخلت کا دائرہ پاپائی ریاستوں تک وسیع ہوا تب تو فرانس کے ساتھ غالباً لڑائی چھڑ جائے گی اور اگر مداخلت پیڈمونٹ میں بھی کی گئی تو پھر لڑائی ہونے میں شک ہی نہ رہے گا۔ یہ جواب تھا جس پر میٹرنک کو اس حال میں کوئی فیصلہ کرنا تھا جب کہ پھر ایک مرتبہ آسٹریہ کے اطالیہ میں تسلط کی خیر نظر نہ آتی تھی میٹرنک کو لڑائی چھڑ جانے کی صورت میں روس کی تائید پر بھروسہ ہو سکتا تھا اُدھر وہ لوئی فلیپ کے اندیشوں سے خوب واقف تھا اور انھی اندیشوں کی بنا پر، دو طریقے سے کام لینا بھی آتا تھا۔ یعنے اوّل تو لوئی بونا پارٹ اور اس کے بھائی کے اطالوی باغیوں کے ساتھ ہو جانے سے وہ سمجھا سکتا تھا کہ اس بغاوت کی نوعیت کیا ہے اور دوسری یہ بات بھی لوئی فلیپ کے کان میں ڈال سکتا تھا کہ اگر اور کوئی چارۂ کار باقی نہ رہے تو وہ خود نپولین کے بیٹے ڈیوک ریکیس وڈاٹ سے جو ویانا میں بڑھ کر سنِ بلوغ کو پہنچ رہا تھا، فرانس پر حملہ کرا دے گا جس کے مقابلے میں لوئی فلیپ کا تخت اسی طرح آناً فاناً الٹ جاتا جس طرح ۱۸۳۰ء میں لوئی ہجدہم کا الٹ گیا تھا۔ جہاں کمزوری ہوتی، اسے تاڑ جانے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں میٹرنک نہایت تیز فہم مدبّر تھا اور لوئی فلیپ کا جو اندازہ اس نے لگایا وہ بالکل درست تھا۔ پس حکومت فرانس کی دھمکیوں کی اصلی قدر و قیمت سمجھ کر اس نے صاف کہہ دیا کہ اگر آسٹریہ کو تباہ ہی ہونا ہے تو بغاوت میں تباہ ہونے کی نسبت بہتر ہے کہ جنگ کر کے تباہ ہو۔ پھر اطالوی شورش کو فرو کرنے کا تہیہ کر کے، خواہ اس کارروائی کا نتیجہ کچھ ہی ہو اس نے آسٹروی افواج کو پاپائی ریاستوں میں داخل ہونے کا حکم دے دیا۔

آسٹریہ کی فوج رومی بغاوت فرو کرتی ہے مارچ ۱۸۳۱ء

پاپا کے ان آسٹروی دستگیروں کی پیش قدمی روکنے کے لئے اہل شورش جس قدر جنگی قوت رکھتے تھے وہ کچھ بھی نہ تھی۔ چنانچہ چند ہی روز میں شورش رفع دفع ہو گئی۔ لیکن اب تمام یورپ چشم براہ تھا کہ فرانس و آسٹریہ میں جنگ چھڑا چاہتی ہے۔ استنبول کا فرانسیسی سفیر یہاں تک بڑھا کہ اس نے سلطان سے جارحانہ اور مدافعانہ

اتحاد کرنے کی تجویز پیش کی اور سلطان کو یہ اصرار آمادہ کیا کہ وہ روس و آسٹریہ کی جنوبی سرحدوں پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرے۔ اس سفیر کا ایک مراسلہ پیرس بھی آیا جس میں اس جنگی نوعیت کی سلسلہ جنبانی کو جو وہ باب عالی سے کر رہا تھا، بیان کیا تھا۔ لوی فلیپ نے سمجھا کہ اگر یہ مراسلہ لافتؔ اور مجلس وزرا کے جنگ پسند ارکان تک پہنچا تو پھر امن کا قائم رہنا قریب قریب محال ہو جائے گا لہذا سباستیانی کو گانٹھ کر اس نے یہ مراسلہ لافتؔ سے مخفی رکھا۔ وزیر اعظم پر اس چالاکی کا حال کھل گیا اور اس نے استعفیٰ داخل کر دیا۔ لوی فلیپ نے استعفیٰ خوشی سے قبول کر لیا۔ اور لافتؔ خدا سے استغفار اور انسان سے اس بات کی معافی مانگ کر کہ لوی فلیپ کو تخت شاہی تک پہنچانے میں اُس نے حصہ لیا تھا، اپنے عہدے سے علیحدہ ہو گیا۔ اس کا جانشین کاسیمیر پرئیر ہوا جو بالکل دوسری وضع کا آدمی تھا۔ یعنی مستقل مزاج، روشن دماغ اور بات کا ایسا سچا کہ پہاڑ ٹل جائے مگر اس کی بات میں فرق نہ آئے وہ آئین وضوابط کا سختی سے پابند، کسی بد نظمی کو ذرا بھی گوارا نہ کر سکتا تھا۔ جمہوری

کاسیمیر پرئیر وزیر اعظم سنہ ۱۸۳۱ء

تحریکات کی اس کی نظر میں کچھ وقعت نہ تھی لیکن اسی کے ساتھ بادشاہ کی کسی سازش و ریشہ دوانی کا بھی اس پر مطلق اثر نہ ہو سکتا تھا اور جس طرح وہ ایک طرف بادشاہ کی اور دوسری طرف عوام النّاس کی دراز دستی سے فرانس کے آئین حکومت کو محفوظ رکھنے کا دل سے خواہاں تھا اسی طرح ممالک غیر میں بھی اس نے فرانس کی عزّت کا نقش بٹھا دیا کیونکہ ادھر ادھر ہاتھ مارنے کا خیال چھوڑ کر وہ ان اصول پر ثابت قدم رہا جن کی پابندی کا ممالک غیر سے ذمہ لے چکا تھا۔ اس کے طاقتور ہاتھ کے نیچے وہ ریشہ دوانیاں موقوف ہو گئیں جو فرانسیسی حکومت ممالک غیر کے انقلاب پسندوں سے کر رہی تھی۔ سارے یورپ کو محسوس ہونے لگا کہ ابھی تک جنگ کا ٹل جانا ممکن ہے اور اگر فرانس نے تلوار کھینچی تو اس کی وجہ ضرور ایسی ہو گی کہ پھر یورپ کی دول عظمیٰ کو فرانس کے خلاف اصولاً متحد ہونے کی بھی گنجایش نہ رہے گی۔ آسٹریہ کی پاپائی ریاستوں میں فوج کشی پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور وہاں کی باغیانہ حکومت کا قلع قمع کر دیا گیا تھا۔ پس اب کاسیمیر پرئیر زیادہ سے زیادہ جو مطالبہ کر سکتا تھا وہ یہ تھا کہ مقبوضہ ممالک کو

جس قدر جلد ممکن ہو خالی کر دیا جائے اور پاپائی حکومت سے اپنی خرابیوں کی اصلاح کے واسطے اصرار کرنے میں آسٹریہ بھی دوسری سلطنتوں کی ہم آہنگ ہو جائے۔ یہ دونوں مطالبے منظور ہوئے اور پہلی مرتبہ حکومت آسٹریہ نے ایک آئینی قسم کی حکومت کی وکالت میں حصہ لیا۔ رومہ کی مجلس مشاورت میں اصلاحات کی تجاویز بالاتفاق مرتب ہوئیں کہ پاپا سے ان پر عمل کرنے کی سفارش کی جائے۔ صلح و آشتی کے قرائن روز بہ روز قوی ہوتے گئے تاآنکہ جولائی ۱۸۳۱ء میں آسٹریہ کی فوج پاپائی ریاستوں سے بالکل رخصت ہو گئی ؎

اب یہ دیکھنا باقی تھا کہ آیا پاپائے گریگوری اور اس کے مذہبی حکام اتنی عقل اور نیک نفسی بھی رکھتے ہیں کہ اُن اصلاحات کو عملی جامہ پہنائیں جن کے وعدے پر فرانس نے عملی مداخلت کرنے سے ابا کیا تھا۔ لیکن اگر اس قسم کی امیدیں تھیں بھی تو وہ

آسٹریہ کی دوسری مداخلت جنوری ۱۸۳۲ء

بہت جلد یاس و ناامیدی سے بدل جانے والی تھیں۔ پادریوں کے بُرے انتظام کی کل اپنے پورے بے ڈھنگے پن کے ساتھ پھر قائم ہو گئی۔ پادری حاکم بن و نوتی نے عفوِ عام کا وعدہ کیا تھا اسے نظر انداز کر دیا گیا اور پاپا نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی یہ تدابیر شروع کیں کہ بطروس ولی کے جھنڈے کے نیچے آوارہ گرد بدمعاشوں کے تازہ جوق بھرتی کرنے لگا۔ پھر شورش برپا ہوئی اور پھر پاپا کی درخواست پر آسٹریہ والوں نے سرحد عبور کی (جنوری ۱۸۳۲ء) کو ان کا ملک میں آنا آزادی کے حق میں زہر تھا لیکن اُن شہروں میں جو پاپائی سرداروں کے جور و بیداد کا ہدف تھے، آسٹروی سپاہ کا محافظ و نگہبان کی حیثیت سے فی الواقع خیر مقدم کیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں آسٹروی جماعہ داروں کا عمل و دخل تھا، وہاں کوئی تشدد اور بدنظمی نہ تھی۔ بایں ہمہ ان فوجوں کا وسط اطالیہ میں محض موجود ہونا ہی امن یورپ کے حق میں خدشے سے خالی نہ تھا۔ اور کاسیمیر پیریئر اس قسم کا آدمی نہ تھا کہ آسٹریہ کا جب جی چاہے اطالیہ پر مسلط ہو جانا

؎ بیانکی: ذلو میزیا، سوم- ۴۸- میبرنک چہارم ۱۲۱- ہیلبرانڈ: گشخٹ فرینک رکیس اوّل ۲۰۶- ہاؤسوں ویل، اول ۳۲- بی اور ایف سرکاری کاغذات نوزدہم ۱۴۲۹- گویزو میموار، دوم ۲۹۰-

جائز رکھتا۔ خط کتابت کی راہ دیکھے بغیر اس نے ایک فرانسیسی فوج انکونا بھیجکر آسٹریہ والوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ اب حریف طاقتیں اطالیہ میں ایک دوسرے کے سامنے استادہ تھیں لیکن پریئیر کا یہ منشا تھا کہ اگر

فرانسیسیوں کا قبضہ انکونا پر۔ فروری ۱۸۳۲ء

اس کا مدمقابل صلح پر آمادہ ہو تو پھر بھی وہ خواہ مخواہ اسے لڑنے پر مجبور کرے۔ اس صورت حال کو آسٹریہ نے گوارہ کر لیا اور فرانسیسیوں نے جس جگہ قبضہ کر لیا تھا وہاں سے انھیں نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ انھی دنوں کا سیمیر پریئیر مرض الموت میں مبتلا ہوا اور جب سفرائے دول نے روّ و قدح اور پاپا نے فرانس کی کارروائی پر اعتراض و احتجاج کیا تو اس نے اپنے بستر مرگ پر ہی پڑے پڑے اس کام کی وکالت و حمایت کی اور کہہ دیا کہ فرانسیسیوں کی انکونا میں موجودگی اہل شورش کے لئے کوئی شہ نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے محض ایک سلطنت کا استحقاق جتانا مقصود ہے جو وسطی اطالیہ پر ایسا ہی معقول دعویٰ رکھتی ہے جیسا کہ آسٹریہ اگر وہ زندہ رہتا تو غالباً وہ اُن اصلاحی تجاویز پر پاپائی حکومت سے بہ اصرار عمل کراتا جو دُول یورپ نے متفقہ طور پر مرتب کی تھیں اور قبضۂ انکونا کو حصول مقصد کا ایک کارگر ذریعہ بنا لیتا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد کسی اصلاح یافتہ حکومت کا پاپائی ریاستوں میں قیام، بلکہ اطالیہ والوں کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ نظر سے غائب ہو گئیں۔ زیر بحث ملک پر آسٹریہ اور فرانس ایک دوسرے کو حسد بھری نگاہوں سے بیٹھے دیکھتے رہے اور یہ قبضہ محض توازن قوت کا مسئلہ بن کے رہ گیا۔ اسی طرح کئی سال گزر گئے تا آنکہ ۱۸۳۸ء میں آسٹریہ نے اپنی سب فوجیں واپس بلا لیں تو فرانسیسیوں نے بھی چپ چاپ انکونا کا بالاحصار پاپا کے حکام قدسی کے حوالے کر دیا۔

دوسرا دنگل جہاں اقدام اور جواب اقدام کی کشاکش میں ہمیں انقلاب جولائی کے کرشمے دیکھنے ہیں، جرمانیہ تھا۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ۱۸۱۵ء کے بعد ہی جرمانیہ کی جنوبی ریاستوں میں نیابتی حکومت کا گو کمزور مگر کسی حد تک کارآمد عنصر معرض وجود میں آ گیا تھا اور کارلز بیڈ کی مجلس وکلا کی مخالفانہ تدابیر کو بھی جھیل کر سلامت رہا تھا۔ بروشیہ میں بادشاہ فریڈرک ولیم کے مواعید جو اپنی قوم سے کئے تھے کبھی پورے

پروشیہ ۱۸۳۰ء میں

نہیں ہوے، اور سازش کی مبالغہ آمیز افواہوں نے سالہاسال تک یہ کام دیا کہ حکومت آئین جدید کے عطا کرنے سے پہلو تہی کرتی رہی۔ ہارڈن برگ کو مرے ہوے مدت گذر چکی تھی۔ ملک کی خارجی حکمت عملی میں نسبتہً زیادہ آزادی کا رنگ آگیا تھا۔ گو توالی انتظام کی شدائد رخصت ہو چکی تھیں۔ بایں ہمہ قوم کے افراد حکومت میں حصہ پانے سے اسی قدر محروم تھے جس قدر کہ زوال نپولین سے قبل۔ فی الواقع، یہ بات مسلم ہو گئی تھی کہ شاہ فریڈرک ولیم کے جیتے جی تو سارے معاملات کو اسی طرح رہنے دینا پڑے گا۔ اور لوگوں کو اپنے فرماں روا سے جو اتنی مدت تک مصائب و آلام اور شہرت و ناموری میں پروشیہ کی قسمت سے مصحوب و وابستہ رہا ایسا انس تھا کہ ملک میں عام طور پر آیندہ بادشاہ کی تخت نشینی تک اپنی اصلاح کے مطالبے کو ملتوی رکھنے کی آمادگی پائی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اہل پروشیہ جیسی اطاعت پسند قوم نہ ہوتی تو بھی نظم و نسق کی پُر وزن خوبیاں اسے اپنی استبدادی حکومت سے مانوس و رضامندی کر سکتی تھی۔ روشن خیالی اور خردمندی سے مداخل و مصارف کی جو تنظیم کی گئی تھی۔ اس کی بدولت مُلک نمایاں طور پہ دولتمند ہو گیا تھا۔ تجارتی ترقی کے راستے میں جو مشکلات حائل تھیں، انھیں دُور اور آمد و رفت کے راستے جاری کر دیئے گئے تھے۔ پھر، سب کے آخر میں ایک کام یہ کیا تھا کہ جرمانیہ کی ہمسایہ ریاستوں سے مسلسل عہد ناموں کے

"زول وریں" ۱۸۲۸ء تا ۱۸۳۶ء

ذریعے اُس "اتحاد کروڑگری" کی بنیاد ڈال دی گئی تھی جس کے تحت "زول وریں" کے نام سے رفتہ رفتہ تمام غیر آسٹروی جرمانیہ کی ریاستیں آگئیں۔ اور جب اس پروشوی نظام سے یکے بعد دیگرے جرمن ریاستیں مربوط ہوئیں تو جرمانیہ کے مختلف اقطاع کی پیداوار جو اب تک چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے سرحدی محاصل کی بنا پر کہیں نہیں آجا سکتی تھی، آسانی سے ملک میں منتقل ہونے لگی اور دوسری طرف اشیائے برآمد کا محاصل بے حد کم ہو گیا کیونکہ اب جو کچھ محصول عائد کیا گیا وہ ملک کی صرف بیرونی سرحد پر وصول کر لیا جاتا تھا۔ اپنے کمزور ہمسایوں سے اسی طرح صبر و تحمل، خردمندی بلکہ فیاضی کے ساتھ داد و ستد کر کے پروشیہ نے آہستہ آہستہ اُن جرمن ریاستوں کو مالی رشتوں کے ذریعے اپنے آپ سے وابستہ کر لیا جو اب سے پہلے آسٹریہ کو اپنا قدرتی مدد تصور کرتی تھیں۔ اس بات کی

پوری احتیاط رکھی گئی کہ سیاسی اتحاد کا کوئی پیرایہ بھی رونما نہ ہونے پائے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب مالی اغراض متحد ہوتی جاتی تھیں تو اسی میں سیاسی اتحاد کا بھی تخم پڑ رہا تھا۔ "زول وریں" کی ہر تدریجی توسیع سے جس طرح اہل پروشیہ کی خوشحالی بڑھی اسی طرح حکومت پروشیہ کی نیکنامی بھی افزوں ہوی اور ہر چند ۱۸۳۰ء سے پہلے جو کچھ اس سلسلے میں ہوا وہ محض ابتدائی مراحل تھے بایں ہمہ رائے عامہ پر اثر ڈالنے کے لئے یہ بھی بہت کافی تھا۔ غرض دوسرے اسباب اور مرفہ الحالی کے اسی احساس نے مل کر پروشیہ میں ۱۸۳۰ء کے انقلابی میلان کو آگے نہ بڑھنے دیا۔

لیکن پروشیہ کے سوا شمالی جرمانیہ میں اور بھی ریاستیں تھیں جن میں پروشوی استبداد کے تمام نقائص تو موجود تھے مگر ان کا کوئی نعم البدل نہ تھا۔ برنزوک اور ہس کاسل میں مطلق العنانی کی سب سے نابکار صورت پائی جاتی تھی کہ ایک جگہ تو ایک نیم مجنون جوان کے تشدد اور دوسری ریاست میں ایک خودرائے احمق کی ترنگوں نے حکومت کو رعایا کے لئے عذاب جان بنا دیا تھا۔ چنانچہ یہاں بغاوت نے سر ابھارا۔ جو رئیس زد میں آئے وہ پہلے ہی عام طور پر ایسے نابکار یا قابل مضحکہ سمجھے جانے لگے تھے کہ کسی نے ان کی کوئی حمایت نہ کی۔ ان کے اخراج پر کسی نے ماتم نہ کیا بجز میٹرنک کے جس کی ایسے موقعوں پر نوحہ خوانی امر ناگزیر تھی۔ اور دونوں ریاستوں میں معزول بادشاہوں کے جانشینوں نے نیابتی حکومت رائج کر دی۔ ہنوور و سیکسنی میں بھی اسی طرح کی آئینی بادشاہی کے لئے شورش کا آغاز ہوا۔ لیکن اس سلسلے میں جو ہنگامے برپا ہوئے وہ کچھ بہت اندیشہ ناک نہ تھے اور وہاں کی سرکاروں نے بھی نرمی اور صلح جوئی سے کام لیا۔ یعنی آئینی نظام کی منظوری دی۔ اخباروں کو مزید آزادی عطا کی اور عدالتی تحقیقات بذریعہ جوری کا طریقہ جاری کر دیا۔ غرض جہاں تک شمالی جرمانیہ کا تعلق ہے ۱۸۳۰ء کی تحریک مجموعی طور پر معقولیت کے ساتھ چلائی گئی اور بہت مفید نتائج برآمد ہوئے۔ نظام حکومت میں قابل قدر تغیرات بھی ہو گئے اور انقلاب انگیز وسائل کو بھی احتیاط ہی سے کام میں لایا گیا۔ بلکہ بعض اہم تر صورتوں میں یہ تغیر والیان ریاست کے دوستانہ اشتراک سے حاصل ہوا۔ پھر اگر مجموعی طور پر ممالک جرمانیہ دوبارہ اسی رجعت و استبداد کی مصائب کا شکار ہوئے

برنزوک اور کاسل کی شورشیں۔

ہنوور اور سیکسنی میں آئینی حکومت ۱۸۳۰ء تا ۱۸۳۳ء۔

جو دس سال پہلے انھیں اٹھانی پڑی تھیں، تو اس میں اُن لوگوں کی کچھ خطا نہ تھی جنھوں نے شمالی جرمانیہ کے واسطے بھی اسی قدر آزادی کی استدعا کی جس قدر کہ اہل جنوب کو پہلے سے حاصل تھی۔

بلجیم اور رہائن کے صوبوں کی طرح امارتِ بوریہ بھی بیس سال تک فرانس کے ساتھ ملحق رہی تھی۔ اس کے باشندے فرانسیسی آئین و قوانین کے عادی ہو گئے تھے اور ان میں کسی حد تک وہ سیاسی زندگی بھی متعدی ہو گئی تھی جس نے نپولین کے استیصال کے بعد فرانس میں عود کیا۔ چنانچہ میونک کی صدر حکومت نے انقلاب جولائی سے خوفزدہ ہو کر تشدد آمیز تدابیر کا ارادہ کیا تو یہی امارت (پیلے ٹی نیٹ) جو بوریہ کی بادشاہی سے جدا ہو کر فرانس سے مربوط ہو گئی تھی، انقلابی شورش کا سرچشمہ بن گئی۔ اس علاقے کے

پیلے ٹی نیٹ میں انقلابی تحریک

اخباروں میں پہلے سے خاصی قوت اور سرگرمی آگئی تھی اور گو ترقی طلب گروہ کے سرگروہ ابھی تک زیادہ تر اساتذہ تھے، تاہم وہ ۱۸۱۸ء کے محبانِ وطن سے اس قدر ضرور آگے تھے کہ یہ سمجھتے تھے کہ جرمن قوم کی رستگاری جامعات کے طلبہ اور درس دینے والوں کے ذریعے تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ لہٰذا انھوں نے منصوبہ سوچا تھا کہ ہر طبقے کے افراد کو اصلاح جو فریق میں اس طرح بھرتی کریں کہ سیاسی معلومات تحریر کے ذریعے شائع کی جائے اور اس قسم کی انجمنیں بنائی جائیں جو ۱۸۱۸ء کی طرح نہ ہوں کہ سوائے علمی حلقوں کے ان میں اور کسی جماعت کا آدمی نہ لیا جاتا تھا بلکہ اب سپاہی، سوداگر، پیشہ ور سبھی قسم کے لوگ داخل کئے جاسکیں۔ کسانوں تک پہنچنے اور انھیں اپنے شہری فرائض و مفاد سے آگاہ کرنے کی بھی تجویز تھی۔ باور کیا جاتا تھا کہ اگر تمام جرمن مجالس ملکی کے مخالف فریقوں کو ایک دائرے میں لایا جائے تو اس سے بہت کچھ کام نکل سکے گا۔ لیکن اس انقلابی تحریک کا جو امارت بوریہ میں پک رہی تھی، قابل حیرت پہلو اور جلنا اور ارفورٹ کی سابقہ شورش سے بالکل مختلف خصوصیت یہ تھی کہ اس کا مشرب وسیع ہمہ گیر تھا۔ چنانچہ وہاں فرانس کی کامیابی اور پولینڈ کی جانکنی دونوں سے دلچسپی اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے۔ دونوں صورتوں میں یورپ کی آزادی کا مقصدِ عام معرضِ بیم و رجا میں نظر آتا تھا۔ پولینڈ کے جھنڈے کی متحدہ جرمانیہ کے

علم کے پہلو بہ پہلو سلامی اُتاری گئی اور اس وقت کے بعد بلدیۂ پیرس کی ۱۸۷۱ء کی بغاوت تک، قریب قریب یورپ کی ہر انقلابی تحریک میں پولینڈ کے جلاوطن بغاوت کی تنظیم کرنے اور میدان جنگ میں پیش پیش رہے۔

وارسا کی تسخیر (ستمبر ۱۸۳۱ء) سے قبل جرمن حکومتیں مذبذب تھیں کہ دیکھا چاہیئے یورپ کے معاملات کونسی کروٹ لیتے ہیں اور اسی لئے وہ کسی حد تک اپنی رعایا کی شکایات رفع کرنے پر متوجہ تھیں علی الخصوص اخباروں کی نگرانی میں انھوں نے

جرمانیہ میں رجعت

نرمی کر دی تھی۔ سقوط وارسا نے بہت سے اندیشوں کو فرو کر دیا۔ زار نکولاس کو اپنے ممالک محروسہ کے باہر پھر ایک قوت بنا دیا اور اسی نے جرمانیہ میں رجعت کے دَور کا آغاز کیا۔ ریاست ہائے جرمانیہ کی مجلس (ڈوائٹ) نے آزاد خیالی کے خلاف جہاد اس طرح شروع کیا کہ مختلف آزادی پسند اخبار حکماً بند کر دیے اور انھی میں امارت بویریہ کا سب سے بڑا اخبار تھا۔ یہاں اور دوسرے مقامات پر جو شورش بپا ہوی وہ اسی تشدد کی مخالفت میں تھی۔ زوی بروکن کے قریب قلعہ ہیمبک میں ایک میلہ یا مظاہرہ کیا گیا۔ جس میں پرجوش اشخاص کی ایک جماعت نے جرمن باشندوں کو ابھارا کہ وہ اپنے ستمگروں کے خلاف متحد ہو جائیں اور بعض افراد نے تو اصرار کیا کہ فوراً لوگوں کو اسلحہ سنبھالنے کی دعوت دی جائے۔ اگرچہ چھوٹے پیمانے پر مگر اسی قسم کے جلسے جرمانیہ کے دوسرے حصوں میں بھی منعقد ہوے۔ نہایت بیباکانہ الفاظ کثرت سے استعمال کئے گئے اور جرمن انقلاب پسندوں کا تعلق اس جماعت سے علانیہ تسلیم کیا گیا جو ہر حکومت وقت کی دشمن اور پیرس میں اپنا دارالندوہ رکھتی تھی اور لافیئت اس کا صدر نشین تھا۔ یہ بازاری تقریریں تھے کیسے ہی کمزور و حقیر تھے، ان کی یاوہ گوئی سے میٹرنک اور مجلس جرمانیہ کو کافی حیلہ مل گیا۔ کہ ۱۸۱۹ء کی رجعتی تدابیر کو از سر تو نافذ کر دیا جائے۔ مجلس نے دوبارہ یہ کلیہ بنایا کہ تمام نیابتی مجالس کا اپنے فرمان روا کے تابع فرمان ہونا" ہر جرمن ریاست کا لازمی اصول ہوگا۔ کسی مجلس کا مصارف سرکاری کے لئے محاصل کی منظوری دینے سے انکار کرنا ایک باغیانہ فعل قرار دیا گیا جس کے انسداد کے واسطے دَول وسطی مناسب سمجھیں تو فوجی مداخلت کر سکتی تھیں۔ تمام سیاسی جلسے اور انجمنیں خلاف قانون قرار دی گئیں۔

مطابع کی زبان بندی کر دی اور باہر کی مطبوعہ جرمن کتابوں کی درآمد روک دی گئی۔ نیز جماعات کو دوبارہ پولیس کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ (جولائی ۱۸۳۲ء)[1]

اگرچہ جرمانیہ کے چھوٹے والیان ریاست میں بعض، جیسے بیڈن میں، ایسے تھے جو دل سے آزاد آئین کی ترقی کے خواہاں تھے تو ان کی مخالفت میٹرنک اور اس کے رجعت پسند رفیقوں کے مقابلے میں کچھ نہ چل سکی اور ہر جگہ استبداد کے شکنجے سیاسی ترقی کے حامیوں کو کس لیا۔ آزاد خیال جرمنوں کی تعداد کثیر انقلابی کارروائی کرنے کے لئے ابھی تک تیار نہ تھی۔ وہ زمانے کے دباؤ میں آگئی اور اس نے خلاف قانون کاموں سے اپنا کوئی واسطہ نہ ہونے کا اعلان کیا۔ مگر قلیل تعداد ایسی بھی تھی جس نے سمجھ لیا تھا کہ آئینی ذرائع سے کچھ کام نہیں نکل سکتا لہٰذا اس نے سازشیں شروع کیں اور تہیہ کیا کہ جرمانیہ کو بزور آزاد کرایا جائے۔

فرینک فرٹ میں اقدام بغاوت اپریل ۱۸۳۳ء

ایک حقیر سے گروہ نے فرانس میں آئے ہوئے پول دستوں کی فوجی اعانت پر بھروسہ کیا اور ورٹم برگ کے بعض سپاہیوں کے وعدوں سے دھوکے میں آکر، فرینک فرٹ میں فی الواقع بغاوت کر دی۔ ایک فوجی چوکی پر قبضہ ہوگیا اور کچھ سپاہی بھی گرفتار ہوئے لیکن فرینک فرٹ کے عام باشندے الگ تھلگ رہے اور بہت جلد امن امان ہوگیا۔ (اپریل ۱۸۳۳ء) کوئی توقع نہ کرسکتا تھا کہ رجعت پسند سرکاریں اپنے مخالفوں کی اس بے محل شورش سے پورا فائدہ نہ اٹھائیں گی۔ پروشیہ کی سپاہ فرینک فرٹ میں داخل ہوئی اور میٹرنک کو یہ حکم مجلس میں منظور کرا لینے میں کوئی وقت نہ پیش آئی کہ ایک جماعت خاص مقرر کی جائے جو اُن مقدمات کی خبرگیری رکھے اور رودادم تب کرے جو تمام اضلاع جرمانیہ میں سیاسی ملزمین کے خلاف چلائے جائیں۔ یہ تحقیقات کئی سال تک ہوتی رہی اور حکومت کے مخالفین پر مختلف ریاستوں میں مختلف درجے کی تعدی کا بازار گرم رہا۔ تقریباً دو ہزار اشخاص پر مقدمے چلائے گئے۔ پروشیہ ہی میں ۳۹ کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا اگرچہ اس پر عمل نہیں ہوا۔ بادشاہی کی قوتوں نے انقلاب کے ساتھ لڑائی میں قطعی کامیابی حاصل کرلی جس طرح ۱۸۱۹ء میں ہوا تھا اسی طرح اب دوبارہ جرمانیہ کو

---

[1] اس بیان کے لئے سرو کیمبرج، صفحہ ۳۷۱؛ میٹرنک، پنجم، ۳۴۷۔ بیڈرمین، ورٹی ییک جاہر، اول، ۶۔

تجربہ ہوا کہ متحدہ ریاستوں کے آئین اور محکمے جن سے قومی اتحاد پیدا ہونا چاہیئے تھا محض جبر و استبداد کے لئے بنے تھے۔ آزاد خیال گروہ کی ناکامی کے باوجود راعی اور رعایا کے درمیان اختلاف کی جو خلیج تھی وہ پہلے سے زیادہ چوڑی اور گہری ہوگئی۔ میٹرنک نے ایک مرتبہ پھر زمانے کی روز افزوں بےچینی پر فتح پائی اور دس برس اور خیالی اطمینان و حفاظت کے مزے لیتا رہا لیکن یہ فتح اس کی آخری کامیابی تھی اور اگلی سرکشی نے ثابت کر دیا کہ وہ لافِ سیاست دانی کس قدر غلط تھا جس نے خطرے کی علامتوں کو صرف تہ کے نیچے اُتار دینے کے بعد یہ قیاس کیا تھا کہ اس کی جڑیں اُکھڑ گئیں۔

اب یورپ کے آدھے ملکوں میں ایسے مایوس شمشیر برہنہ افراد کے گروہ موجود تھے جنھوں نے زندگی کا مقصد ہی یہ بنا لیا تھا کہ حکومتوں کے خلاف سازشیں کریں۔

سازشی اور جلا وطن

اور خیالات و مقاصد کی یکسانیت نے ان سب کو باہم متحد کر کے "اتحاد مقدس" کا گویا ایک جواب تیار کر دیا تھا جس میں بادشاہوں کے دشمن شریک تھے۔ یا سیاسی اصول و عقائد کی ایک ایسی جمعیت جس میں آزادی اور انسانی حقوق، حکومت حاضرہ کے مقابل اس طرح کھڑے تھے جیسے تاریکی کے مقابلے میں روشنی پھر جُوں جُوں حکومت کے شکنجے نے ہر جگہ اپنے مخالفین کو زیادہ شدت سے کسنا شروع کیا، اسی نسبت سے ایسے لوگ زیادہ تعداد میں خارج الوطن ہونے لگے۔ انھیں میں جنووا کا ماذِنی تھا جو ۱۸۳۱ء میں قید کی سزا پا کر مارسیلز چلا آیا اور وہاں بہت سی خفیہ انجمنوں کے میل سے اس نے اطالیہ کے صوبہ سوائے پر حملہ کرنے کی پختہ ٹھان لی۔ اوّل اوّل ارادہ یہ تھا کہ یہ کارروائی جرمنوں کی بغاوتِ فرینک فرٹ کے ساتھ ساتھ کی جائے۔ لیکن تاخیریں ہوتی رہیں اور آیندہ سال کے آغاز سے پہلے یہ نہ ہو سکا کہ یہ چھوٹی سی فوج جس میں اطالیہ والوں کی نسبت پولون کی تعداد زیادہ تھی، مہم پر جانے کے لئے تیار ہو جاتی۔ بہرحال، فروری ۱۸۳۴ء میں جنیوا سے حملے کا آغاز اور سخت ناکامی پر اس کا خاتمہ ہوا۔ ماذِنی، سوئٹزرلینڈ میں واپس چلا آیا جہاں کی جمہوری حکومت کی پناہ میں

عہ۔ ماذِنی: "اسکرتی" سوم۔ ۲۱۔ سیمونی: "کونش پی ریشنز ماذی نی نیں" صفحہ ۵۲۔ میٹرنک۔ پنجم ۵۲۶۔ بی اور ایف سرکاری کاغذات چہار دہم ۹۷۹۔

صدہا جلا وطن فراعنہ یورپ پر حملے کے منصوبے پکا رہے تھے اور خود سوئزرلینڈ کے اُن شہروں میں جنھوں نے ان کو پناہ دی، آزادی کے نام سے ہنگامہ بھی بچا دیتے تھے۔ اس زمانے کی انقلابی تحریک کا یہ نتیجہ صاف نظر آنے لگا کہ مشرقی سلطنتیں جن کے اتحاد کو یونان کی جنگ آزادی نے بُری طرح توڑ پھوڑ دیا تھا، پھر آپس میں شیرازہ بند ہو گئیں۔ گذشتہ خریف میں روس و آسٹریہ کے فرماں روا بوہیمیہ کے شہر مونکن گراٹز میں باہم ملاقی ہوئے اور عملی تدابیر کے وہ مشترکہ اصول قرار دے چکے تھے کہ اگر امن شکنوں کے خلاف ضرورت ہو تو ان اصول کے مطابق مداخلت کی جائے۔ اسی بنا پر اب انھوں نے سوئزرلینڈ کی حکومت کو مراسلے بھیجے کہ ان لوگوں کو جو ہمسایہ ممالک کے امن میں خلل انگیزی کی کارروائیوں میں حصہ لے رہے ہیں، اپنے علاقے سے خارج کر دے۔ بعض بلدیات میں انفرادی طور پر اس مطالبے کی کچھ مخالفت بھی ہوی لیکن خود پناہ گزینوں کی بیہودگیوں نے عوام الناس کو اپنی جانب سے بددل کر لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی کثیر تعداد جبراً سوئزرلینڈ سے نکال دی گئی اور اسے انگلستان یا امریکہ میں پناہ لینی پڑی۔

سوئزرلینڈ کے پناہ گزینوں کا اخراج سنہ ۱۸۳۴ع

جلاوطنوں کے اس مرکزی گروہ کے انتشار سے وہ علانیہ اتحاد رفتہ رفتہ مٹ گیا جو یورپ بھر کے انقلاب پسندوں کے درمیان قائم ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کی برادری ایک تلخ حقیقت ثابت ہوی اور قوموں کی برادری محض سراب نکلی۔ جو ماز نی ابھی تک انقلاب انگیز مہر غنوں کی بھیڑ میں شکل سے کوئی امتیاز پا سکا تھا۔ اور اس کا یہ ثابت کر دکھانا ہنوز باقی تھا کہ کس طرح فرد واحد جو ایک عالم کی طاقتوں کے مقابلے میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا، اپنی ذاتی فطانت، بلند خیالی اور قلبی جوش کی بدولت اپنے زمانے کی تاریخ کا رنگ کچھ سے کچھ بدل سکتا ہے۔ لیکن وہ آگ جس نے طلائے خالص کو چمکایا، ناقص و ناپاک اجزا کو جلا گئی۔ بہت سے لوگ جنھیں سنہ ۱۸۳۰ء کے بعد بڑی بڑی امیدیں تھیں، مایوس ہو کے بیٹھ رہے یا ان کی زندگیاں محض پریشان کن شورش و ریشہ دوانی کی نذر ہوئیں۔

یہ انقلابی تحریک سب سے زیادہ عرصے تک کہیں قائم رہی تو وہ ملک فرانس تھا لوئی فلیپ کی بادشاہی کے پہلے سال اس کی حکومت سے جو مخالفت رونما ہوی اس کی تہ میں جمہوریت کا اتنا جوش نہ تھا جتنا یہ بقیا بو اور محل نشناس ولولہ کہ ان لوگوں کے ساتھ

جو دوسری ممالک میں آزادی کے لئے تڑپ رہے تھے، کوئی ہمدردی کی جائے بلکہ اُن کی طرف سے فرانس میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ میثاق ۱۷۹۲ء کی وہ مشہور دفعہ کہ ہر قوم کو جو اپنی حاکموں کے خلاف سرکشی کرے فرانس مدد دے گا، فی الواقع ۱۸۳۱ء میں فرانسیسیوں کے حصۂ اعظم کے جذبات کا صحیح آئینہ بن گئی تھی۔ اوران پرجوش سودائیوں کی

لوئی فلیپ کی دشواریاں

نظر میں لوئی فلیپ نے جو پولینڈ اور اطالیہ کو بغیر تلوار کھینچے، سرنگوں ہوجانے دیا یہ اس نے ملک فرانس کی عزت کو ایسا بٹہ لگایا جو کسی طرح قابلِ معافی نہ تھا۔ یہ بات، کہ اگر فرانس مشرقی دولِ ثلاثہ میں سے کسی ایک کی باغی رعایا کی اعانت کرتا تو اسے ان تینوں متحدہ سلطنتوں سے لڑنا پڑتا، پیرس کے پرشور مقررین اور مجلس مبعوثین کے گروہ قلیل کے نزدیک گویا کوئی معنی ہی نہ رکھتی تھی۔ ان لوگوں کو کاسیمیر پریئر کی امن پسندی کی نسبت سخت غلط فہمی رہی اور اسے وہ محض نامردی اور تملق پسندی سمجھے حالانکہ حقیقت میں یہی وہ طرزِ عمل تھا جو فرانس کو اُن مصائب کے اعادے سے محفوظ رکھ سکا جو ۱۸۱۵ء میں اس پر پڑی تھیں۔ بادشاہ اور وزرا سے لوگوں کی ناراضامندی کے اور اسباب بھی تھے لیکن سب میں پہلا سبب یہی امن پسندی کی حکمتِ عملی تھی۔ پھر جب مخالفین کے حملے زیادہ شدید و عناد آمیز ہونے لگے تو کاسیمیر پریئر کی حکومت بھی رفتہ رفتہ زیادہ جابرانہ قسم کی ہوگئی۔ انقلاب جولائی کہ اتنے معمولی نتائج بھی لوگوں کی امید کے خلاف تھے اور اس نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔ وہ قوتیں جو چارلس دہم کے خلاف جنبش میں آگئی تھیں، اب صرف ان کے اشارے پر خاموش ہوجانے والی نہ تھیں جنھوں نے اس انقلاب سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ بالآخر ایک جمہوری فریق رفتہ رفتہ باقاعدہ مرتب ہوگیا۔ فساد پہ فساد بپا ہونے لگے۔ ۱۸۳۲ء کی گرمیوں میں ایک ہر دلعزیز

بغاوتیں ۱۸۳۲ء تا ۱۸۳۴ء

فوجی جنرل لیمارک کے جنازے کا اٹھنا بارود کے لئے شتابے کا کام دے گیا اور پیرس میں بغاوت برپا ہوگئی۔ بازاروں میں سخت لڑائی ہوتی رہی لیکن "فستون وطینہ" نے بادشاہ کا حق نمک حلالی ادا کیا اور فتحمندی کے اعزاز و اکرام میں دوسری فوجوں کے ساتھ حصہ دار ہوا۔ حکومتِ مستقلہ پر اس پہلے ہتھیار بند حملے کا نتیجہ یہ ہوا کہ پُرتشدد تدابیر اختیار کی گئیں اور فساد انگیز "مضمون نگاروں" کے خلاف دار و گیر کا غیر منقطع سلسلہ شروع ہوگیا۔

اس پر فرقِ اختلاف کی بیزاری اور پیشہ ور طبقہ کی ناراضی چارلس دہم کے عہد سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئی۔ انقلابی انجمنوں اور انقلابی تقریر و تحریر نے سارے ملک میں شورش برپا کر دی۔ فرانس میں صنعت و حرفت کی ترقی سے آجر و اجیر کے منازعات کی کثرت اور اہمیت بھی زیادہ ہو گئی تھی، اب ان منازعات نے ایک سیاسی رنگ اختیار کیا۔ اطالیہ اور پولینڈ کے جلاوطنوں نے اپنی اغراض کو اُن حملوں سے وابستہ کر دیا جو اندر سے فرانسیسی حکومت پر کئے جائیں۔ اور جب تجارتی گروہ بندی کے خلاف ایک قانون نافذ ہوا تو آخر کار اپریل ۱۸۳۴ء میں لیونز کے مزدور جو اپنے آجروں کے مقابلے میں ہڑتال کر رہے تھے، فساد پر آمادہ ہو گئے۔ یہ ہنگامہ کئی دن کی لڑائی کے بعد فرو ہوا۔ انہی کے ساتھ ساتھ، سینٹ اتین، گرے نوبل اور جنوب و وسطِ فرانس کے اور بہت سے مقامات میں بلوے ہوئے ایک جگہ سے اہل فساد کے کامیاب ہونے کی اطلاع پیرس پہنچی تو یہاں بھی جمہوریت کی منادی کر دی گئی اور مورچے بنا لئے گئے ایک مرتبہ پھر گلی کوچوں میں خانہ جنگی ہونے لگی اور اس مرتبہ بھی سرکاری افواج نے غلبہ حاصل کیا۔ پھر ایک سال تک گذشتہ فساد کی جو تحقیقات ہوئی اور قیدیوں کی فوج کی فوج پر مقدمے چلائے گئے اس نے عام لوگوں کو مطمئن کرنے کی بجائے، کچھ کیا تو آشفتہ ہی کیا۔ اور ۱۸۳۵ء کی گرمیوں میں بادشاہ کی جان لینے کا ایسا اقدام کیا گیا کہ بذاتہ سخت ہولناک اور عواقب کے اعتبار سے ایک قومی سانحہ تھا۔ شرح اس اجمال کی یہ کہ بادشاہ انقلاب جولائی کی سالگرہ کی تقریب میں جلوس کے ساتھ پیرس کے بازاروں سے گزر رہا تھا کہ کورسیکا کے ایک باشندے فیئیشی نامی نے سَو نال کی ایک جہنمی کل اُس پر داغ دی۔ چودہ آدمی وہیں کے وہیں ہلاک ہوئے جن میں فرانس کا ایک دیرینہ سال سپہ سالار مورتیر بھی تھا۔ اور بہت سے اشخاص کے مہلک یا بہت سخت زخم آئے۔ بایں ہمہ خود بادشاہ اور اس کے تینوں بیٹوں کو کوئی گزند نہ پہنچا اور پھر

انسدادی قوانین
ستمبر ۱۸۳۵ء

جو انسدادی قوانین اس جرمِ عظیم کی بنا پر نافذ ہوئے انھوں نے فرانس میں انقلاب کے علانیہ ہنگامے کا خاتمہ کر دیا۔ ان جدید قوانین کی شدت کا اثر سمجھئے یا اس گروہ کی طاقت ٹوٹ جانے کا سبب کہئے۔ جو اپنے بعض افراد کے جرائم اور بہت سے افراد کی بے اعتدالیوں کے باعث

ملک میں رسوا ہو گیا تھا، کہ بظاہر لوئی فلیپ کی آئینی بادشاہی نے اب کامل طور پر اپنے دشمنوں کو مغلوب و سرنگوں کر دیا۔ بادشاہ کی جان پر بعد میں بھی بار بار حملے ہوئے مگر ان میں سے اکثر کوئی سیاسی اہمیت نہ رکھتے تھے۔ مجموعی طور پر اہل ملک اس انتظام ہو جانے سے خوش ہوئے۔ اور اگرچہ اشتراکی نظریہ اور اصولِ تمدن کی اسی زمانے میں بنا پڑی اور وہ قوت بھی حاصل کرنے لگا جس سے حکومتوں کو نہ صرف سیاسی بلکہ بزرگ تر خطرہ تھا، لیکن یہ اشتراکیت مجلس ملکی یا صنعتی دنیا کے عملی کام کرنے والوں میں دخل پانے کی بجائے ابھی زیادہ تر اربابِ فکر و حکمت تک محدود تھی۔ مجلس کے باہر تو سرکار نے اپنے دشمنوں کو پامال کر دیا۔ مجلس کے اندر بھی انتہا پسند گروہوں کا کوئی خاص رسوخ باقی نہ رہا۔ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بن گئیں اور ان کے رہنما ایک دوسرے کے حریف بن کر سرکاری مناصب کے واسطے آپس ہی میں لڑنے لگے۔ حالانکہ یہ لوگ مقاصد کے اعتبار سے باہم کوئی بہت گہرا اختلاف نہ رکھتے تھے اور نہ ان میں سے کسی کو آئینی اصول سے مخالفت کی کوئی خصوصیت حاصل تھی۔ لوئی فلیپ کے آیندہ سنین حکومت میں، سیاسی فرقوں کی اسی رقابت کے سوا، جو آئینی حکومتوں میں معمولاً ہوا کرتی ہے، اور کوئی چیز سطح کے اوپر نظر نہ آتی تھی۔ متوسط طبقے نے اقتدار کا جو ٹھیکہ لے رکھا تھا وہ بدستور اس کے قبضے میں تھا۔ اور حکومت، مثل سابق مرکزی تھی اور زمانۂ قدیم کی طرح اس کا ملک میں تمکین و وقار قائم تھا۔ امتیاز صحیح کے ساتھ وہ اہل اختلاف کو مال و مناصب سے سرفراز کرتی اور مخالفت کو نرم کرتی رہتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ انقلاب کا ہیجان رفتہ رفتہ نابود ہو گیا۔ اہل بغاوت اور حکومت کی آویزشوں کی بجائے، جو بیم و رجا اور پریشانیوں کا موجب ہوتی تھیں۔ اب فرانس ان شکستوں یا کامیابیوں کے ہنگامے رہنے لگے جو مجلس مبعوثین کے ایوان میں مختلف سیاسی فریقوں کے سرگروہ ایک دوسرے پر حاصل کرتے تھے۔

انگلستان کی تحریک اصلاحات

۱۸۳۰ء کے فرانسیسی انقلاب اور انگلستان کے قانونِ اصلاحات میں زمانے کی ایسی مطابقت پائی جاتی ہے کہ جو لوگ تاریخ میں ہمہ گیر اسباب کے عمل کی جستجو کرتے ہیں، ان کا ذہن اس طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ انگلستان کی تحریک اصلاح کو اسی سیاسی تغیر کے سیلاب کی ایک رَو سمجھا جائے

جو اُن دنوں سارے یورپ پر پھیل گیا تھا۔ لیکن امعانِ نظر سے دیکھئے تو واقعات سے اس خیال کی تصدیق کرنی دشوار ہے اور تغیّر کے اِن دو دوروں کی ہم زمانی، میں اتفاقی ہونے کے سوا مشکل ہی سے اور کوئی مناسبت نظر آتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ برّاعظم یورپ کے زیادہ ترقی یافتہ ممالک کی ساری تاریخ میں ایک عام یکسانی ایسی چلی گئی ہے کہ کسی سرسری مطالعہ کرنے والے کو جو اندازہ ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس سے زیادہ گہری ہے۔ لیکن مطابقت کے اس دائرے میں انگلستان ہر موقع پر ان ممالک کے دوش بدوش نہیں رہا۔ اس کے برخلاف، ایسی صورتوں میں بھی جو انگلستان اور دوسرے ملکوں میں مشترک تھیں، انگلستان کے حالاتِ خصوصی تمام اثرات پر غالب آگئے اور اس سے بعض اوقات مماثلت کی بجائے مباینت رونما ہو گئی جیسے کہ نپولین کے دَور میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہی اسباب جنھوں نے براعظم کے نصف مغربی کو ایک نقطے کی طرف کھینچ لیا، انھوں نے ہمارے ملک کو عصرِ حاضر کے اثرات سے اُلٹا خارج رکھنے میں بڑی قوت سے عمل کیا۔ اور ذوق و عقائد و آرا میں ۱۸۱۵ء کے انگلستان کو ۱۷۸۹ء کے انگلستان کی نسبت ممالک یورپ سے بالکل غیر و جداگانہ بنادیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس انقلاب نے جس نے چارلس دہم کا تختہ الٹا، برطانیہ کے اصلاح طلب فرقے کو بھی تقویت اور حرارت بخشی۔ لیکن بلجیم، جرمانیہ اور اطالیہ کی تحریکات کے برخلاف، اگر وہ بغاوت جو چارلس دہم کے حکمناموں کے خلاف برپا ہوئی دبادی جاتی اور بوربنوں کی بادشاہی پہلے سے زیادہ قوت و ناموری کے ساتھ قائم رہتی تو بھی اس میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا کہ انگلستان کی تحریک اصلاح جاری رہتی اور اُنھی نتایج سے بہرہ مند ہوتی۔ پارلیمنٹ کی اصلاح کی ضرورت کا تو چالیس برس پہلے اعتراف کر لیا گیا تھا بلکہ پٹ نے فی الواقع اس کی تجویز ۱۷۸۵ء میں پیش کر دی تھی اور اگر فرانسیسی انقلاب بپا نہ ہو جاتا تو غالباً وہ اسی صدی کے ختم ہونے سے پہلے ان تجاویز کو عملی جامہ پہنا دیتا۔ لیکن ۱۷۹۰ء سے ۱۸۳۰ء تک انگلستان کے صنعتی کاروبار نے جو ترقی کی اور اسی کے قدم بہ قدم جس سرعت سے قصبات کی آبادی اور دیہات کے متوسطین کی دولت میں اضافہ ہوا، اُس نے پٹ کی اس تجویز کو کہ زوال پذیر قصبوں کی بجائے نیابت کا حق صرف اضلاع کو منتقل کر دیا جائے، بیکار کر دیا۔ اور آبادی کے نئے مرکزوں کے دعاوی کو تنا قوی کر دیا کہ ان کو مسترد کرنا محال ہو گیا۔ اصولاً ملک کا نیابتی نظام بالکلیہ بدل دیا گیا

لیکن یہ جدید آئین جس نے بظاہر تغیر کے بے اندازہ امکانات کا دروازہ واکر دیا ایسا کامل محفوظ اور کامل قدامت پسندی کا نمونہ تھا کہ پہلے کبھی ایسا دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ یعنی گو تجارتی طبقوں کے دولتمند گروہ کو مزید رسوخ حاصل ہوگیا، تاہم دارالعوام کی رکنیت بدستور خاندانی جاگیرداروں کے ہاتھ میں رہی۔ یکے بعد دیگرے بہت سی وزارتیں بنیں مگر ان سب میں مشکل سے کوئی وزیر ایسا مقرر ہوا ہوگا جو خطاب یافتہ امیر یا طبقہ امرا سے قریبی تعلق نہ رکھتا ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جدید آئین نیابت سے مراتب خاندانی کا فرق باطل نہ ہوا۔ اور ہر چند اس قسم کی تدابیر جیسے اصلاح بلدیات وغیرہ اس بات کی دلیل تھیں کہ واضعان قوانین میں تازہ حرارت و سرگرمی آگئی ہے بایں ہمہ وہ گروہ جس نے مخفی رائے دہی یا سہ سالہ پارلیمنٹ قائم کئے جانے کی تائید کی (یعنی ایسی تجویزوں کی جن میں جمہوریت پسندی پائی جاتی تھی)۔ اس کی تعداد دارالعوام میں سب سے کم تھی۔ اسی طرح قوانین غلہ پر بھی کسی نے خاص طور پر کوئی التفات اُس وقت تک نہ کی جب تک کہ قحط نے ان کا اجرا ناگزیر نہ کر دیا۔ جب آبادی میں بہت زیادہ افزائش ہوئی اور سرکاری قوانین اور انفرادی سخاوت دونوں ان ہنگامی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے میں قاصر رہے جو صنعت و حرفت کی غیر معمولی ترقی نے پیدا کر دی تھیں اور ان اسباب سے ۳۲ء کے بعد انگلستان میں عام تکلیف و مصیبت کا سامنا ہوا تو لوگوں کا ان تکالیف کو چپ چاپ برداشت کر لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ قانون اصلاحات راعی و رعایا کے درمیان صلح و داد قائم کرنے میں کس درجے کامیاب رہا۔ لیکن اصلاحات ۳۲ء کی ضرورت کی سب سے ممتاز دلیل، اور ان معترضین کا جنھوں نے ان اصلاحات کو انقلاب انگیز بتایا تھا، مسکت جواب آگے چل کر ۱۸۴۸ء ہی میں میسر آیا جب کہ یورپ کے سیاسی زلزلوں میں بھی انگلستان کی بادشاہی اور آئین کو کوئی جنبش نہ ہوئی۔ لارڈ گرے کا یہ قانون وضع کرنا گو ان صاحبوں کو بڑی جسارت کی بات نظر آتی تھی جنھوں نے ۱۷۹۳ء کے بعد انگلستان کے دورِ رجعت پسندی میں پرورش پائی تھی لیکن حقیقت میں یہ قانون ان جدّت انگیز قوانین کی قسم میں داخل نہیں ہے جو قوموں کی زندگی میں نئے دَور کا افتتاح کر چکے ہیں بلکہ اس کا شمار اس صنف قوانین میں ہے جنھوں نے قوم کی عام ترتیب و تنظیم پر تو بہت ہی خفیف اثر ڈالا البتہ سیاسی پاسداری اور انقلابی تغیر سے ملک کو بچانے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا۔

باب چہارم

فرانس اور انگلستان ۱۸۳۰ء کے بعد۔ معاملات پرتگال۔ ڈون میگوئیل۔ ڈون پدرو کی فوج کشی۔ فرڈی نینڈ شاہ ہسپانیہ۔ جواز خصوصی۔ فرڈی نینڈ کی وفات، کرسٹینا کی اتالیقی۔ نیا آئین۔ اتحاد اربعہ۔ میگوئیل اور کارلس کا اخراج پرتگال سے۔ کارلس کا ورود ہسپانیہ میں۔ باسکی اضلاع۔ جنگ کارلسی۔ زمالاکریگوی حکومت ہسپانیہ کا فرانس سے مدد مانگنا اور فرانس کا انکار۔ آئین ۱۸۳۶ء۔ اسپارٹرو کی اتالیقی ملکہ ازبلا۔ سلطنت عثمانیہ کے حالات۔ ابراہیم کا حملہ شام پر اور فتوحات۔ فرانس وروس کی رقابت استنبول میں۔ امن کتاہیا اور معاہدہ انکیار اس کیلیسی۔ اس معاہدے کے اثرات۔ فرانس اور محمد علی۔ ممالک ترکیہ کی تجارت۔ محمد علی اور باب عالی کی دوسری جنگ۔ عثمانی ہزیمتیں۔ دول عظمیٰ کی حکمت عملی۔ اتحاد اربعہ بلاشرکت فرانس۔ ابراہیم کا اخراج شام سے۔ آخری تصفیہ۔ ترکی ۱۸۴۰ء کے بعد۔ رشید پاشا کی سعی اصلاح۔

فریقین میں کوئی اتحاد عام طور پر ایک یا دونوں فریقوں کے کسی مدعا کے حصول کی خاطر ہوا کرتا ہے۔ اور ۱۸۳۰ء کے تغیرات کے بعد جو اتحاد فرانس وانگلستان کے مابین نشو ونما پا رہا تھا وہ اس قاعدۂ عام سے مستثنیٰ نہ تھا۔ عام لوگ تو سمجھتے تھے کہ

فرانس و انگلستان ۱۸۳۰ء کے بعد

اِن دونوں سلطنتوں کی اصولِ آزادی سے گرویدگی اس اتحادِ باہمی کی بنا ہے۔ اُس وقت انگلستان کی زمامِ حکومت وِہگ فرقے کے اہل الرائے کے ہاتھ میں تھی اور ان کی بیرونی ممالک میں آزاد آئینی نظام ہائے حکومت کے ساتھ ہمدردیاں مذکورہ بالا اتحاد کا بےشک بہت قوی سبب تھیں۔ لیکن جذبات کی اس ہم آہنگی کے علاوہ دوسری اغراض بھی ان سلطنتوں کو ایک دوسرے کی طرف کھینچ رہی تھیں۔ خاصکر فرانس کا انگلستان کی طرف میلان محض اس خیال پر مبنی نہ تھا کہ ایک آئینی حلیف کو ترجیح دی جائے بلکہ اس سے کہیں زیادہ وزنی دوسری اور قریبی اغراض تھیں۔ زارِ روس، لوئی فلیپ کا کھلا ہوا اور اٹل دشمن تھا۔ سرکاروی آنا غاصبانِ سلطنت کی بادشاہی کو صرف اسی وقت تک انگیز سکتی تھی جب تک کہ اسے ان پر حملہ کرنے میں زیادہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ہو۔ اور پروشیہ کے ان سلطنتوں کے ساتھ جو روابط ۱۸۱۵ء میں قائم ہوئے انھیں ترک کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ پھر جب فرانس کے باہر بغاوتیں بپا ہوئیں اور اُن ہنگاموں نے اِن مشرقی سلطنتوں کے اتحاد کو اور زیادہ تقویت پہنچائی تو لوئی فلیپ کے لئے عین مصلحت اندیشی صریحاً اسی میں رہ گئی کہ برطانیہ کے ساتھ اس کی کوئی عمدہ قرار داد و مفاہمت ہو جائے۔ دوسری طرف فرانس کی دوستی انگلستان کے حق میں اس لئے مفید نظر آئی تھی کہ انگلستان دولِ یورپ سے اس طرح الگ تھلگ نہ رہ جائے جس طرح کہ اس وقت رہ گیا تھا جب کہ مشرقی سلطنتیں "اتحادِ مقدس" کر کے ساری یورپ پر مسلط ہو گئی تھیں۔ اور ایک فائدہ یہ تھا کہ یہ دوستی فرانس کو روس کے ساتھ مل کر سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف درازدستی کے ایسے منصوبے کرنے سے مانع آسکتی تھی جو نہ صرف ترکی بلکہ امنِ عالم کے لئے خطرناک تھے۔ اگر کیننگ کو، یورپ میں بےیار مددگار رہ جانے کے باوجود یہ فخر تھا کہ وہ پرانی دنیا کا توازن درست کرنے کے واسطے نئی دنیا کو وجود میں لایا تو کیننگ کے وِہگ جانشین اس بات پر یقیناً اظہارِ اطمینان کر سکتے تھے کہ اوزان کی راول بدل ایک بڑی سلطنت کو انگلستان کی جانب کھینچ لائی اور امید کر سکتے تھے کہ مغرب کی دو بڑی طاقتوں کا دوش بدوش ہو جانا یورپ کے سیاسی معاملات میں ایک مستقل قوت کا بروئے کار آنا ہو گا جو وی آنا اور سینٹ پیٹرز برگ کی رجعت پسندی کی ضرور تلافی کر سکے گی۔ یہ خیال کسی حد تک صحیح بھی ثابت ہوا۔ یہ بات تسلیم کی جانے لگی کہ

پیرس و لندن کی حکومتوں کے درمیان عام طور پر دوستی کے تعلقات قائم ہیں اور یورپ کی بعض پیچیدگیوں میں ان کی مشترکہ دست اندازی کی صورت نکل آئی۔ بایں ہمہ ان صورتوں میں بھی شاید ہی کوئی ایسا موقع ہوا کہ باہمی بدظنی کا عنصر مفقود ہوگیا ہو چنانچہ جہاں انگلستان کے وزیر اپنے ہمسائے کی ہر حرکت کو حاسدانہ نظروں سے بھانپتے رہتے تھے وہاں حکومت فرانس بھی اپنے خیالات کے مطابق کام کرنے میں اس بے ضابطہ رشتۂ اتحاد سے قطع نظر کر لیا کرتی تھی۔ لہٰذا کہنے کو تو فرانس و انگلستان کی دوستانہ مفاہمت لوئی فلیپ کے آخر عہد تک موجود رہی لیکن حقیقت میں ان کا باہمی اعتماد کبھی کا غائب ہوگیا تھا اور کئی موقعوں پر ان دونوں میں امن ہی قائم رہنا سخت مخدوش ہوگیا۔

فرانس و انگلستان کی مشترکہ کارروائی کا سب سے پہلا اور سب سے اچھا ثمر بلجیم کی نئی مملکت کا قیام تھا۔ ایک اور موقع ان آئینی سلطنتوں کے مل کر کام کرنے کا وہ آیا جب کہ

معاملات پرتگال ۱۸۲۶ء ۔ ۱۸۳۰ء

جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں خانہ جنگی سے ہلچل مچی اور روس و آسٹریہ کی سرکاروں کا مطلق العنان بادشاہی کا جنبہ دار ہونا اس آگ کے بھڑکانے کا سبب ہوا۔ ۱۸۲۶ء میں کیننگ نے پرتگال کی آئینی مجلس نیابت کی طرف سے ڈون می گوئل کے بیرونی ہواخواہوں کے خلاف مدافعت کی تھی اور می گوئل اپنے ہاں کے دینی اور رجعت پسند گروہ کا سرغنہ تھا۔ مگر انگلستان کی یہ مداخلت پرتگال میں کوئی مستقل امن قائم نہ کر سکی۔ یہ سچ ہے کہ می گوئل نے آئین کو مان لیا اور تخت کی شیر خوار وارثہ ڈونا ماریہ سے منگنی کر لی اور اس کے باپ (یعنی اپنے بڑے بھائی) پدرو سے قرارداد کرکے' جو خود برازیل ہی میں رہا، منصب نیابت پر فائز ہوگیا۔ لیکن اس کی حرکتوں سے بہت جلد ثابت ہوگیا کہ آئینی حکومت کی پابندی کا اس نے جو عہد و پیمان کیا وہ جھوٹا تھا۔ چنانچہ مجلس مبعوثین کو درہم برہم کرکے اس نے وہی قدیم وضع کی مجلسیں قائم کردیں اور اپنی بادشاہی کی منادی کرا دی (جون ۱۸۲۸ء)۔ اس کے بعد ظلم و تعدی کا دور دورہ ہوگیا۔ آئین پسند بالکل پامال کر دیے گئے۔ می گوئل کی اپنی وحشیانہ بیداد تمام متعصب اہل مذہب اور بدمعاشوں کے لئے جو اس کو گھیرے رہتے تھے، ایک مثال بن گئی۔ ڈونا ماریہ اور آئین کے حامیوں نے تلوار سے قسمت آزمائی بھی کی مگر ناکام رہے اور ان میں سے جو قتل یا قید ہونے سے بچے انھوں نے انگلستان میں پناہ لی یا جزائر ازور میں بھاگ آئے جہاں می گوئل اپنی حکومت نہیں قائم کر سکا تھا۔

یورپ کی اکثر سلطنتوں نے می گوئل کی بادشاہی سرکاری طور پر تو تسلیم نہیں کی لیکن اس کی کامیابی پر استبداد کے حامی ہر جگہ خوش ہوئے اور برطانیہ میں جہاں ان دنوں ولنگٹن برسر اقتدار تھا، کیننگ کی سابقہ مداخلت پر تبرّا بھیج کر حکومت نے کامل غیر جانب داری اختیار کر لی۔ اور نہ صرف ڈونا ماریہ کو ہر قسم کی مدد دینے سے قطعی انکار کیا گیا بلکہ اس ملکہ کے جو طرفدار انگلستان میں پناہ گزیں تھے، انھیں غاصب کے خلاف کوئی کارروائی انگلستان میں رہ کر کرنے سے بھی باز رکھا گیا۔

صورت حال یہ تھی جب کہ ۱۸۳۰ء کے واقعات نے انگلستان و فرانس دونوں کی خارجی حکمت عملی میں ایک نئی روح پھونک دی۔ لیکن می گوئل ہوا کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر بھی

پدرو کا حملہ پرتگال پر جولائی ۱۸۳۲ء

اپنا طرز عمل بدلنے پر مطلق آمادہ نہ ہوا بلکہ لزبن میں فرانسیسی اور انگریزی رعایا پر پیہم ایسی زیادتیاں کرتا رہا کہ یہ دونوں حکومتیں خواہ مخواہ برسر پرخاش ہو جائیں۔ چنانچہ تاوان کا مطالبہ ہوا اور زبردستی وصول کیا گیا۔ یعنی نوبت یہ نوبت انگلستان اور فرانس کے بیڑے دریائے ٹیگس میں در آئے۔ اس وقت ارل گرے کی وزارت میں وزیر خارجہ لارڈ پامرسٹن تھا۔ اس نے اپنے ہموطنوں کے مالی تاوان وصول کرنے پر قناعت کی جس کے ساتھ حکومت پرتگال نے باضابطہ معافی بھی مانگ لی لیکن فرانسیسی امیر البحر کو تلافی مافات میں وقت نظر آئی تو وہ می گوئل کے بیڑے کے بہترین جہاز لے کر چل دیا[1] مگر اس سے بھی بھاری ضرب غاصب کے لگنے والی تھی۔ اور وہ یہ کہ اس کے بھائی شہنشاہ پڈرو کو برازیل میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہوا تو اس نے تہیہ کر لیا کہ یورپ آکر جبراً اپنی بیٹی کے حقوق شاہی دلوائے۔ پڈرو جولائی ۱۸۳۱ء میں لندن پہنچا اور حکومت انگلستان نے اسے اجازت دے دی کہ فوج تیار کرے اور انگلستان کے بعض بہترین بحری سرداروں کی خدمت سے مستفید ہو۔ فوجوں کے اجتماع کا مقام جزائر ازور کا ایک جزیرہ ترسئیرا قرار پایا اور ۱۸۳۲ء کی گرمیوں تک وہاں اتنے کافی سپاہی فراہم ہو گئے کہ پرتگال کو از سر نو فتح کرنے کا بیڑا اٹھایا جائے۔ جہازوں نے اپورٹو پر لنگر ڈالے اور یہ شہر بلا مزاحمت ڈون پڈرو کے قبضے میں آگیا لیکن

[1] بی اور الیف کاغذات سرکاری جلد ہم ۱۱۶۔ پامرسٹن، اوّل، ۳۰۰۔

اب میگوئل نے پیشقدمی کی اور اپورٹو کی ناکہ بندی کر لی۔ پھر ایک سال تک طرفین سے کوئی سابقت نہ ہوئی حتیٰ کہ مختلف ملکوں سے کمک آگئی جن میں کپتان چارلس نیپیر بھی تھا، تو اس وقت پڈرو اس قابل ہوا کہ اپنی سپاہ کے دو حصے کر کے پرتگال پر جنوب کی طرف سے بھی حملہ کرے۔ بیڑے کی قیادت نیپیر کے ہاتھ میں تھی اور اس نے سینٹ ونسنٹ کے قریب میگوئل کے بیڑے کو برباد کر دیا اور اس کے ساتھی ولافلور نے خاص لزبن پر پیش قدمی کی۔ حریف کو مغلوب کر لیا گیا اور ۲۸ جولائی ۱۸۳۳ء کو ڈون پڈرو پایۂ تخت میں داخل ہو گیا لیکن لڑائی ابھی ختم نہ ہوئی کیونکہ اس کے مقاصد یورپ کے اہل استبداد کی اغراض سے اتنے ہی وابستہ تھے جتنے اس کے بھائی کے مقاصد آئینی حقوق سے ہذا روپے اور سپاہ دونوں کی مدد اسے بھی برابر مل رہی تھی۔ اندیشہ ہو چلا تھا کہ لڑائی نہایت سخت اور طویل ہو گی کہ اتنے میں فرڈی نینڈ شاہ ہسپانیہ کی وفات نے پورے جزیرے نما کی حالت کو ایک الٹ پلٹ دے دی۔

فرڈی نینڈ کی وفات ستمبر ۱۸۳۳ء

واضح رہے کہ ۱۸۲۳ء میں مطلق العنان حکومت کے اعادے کے بعد سے فرڈی نینڈ نے، اپنی شرمناک کمزوری اور جہالت کے باوجود کلیسائی گروہ کی انتہا پسند جماعت کو پوری طرح رضامند نہ رکھا تھا۔ دور اندیشی کے کچھ آثار سیاسی ضرورت کا کچھ احساس ابھی تک باقی تھا اور ممالک خارجہ کا بھی اثر تھا کہ میڈرڈ کے اعلیٰ حکام بالکلیہ اُن متقشفین و رہبان کے ہمنوا نہیں بنے جنھوں نے پہلے تو ۱۸۲۰ء کے آئین کے خلاف شورش برپا کی اور اب کلیسا کا کامل تسلط جمانے کے در پے تھے چنانچہ احتساب کلیسائی کو دوبارہ جاری نہیں کیا گیا۔ اور عہد وسطیٰ کے تعصبات کے خونخوار اور ضدی حامیوں کی نظر میں یہی ایک فعل بادشاہ کو ملحد بنانے کے لئے کافی تھا۔ "رسولیوں" (Apostolicals) کے نام سے ان رجعت پسندوں نے کئی بار حکومت سے علانیہ سرتابی اور فساد برپا کیا۔ بایں ہمہ ان کی بیتابی کا پیمانہ مجموعی طور پر اس لئے چھلکنے نہ پایا کہ انھیں معلوم تھا کہ

ولیعہد سلطنت بادشاہ کا بھائی ڈون کارلس ہے جس کی اہل کلیسا سے عقیدت مندی اور طرفداری مسلّم اور غیر مشتبہ تھی اور جس کی نسبت توقع تھی کہ بہت جلد اورنگ آرائے بادشاہی ہوگا۔ کیونکہ گو فرڈی نینڈ نے تین مرتبہ شادی کی مگر وہ لاولد تھا۔ اس کی صحت کی حالت نہایت خراب تھی اور ظاہراً زیادہ جینے کا قرینہ نہ پایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ۱۷۱۳ء سے اسپین میں قانون توریث ذکور (Salic Law) نافذ تھا اور فرڈی نینڈ کے دختری اولاد چھوڑ جانے کی صورت میں بھی ڈون کارلس کی وراثت تاج و تخت پر کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا۔

لیکن ان اطمینان بخش اور پختہ امیدوں میں ایک بے ڈھب خلل یہ واقع ہوا کہ بادشاہ نے پہلے قانون توریث ذکور کو جسے سب سے پہلے بوربن بادشاہ نے رائج کیا تھا، منسوخ اور "وراثت نساء" کا جدید قانون جاری کیا اور اسپین کے شاہان کاسٹیل کی رسم تازہ کی جس کی رو سے عورتیں بھی تخت نشین ہو سکتی تھیں۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنی چوتھی شادی نیپلز کی شہزادی ماریہ کرسچیانا سے کر لی اور اس ملکہ سے کچھ عرصے کے بعد ہی اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوی۔ وراثت نساء کے قانونی جواز کے متعلق اہل الرّائے میں اختلاف تھا لیکن یورپ میں عام طور پر اسے اصولی نظر سے دیکھنے کی بجائے لوگوں نے اس کے فوری اثرات کو دیکھ کر رائے قائم کی یعنی تینوں مشرقی سلطنتوں نے تو اس کی سخت مذمت کی کہ یہ بادشاہی کے مسلّمہ حق میں خلل ڈالتا تھا اور اس کا غالباً لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ڈون کارلس کی بجائے جو کوئی تخت کا حقدار ہوتا وہ اسپین کے آزاد خیالوں سے لامحالہ اتحاد کر لیتا اور یہ بات یورپ کی شخصی بادشاہی کے حق میں مضر تھی؎۱ ادھر میڈرڈ کے رجعت پسند اور کلیسائی فرقے کو یہ معلوم ہوا کہ گویا ان کا جدید قانون نے کام ہی تمام کر دیا۔ چنانچہ کمزور بادشاہ بستر مرگ پر پڑا تھا اس پر انتہا درجے کا زور ڈالا گیا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جو صریحاً ظلم کیا ہے اس کی تلافی کر دے۔ فرڈی نینڈ نے ایک مرتبہ سخت ناتوانی کی حالت میں وراثت نساء کا حکم منسوخ بھی کر دیا۔ لیکن پھر جب کسی قدر قوت آ گئی تو اس نے دوبارہ وہی قانون نافذ کیا اور اپنی علالت کے زمانے میں کرسچیانا کو نائبۃ السلطنت بنا دیا۔

؎۱۔ ہیٹرنگ: پنجم، ۶۱۵۔ "ملکہ ازبیلہ مجسّم انقلاب ہے اور وہ بھی نہایت خطرناک۔ ڈون کارلس اصول بادشاہی کا نمائندہ ہے جو اس وقت مرتبع انقلاب سے دست و گریباں ہے" نیز دیکھو بی اور ایف سرکاری کاغذات بہم ۱۳۶۵ بست و دوم ۱۳۹۴۔ بوم گارٹن، سوم ۶۵۔

ڈون کارلس اپنی حق تلفی پر اظہار نارضامندی کر کے پرتگال چلا آیا اور یہاں می گوئل کا رفیق و شریک کار بن گیا۔ اس کے ہواخواہ وراثت کے تغیر کو گوارہ کرنے کا ذرا بھی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ وہ اپنا غصہ فرڈی نینڈ کے جیتے جی بہ مشکل سے چھپا سکے اور آخر جب ستمبر ۱۸۳۳ء میں مدت کی آرزو پوری ہوئی اور بادشاہ نے وفات پائی تو جس وقت ماں کی اتالیقی میں شیر خوار آزبیلہ کی تخت نشینی کا اعلان کیا گیا اسی وقت علانیہ بغاوت پھوٹ پڑی اور شمال کے کئی صوبوں میں ڈون کارلس کی بادشاہی کی منادی کرا دی گئی۔

وقت کے وقت کرسچیانا کے حکام کی فوجیں باغیوں سے قوت میں کہیں زیادہ نظر آتی تھیں اور ڈون کارلس سے بھی یہ نہ ہوا کہ اس جوش و خروش کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے حامیوں کا سرگروہ بن جاتا۔ وہ پرتگال ہی میں رہا۔ ادھر کرسچیانا جیسی کہ توقع تھی، اسپین کے آزاد خیالوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی گئی اور آخر اس نے ایک آزاد خیال شخص مارٹینز ڈلا روزا کو وزیر اعظم مقرر کیا جس کے زمانے میں اسپین کو قانون شاہی کی رو سے آئینی حکومت عطا کی گئی (۱۰ اپریل ۱۸۳۴ء) اسی کے ساتھ پرتگال اور دول مغربی سے رسل و رسائل شروع ہوئے کہ ہو سکے تو می گوئل اور کارلس دونوں کو جزیرہ نما سے نکالنے کی غرض سے کوئی باہمی قرارداد کر لی جائے۔ چنانچہ ۲۲ اپریل ۱۸۳۴ء کو لندن میں دول اربعہ کے ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے جس میں حکومت ہسپانیہ نے می گوئل کے خلاف اپنی فوج پرتگال میں بھیجنے کا بیڑا اٹھایا اور حکومت پرتگال نے عہد کیا کہ جہاں تک اس کے اختیار میں ہے وہ ڈون کارلس کو پرتگالی علاقہ سے نکال دینے کی کوشش کرے گی۔

حکومت اتالیقی اور کارلسی گروہ۔

اتحاد اربعہ ۲۲ اپریل ۱۸۳۴ء

انگلستان نے اپنے بیڑے کے ذریعے مدد دینے کا اقرار کیا اور فرانس کی اعانت کے متعلق قرار پایا کہ اگر معاہدے کی اغراض پوری کرنے کے لئے ضرورت داعی ہو تو باہمی رضامندی سے طے کر لیا جائے کہ اس اعانت کی کیا صورت ہونی چاہیئے۔ معاہدے کی منشا کے موافق، بلکہ رسمی تکمیل ہونے سے بھی پہلے ایک ہسپانوی لشکر جنرل روڈل کی سرکردگی میں سرحد پرتگال میں داخل ہوا اور می گوئل پر چڑھائی کی۔ غاصب کی فوج نے شکست کھائی انگریزی بیڑے کی آمد اور معاہدۂ دول اربعہ کی اشاعت نے مزید مزاحمت سے اسے مایوس کر دیا۔ ۲۶ مئی می گوئل نے اطاعت قبول کر لی اور ایک بیش قرار وظیفے کے معاوضے میں

می گوئل اور کارلس کا اخراج مئی ۱۸۳۴ء۔

اپنے تمام دعاوی بادشاہی سے دست بردار ہو کر عہد کیا کہ جزیرہ نما سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جائے گا۔ ڈون کارلس نے اس قسم کی شرطیں قبول نہیں کیں۔ وہ ایک انگریزی جہاز میں چلا آیا تھا اور لندن بھیج دیا گیا[1]۔

جہاں تک پرتگال کا تعلق ہے، اتحاد اربعہ کا مقصد تمام و کمال پورا ہو گیا اور کارلس کے حامیوں کو ہمسائے میں خانہ جنگی جاری رہنے سے جو تقویت پہنچ رہی تھی وہ وسیلہ بھی جاتا رہا۔ لیکن دول اربعہ کے معاہدے کا اثر کارلس کے معاملے میں بے کار سے بھی بدتر ثابت ہوا کیوں کہ گو معاہدے کی یہ شرط کہ دونوں مدعیوں کو جزیرہ نما سے خارج کر دیا جائے لفظاً پوری ہو گئی مگر حقیقت میں انگریزی امیر البحر کے کارلس کو پرتگال سے ہٹا دینے کے بعد اس بات کی کوئی ضمانت نہیں لی گئی کہ وہ دوبارہ اسپین میں آنے اور بزور شمشیر اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے گا۔ پرتگال میں تو کارلس نسبتہً اتنا نقصان نہ پہنچا سکتا تھا لیکن اب وہ اسیر جنگ نہ تھا اور نہ اس نے کوئی عہد و پیمان کیا یا ذمہ داری لی تھی۔ نہ حکومت برطانیہ انگلستان آنے کے بعد اس پر واقعاً کوئی نگرانی رکھ سکتی تھی۔ پس چند روز انگلستان میں قیام کرنے کے بعد وہ وہاں سے چل کھڑا ہوا اور بھیس بدل کے فرانس سے گذر گیا اور کوہستان پائی رینیز کو عبور کر کے ۱۰ جولائی ۱۸۳۴ء کو نوار کے کارلسی باغیوں کے مستقر پر آ پہنچا۔

کارلس اسپین جا پہنچا ہے

کارلس کے حامیوں کی قوت کا بڑا مرکز پائی رینیز کے انھی مغربی دامنوں میں واقع تھا یعنی اس علاقے میں جو اضلاع باسک کے نام سے موسوم ہے۔ یہ اضلاع، ہسپانیہ کے سب سے محنتی اور خوشحال باشندوں کا مسکن تھے اور ان کی اسی برتری کا مقتضیٰ یہ نظر آتا تھا کہ غالباً وہ کسی ایسی تحریک کا گھر نہ بنیں گے جو مراسم شئے کی دشمن تھی جس سے مملکت ہسپانیہ میں آزادی، رواداری اور آسودہ حالی کو مدد ملے، مگر حقیقت یہ ہے کہ باسکوں کی کارلسی حمایت عام اسباب پر نہیں بلکہ بعض مقامی اسباب پر مبنی تھی۔ دراصل اسپین والوں پر ایک جابر مطلق العنان کو مسلط کرانے کے لئے لڑنے کا

اضلاع باسک

[1] ہرٹ سلیٹ: "میپ اوف یورپ" دوم ۹۴۱۔ مرافلوریس: "میموریاس۔ اوّل۔ ۲۹۔ گوی زو: چہارم ۸۶؛ پامرسٹن۔ دوم ۱۸۰۔

مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے اضلاع کو مملکت اسپین میں اور زیادہ ضم ہونے سے بچانا چاہتے تھے۔ ۱۸۱۲ء تک باسک اضلاع میں خود مختاری کے آدھے سے زیادہ لوازم موجود رہے اور فرانس کی سرحد سے متصل ہونے کی وجہ سے ہسپانوی بادشاہوں نے جہاں اپنے اندرونی علاقوں میں تمام مقامی اختیارات کا استیصال کر ڈالا، وہیں ان اضلاع کے ساتھ ہمیشہ اسی قسم کی رعایت کرتے رہے تھے جیسا کہ برطانیہ کی حکومت جزائر رودبار سے مرعی رکھتی تھی یا فرانس کے بادشاہ، کسی قدر کم درجے میں، سترھویں اور اٹھارویں صدی میں سرحد کے صوبۂ السّاس کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ شمالی اسپین کی سرحد گرور گیری اضلاعِ باسک کے جنوب سے شروع ہوتی تھی اور یہاں کے باشندے فرانس سے جو چیز چاہیں اپنے علاقے میں بلا ادائے محصول لا سکتے تھے اور چونکہ ہمسایہ صوبوں میں مال کی درآمد پر بڑے بھاری محصول عائد تھے لہذا باسک والوں کو چوری سے مال پہنچانے اور اس طرح بہت معقول نفع کمانے کا بھی خوب موقع ملتا تھا۔ مقامی انتظامات بہت کچھ باشندوں ہی کے ہاتھ میں تھے۔ ہر گانوں کی اپنی جگہ پر اجتماعی زندگی برقرار تھی اور اس جاندار مقامی آزادی کے سلامت رہنے کا نتیجہ یہ تھا کہ جو سیاح اضلاع باسک اور اسپین کے عام ملکی حالات بیان کرتے، ان میں بالمقابل نمایاں فرق نظر آتا تھا۔ ان رعایتوں کو جو "فوئروس" کہلاتیں، باسک باشندے اپنے مقامی حقوق سمجھتے تھے لیکن تمام مملکت ہسپانیہ کے انتظامات کو سامنے رکھکر ان پر نظر ڈالئے تو حقیقت میں یہ خاص امتیازات کی ایک علٰحدہ مدبن گئی تھی اور لازمی بات تھی کہ ۱۸۱۲ء کے آئین ساز ایک جدید انتظامی اور ملکی نظام تیار کرتے وقت، جس میں ساری قوم کے ساتھ انصاف مدنظر ہو، ان امتیازات کو قطعی محو کر دیں جن کی وجہ سے چند اضلاع باقی تمام ملک سے ایک جداگانہ حیثیت میں ممتاز ہو گئے تھے۔ لیکن فرڈی نینڈ کی معاودت اور جدید آئین کا قصہ ختم ہو جانے تک تو لڑائی ہوتی رہی اور مجلس وضع قوانین کو اپنی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کا موقع ہی نہ ملا۔ البتہ ۱۸۲۰ء کے انقلاب میں ان پر عملدرآمد شروع ہوا اور باسکوں کی آنکھیں کھلیں کہ آزادی کی فتح سے ان کو مال درآمد پر محصول ادا کرنا پڑا، چوری سے مال پہنچانے کے نفع سے وہ محروم ہو گئے اور مقامی انتظامات میں اُن کے اپنے آدمیوں کی جگہ میڈرڈ سے نئے اہلکاروں کی فوج وہاں آپہنچی۔ آئینی حکومت قائم ہونے سے

انھیں حاصل تو شاید ہی کوئی ایسی خبر ہوئی ہوگی جو پہلے ان کے پاس نہ تھی مگر فوراً ہی جو معقول خسارہ اٹھانا پڑا وہ بالکل صریحی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ گو بلبا و کی مثل بڑے بڑے شہر تو جدید اصول کی حمایت میں ثابت قدم رہے لیکن دیہاتی علاقوں نے پادریوں کی سرکردگی میں مطلق العنان بادشاہی کی حمایت میں ہتھیار سنبھالے اور ۱۸۲۳ء میں فرانسیسیوں نے مطلق العنانی کو بحال کرنے کے لئے فوج کشی کی تو ان باشندوں نے حملہ آوروں کی مدد کی اور آئینی حکومت کے مستقل طور پر دشمن ہوگئے[1] اب جو نہی فرڈی نینڈ نے وفات پائی، انھوں نے ڈون کارلس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور ملکہ کرسچیانا کی حکومت سے منحرف ہوگئے کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس حکومت سے اضلاع باسک کے امتیازات اور کیتھولک فرقے کے مسلّمہ عقائد دونوں خطرے میں پڑ جائیں گے۔ ڈون کارلس کے خصائل ایسے نہ تھے کہ اس کے اس کے اندھے سے اندھے طرفداروں میں بھی وفاداری کا جوش پیدا کر دیتے۔ حربی اور سیاسی قابلیت سے وہ مطلق عاری تھا اور اس کے پرتگال میں پڑے رہنے سے جب کہ لڑائی فی الواقع شروع ہو چکی تھی، ثابت ہوگیا کہ اس میں بہادری کے فطری ولولوں کی بھی کمی ہے۔ بایں ہمہ اس کا نصیب کہ ایک غیر معمولی قابلیت اور مستعدی کے سپاہی نے اس کی خدمت گزاری کی۔ چنانچہ کارلسی گروہ کو جو زکیں پہنچی تھیں ان کی بہت جلد تلافی کر لی گئی اور جنگ آرائی کا ایک ایسا طریقہ مرتب ہوگیا کہ کرسچیانا کے حکام کو شروع شروع میں بغاوت کے بہ آسانی فرو کرنے کی جو امیدیں تھیں وہ سب باطل ہوگئیں۔ اس کارلسی سپہ سالار زمالا کاریگوی کی غرض تو فاسد اور وسائل جنگ تو مشکل سے کسی لٹیرے سردار سے بہتر ہوں گے۔ لیکن لڑائی میں اس نے ان سپہ سالاروں کو جو اس کے استیصال کے واسطے بھیجے گئے تھے شکست پر شکست دی۔ علاقے کی کوہستانی نوعیت اور باشندوں کی عام عداوت نے فوج باقاعدہ کی مساعی کو ان لوگوں کے مقابلے میں بیکار کر دیا جو یک بہ یک حملہ کرتے اور لڑ بھڑ کے فرار ہو جاتے تھے کیوں کہ پہاڑ کی ایک ایک بٹیا سے وہ واقف تھے اور دشمن کی نقل و حرکت کی تمام خبریں ہر جھونپڑی سے انھیں حاصل ہو جاتی تھیں۔ دو سری تدابیر کے ساتھ زمالا کاریگوی نے دشمن کو پست ہمت کرنے کی غرض سے خونخواری بھی

کارلسی کامیابیاں ۱۸۳۴ء تا ۱۸۳۵ء

---

[1] "ایسے ہستوار یک سرے پر اوتسے باسک" صفحہ ۵۰۔ ہمبولٹ "ورک" سوم ۲۱۳۔

اختیار کر لی تھی۔ تشدد کے جواب میں اس نے بارہا اسیران جنگ کو کمال بے رحمی سے قتل کرا ڈالا اور جنگ کو اس درجہ وحشیانہ رنگ دے دیا کہ آخر کار دول خارجہ کو خواہ مخواہ فریقین سے اصرار کرنا پڑا کہ وہ مہذب دنیا کے طور طریق کا کچھ تو پاس کریں۔ ۱۸۳۴ء کی گرمیوں میں خود ڈون کارلس کے آجانے سے اس فریق کو جسے اپنی سپہ سالاری کی کامیابیوں نے پہلے ہی پرجوش بنا رکھا تھا فتح کا اور بھی اطمینان دلا دیا۔ آئین کا حامی سپہ سالار مینا جس نے ۱۸۲۳ء میں ان صوبوں میں بڑا نام پایا تھا، عرصے تک جلاوطن رہنے کے بعد ادھر آیا تو بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا ضعیفی اور علالت نے اس کو اس قابل نہ چھوڑا تھا کہ اپنے سپاہیوں کو خود لڑاتا، پس چند ہی روز میں اس کام سے جس میں کوئی امید نظر نہ آتی تھی، اس نے مخلصی پانے کی کوشش کی۔ اس کی جگہ وزیر حربیات والدس نے لی اور یہ کہہ کر میدان میں آیا کہ میں نے ایک نئے طرز پر جنگ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور میں دشمن کی ٹولیوں کا چھوٹے چھوٹے دستوں سے تعاقب کرنے کی بجائے پیوستہ صفوں سے لڑائی لڑاؤں گا۔ مگر طرز جنگ کے اس تغیر کا نتیجہ بھی شکست ہوا جو اُن شکستوں سے بھی زیادہ سخت اور تباہ کن تھی جن سے والدس کے پیشروؤں کو سابقہ پڑا تھا۔ والدس بمشکل اپنی بچی کھچی فوج کو باغیوں کے علاقے سے ہٹا کے لا سکا اور کارلسی سپہ سالار نے جس کے سامنے کاسٹیل کی سرحدوں تک میدان صاف تھا، رود ابرو کو عبور کر کے پایۂ تخت میڈرڈ پر فوج کشی کی تیاریاں کیں[1]

ملکہ کرسچیانا کے وزرا اب تک تو دعویٰ کرتے تھے کہ وہ بغاوت کو فرو کرنے کی پوری قوت رکھتے ہیں لیکن اب حقیقت حال کو چھپائے رکھنا غیر ممکن ہو گیا خود والدس نے کہہ دیا کہ بغیر خارجی امداد کے بغاوت کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ اور مجلس وزرا میں طویل بحث مباحثے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ فرانس سے جنگی اعانت کی التجا کی جائے۔ ڈون کارلس کی انگلستان سے فراری کی بنا پر عہد نامہ دول اربعہ میں ایک دفعہ کے اضافہ کی پہلے ہی ضرورت پیش آچکی تھی

فرانس سے امداد کی درخواست مئی ۱۸۳۵ء

جس کی رو سے فرانس نے ذمہ لیا کہ وہ سرحد پائی رینیز کی نگرانی رکھے گا کہ کوئی کمک یا

---

[1] ہیننگ سن کیمپین ود زمالا کاریگوی اول، ۹۲۔ برگوس، اناالس، دوم ۱۱۰۔ بادم گارٹن، سوم ۲۵۷۔

جنگی ساز و سامان اس طرف سے کارلسی فوج کو نہ پہنچ سکے، ادھر اسی دفعہ کی رو سے انگلستان نے وعدہ کیا کہ وہ ملکہ کرسچیانا کی سپاہ کو اسلحہ اور ذخائر سے مدد دے گا اور اگر ضرورت ہو تو اپنی بحری فوج سے بھی اعانت کرے گا (۱۸ اگست ۱۸۳۴ء) اس طرح کارلسی فریق گویا ہر سے، خشکی اور سمندر دونوں جانب سے رسد ملنی تو بند ہو گئی تھی لیکن میڈرڈ کو دشمن کے ہاتھ میں پڑنے سے بچانے کی اب سوائے اس کے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی کہ زیادہ عملی قسم کی امداد بہم پہنچائی جائے۔ ہسپانیہ نے لوئی فلیپ کے حکام سے درخواست کی کہ وہ بارہ ہزار سپاہی کے جیش سے اضلاع باسک پر قبضہ کرلیں۔ براہ راست مداخلت کی تائید میں وزنی دلائل بھی سرکار فرانس کے سامنے پیش کئے جا سکتے تھے۔ ڈون کارلس کی فتح کے معنی یہ ہوتے کہ ہسپانیہ کے تخت پر یورپ کے اُن تمام رجعت پسندوں کا ایک قائم مقام قابض ہو جائے جو خفیہ یا علانیہ خاندان اورلیان کی عداوت میں سرگرم تھے اور وہ حکمت عملی ناکام رہ جائے جس کی وجہ سے فرانس نے ڈون می گوئل کو پرتگال سے خارج کرنے کے لئے انگلستان سے اشتراک کیا تھا لیکن دوسرے پہلو پر نظر ڈالئے تو اسپین کے گذشتہ محاربات میں جو تجربہ حاصل ہوا، وہ ایسا تھا کہ لوئی فلیپ کے مشیران کار سے زیادہ دلیر اشخاص کو بھی اس کام میں ہاتھ ڈالنے سے باز رکھ سکتا تھا جس کے انجام و عواقب کے متعلق یقین کے ساتھ کوئی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی تھی۔ نپولین کی سلطنت کی تباہی کا جیسا سبب ماسکو کی چڑھائی ہوئی تھی اتنا ہی قوی سبب پائی رینیز پار کی کشمکش تھی۔ پھر ۱۸۲۳ء کی مہم میں اگرچہ جنگی مشکلات نہیں پیش آئیں لیکن ان تمام بہیمی افعال کا ذمہ دار اور ہدف ملامت اہل فرانس کو بنا پڑا جن کا وہاں کی شخصی بادشاہی نے دوبارہ برسر اقتدار ہو کر ارتکاب کیا اور بحال کرنے والوں کی ایک نہ سنی بلکہ ان کی صلاح کو حقارت سے رد کر دیا۔ اس کے علاوہ وہ آئینی حکومت جو فرانس سے مدد طلب کر رہی تھی، ممکن تھا کہ کوئی جمہوری جرگا اسے معزول کر کے خود حکومت حاصل کرلے کیونکہ اوّل تو آئینی مجلس میں اس جمہوری فریق کے افراد حکومت کو پریشان کر رہے تھے اور دوسرے اندیشہ تھا کہ اکثر بڑے بڑے شہروں کے عوام الناس کے ساتھ مل کر یہ لوگ اسپین میں پھر بدامنی پیدا یا ۱۸۱۲ء کے بدشگون آئین کو بحال کر دیں گے۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر، مشرقی یورپ کی دُول ثلاثہ کا طرز عمل ایسا تھا کہ فرماں روائے فرانس ہسپانیہ کے

علاقے پر جنگی قبضہ کرنے کا ذمّہ لیتے ہوئے خواہ مخواہ جھجکتا تھا ان دول مشرقیہ کا ڈون کارلس کی طرف میلان تھا اور فرانس اس کے خانگی تنازعے میں کوئی عملی حصّہ لے تو ممکن تھا کہ دوسری طرف سے دول مشرقیہ فوجیں لے کر میدان میں اتر آئیں اور ایک عام لڑائی چھڑ جائے۔ غرض فرانس کی مجوزہ دست اندازی میں یہ صریحی خطرے تھے اور انھیں پیش نظر رکھ کر حکومت فرانس نے عہدنامے کی اس دفعہ کا سہارا لیا جس میں قرار دیا گیا تھا کہ فرانس کی امداد ایسے طریق سے ہوگی جو عہد نامے کے سب شرکا کو قبول ہوا۔ اور برطانیہ کو لکھ کر دریافت کیا کہ آیا اس مہم کی ذمہ داری لینے میں اور بعد میں جو کچھ صورت پیش آئے اس میں حکومت انگلستان فرانس کی شریک ہوگی؟ جواب میں، لارڈ پامرسٹن نے اس قسم کی ذمّہ داری لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے تحریر کیا کہ فرانس کی سپاہ کے اسپین کے اندر داخل ہو جانے پر برطانیہ کو کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ مداخلت، تنہا فرانس کی طرف سے ہونی چاہیئے اور اس میں آیندہ کوئی خطرہ پیش آئے تو اس کو بھی فرانس بھگتے۔ یہ جواب فلیپ اور اس کے وزیروں کے لئے کافی تھا۔ انھوں نے ہسپانوی حکومت کو لکھ بھیجا کہ فوجی مدد دینی ممکن نہیں اور اس قسم کی ذمہ داری کو فرانس کی رائے عامہ ہرگز پسند نہ کرے گی۔ لیکن ہمدردی کے ثبوت میں ملکہ کرسچیانا کو اجازت دے دی گئی کہ وہ فرانس اور انگلستان دونوں ملکوں میں متطوعین بھرتی کر سکتی ہے۔ اسلحہ بھی فراہم کر دیے گئے اور چند ہزار محتاج یا پرجوش اشخاص انگلستان اور فرانس سے روانہ بھی ہوگئے کہ کرنل ڈلاسی ایوالنس یا کسی دوسرے سردار کے ماتحت لڑ کر اسپین میں بری بھلی غنیمت یا شہرت کمائیں۔

فرانس کے درخواست امداد رد کر دینے کا پہلا نتیجہ یہ ہوا کہ جس وزیر نے یہ درخواست کی تھی وہ عہدے سے معزول ہوگیا۔ اس کا جانشین ٹورنو ایک مشہور محب وطن تھا لیکن وہ بھی فتنہ و فساد کی طغیانی کو جو ملک میں آرہی تھی نہ روک سکا۔ شہر شہر نے اپنی مجلس عاملہ جداگانہ قائم کرلی اور اس طرح کام کرنے لگے گویا مرکزی حکومت کا وجود ہی نہیں رہا

جنگ کا جاری رہنا

لوئی فلیپ سے دوبارہ مدد کی التجا کی گئی اور یہ درخواست اس دفعہ ڈون کارلس کی کامیابی روکنے کے لئے نہیں بلکہ اس مرتبہ اسپین کو بدامنی اور ۱۸۱۲ء کے آئین کی بحالی سے

بچانے کے لئے تھی۔ اس کا جواب آنے سے پہلے ٹورنو کی معزولی کی بھی نوبت آگئی اور منڈی زابل کو وزارت پر سرفراز کیا گیا۔ یہ ایک ساہوکار تھا جسے مالی معاملات طے کرنے کی غرض سے لندن بھیجا گیا تھا اور لارڈ پامرسٹن سے اس کے دوستانہ تعلقات ہو گئے تھے۔ جمہوریت پسند فریق میں وہ مقبول تھا اور فرانس کی بجائے انگلستان سے روابط بڑھانے کی حمایت کرتا تھا مگر اس کے بہت کچھ اطمینان دلانے اور انگلستان کی کسی قدر بحری مدد مل جانے کے باوجود کارلسی گروہ پر قابو پانے میں کوئی واقعی کامیابی نہیں ہوئی اور نہ مالی یا انتظامی خرابیوں کی اصلاح عمل میں آئی۔ اسی زمانے میں زمالا کاریگوی نے وفات پائی۔ اسے اپنی فتوحات کے بعد ڈون کارلس نے مجبور کیا تھا کہ بلا تاخیر میڈرڈ پر فوج کشی کرنے کی بجائے بلباؤ کا محاصرہ کرلے اور اس طرح عین موقع پر باغیوں کی رو رک گئی تھی لیکن حکومت اپنی پراگندگی اور تہی دستی کے باعث اس موقع سے جو اسے از خود ملا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکی اور جنگ کے شعلے دوبارہ نہ صرف اضلاع باسک بلکہ تمام شمالی اسپین میں بھڑکنے لگے۔ یہ اُکتا دینے والی جد وجہد سالہا سال تک جاری رہی۔ نوبت بہ نوبت کئی مجلسوں اور فریقوں نے ایک دوسرے کو ہٹا کر ان کی جگہ لی اور مشکل سے کوئی فوجی سردار ایسا باقی رہا جس کے نصیب میں بدنامی نہ آئی ہو اور کوئی سیاست داں ایسا بچا جو مطعون اور بیکار ثابت نہ ہوا ہو۔

آئین ۱۸۳۷ء

اتالیق ملکہ کو ضرورت وقت نے آزاد خیال گروہ کا نائب بنا دیا تھا۔ اب وہ بتدریج ان اغراض کی حامی ہوتی گئی جو جمہوری تغیر کی مخالف تھیں۔ اور گو اس کا نام ابھی تک کسی قدر ادب سے لیا جاتا تھا اور اس کے طرز عمل کا الزام حاشیہ نشینوں کے غلط مشورے کو دیا جاتا تھا، با ایں ہمہ میڈرڈ میں اس کے مرتبے کا لوگوں کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا اور سب جانتے تھے کہ ۱۸۱۲ء کے آئین کی بحالی میں سب سے بڑی مزاحمت خود ملکہ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ پس فیصلہ کیا گیا کہ اس مزاحمت کو زبردستی دُور کر دیا جائے۔ اور ۱۳،۱۲ اگست ۱۸۳۶ء کو میڈرڈ کی چھاؤنی کا ایک دستہ جو انتہا پسندوں کے قابو میں آگیا تھا، **لاگرانجا** کے محل پر بڑھا اور ملکہ کے کمروں پر یورش کر کے اسے مجبور کیا کہ ایک فرمان پر دستخط کر دے جس میں اعلان تھا کہ جب تک مجلس ۱۸۱۲ء کے یا کسی دوسرے آئین کا فیصلہ نہ کر دے، وہی ۱۸۱۲ء کا آئین نافذ رہے۔ اس کے بعد پائے تخت میں کشت و خون اور ہنگاموں کی بھی نوبت آئی۔

معتدل خیالات کے لوگ بدامنی کا قدم آتے دیکھکر گھبرا گئے اور ڈون کارلس کے ساتھ اتحاد پر آمادہ ہو گئے ۔ لوی فلیپ یا تو اسی زمانے میں رضامند ہو گیا تھا کہ فرانسیسی جیش میں چند ہزار باقاعدہ سپاہیوں کا اضافہ کر دے اور یا یہ رنگ دیکھ کر اس نے اسپین سے بالکل قطع تعلق کر لیا اور اس روش بدلنے کو جن وزیروں نے نہیں مانا، انھیں اس نے عہدے سے برطرف کر دیا ۔ اُدھر دُول مشرقی اور استبداد کے تمام معقولیت پسند حامیوں نے ڈون کارلس کی منت سماجت کی کہ وہ اس قسم کا اطمینان دلادے جس سے مذبذب مخالفین کے گروہ کثیر کی تشفی ہو جائے اور پھر کسی حق کو جو فی الواقع محفوظ رکھنے کے قابل ہو، قربان کئے بغیر خود سلطنت کا مالک بن جائے ۔ ظاہر ایہ ایسا صاف موقع تھا کہ جس کے متعلق کوئی غلط فہمی ہو نہ سکتی تھی ۔ بایں ہمہ ڈون کارلس کی تنگ دلی اور ضد پر خوش قسمتی کی کسی دعوت کا جادو نہ چلا ۔ اس نے ہر قسم کا عہد و پیمان کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح اُن لوگوں کا اس کی اطاعت قبول کرنا محال ہو گیا جو کامل اور خالص استبداد کے سامنے سر جھکانے پر تیار نہ تھے ۔ دوسری طرف مجلس کی آنکھیں ان خطروں نے کھول دیں جو اس کے گرد منڈلا رہے تھے اور اس نے کثرت رائے سے ۱۸۱۲ء کے آئین میں ایسی کمی بیشی قبول کر لی جس سے ملک میں دوبارہ امن و استحکام قائم کرنا ممکن ہو گیا (۲۷ جولائی ۱۸۳۶ء) ملک کے تمام معتدل عناصر کے ڈون کارلس کی طرف کھنچ کر چلے جانے کا خطرہ جاتا رہا اور گو کارلسی گروہ نے جارحانہ اقدام کیا اور پایۂ تخت معرض خطر میں پڑ گیا، نیز اسپین کے ہر حصے میں ان کی ترکتازہ ہوئی، لیکن حقیقت میں اب لڑائی کا سب سے مایوس کن وقت گزر گیا اور جب ڈون کارلس نے میڈرڈ پر فوج کشی خود اپنے ہاتھ میں لی اور پھر ایک طرف ٹھٹک کر آخر کار بے ترتیبی کے ساتھ واپس ابرو کی جانب ہٹ آیا، تو اُس وقت بغاوت کے قلع قمع ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا ۔ اس افسوسناک جنگ میں کامیابی کی جو کچھ شہرت ہو سکتی تھی وہ جنرل اسپارٹرو کے حصے میں آئی جس نے دشمن کو منزل بہ منزل پسپا کیا اور تیغ و آتش سے اضلاع باسک کو اس طرح عمداً تاراج و تباہ کر ڈالا جس کے سوا کوئی صورت وہاں کے باشندوں کو عاجز و بے تاب و توان کر دینے کی نظر نہ آتی تھی انتہائی مایوسی کی حالت میں کارلسی رؤسا آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے پر اُتر آئے ۔ پادریوں نے فوجی سرداروں کو خارج از ملت کیا ۔ سرداروں نے پادریوں کو

نشانۂ بندوق بنایا۔ تاآنکہ ۱۴ ستمبر ۱۸۳۹ء کو جب کارلس کے قریب قریب تمام سپاہی

لڑائی کا خاتمہ۔ ستمبر ۱۸۳۹ء

اسپارٹرو کی اطاعت قبول کر چکے تو وہ ملک سے نکل کے سرحد فرانس میں داخل ہو گیا اور یہ لڑائی جس نے چھ سال تک ہسپانوی قوم کو ذلیل و خوار کیا اور بربریت پھیلائے رکھی، آخر کار ختم ہوئی۔

ملکہ کرسچیانا کی اپنے حریفوں پر فتح کچھ بہت دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ مجلس کے اندر اور باہر ملک میں جمہوریت پسندوں کا ایک طاقتور گروہ مقابلے میں تھا اور ملکہ کی

اتالیقی کا خاتمہ۔ ازابلا کی تخت نشینی نومبر ۱۸۴۳ء

یہ کوشش کہ اپنی منشا کے موافق وزیر مقرر کر کے حکومت کرے، کامیاب نہ ہوئی۔ اس کی ہر دلعزیزی کبھی کی مٹ چکی تھی۔ اس کی خانگی زندگی کے شرمناک قصوں سے اہل ملک کو واجبی طور پر رنج پہنچا اور اس کا سیاسی اقتدار بہت کمزور ہو گیا۔ شورش نے اسے مجبور کیا کہ اسپارٹرو کو جو ترقی طلب فریق کا سرگروہ تھا، وزیر بنائے لیکن اس سپہ سالار نے جو مراعات طلب کیں انھیں وہ تسلیم نہ کر سکی اور خلاف مرضی انھیں ماننے کی بجائے وہ اتالیقی سے مستعفی ہو کر اسپین سے باہر چلی گئی (اکتوبر ۱۸۴۰ء) کچھ عرصے کے بعد خود اسپارٹرو کو مجلس نے اتالیق مقرر کیا اور وہ دو سال تک برسر اقتدار رہا تاآنکہ اسے بھی اپنے سیاسی حریفوں اور خود اپنے فریق کے انتہا پسندوں کے متفقہ حملے سے شکست کھانا اور ملک بدر ہونا پڑا۔ اب اسپین میں کوئی فرد واحد اتالیقی کے خالی منصب پر فائز کئے جانے کے قابل نہیں رہا۔ اور جب کوئی دوسرا چارہ کار میسر نہ آیا تو شہزادی ازابلا کے متعلق، جو اس وقت چہاردہ سالہ تھی سن رشد کو پہنچنے کا اعلان کر کے تخت پر بٹھا دیا گیا (نومبر ۱۸۴۳ء) کرسچیانا بھی پھر میڈرڈ چلی آئی اور چند پیہم تبدیلیوں کے بعد معتدل فریق کے افراد کی ایک نسبتہً دیرپا وزارت جنرل نارویئز کی صدارت میں مرتب ہو گئی پھر اس زمانے کے مقابلے میں جو ابھی ختم ہوا، نئے عہد بادشاہی کے چند سال امن اور عود فراغت سے گزرے۔

۱۸۳۶ء میں ماریہ کرسچیانا کے سپاہیوں کے آگے سر تسلیم خم کر دینے سے لوئی فلیپ نے جو امداد کے وعدوں سے انحراف کیا، اس نے وزرائے برطانیہ کی نظر میں اس بادشاہ کا اعتبار کم کر دیا تھا اگرچہ دونوں حکومتوں میں جو دوستی کے تعلقات تھے ان میں کوئی فرق

نہیں آیا۔ لیکن مشرقی واقعات اور محمد علی والی مصر کے توسیع قوت کے سلسلے میں باہمی اختلاف کے زیادہ سنگین اسباب پیدا ہوگئے۔ محمد علی اور اس کے فرماں روا کی آویزش،

باب عالی اور محمد علی کی جنگ ۱۸۳۲ء

جس کا مدت سے لوگوں کو یقین تھا، ۱۸۳۲ء میں شروع ہوگئی۔ یونان کی علیحدہ بادشاہی قائم ہونے کے بعد محمد علی کو دولت عثمانیہ کی برّی اور بحری خدمات جنگ انجام دینے کے صلے میں، جزیرۂ کریت عطا کیا گیا تھا۔ لیکن اس عطئے سے والئ مصر کی ہوس جاہ ذرا بھی سیر نہ ہوی اور عبداللہ، پاشائے عکّہ سے تنازعہ ہو جانے سے اسے حیلہ مل گیا کہ اپنے فرماں روا سے علانیہ بغاوت کئے بغیر فلسطین پر فوج بھیجدے۔ ابراہیم باپ کی افواج کا سپہ سالار تھا اور اس نے عکّے کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت اگر یہ قلعہ بلا تاخیر مسخر ہو جاتا تو غالباً سلطان بھی اسے صوبۂ مصر کے ساتھ فتحمندوں کے قبضے میں رہنے دیتا، کیونکہ ترکی فوج لڑائی کے لئے تیار نہ تھی اور یوں بھی سلطنت عثمانیہ میں یہ کوئی نئی بات نہ تھی کہ ایک والی دوسرے والی کا علاقہ دبالے۔ لیکن عکّے کی مدافعت ایسی جانبازی اور ثابت قدمی سے کی گئی کہ باب عالی کو جنگ کی تیاریوں کا وقت مل گیا اور ۱۸۳۲ء کے موسم بہار میں یہ اعلان ہونے کے بعد کہ محمد علی اور اس کا بیٹا باغی ہیں، ایک ترکی فوج حسین پاشا کی قیادت میں داخل شام ہوگئی۔

عکّے کا محاصرہ ہونے کے زمانے میں ابراہیم نے آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب وہ فلسطین کے تمام اندرونی اضلاع پر متصرف تھا اور لبنان کے قبیلے ترکی بدانتظامی کے بار گراں سے نجات پانے کی امید میں، ابراہیم سے آملے تھے۔ ادھر ترکی افواج ابھی انطاکیہ ہی کے قریب تھیں کہ عکّہ فتح ہوگیا اور ابراہیم کو موقع مل گیا

ابراہیم شام اور ایشیائے کوچک کو فتح کر لیتا ہے

کہ وہ اپنی پوری قوت سے وادئ عاصی میں دشمن کا مقابلہ کرے۔ ترک سپہ سالار کی فوج گو تعداد میں زیادہ تھی لیکن ابراہیم کے لشکر کی مثل یورپی اصول پر تربیت یافتہ نہ تھی اور اس کا منشا یہ تھا کہ حاما کے قریب خندقیں کھود کر مصریوں کا حملہ روکے۔ مگر ہراول کا سردار اس مقام سے آگے نکلا چلا گیا اور جب فوج کی جمعیت اصلیہ سے بہت دور ہو گیا تو یکایک ابراہیم نے حمص میں اس پر حملہ کر دیا۔ اس وقت ترکی فوج میں کوئی ترتیب یا صف بندی نہ تھی لہذا سخت ہزیمت نصیب ہوی اور ان کی اس شکست

اور فراری نے سپہ سالار اعلیٰ کو اس قدر خوفزدہ کیا کہ اس نے انطاکیہ اور تمام وادی عاصی کو دشمن کے حوالے کر کے حلب میں ہٹ آنے کا تہیہ کر لیا۔ ترکی فوج حلب پہنچ بھی گئی لیکن وہاں کا والی ابراہیم سے مل گیا تھا، اُس نے شہر کے پھاٹک بند کر دیئے اور حسین کی فاقہ زدہ سپاہ کو چار و ناچار ان پہاڑوں کی طرف اپنی پسپائی جاری رکھنی پڑی جو شام و سلیشیہ کے درمیان حائل ہیں۔ یہیں درۂ بیکلن کے قریب ابراہیم نے اس پر حملہ کیا اور جنگی تدابیر سے مغلوب کر کے بھاری نقصان کے ساتھ پسپا ہونے پر مجبور کیا (۲۹ر جولائی) سلیشیہ کے صوبے میں بھی تعاقب جاری رہا۔ حسین کی فوج بالکل جی چھوڑ بیٹھی اور جان بچا کے ایشیائے کوچک کے وسط میں چلی آئی۔ مصری سپہ سالار کوہ تارس تک بڑھنے اور وہاں تمام درون پر پہرہ قائم کرنے کے بعد وہیں ٹھیر گیا کہ فوج تازہ دم ہو جائے اور مزید کمک پہنچ جائے پھر دو مہینے ٹھیر کر اس نے کوہستان تارس کو عبور کیا اور ضلع کے صدر مقام قونیہ پر قابض ہو گیا۔ ترکی فوج پر آخری اور فیصلہ کن ضرب یہیں پڑی۔ یعنی رشید پاشا جو مسولونگھی کے محاصرے میں ابراہیم کا شریک تھا، ایک نئی فوج لئے ہوئے شمال سے بڑھا۔ خود اس کی رائے نہ تھی لیکن استنبول کے احکام نے اسے مجبور کر دیا کہ ایک ہی لڑائی پر ہار جیت کی پوری بازی لگا دے۔ اس نے ابراہیم پر ۲۱ر دسمبر کو حملہ کیا اور کامل شکست کھائی۔ خود رشید قید کر لیا گیا۔ فوج منتشر ہو گئی سلطانی افواج ہی کا گویا خاتمہ ہو گیا اور مصری حملہ آور کے سامنے باسفورس پر بڑھنے میں کوئی سدِّ راہ باقی نہ رہی۔

اس مجبوری کی حالت میں سلطان نے مدد کے لئے نظر دوڑائی۔ اور یہ نہ تھا کہ کوئی دستِ اعانت نہ بڑھایا گیا ہو۔ دراصل معاہدۂ آدرنہ کے وقت ہی سے زار نکولاس نے کرمفرما دوست کا جامہ پہن لیا تھا۔ اور وہ سمجھتا تھا کہ بغیر مزید فتوحات کے مناسب تدبیر ہی سے دولت عثمانیہ کی ایسی حالت ہو جائے گی کہ وہ معمولاً روسیوں پر انحصار کرنے لگے

روسیوں کی آمادگی سلطان کی اعانت پر

جنگ قونیہ کا نتیجہ ظاہر ہونے سے قبل ہی جنرل موراویف روس کی طرف سے بری اور بحری امداد دینے کی آمادگی ظاہر کرنے استنبول پہنچ گیا تھا اور مصالحت کرا دینے کے لئے اس نے اپنی ذاتی خدمات بھی پیش کیں۔ ادھر سلطان کو معاہدۂ آدرنہ کے وقت زار کی تحمل کی حکمت عملی نے کسی حد تک

گرویدہ کر لیا تھا محمد علی سے شدید نفرت اس کے دل کو کھولا رہی تھی اور گو اس کی قوم اور مشیر دونوں یقین رکھتے تھے کہ ایک باغی والی کو خواہ کسی قسم کی رعایتیں دی جائیں وہ ہرگز اتنی اندیشہ ناک نہیں ہو سکتیں جس قدر کہ اسلام کے موروثی دشمن سے استعانت، بایں ہمہ سلطان روسیوں کی پیش کردہ امداد کو قبول کرنے پر مائل تھا۔ اس کی تمہید کے طریق پر موراویف کو سکندریہ روانہ کیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ عکہ دے کر محمد علی سے صلح کر لے بشرطیکہ اس کے عوض میں والی مصر اپنا بیڑا سلطان کے حوالے کر دے۔ یہ ایسی شرطیں تھیں کہ کوئی معقول آدمی یہ امید نہیں کر سکتا تھا کہ ان شرطوں پر محمد علی صلح کر لے گا۔ اور غالباً روسی دربار کی غرض بھی یہ تھی کہ موراویف کی سفارت ناکام رہے۔ چند ہی روز میں سفیر نے استنبول واپس آکر اطلاع دی کہ اس کی شرائط صلح مسترد کر دی گئیں۔ اب سلطان محمود نے دولتِ روس سے درخواست کی کہ ہو سکے تو روسی جہاز باسفورس میں بھیجدئے جائیں اور فرانس و انگلستان کے سفیر یہ دیکھ کر نہایت جز بز ہوئے کہ روسی جہازوں کا ایک دستہ دار الخلافت کے سامنے نمودار ہوا۔ فرانسیسی سفیر امیر البحر روسین نے باقاعدہ اعتراض لکھ بھیجا اور استنبول سے چلے جانے کی دھمکی دی۔ اس کی بحث اور حجتوں سے آخر سلطان بھی رضامند ہو گیا کہ محمد علی کے ساتھ صلح کی گفتگو زیادہ معقول طریق پر شروع کی جائے پھر ایک فرانسیسی ایلچی کو اجازت دی گئی کہ وہ والی مصر کو عکہ کے علاوہ طرابلس الشام بھی دینے کا اقرار کر لے۔ لیکن اس ایلچی کی سفارت بھی موراویف کی شکل ناکام رہی اور محمد علی نے صاف کہہ دیا کہ اگر چھ ہفتے کے اندر اس کی منہ مانگی شرطوں پر صلح نہ کر لی گئی تو اسے ابراہیم کو جو قونیہ میں خیمہ زن تھا، حکم دینا پڑے گا کہ استنبول پر پیش قدمی جاری رکھے۔ اس دھمکی سے سلطان سخت گھبرایا اور یہ سمجھ کر کہ کوئی ترکی سپاہ ابراہیم کو دار الخلافت پر چڑھائی سے نہیں روک سکتی، اس نے روسیوں سے اور جہاز نیز بری سپاہ کی مدد طلب کی۔ امیر البحر روسین نے دوبارہ سلطان کو جتایا کہ اگر ملک شام روسیوں کی مدد سے از سر نو فتح بھی ہوا تو باب عالی کو اس کے ہاتھ سے نکل جانے سے بھی زیادہ نقصان رہے گا۔ دیوانِ وزارت نے اس کی حجتوں کی تائید کی اور تائید بھی اس زور سے کہ ایک فرانسیسی سیاست داں ابراہیم کے پاس بھیجدیا گیا کہ جن شرطوں پر ممکن ہو صلح کر لے۔ ۱۰ اپریل ۱۸۳۳ء کو فرانسیسیوں کی ثالثی میں مبادیات صلح پر دستخط ہو گئے۔ سلطان نے نہ صرف ملک شام

صلحنامۂ قونیہ اپریل ۱۸۳۳ء

بلکہ کوہ تارس و بحری متوسط کے درمیان کا صوبۂ ادنہ بھی اپنے باج گزار کے

حوالے کرنا منظور کر لیا۔ کچھ مدت کے بعد محمود نے اس معاہدے کی تصدیق کر دی اور ابراہیم نے میدان جنگ اور بساط سیاست پر یہ درخشاں معرکے جیت کر شمالی اناطولیہ کو خالی کرنے کی تیاریاں کیں۔

وقت کے وقت تو یہ معلوم ہوا کہ گویا استنبول میں فرانسیسی اثر سب پر غالب آیا۔ اور زار کی فوجیں جو سباس توپول سے بلائی ہوئی آئی تھیں اُن لوگوں کی بناوٹی تحسین اور شکریوں کے ساتھ رخصت کر دی گئیں جو چاہتے تھے کہ جلد سے جلد یہ بلائل جائے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف کچھ اور تھی۔ سلطان کی حکمت عملی میں تلون کی وجہ خوف ہو یا تذبذب اور خواہ یہ خواہش کہ ایک سلطنت کو دوسری سلطنت کے خلاف بنا کے اپنا کام نکالا جائے مگر آخر کار جس ملک نے اس کا اعتماد حاصل کیا وہ فرانس نہ تھا بلکہ روس تھا۔ باسفورس کے مشرقی ساحل پر زار کے سپاہی ترکی فوج کے پہلو میں اُتارے گئے تھے اور زار ہی کے جہاز استنبول کے سامنے لنگر انداز تھے۔ یہیں قصر "انکیار اِس کلیسی" میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے[1] جس میں روس و ترکی نے نہایت ہی دوستانہ دفاعی اتحاد کا عہد و پیمان کیا اور نہ صرف بیرونی غنیم کے مقابلے میں، بلکہ ہر موقع پر جس سے امن و صیانت میں خلل کا اندیشہ ہو، ایک دوسرے کو مدد دینے کا پابند بنایا۔ روس نے ذمہ لیا کہ جب کبھی اس سے مدد طلب کی جائے گی وہ سلطان کو جتنے سپاہیوں کی ضرورت ہو، خواہ بری یا بحری، حاضر کر دے گا اور ان کی رسد کے سوا باب عالی کے ذمے ان فوجوں کا اور کوئی خرچ نہ ہو گا۔ اس پہلے موقع پر معاہدے کی میعاد آٹھ سال رکھی گئی تھی ایک خفیہ دفعہ میں جو تھوڑے ہی دن بعد شائع بھی کر دی گئی اعلان تھا کہ زار ترکی کے بار کو کم کرنے کی غرض سے، وہ مالی امداد بھی باب عالی سے طلب نہیں کرے گا۔ جس کا از روئے معاہدہ وہ حقدار تھا۔ لیکن اس کے عوض میں باب عالی نے ذمہ لیا تھا کہ جب کبھی روس کی کسی سے لڑائی ہو گی تو دردانیال کو بند کر کے تمام قوموں کے جنگی جہازوں کو اندر آنے سے روک دیا جائے گا۔

معاہدۂ انکیار اِس کلیسی جولائی ۱۸۳۳ء

[1] روزن۔ اول ۱۵۰۔ پروکیش فان اوسٹین: کلین شرفٹ، ہفتم ۵۶ "محمد علی" صفحہ ۱۷۔ ہلیبر انڈ، اول، ۵۱۴ "میٹرنک" پنجم ۱۲۱۔ بی اور ایف کاغذات سرکاری۔ بستم ۱۱۷۶۔ بست و دوم ۱۴۰۔

معاہدۂ انکیاراسکلیسی نے روسیوں کو استنبول میں کامل رُسوخ کے اس قدر قریب پہنچا دیا کہ جہاں تک وہ کبھی نہ پہلے پہنچے تھے نہ اس کے بعد آسکے۔ زمانۂ حال میں ان کی حکمت عملی کی غایت یہی رُسوخ حاصل کرنا رہی تھی پس ان کے مردانِ سیاست کی یہ کامیابی فی الواقع بڑی کامیابی تھی۔ کیونکہ گو عام طور پر دول یورپ نے سلطان کے اس اختیار پر کہ وہ جس کو چاہے اپنا حلیف بنائے، ابھی تک چون وچرا نہیں کی تھی، لیکن معاہدے میں دردانیال کے متعلق جو فقرہ تھا اس کا اثر ہر سلطنت پر پڑتا تھا جو بحر متوسط میں کوئی بحری مقر رکھتی ہو۔ اٹھارویں صدی تک بحر اسود سلطان کے مقبوضات سے ہر طرف سے محصور تھا اور یورپ کے قانون عامہ کی رو سے دنیا کے کھلے سمندروں میں اس کا شمار نہ تھا بلکہ وہ ایک ترکی جھیل تھا جس میں دردانیال کے راستے سے جانے کی اجازت بالکل باب عالی کی خوشی پر منحصر تھی۔ اٹھارویں صدی میں روس کو اقشین کے شمالی ساحل پر پاؤں ٹکانے کی جگہ مل گئی۔ پھر بھی جس طرح کسی اور سلطنت کو جو روس کے ساتھ مصروف پیکار ہو یہ حق نہ تھا کہ بغیر سلطان کی اجازت کے اپنے جنگی جہاز روس کے خلاف بحر اسود میں بھیج سکے اسی طرح روسی بھی اس بات کے مجاز نہیں ہوگئے تھے کہ اپنے جنگی جہازوں کو دردانیال کے راستے بحر متوسط میں لاسکیں۔ لیکن انکیاراسکلیسی کے اس معاہدے نے ترکی کو زار کے تمام دشمنوں کے مقابلے میں روس کا حلیف بنا کر، بحر اسود کو روسیوں کے نہایت مستحکم مورچے کی شکل میں بدل دیا جس کے عقب سے روس تو جب چاہے اپنے جنگی جہاز بحر متوسط میں لاسکتا تھا مگر خود اس کی بندرگاہیں اور جنگی مخزن حملے سے محفوظ تھے۔ اس کا اثر سب سے زیادہ انگلستان اور فرانس کی سلطنتوں پر پڑتا تھا اسی لئے ان دونوں کی طرف سے معاہدے کے خلاف آواز بلند ہوئی اور لکھ دیا گیا کہ وہ اس کے متعلق آیندہ حسب ضرورت جو کارروائی مناسب نظر آئے اسے عمل میں لانے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ مخالفت فقط ماہرین سیاست کی جدل واعتراض تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اس وقت سے انگریزی قوم اور حکومت دونوں کی توجہ سلطنت ترکی کے مستقبل پر اس طرح مبذول ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور سیاسی مضمون نگاروں نے بڑے زور وقوت بلکہ کسی حد تک رنگ آمیزی کے ساتھ دربار سینٹ پیٹرزبرگ کی، ایشیا اور نیز یورپ میں ملک ستانی کے منصوبوں کے متعلق

معاہدے کے اثرات

مضمون پر مضمون لکھنے شروع کئے اور ایام سابق کی نسبت زیادہ تر یہی وہ زمانہ سمجھنا چاہئے جس میں روسیوں کے خلاف اس قومی منافرت کا بیج پڑا جس کا نخار جنگ کرہمیہ میں نکلا اور جس کے زور میں آج تک (یعنی تالیف کتاب کے وقت ۱۸۸۶ء تک) کسی طرح کمی نہیں آئی ہے۔

ممالک ترکی میں روسیوں کا نفوذ روکنے میں برطانیہ اور فرانس دونوں کی منشا ایک تھی تاہم ان سلطنتوں نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ ایک دوسرے سے نہایت مختلف تھا کیونکہ برطانیہ کی کوشش تو یہ تھی کہ سلطان کے کامل اقتدار میں کوئی خلل واقع نہ ہو اور فرانس بتدریج

فرانس اور محمد علی

محمد علی کا حامی اور مددگار بن گیا تھا۔ جب سے ۱۷۹۸ء میں نپولین نے مصر پر فوج کشی کی، اور واضح رہے کہ خود اس مہم کا منصوبہ لوئی شانزدہم کے زمانے میں تیار کیا گیا تھا، اس وقت سے فرانس کے سربرآوردہ افراد کے دماغوں میں برابر مصر کا خیال سمایا ہوا تھا۔ فرانس کے ارباب علم و ادب کے دلوں کو مصر کے آثار عتیق اور ایک عظیم الشان عہد قدیم کی باقیات سے جیسی ولولہ انگیز تحریک پہنچتی تھی ہم (انگریزوں) میں ہندوستان کی یاد سے کبھی وہ بات پیدا نہیں ہوئی۔ اور ہر چند نپولین کے سرنگوں ہونے سے فتح مصر کی آرزو خاک میں مل چکی تھی پھر بھی بہت سے فوجی اور غیر فوجی حوصلہ مندوں کو مصر میں قسمت آزمائی کا میدان مل جاتا تھا۔ محمد علی کی فوج اور بیڑے کی تنظیم فرانسیسی سرداروں نے کی تھی۔ وہ فرانسیسی کارندوں اور تجارت پیشہ اشخاص میں گھرا رہتا تھا اور جب الجزائر کی فتح نے فرانس کے قدم بحر متوسط کے جنوبی ساحلوں تک پہنچادئے تو وہاں کے اُن مدبروں کی نظر سے مصر کے ساتھ زیادہ قوی سیاسی روابط قایم کرنے کے فوائد مخفی نہیں رہے جو جبل الطارق اور مالٹا میں انگریزوں کی بحری قوت کے حیرت انگیز کرشمے دیکھتے تھے مزید برآں محمد علی کے اوصاف ذاتی نے فرانس کی رائے عامہ پر بڑا اثر ڈالا۔ جو لوگ اتنی دور تھے کہ اس کے جور و جبر کے اثرات سے واقف نہ ہو سکتے تھے ان کے دلوں میں اس کی درخشاں جنگی اصلاحات، اعلیٰ درجے کا زوردار انتظام اور مالیات میں اس کے کارناموں نے یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ عجب نہیں یہ شخص مشرق میں ایک نئی جان ڈال دے۔ اس طرح نہ صرف خالص اپنی ملکی اغراض کی بنا پر بلکہ سلاطین عثمانیہ سے محمد علی کی افضلیت کے اذعان نے بھی حکومت فرانس کو رفتہ رفتہ مصری کشور کشا کا مسلمہ حامی بنا دیا اور بغیر کسی علانیہ یا باضابطہ رشتۂ اتحاد کے اس کے مفاد و اغراض کو فرانس کی اغراض سے وابستہ کر دیا۔

سلطان محمود نے معاہدات قینار یہ پر دل میں بہت پیچ و تاب کھا کے دستخط کئے تھے۔ اور اس وقت اس کی تمام کوشش ایک ایسی فوج تیار کرنے پر مصروف ہو گئی جو اس سرکش باج گزار سے انتقام اور چھنے ہوئے صوبوں کو واپس لے سکے۔ وہ اپنے نظم و نسق کو مغربی وضع کے مطابق بنانے کا محمد علی سے کچھ کم شوق نہ رکھتا تھا اگرچہ محمد علی کی طرح یہ قابلیت اُس میں نہ تھی کہ اپنے کام پر ارادۂ شخصی کی مہر چھاپ دے۔ دوسرے جب کبھی اس کی اصلاحات کے متعلق یہ قرینہ پیدا ہوا کہ ان سے کوئی بہت مفید نتیجہ برآمد ہوگا تو روسیوں کی حاسدانہ دراندازی نے اس میں روڑے اٹکائے۔ ان سب باتوں کے باوجود غیر ملکی سرداروں کی رہنمائی سے اس نے اپنی فوج میں کسی حد تک مغربی ضبط و نظام تو رائج کر ہی دیا۔ انھی غیر ملکی سپاہیوں میں وہ شخص بھی تھا جس کی اس وقت تو کوئی شہرت نہ تھی لیکن ایک عرصے بعد آگے چل کر اس کے نصیب میں لکھا تھا کہ یورپ بھر میں نام پائے گا۔ یہ پروشیہ کے جنگی علمے کا سردار مولٹکے تھا۔

محمد علی اور ابراہیم کا زمانۂ حکومت

پھر یہ کہ محمد علی اور ابراہیم دونوں اس بات کو خوب جانتے تھے کہ ترکوں سے جو صلح ہوئی ہے وہ محض ایک مہلت جنگ ہے اور جس ملک کو انھوں نے تلوار سے جیتا ہے اس پر قبضہ رکھنے کے لئے بھی ناگزیر ہے کہ حملہ روکنے کی ہر وقت تیاری رکھی جائے۔ اسی جنگی ضرورت کی مجبوریوں سے ابراہیم کو چار و ناچار اُن اسباب قوت سے ہاتھ دھو لینے پڑے جو اپنی نئی رعایا کی خوشدلی سے اُسے حاصل ہو سکتے تھے کیونکہ یہ رعایا ترکی حکومت سے نفرت اور ابراہیم کی حکومت سے یہ امید رکھتی تھی کہ اب اسے جور و ظلم سے نجات مل جائے گی۔ چنانچہ اوّل اوّل اس کا نجات دہندہ کی حیثیت سے خیر مقدم کیا گیا۔ لیکن تھوڑے ہی دن میں ثابت ہو گیا کہ وہ اپنے پیش رو حاکموں سے بھی زیادہ سخت گیر آقا ہے۔ فوج کی جبری خدمت کے قواعد اور بھی سخت کر دئے گئے۔ محاصل کا بار زیادہ بڑھ گیا۔ پہاڑوں میں جو قبیلے بدوی قسم کی آزادی سے بہرہ ور تھے، ان کے ہتھیار لے لئے گئے، دوسری رعایا کے مساوی کر دیا گیا۔ اس طرح رعایا کی وہی بد دلی جو ان سرحدی صوبوں کی فتح میں سہولت کا باعث ہوئی تھی، اب فاتح کے خلاف کام کرنے لگی اور بغاوت پہ بغاوت ہونے لگی جس نے ابراہیم کے

کوہ لبنان اور دشت شام کے قبضے کو متزلزل کر دیا۔ اپنے حریف کے خلاف ہر فساد کو سلطان کینہ آمیز مسرت کے ساتھ بغور دیکھ رہا تھا اور بے تاب تھا کہ کب اس کی فوجی تنظیم پوری ہو اور کب وہ اس قابل ہو کہ میدان جنگ میں آتر کے غنیم کے ایک کاری ضرب لگائے۔

اپنے وسائل کے انتخاب میں محمد علی کی اعلیٰ قابلیت کیسی ہی ممتاز سہی، ان سب کا مقصود وہی تھا جو صحیح معنی میں ایک مشرقی مطلق العنان کا ہوا کرتا ہے۔ اس کے نظم ونسق کی غایت یہی تھی کہ رعایا کے زیادہ سے زیادہ افراد کو سپاہی بنا لے اور جو لوگ باقی رہیں ان کی کمائی کا روپیہ اپنے خزانے میں کھینچ لائے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس نے مصر کے مالکان زمین کی تعداد کثیر کو رفتہ رفتہ حقوق مالکانہ سے محروم اور بالآخر یہ اعلان کر دیا کہ تمام سرزمین سلطنت کی ملکیت ہے اور پیداوار کی قیمت کا خود تعین کر کے اس سب کا مالک بن بیٹھا۔ اس کے مقبوضہ ممالک کی تجارت عام اور طبعی طریق سے ہونے کی

ممالک عثمانیہ کی تجارت

بجائے، اجاروں کی صورت میں سرکاری چیز بن گئی۔ ادھر تو یہ طریقہ جو نو مفتوحہ صوبوں میں بھی جاری کر دیا گیا، سرعت کے ساتھ محمد علی کی تھیلیاں بھر رہا تھا اور ادھر اسے دیکھ کر سلطان کو موقع ملا کہ دول یورپ سے یکے بعد دیگرے تجارتی معاہدے اور تمام سلطنت عثمانیہ میں انھیں تجارت کی کامل آزادی دے کر محمد علی کو شدید نقصان پہنچائے۔ کیونکہ رسمی طور پر یہ سب علاقے ابھی تک سلطان کی سیادت میں داخل تھے اور اس کے تجارتی معاہدوں کا ان سب ممالک پر نفاذ ہوتا تھا۔ اب اگر محمد علی اس کارروائی کی مخالفت کرتا تو وہ یورپ بھر کے تجارت پیشہ لوگوں کی دشمنی مول لیتا اور اگر خاموش رہ کر ان معاہدوں کا عملدرآمد ہوتے دیکھتا تو اس کے مداخل کی ایک بہت بڑی رقم، جس پر اس کی جنگی قوت کا انحصار تھا، ہاتھ سے جاتی۔ غرض، غالباً یہی مدعا تھا جس کے مد نظر سلطان نے ۱۸۳۸ء میں انگلستان کے ساتھ ایک نیا تجارتی معاہدہ کر لیا جس کے بعد تھوڑے ہی دن میں یورپ کے دوسرے ممالک سے اسی قسم کے عہد نامے ہو گئے۔

سلطان کی حکمت عملی کا منشا محمد علی پا گیا تھا اور دراصل وہ پہلے ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دینے کی ٹھان چکا تھا۔ اسے نظر آتا تھا کہ ترکی سے جنگ ہوئے بغیر نہ رہے گی اور جس وقت ترکی سپہ سالاروں نے ان فوجوں کو جو کردستان کے وحشی قبائل کی سرکوبی کر کے

آئی تھیں بالائی، فرات کے کنارے جمع کیا، اس وقت محمد علی نے بھی ابراہیم کو حکم دیا کہ حلب کے نواح میں اپنی سپاہ فراہم کرے۔ طوفان جنگ کے بادل ملک پر منڈلانے لگے۔

محاربہ نسیبین جون ۱۸۳۹ء

دول خارجہ کے قائم مقاموں نے سلطان کو بہت سمجھایا کہ ایسے کام میں ہاتھ ڈالنے سے باز رہے جس کا انجام ممکن ہے کہ خود اس کی سلطنت کے حق میں بہت برا نکلے۔ لیکن سلطان پر کسی کے کہنے سننے کا اثر نہ ہوا۔ اس کی عمر آخر ہو چکی تھی مگر جسمانی بے احتیاطی اور طویل زمانہ حکومت کے آلام و افکار سے مضمحل ہونے کے باوجود اس کے دل میں پرانے کینوں کی آگ اسی طرح بھڑک رہی تھی۔ اس نے سفیروں کو تو اطمینان دلایا کہ میں قیام امن کا خواستگار ہوں لیکن اسی کے ساتھ کسی فرد واحد کو علم ہوئے بغیر اپنے سپہ سالار کے پاس ایک خط بھیج دیا کہ جنگ کا آغاز کر دیا جائے۔ ۲۲ مئی ۱۸۳۹ء کے دن ترکی فوج اپنی سرحد کے پار ہو گئی پھر جو نقل و حرکت اور معرکہ آرائیاں، ان میں مولٹکے اور دوسرے یورپی سرداروں کی جو جنگی مستقر پر موجود تھے، مخالفت اور صلاح کو برابر نظر انداز کیا جاتا رہا۔ دشمن کے مقابلے میں ترکوں کی سب تدبیریں غلط ہوئیں ان کا سلسلۂ آمد و رفت منقطع ہو گیا اور ۲۴ جون کو ابراہیم کی یورش نے انھیں نسیبین کے مورچے سے بری طرح مار کر بھگا دیا۔ تمام توپ خانہ اور ساز و سامان دشمن کے ہاتھ پڑا اور فوج پراگندہ ہو گئی۔ لڑائی کے چھٹے دن اور اس وقت کہ اطلاع لے جانے والا قاصد اناطولیہ ہی میں تھا سلطان محمود کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا شانزدہ سالہ فرزند عبدالمجید تخت سلطنت کا وارث ہوا۔ نئے سلطان کی تخت نشینی کی پوری طرح منادی ہونے بھی نہ پائی تھی کہ امیر البحر احمد فوزی کے متعلق خبر آئی کہ ساحل شام پر حملہ کرنے کی بجائے وہ جہاز لئے ہوئے سکندریہ کی بندرگاہ میں چلا گیا اور ترکی بیڑے کو اس نے خود محمد علی کے حوالے کر دیا۔

ان ناگہانی مصائب نے دولت عثمانیہ کو لاوارث اور بر و بحر دونوں پر غیر محفوظ اور بے دست و پا بنا دیا لیکن ان کے اس قدر ناگہانی ہونے ہی میں بالآخر اس کی حفاظت و بقا کا سامان مہیا ہو گیا کیونکہ اسی واقعے نے دول یورپ کو آمادہ کیا کہ وہ مل کر کارروائی کریں

دول یورپ کے تعلقات محمد علی سے

اور اگر صورت حال ایسی نازک نہ ہوتی تو اس قسم کا اتحاد عمل غالباً محال ہوتا۔ محمد علی نے صلح کی بڑی سخت شرطیں پیش کی تھیں۔ ان کا اعلان ہوا تو

سفرائے یورپ نے ایک متفقہ درخواست باب عالی میں پیش کی کہ جب تک دول یورپ بالاتفاق کوئی فیصلہ نہ کریں، فرماں روائے مصر کو کوئی جواب نہ دیا جائے۔ تھوڑے ہی دن بعد انگلستان و فرانس کے بڑے درد انیال میں آپہنچے جس کا ظاہری مقصد تو استنبول کو مصری حملے سے محفوظ رکھنا تھا لیکن اصلی منشا یہ تھا کہ دولت روس یکایک کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ مگر اس جنگی مظاہرے کی درحقیقت کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ زار روس نے اگرچہ دو چار مرتبہ اپنا عندیہ کچھ اور ظاہر کیا تھا لیکن اسے پہلے ہی یقین ہو گیا تھا کہ دول یورپ معاہدۂ "انکیار اسکلیسی" پر عملدرآمد نہ ہونے دیں گی اور ترکی کی حفاظت کا کام صرف روس کے ہاتھ میں دے دینا گوارا نہ کریں گی۔ چند سال سے انگریزی حکومت نے جو لب و لہجہ اختیار کر رکھا تھا وہ صاف دلالت کرتا تھا کہ استنبول میں تن تنہا اپنا اقتدار جمانے کی روسیوں نے کوشش کی تو اس کا نتیجہ انگریزوں سے جنگ ہوگا جس میں اگر سب نہیں تو اکثر دول یورپ برطانیہ کے ساتھ ہوں گی۔ الغرض دولتِ روس نے ترکی میں تنہا اقتدار حاصل کرنے کا خیال تو چھوڑ دیا اور اب ساری توجہ اس بات پر مبذول کی کہ انگلستان و فرانس میں جو اختلافات تھے انھیں اور بڑھا دیا جائے۔ اور یہ کچھ مشکل بات نہ تھی کیونکہ حکومت فرانس چاہتی تھی کہ یہ لڑائی جیت کر محمد علی پہلے سے بھی زیادہ طاقتور ہو جائے۔ بلکہ یہاں تک کہ خاندان عثمانی کی بجائے وہی استنبول میں بادشاہی کرے۔ لیکن لارڈ پامرسٹن ہمیشہ سے لوئی فلیپ سے حسد اور بدگمانی رکھتا تھا اور وہ کسی طرح یہ ماننے پر رضامند نہ ہوا کہ سلطنت عثمانیہ کے دو حصے کر دیئے جائیں گے تو روس کی روزافزوں قوت کا سدباب ہو جائے گا اور نہ اس نے یہ پسند کیا کہ مشرق میں کوئی ایسی حکمت عملی اختیار کرے جس کی کامیابی کا انحصار ایک فرمانروا کے ذاتی اوصاف پر ہو بالخصوص جبکہ یہ فرماں روا ابھی اب سن میں ستر سال سے متجاوز ہو چکا تھا[1]۔ ان سب باتوں کے علاوہ پامرسٹن کی خود اپنے معاملات میں محمد علی سے برخاستہ خاطری کے اسباب بھی موجود تھے۔ انگریزی حکومت کی

---

[1]۔ پامرسٹن کو سلطنت عثمانیہ کی صحیح حالت کا بہت کم اندازہ تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اگر اسے دس سال تک امن سے گذارنے کی مہلت مل گئی تو وہ پھر ایک بڑی طاقت بن سکتی ہے۔ چنانچہ اس کا قول تھا کہ "سلطنت ترکی کے انحطاط اور اس کے مُردہ یا سوکھا ٹھنارہ جانے کے متعلق جو کچھ ہم سنتے ہیں وہ سب محض لغو اور مطلق لایعنی باتیں ہیں"۔ بُل ورز "پامرسٹن" دوم۔ ۲۹۹۔

ان دنوں توجہ اس بات پر مبذول ہوئی تھی کہ ہو سکے تو دریائے فرات یا بحر قلزم کی طرف سے ہندوستان تک خشکی کا راستہ نکالا جائے۔ اور محمد علی نے دونوں صورتوں کے متعلق جو روڑے اٹکائے ظاہر ہے کہ ان سے انگریزوں کے ساتھ اس کے تعلقات میں کوئی دوستی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ بلکہ بحر قلزم میں عدن کی بندرگاہ پر جو انگریزوں نے اسی زمانے میں قبضہ کیا اس کا بھی ایک جزوی سبب یہی تھا کہ محمد علی ان دنوں ملک عرب کے بڑے حصے پر قابض ہو گیا اور اُسے انگریزوں سے خصومت اور فرانسیسی اغراض ومفاد سے دلی وابستگی تھی۔

اب، جبکہ روس نے مل کر کام کرنے کی ضرورت تسلیم کر لی اور اپنے حریف (برطانیہ) کی طرف کھنچ آیا تو پھر فرانس کے اس اصرار کا کہ اور ملک بھی والی مصر کے حوالہ کر دئے جائیں نتیجہ یہی ہونا تھا کہ فرانس دول یورپ کے متحدہ گروہ سے خارج ہو جائے۔ دوسری سلطنتوں کے طرز عمل کے متعلق کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ میٹرنک نے باغیوں کے مقابلے میں شاہان جائز کی پشت پناہی کی ضرورت پر اپنی فرسودہ ڈھکوسلوں کو دہرایا اور فاتح قونیہ و نسیبین کا اس پیرائے میں ذکر کیا کہ گویا وہ بھی کوئی ہسپانیہ کا آئین طلب یا جرمانیہ کا شوریدہ سر معلم تھا۔ اس طرز بیان کا سبب یا تو فی الواقع اس کی سیخی پسندی تھی اور یا ممکن ہے کہ اس پردے میں وہ اُس خوف کو چھپانا چاہتا ہو جو روس کی طرف سے اسے لاحق اور اس کی مشرقی حکمت عملی کا اصلی گر تھا۔ دربار برلن نے اسی عام روش کو اختیار کیا اور اس طرح لوئی فلپ کی حکومت کے سوا یورپ بھر میں محمد علی کا کوئی ساتھی نہ رہا۔

والیِ مصر کی فوجیں ترکی سرزمین میں صف آرا تھیں اور انھیں کوئی روکنے والا نہ تھا۔ سلطان کا بیڑا محمد علی کی اپنی بندرگاہ اسکندریہ میں لنگر ڈالے پڑا تھا۔ لیکن مذکورۂ بالا حالات میں یہ سب بیکار باتیں تھیں۔ جن سازشوں سے اس کو امید تھی کہ نوجوان سلطان کی ناتجربہ کاری کی بدولت وہ گھبراہٹ میں اپنے موافق منشا معاہدہ کرا لے گا، وہ ناکام رہیں اور اکتوبر میں اسے اطلاع مل گئی کہ کوئی فیصلہ جو وہ دولِ یورپ کے اتفاق کے بغیر باب عالی سے کرے گا۔ جائز نہیں سمجھا جائے گا ادھر اس عرصے میں بس محمد علی کو شام سے نکال کر عثمانی صوبے باب عالی کے حوالے کرنے کی غرض سے جنگی کارروائی کی تجویز پہ تجویز حکومت انگریزی کے روبرو پیش کر رہا تھا۔ آخر سالِ نو کے اوائل میں میٹرنک کی

> دُول اربعہ کا معاہدہ بلا شرکت فرانس۔ جولائی سنہ ۱۸۴۰ء

تحریک سے قرار پایا کہ مشرقی مسائل کے طے کرنے کی غرض سے بلا پس و پیش ایک مجلسِ مشاورت لندن میں منعقد کر دی جائے۔ فرانس اور دوسری سلطنتوں میں جو تکمیل اختلاف تھا۔ وہ بلا تاخیر آشکار ہو گیا۔ فرانس نے تجویز کی کہ مصر و شام کا سارا علاقہ محمد علی کی موروثی ملکیت میں دے دیا جائے اور اس پر بجز ایک سالانہ خراج کے باب عالی کا اور کوئی اقتدار باقی نہ رہے۔ اس کے جواب میں انگلستان کی تجویز یہ تھی کہ محمد علی سلطان کی سیادت میں صرف مصر کا موروثی حاکم مانا جائے اور شام کے شمالی اضلاع کو بالکل خالی کر کے فلسطین کو باب عالی کے معمولی صوبہ دار کی حیثیت سے تازیست اپنے پاس رکھے۔ اس تجویز سے، بہ استثنائے فرانس تمام سلطنتوں نے اتفاق کیا۔ جس قدر گفتگو کا سلسلہ زیادہ جاری رہا اسی قدر لارڈ پامرسٹن کا ابرام زیادہ نمایاں ہوا اور ثابت ہو گیا کہ فرانس کے ساتھ مصالحت کا امکان نہیں۔ آخر جب یہ کھلا کہ فرانسیسی وزرا بطور خود فریقین میں ثالثی کرنے کی کوشش میں ہیں تو چاروں سلطنتوں نے فرانس سے رسمی منظوری کی درخواست کئے بغیر ہی، ۱۵ر جولائی کو سلطان کے ساتھ ایک عہدنامے پر دستخط کر دئیے جس میں انھوں نے محمد علی سے عہدنامے کی شرطیں منوا دینے کا ذمہ لیا تھا۔ سلطان نے وعدہ کیا کہ اول مرتبہ تو وہ محمد علی کو مصر کے دوامی اور جنوبی شام کے تازیست دینے کے لئے کہے گا۔ لیکن اگر یہ عطیہ دس دن کے اندر قبول نہ کیا گیا تو وہ صرف ملک مصر کے دینے پر رضامندی ظاہر کرے گا اور اگر آئندہ بیس دن گذرنے پر بھی محمد علی نہ مانا تو پھر یہ عطیہ بھی واپس لے لیا جائے گا اور سلطان اور اس کے حلیف ہر کارروائی جو سلطنت عثمانیہ کے حفظ حقوق کے واسطے مناسب ہو عمل میں لائیں گے۔[1]

یہ معاہدہ، جس نے فرانس کو گویا اتحاد دول سے خارج کر دیا تھا، شائع ہوا تو پیرس میں غیظ و غضب کا طوفان برپا ہو گیا۔ اس وقت حکومت کا صدر تائیر تھا اور یہ وہ شخص ہے جس نے اپنی تحریروں سے فرانسیسیوں کے کشور کشایانہ جنگ کے

[1] ہربرٹ سلٹ: میک اوف یورپ، دوم، ۱۰۰۸۔ روزن، دوم ۳۔ گوئی زو نیجم ۱۸۸۱ پروگیشن اوڈیشن، "محمد علی" صفحہ ۸۱۔ پامرسٹن، دوم ۳۵۶۔ ہلیبراَن: دوم ۳۵۷۔ گرویلی: "میموائرز"، حصہ دوم، جلد اوّل ۲۹۷۔

جذبات کو سب سے زیادہ بھڑکایا اور نپولین پرستی کو از سر نو زندہ کیا تھا۔ اُس کی عزت و وقار کا اسے حد درجے خیال تھا، اور جس وقت قومی خودداری کا معاملہ اور بات کی پیچ آپڑے تو پھر وہ کسی دوسری مصلحت کی چنداں پروا نہ کرتا تھا، دوسرے اپنے ملک کی قوت کا وہ بہت بڑھا چڑھا کے تخمینہ کرتا تھا اور یہ سب ایسے اسباب تھے کہ اس نازک موقع پر اس کا وزیر ہونا بہت ہی خطرناک بن گیا تھا۔ چنانچہ محمد علی کے لئے خطرہ پیدا ہو جانے یا اس پر ناجائز زیادتی ہونے کا خیال تو بالائے طاق رہا لیکن فرانس کی اس خفت اور اُسی اتحاد دول کے احیا نے جو ۱۸۱۵ء میں فرانس کو سرنگوں

فرانس میں جنگجوئی کا جوش۔ سنہ ۱۸۴۰ء

کر چکا تھا، تائیر اور قوم کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ وہ شام کو تو بھول گئے۔ بلکہ سرحد رہائن تک پھر قبضہ کرنے، اور یوم واٹرلو کا انتقام لینے کا ہنگامہ بلند ہوا۔ تازہ فوجیں بھرتی کی جانے لگیں۔ بیڑے کو زیادہ قوی بنا دیا گیا اور پیرس کے مورچے جن کی تجویز مدت سے معرض التوا میں پڑی تھی، بنائے جانے لگے۔ خود تائیر غالباً پروشیہ پر حملہ کرنے کی بجائے اطالیہ میں جنگ آزمائی کی فکر میں تھا اور اس کے ذہن میں وہ نتائج تھے جو آگے چل کر فی الواقع نپولین ثالث کے محاربہ ۱۸۵۹ء سے حاصل ہوئے۔ لیکن عام رائے فرانس اور دوسرے ممالک میں یہی تھی کہ اگر جنگ چھڑی تو لامحالہ جرمانیہ پر حملہ ہوگا۔ حملے کی اس توقع نے جرمن قوم کے جذبات میں جس طرح جوش و خروش پیدا کیا اس کی شاید کسی کو امید نہ ہوگی۔ چھوٹی ریاستوں میں بلکہ خود رہائن کے صوبوں میں وطن پرستی کی رَو ہر شے کو سامنے سے بہا لے گئی حالانکہ ان صوبوں کی قسمت بیس برس تک فرانس سے وابستہ رہی اور ۱۸۱۴ء میں ان کا پروشیہ کے تسلط میں دے دیا جانا، یہاں والوں کو قطعاً ناگوار گزرا تھا۔ اسی ۱۸۴۰ء کے جوش وطن پرستی نے جرمانیہ کے قومی گیتوں میں ایک جنگ کے گیت کا اضافہ کیا جو ۱۸۱۳ء اور پھر ۱۸۷۰ء کے گیتوں سے کم مشہور نہیں ہے[1] چند سال بعد ۱۸۴۸ء کے واقعات نے یہ تو ضرور ثابت کر دیا کہ زیر نظر

---

[1] Sie sollen mn nieht haben Den Freien Dentshen Rh.

مصنفہ بیکر

زمانے میں یورپ بھر میں ایسی انقلاب انگیز قوتیں نشو ونما پا رہی تھیں کہ اگر کوئی عام جنگ بپا ہو جاتی تو ان سے فرانس کو کچھ نہ کچھ مدد مل سکتی تھی۔ لیکن انقلاب انگیزی کے لئے کسی لڑائی کا چھڑنا کسی ایک حکومت کے واسطے اتنا پُرخطر نہ تھا جتنا خود فرانس کی حکومت کے حق میں۔ اور اس کا لوئی فلیپ کو جتنا اندیشہ رہتا اتنا اور کسی کو نہ ہوگا۔ اس موقع پر اُس نے اپنے رسوخ پر جو مجلس مبعوثین میں اسے حاصل تھا بھروسہ کیا اور نئے اجلاس کی افتتاح کے وقت تائیر نے جو تقریر بادشاہ کی طرف سے تیار کی تھی، اسے پڑھنے سے انکار کر دیا جس کی بنا پر وزارت مستعفی ہوگئی اور بادشاہ نے اس کا استعفا قبول کر لیا۔ جیسا کہ لوئی فلپ کا خیال تھا، مجلس مبعوثین درحقیقت فرانس کے آتشجو عوام کی نہیں بلکہ صاحبان ثروت واحتیاط کی قائم مقام تھی اور اس نے گوئی زو کی نئی وزارت کے متعلق، طویل بحث کے بعد اظہار اعتماد کی تحریک منظور کر لی۔ گوئی زو لندن میں سفیر اور یورپ کی متحدہ رائے تسلیم کر لینے کا حامی تھا اور اس کے وزیر اعظم مقرر ہونے کے بعد، اگرچہ جنگی تیاریاں جاری رہیں لیکن سب کو اطمینان ہو گیا کہ وہ قیام امن کی حکمت عملی اختیار کرے گا۔ چنانچہ فرانس محمد علی کو تقدیر کے حوالہ کر کے الگ ہو گیا اور سارے یورپ نے دیکھ لیا کہ لارڈ پامرسٹن کا اپنی بات پر اس طرح اڑے رہنا جس سے وزرائے انگلستان کو بھی ناگواری ہوئی تھی، بالکل درست وبجا تھا۔

اب محمد علی کے خلاف اتحادیوں نے جنگی کارروائی شروع کی۔ پروشیہ نے تورہائن کی حفاظت اپنے ذمے لی اور روسیوں نے ابراہیم کی کسی پیش قدمی کے وقت استنبول کی مدافعت کا بیڑا اٹھایا اور ادھر ترکوں کی ایک بڑی فوج کو سواحل شام پر حملہ کرنے میں

ابراہیم کا اخراج شام سے۔ ستمبر تا نومبر سنہ ۱۸۴۰ء

ایک انگریزی اور آسٹروی بیڑے نے مدد دی۔ پہاڑی قبیلوں میں اس وقت پھر بغاوت بپا ہو گئی تھی۔ انھیں اتحادیوں نے اسلحہ بہم پہنچائے اور یہ آگ تھوڑے ہی عرصے میں شام کے اکثر اقطاع میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اس کے جواب میں موسے نے وہ گیت لکھا تھا۔

"Nousl,avons ev, Votre Rhin Allemand

اسی زمانے میں ورتم برگ کے ایک شخص شنیگن برہ گر نے مذکورۂ بالا گیت سے بھی بہتر گیت "Die Wacht : am Rhein تحریر کیا۔ لیکن وہ تال سُر جس میں یہ گیت آج کل گائے بجائے جاتے ہیں سنہ ۱۸۵۴ء سے پہلے مرتب نہیں ہوئے تھے۔

بھڑک اٹھی۔ ابراہیم نے زبردست مقابلے کی تیاری کی تھی۔ لیکن رقبہ جنگ کی توسیع سے اس کے منصوبے بگڑ گئے اور وہ ساحلی شہروں کے یکے بعد دیگرے اتحادیوں کے ہاتھ میں پڑنے کا تدارک نہ کر سکا۔ سرچارلس نیپیئر نے عکہ تسخیر کیا تو پھر اسے شام میں جم کر لڑنے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور وہ اپنی بچی کھچی فوج لوٹ کر سرحد مصر کی طرف پسپا ہوا۔ نیپیئر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سکندریہ کی بندرگاہ میں داخل ہو چکا تھا اور وہاں والی مصر سے ایک اقرار نامہ لے چکا تھا جس میں محمد علی نے سب ترکی صوبوں سے دست برداری اور ترکی بیڑا واپس دینے کا ذمّہ لیا اور اس کے عوض میں اسے مصر کی موروثی حکومت کا اطمینان دلایا گیا۔ دراصل انگریز امیر البحر اس قسم کے اقرار مدار کا مجاز نہ تھا لیکن اس قرارداد میں کم وبیش سب وہی شرطیں معیں جو اتحادی عائد کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا جب محمد علی نے سلطان کی اطاعت گزاری کا رسمی اقرار کر لیا تو سلطان نے بروے فرمان مصر کی موروثی حکومت اسے اور اس کے خاندان کو عطا فرمادی اور اتحادیوں نے بھی اس فرمان کی تصدیق کر دی۔

آخری تصفیہ فروری ۱۸۴۱ء

گذشتہ جولائی کے معاہدے میں چوبیس دن کی مہلت محمد علی کو دی گئی تھی اس کے گزر جانے کے بعد، اور تائیر کی معزولی سے کچھ ہی پہلے اس قسم کی مصالحت کی تجویز فرانس نے بھی پیش کی تھی لیکن پامرسٹن کسی ایسے مطالبے کو سننے پر آمادہ نہ تھا جس کے منوانے کے لئے جنگ کی صراحةً یا کنایۃً دھمکی دی گئی ہو۔ البتہ اب فرانس میں ایک دوسری وزارت مقرر ہو گئی تھی اور پامرسٹن کا یہ ہرگز منشا نہ تھا کہ انگلستان اور فرانس میں مخاصمت کو تازہ رکھا جائے۔ چنانچہ اس نے خوشی سے مذکورۂ بالا شرائط قبول کر لیں اور ان سب سے ایک طرف تو فرانس کو اپنے حلیف کی کامل تباہی کا تماشا دیکھنے کی ذلت نہ اٹھانی پڑی اور دوسری طرف مصر ایک ایسے فرماں روا کے سپرد ہو گیا کہ اس میں کیسے ہی عیب کیوں نہ ہوں، اس میں ذرا شک نہیں کہ وہ اپنے زمانے کے مشرقی لوگوں میں سب سے زیادہ حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اب دول کو اتنا کام کرنا اور باقی رہا کہ باسفورس اور دردانیال کے متعلق باضابطہ اس قسم کے قواعد منضبط کر دیں جن کو سارا یورپ تسلیم کرے۔ عہد نامۂ انکیار اسکلیسی کو روس عملاً نسیاً منسیاً کر چکا تھا اب وہ بھی، فرانس سمیت تمام دول یورپ کے ساتھ اس اعلان میں ہم آہنگ ہو گیا کہ سلطنت عثمانیہ کا قدیم قاعدہ جس کی رو سے کسی قوم کے جنگی جہازوں کو،

آبنائے دردانیال

بجز اس صورت کے جب کہ باب عالی خود شریک جنگ ہو ان آبناؤں میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، بحالی رہے گا اور تمام ممالک یورپ اس کو تسلیم کریں گے۔ اس طرح روس نے گویا اس موقع سے ہاتھ اٹھا لیا کہ ترکی سے علیحدہ کوئی معاہدہ کرکے اپنے بیڑے کے بحر اسود سے بحر متوسط میں لانے اور بحر متوسط کی ایک بحری قوت بن جانے کا مستقل حق حاصل کرلے۔ ادھر اس اعلان سے روس کے اسباستوپل اور بحر آفشین کے دوسرے جنگی مخزن کسی بحری قوت کے حملے سے محفوظ ہوگئے بجز اس صورت کے جب کہ خود ترکی زار روس کے خلاف ہتھیار اٹھا لے۔ اور اگر روسیوں کے مقابلے میں انگریزوں کی بحری فوقیت نیز افشین کے ساحلی شہروں تک دسترس ہونے کی اہمیت کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بحث طلب مسئلہ ہے کہ باسفورس اور دردانیال کے بحری راستے سے تمام بین الاقوامی رکاوٹیں دور ہو جانے سے انگلستان زیادہ فائدے میں رہتا یا اس کا حریف۔ لیکن جنگ کریمیہ سے پہلے یہ بحث کسی نے نہیں اٹھائی اور خود ہمارے ملک میں اس رائے کو کہ دردانیال کے کھل جانے سے انگلستان فائدے میں رہے گا ابھی تک تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

ترکی بعد ۱۸۴۱ء کے

۱۸۴۱ء کی جد و جہد کے خاتمے نے یہ بات صاف طور پر معین کردی کہ آیندہ مغربی دول سے تعلقات میں ترکی کا مرتبہ کیا رہے گا۔ اس سلطنت کے مستقبل کی طرف دو ہی صورتیں نظر آتی تھیں کہ یا تو ابراہیم اسے تباہ کردے اور یا وہ بالکل سلطنت روس کی ماتحت بن جائے اور اس حالت زار سے اسے دول یورپ ہی نے مل کر نجات دلائی لہٰذا اب اگرچہ کہنے کو اسے پھر ایک آزاد یورپی سلطنت کا مرتبہ حاصل ہوگیا لیکن حقیقت میں اس کی ہستی یورپ کی حمایت پر منحصر اور وہ اپنے اندرونی انتظامات اور بیرونی تعلقات اور معاہدات وغیرہ سب معاملات میں یورپ کے سامنے جوابدہ ہوگئی۔ وہ ترک مدبر جنھوں نے باب عالی کو روس کے پنجۂ اقتدار سے چھڑانے کی گفتگو میں حصہ لیا، یورپ کی رائے عامّہ کو اپنے موافق بنانے کی ضرورت کو بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔ نئے سلطان کی تخت نشینی کے وقت رشید پاشا (خوید) وزیر خارجہ تھا اور جن یورپی وزرا یا سفرا سے بساط سیاست پر اس کا سابقہ پڑا ان سب کے دل میں اس نے احترام و اعتماد کا نقش بٹھا دیا۔ اس نے

اصلاحات کا ایک وسیع نظام مرتب کیا اور اسے آرزو تھی کہ سلطنت عثمانیہ کے اندرونی انتظامات میں اس طرح صفائی اور تجدید کی جائے کہ ترکی اور مغرب کی ترقی یافتہ سلطنتوں میں جو فرق نظر آتا ہے وہ رفتہ رفتہ مٹ جائے اور ترکی نہ صرف برائے نام بلکہ فی الحقیقت دنیائے یورپ کا ایک ٹکڑا بن جائے۔ اسے بے شبہ محمد علی کی کامیابیوں سے اور تحریک پہنچی اور یہ فکر دامنگیر ہوا کہ جس طرح محمد علی کے جزوی طور پر مغربی خیالات اور طریقے اختیار کرنے سے اہل یورپ اس کے ہواخواہ ہو گئے ہیں۔ اسی طرح انھیں باب عالی کا طرفدار بنا لیا جائے لہٰذا اس نے اپنی تجاویز اصلاح میں علانیہ یورپ کے اصول نظم ونسق اور قانون کی فضیلت اس طرح تسلیم کی کہ

رشید پاشا کے نئے قوانین۔

رعایا کی جان و مال کے محفوظ ہونے اور بے ضابطہ سزادہی کی ممانعت کا اعلان کیا، یہود و نصاریٰ کے ملکی حقوق تسلیم کئے اور وصول محاصل کا کام صوبے کے والیوں سے لے کر مرکزی حکومت کے عمال کے ہاتھ میں دے دیا۔ سلطنت عثمانیہ کے دوست اُس وقت ان قوانین کی صحیح قدر و قیمت کا تجربہ نہ رکھتے تھے جو ایسی قوم کے لئے وضع کئے جائیں جس میں ان کے نافذ کر دینے کی کوئی طاقت موجود نہ ہو اور جہاں خود حکومت کے کارندے سرکار کے سب دشمنوں سے بڑھ کر قانون شکن ہوں۔ اس لئے انھوں نے روشن خیال رشید کے ان جدید قوانین کو بہت سراہا کہ وہ سلطان کی مشرقی اور مسیحی اقوام کی زندگی کا ایک نیا باب وا کر دیں گے۔ لیکن محل کی ایک ہی ریشہ دوانی سے اس وزیر کی معزولی نے بہت جلد ثابت کر دیا کہ یہ امیدیں کیسی کمزور بنیادوں پر قائم تھیں۔ بعض دوسرے ترکی مصلحین کی طرح رشید نے بھی ایک لاعلاج کام کا آغاز کیا تھا۔ اور آج اُس شخص کا نام بھی قریب قریب فراموش ہو چکا ہے جس کا ایک زمانے میں ایک بڑی سلطنت کا محسن و مربی سمجھ کر بہت کچھ اعزاز و احترام کیا جاتا تھا۔

یورپ میں سی سالہ امن کا زمانہ۔ اطالیہ اور آسٹریہ۔ ماذنی۔ خاندانِ سیوائے۔ جیوبرتی۔ پائیس نہم کا انتخاب۔ اصلاحات کی توقع۔ پلرمو میں بغاوت شمالی اطالیہ کی شورش۔ لمبارڈی۔ سلطنت آسٹریہ کی کیفیت۔ ہنگری میں جذبات قوم پرستی۔ گمیارو اسلافی۔ ٹرین سل وانیہ۔ گمیاروں کے فرقے۔ کوسوت۔ اسلافیوں کی قومی تحریک آسٹریہ میں ہنگری میں حکومت کی طرف سے اصلاحات کا آغاز۔ فریقِ اختلاف کا طرزِ عمل۔ آسٹریہ کا دیہاتی نظام۔ اہلِ کلیسیہ کی سرکشی، امرا اور دہقان۔ فرمان متعلق بہ اراضی۔ وی آنا کی رائے عامہ۔ پروشیہ۔ فریڈرک ولیم چہارم کی تخت نشینی اور خصائل۔ ریاستہائے متحدہ کی مجلس ساس کی بحثیں اور برخاستگی۔ فرانس ہسپانوی شادیاں۔ تحریک اصلاح۔ اشتراکیت۔ فروری کا انقلاب۔ اورلیان خاندان کی بادشاہی کا خاتمہ۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں تاریخ یورپ کی خصوصیت یہ ہے کہ لوگوں میں عام طور پر بےچینی اور بے اطمینانی پائی جاتی ہے بعد ۱۸۱۵ء میں امن کے جس طویل وقفے کا آغاز ہوگا، وہ دول یورپ کے اندرونی سکون واطمینان کا زمانہ نہ تھا۔ بلکہ اب جو وہ اغراض ومقاصد باقی نہ رہے جو ایام جنگ میں توجہ کو جذب اور جذبات کو برانگیختہ کیے رہتے ہیں، تو ان خیالات کو اور بھی آزادی سے کام کرنے کی گنجائش ملی جو نپولین کے جنگی تسلط اور

عہد انقلاب کی ہل چل کے بعد دلوں میں الجھن اور تمنا پیدا کر رہے تھے کہ آیندہ ملکی تنظیم کچھ دوسری اور موجودہ حالت سے بہتر ہونی چاہیے۔ اگرچہ یہ تمنائیں غیر واضح اور مُعتدل تھیں" تاہم راعی و رعایا کے درمیان اختلاف کا رخنہ زیادہ چوڑا ہوتا گیا کیونکہ حکومتیں ابھی تک اسی ۱۸۱۵ء کے نظام پر مبنی تھیں حالانکہ محاربات انقلاب کے زمانے میں آزادی کی آرزوئیں اور قوم پرستی کا احساس اس قدر عام نہ تھا جس قدر کہ اب ہر طرف پھیل گیا۔ گویا وہ تخم جو ہنگامہ وفساد اور قدامت پرستی و رجعت کی آب و ہوا میں قبل از وقت زبردستی بویا گیا تھا اب پھل لایا اور ادھر نئے نئے پودے بڑے زور شور سے ان علاقوں میں اُبھرنے لگے جو اب تک تمدن جدید کے حلقے سے باہر تھے اور جس کے اس طرح نشو ونما پاتے کی کسی کو امید نہ تھی اس میں شک نہیں کہ ان تحریکوں کو مغرب کی "آزاد خیالی" نے سینچا یا قوت پہنچائی تھی مگر ان کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ حکومت وقت کی دشمن قوتیں وجود میں آئیں اور اس خطے میں سرایت کر گئیں جس پر بحر متوسط کے ممالک کی آہنی جد وجہد یا جرمانیہ کی کمزور تر سیاسی کدوکاوش کا کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ یعنی آسٹریہ کی گیلار واسلانی رعایا کے گھروں میں قومیت کا جذبہ روز بروز قوی ہونے لگا حالانکہ گذشتہ شورشوں کے تمام ایام میں یہ قومیں بے حس پڑی رہی تھیں۔ حقوق عوام کی سابقہ تحریکات کو رجعت پسندی کے پیہم حملوں نے وقت کے وقت مغلوب و سرنگوں تو کیا لیکن وہ لوگوں کے دلوں میں اندر ہی اندر زیادہ قوت پکڑتی گئیں۔ آزادیٔ عوام کے حامی جن میں سے بعض جلاوطنی میں بعض خفیہ سازشوں کے ذریعے اور بعض اس قسم کی سیاسی تحریروں سے جنکی بدگمان حکومتیں اجازت دیتی تھیں، برابر کام کرتے رہے اور انھوں نے برّاعظم کے ممالک میں وہ طاقت پیدا کر دی جس کے مقابلے میں انجام کار نظام حاضر کا شیرازہ بکھر گیا اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس کی جگہ لینے کے لائق انھوں نے کسی نئے نظام کی تکوین نہیں کی اور ان حالات میں ایسا کرنا ممکن تھا۔

۱۸۴۸ء کے قریب کے زمانے تک یورپ کی سرگذشت میں سب سے ممتاز مقام، فرانس کو نہیں، بلکہ اطالیہ کو حاصل ہے۔ کیونکہ وہاں کلاں تر قوتوں پر جو اندر ہی اندر

اطالیہ ۱۸۱۵ء تا ۱۸۴۸ء

کام کر رہی تھیں، ان تحریکات نے پردہ نہیں ڈالا تھا جو ہنگامی طور پر زیادہ نمایاں ہو جاتی ہیں۔ ۱۸۲۱ء میں بغاوت کی ناکامی نے آسٹریہ کو بظاہر اہل اطالیہ پر ان صوبوں میں بھی پہلے سے زیادہ مسلط کر دیا جہاں آسٹریہ کی باضابطہ

حکومت قائم نہ تھی۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ جب تک آسٹریہ کا لمبارڈی اور وینس پر قبضہ ہے اس وقت تک مملکت نیپلز اور پاپائی ریاستوں میں بھی کوئی کوشش اصلاح کامیاب نہیں ہوسکتی پس اجانب کو ملک سے نکالنا صرف ان لوگوں کا مطمح نظر تھا جو قوم اطالیہ کی علیحدہ اور آزاد ہستی کے خواہاں تھے بلکہ ان سب کا جو جزیرہ نمائے اطالیہ کے کسی حصے سے بھی بدانتظامی اور جور و تعدی کو دور کرنا چاہتے ہوں، مقصود وہی (آسٹریہ کا اخراج) ہو گیا تھا۔ جب تک آسٹریہ کا اقتدار نہ ٹوٹے امیر ہونا یا اور کسی ذلیل جابر کے خلاف تلوار کھینچنا بے سود تھا۔ یہ سبق خود آسٹریہ نے دو مرتبہ دیا تھا اور اگر نیپلز میں استبداد کی ۱۸۲۱ء کی بحالی کے متعلق یہ تاویل کی جائے کہ جس حکومت آئینی کو اس موقع پر مٹایا گیا وہ بیہودہ قسم کی تھی، تو بھی ۱۸۳۱ء میں آسٹریہ نے پاپائی اقتدار کو جن حالات میں جبراً بحال کیا، اس نے آسٹریہ کے لئے کسی معقول عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ کیونکہ اول اول تو خود میٹرنک یورپ کی دوسری حکومتوں کے ساتھ یہ اعلان کرنے میں ہم آہنگ ہو گیا کہ پاپائی حکومت قابل اصلاح ہے لیکن بعد میں کسی ایک اصلاح پر بھی عمل نہ ہوا حالانکہ آسٹریہ کی صرف ایک مرتبہ کی فہمائش ساری اصلاحی تجاویز کو عمل میں لانے کے لئے کافی ہو جاتی۔ یہ ایام نحوست جس قدر گزرتے گئے اسی قدر آہستہ آہستہ لیکن زیادہ گہرائی کے ساتھ ہر صاحب غور و شعور کے ذہن میں یہ جاگزین ہوتا گیا کہ اہل اطالیہ کے سامنے واقعی کوئی کام ہے تو وہ حکومت آسٹریہ کا استیصال کرنا ہے۔ اس یقین کا اظہار کسی نے عقیدۂ مسلمہ کے طریق پر کیا، خواہ مصلحت آمیز الفاظ میں اسے چھپایا لیکن وہ اطالیہ کے ان سب تمام افراد میں مشترک ضرور ہو گیا جو ملک کے مستقبل کے متعلق، قریب قریب تمام دوسری جزئیات میں اختلاف رائے رکھتے تھے۔

خیالات کے اس تلاطم میں، جو اطالیہ کے انقلاب ۱۸۴۸ء سے قبل برپا تھا، تین رنگ کی موجوں کا سراغ ملتا ہے۔ ان لوگوں میں جن کو اطالیہ کی آزادی کا بانی بجا طور پر سمجھکر بجاطور پر عزت کی جاتی ہے شاید سب سے دلکش، صورت

مازنی

مازنی کی ہے اگرچہ ایک وقت میں وہ دماغی یا اخلاقی قوت کا زیادہ حصہ دار نہ تھا۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد اس کی باقی قریب قریب ساری عمر جلاوطنی میں گذری، اور تمام حکومتوں کی نظر میں وہ سازشی اور دینی نوع میں محض ایک خیالی آدمی

سمجھا جاتا رہا، بایں ہمہ اُن میں تو وہ ایک ہادی کامل یا داعی کا مرتبہ رکھتا ہے جنھوں نے اس کے اثر وہدایت سے اپنی زندگی کو احیائے قومی کے واحد مقصد کے لئے وقف کردیا۔ ماز نی جیسا پختہ اعتقاد اور پاک وبے لوث جذبہ شاید ہی کسی محب وطن یا مرد باخدا کو میسّر آیا ہو۔ اور اگر اس میں شوریدہ سری اور تخیل پرستی کی ادائیں تھیں، تو بھی اس کا نہایت مضبوطی سے اس خیال پر قائم ہوجانا کہ اطالیہ کے احیا کی دو لازمی شرطیں، اجانب کا اخراج اور سارے ملک میں ایک واحد حکومت کا قیام ہیں، ثابت کرتا ہے کہ وہ حقیقت میں دور اندیش مدبّر بھی تھا۔ اس نے اپنے ملک کا انسان کی اعتقادی فطرت میں گہرا نقش ڈالا اور اسی بنیاد پر، حقوق کی نہیں بلکہ فرائض انسانی کی عمارت بناکر ملکی اتحاد کے خیال کو بالکل دماغ پر حاوی، محترم اور اتنا خوش آیند بنادیا جیسے ایک گھر کے رہنے والوں کی زندگی۔ اس کے مشرب میں زندگی، تعقل، اور آرزو کچھ نہ تھی بجز اس کے کہ آدمی اطالیہ کے لئے زندہ رہے، اطالیہ کے لئے سوچے اور اطالیہ ہی کے لئے آرزومند ہو۔ اور اس کے تخیل کی یہ اطالیہ ایک ایسی جمہوریت تھی جس کی آغوش میں قوم کا ہر فرد آجائے جو پیشوایان دین کے تحکم اور اس اوہام پرستی سے بالکل بری ہو جس نے انسان کو غلام بنادیا ہے، اور جو اپنی آزادی کے لئے سوائے اپنے کسی کی رہین منت نہ ہو اور جس کو مساوات کے قانون نے مصٔون ومستحکم کردیا ہو۔ اپنے وسیع منصوبے کے جزأً وکلاً پورے ہونے پر مازنی کو اس شدت سے اصرار تھا اور قومی حقوق کے معاملے میں ہر قسم کی داد وستد سے وہ اتنا بگڑتا تھا کہ جب ۱۸۵۹ء میں مصلحت بیں اور عملی سیاست دانوں نے دول خارجہ کی مدد سے اتحاد اطالیہ کی پہلی کارروائی کی تو مازنی کا اس میں کوئی حصہ نہ تھا۔ لیکن اپنے ہموطنوں کو آزادی کے لئے تیار کرنے میں اس کی تعلیم وتنظیم کا بیحد اثر پڑا اور وہ خاندان شاہی جس نے متحدہ اطالیہ کی ایسی خدمات انجام دی ہیں جن کو مازنی غیر ممکن سمجھتا تھا، اپنی کامیابی میں اس دلدادۂ جمہوریت کا اپنے قابل ترین خیرخواہوں سے کچھ کم زیر بار احسان نہیں ہے۔

اطالیہ کے اہل سیاست اور عسکری افراد کا جو زیادہ تر پیڈمونٹ کے رہنے والے تھے، دوسرا گروہ اپنی طبائع اور ارادوں کے لحاظ سے مازنی سے بالکل مختلف تھا۔ اور اس کے نزدیک اجانب سے جد وجہد کی صورت میں اطالیہ کی امیدوں کا

پیڈمونٹ کی امیدیں کوئی آسرا ہو سکتا تھا تو وہ پیڈمونٹ کا بادشاہ اور اس کی فوج تھی۔
سیوائے کا شاہی خاندان اگرچہ نژاد کے اعتبار سے غیر ملکی تھا لیکن
صدیوں سے بھی رہا اور اس وقت بھی صحیح معنی میں قومی بادشاہوں کا خاندان تھا۔ مزید برآں
اپنی اغراض اور قدیم طرز عمل کے لحاظ سے شمالی اطالیہ میں وہ آسٹریہ کا حریف مقابل تھا نہ کہ دوست۔
اور اگر انقلاب کے وسوسوں کے باعث ٹیورن کی سرکار نے کبھی کبھی ویانا سے دوستانہ اتحاد کیا بھی تو
اس تعلق سے ان دونوں حکومتوں کی دائمی مخاصمت پر مشکل سے کوئی پردہ پڑ سکا کیونکہ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے وہ
عادۃً ایک دوسرے کے ملک دبا کر اپنی ہوس ملک گیری پوری کرنے کی خواہاں رہتی تھیں۔ پرانے زمانے کے ایک
قول کے مطابق لمبارڈی "ہاتھی پیچ" کا درخت تھا اور شاہان پیڈمونٹ کے نصیب میں
لکھا تھا کہ ایک ایک پتہ کر کے اس سب کو کھا جائیں۔ اُدھر حکومت آسٹریہ الپس کی طرف
توسیع مملکت کی فکر میں تھی اور ۱۷۹۹ء میں اس کی نیت صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ شاہان سیوائے
کو اطالیہ کے اندرونی انقطاع سے بالکل خارج کر دینا چاہتی ہے۔
چنانچہ اسی قضیئے کی یاد نے یہاں کے بحال شدہ بادشاہ کو آمادہ کیا تھا کہ ۱۸۱۵ء میں ان
تجویز کی مخالفت کرے جو میٹرنک نے آسٹریہ کے زیر حمایت ریاستہائے اطالیہ کی متحدہ
انجمن بنانے کے متعلق مرتب کی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ بادشاہ، جسے ۱۸۲۱ء کی آئینی
تحریک کے ناکام رہنے کے بعد آسٹریہ کی فوجوں نے تخت پر متمکن کیا۔ اب وفات پا چکا تھا
اور چارلس البرٹ امیر کارگ نانو جس نے اس شورش میں ایسا پر اسرار حصہ لیا اور جسے اسی
تذبذب کی بناء پر میٹرنک وراثت سے محروم کرنے کے درپے ہوا تھا، اب بادشاہ تھا
لیکن ۱۸۲۳ء میں اس شہزادے نے اسپین میں وہاں کی آئینی مجلس کے خلاف لڑ کر اہل استبداد سے
آشتی کر لی تھی اور تخت نشینی کے بعد سے اپنے ملک میں مازینی کے متبعین کی شورش کو
شد و مد سے دباتا رہا تھا۔ وہ اہل رجعت اور مقتدایان دین کے اثر میں بُری طرح
گھرا ہوا بھی تھا، با ایں ہمہ آسٹریہ کے ساتھ معاملات میں اس نے جیسی آزادی دکھائی اس کے
باعث رعایا کی نگاہ میں اس کی بہت وقعت بڑھ گئی اور یہ باور کیا جانے لگا کہ وہ قومی آزادی کے
خیال کو محض جمہوری انقلاب کی کوشش پر غالب آتے دیکھ کر بہت متاثر ہوا ہے پھر یہ کہ،
اگر خود چارلس کی پچھلی سرگزشت اس کی صداقت اور خاص کر اس کی رائے کے استقلال کے
متعلق شبہات پیدا کراتی تھی، تو کم سے کم پیڈمونٹ کی فوج تو جذبات کے اعتبار سے

سرتاپا قوم پرست اور پوری طرح یہ قابلیت رکھتی تھی کہ اجانب کے خلاف اطالیہ کو متحد کرنے کا جب کوئی موقع آئے تو وہ ہموطنوں کی سرگروہی کرے۔ کسی دوسری اطالوی ریاست میں تو اس سے بہتر اور غیر عناصر سے اس قدر پاک فوج موجود نہ تھی۔

امید و یاس کے ان سنین میں، خیالات کی ایک تیسری رَو وہ تھی جس کی ترجمانی جیوبرتی کی تحریریں کرتی تھیں۔ یہ مصنف ایک نئی اور ذی شان اطالیہ کی تصویر کھینچتا تھا، جس کا احیا کسی فلسفیانہ جمہوریت یا کسی دنیاوی بادشاہ کی تلوار پر نہیں، بلکہ اصلاح یافتہ اور اصلاح کن

پاپائی اقتدار کی امیدیں

پاپائی اقتدار کی اخلاقی طاقت پر مبنی تھا۔ کیتھولک کلیسا کا روشن خیالی کا حامی بن جانا، اگرچہ آج نہایت حیرت انگیز اور لایعنی تخیل معلوم ہوتا ہے مگر اس وقت، اطالیہ میں یہ کسی اکیلے دکیلے پرجوش آدمی کا وہم باطل نہ تھا۔ بلکہ یہ وہ خیال تھا کہ ۱۸۳۰ء کے انقلاب کے بعد فرانس میں جب کلیسا اور جمہوریت دونوں کی مخالف حکومت قائم ہوی، تو اس وقت بھی خود فرانس کے بعض بہترین دماغوں پر یہی خیال تسلط ہو گیا اور اسے مونِ تالمبر اور لامنیس جیسے وکیل و شارح مل گئے جن کی بات کو سارا یورپ ہمہ تن توجہ سے سنتا تھا۔ اگر پاپائی کی خرابی اطالیہ کی روحانی اور نیز سیاسی موت کا باعث ہوی تو پوری توقع تھی کہ صفائی سے جلا اور قوت پاکر وہ اہل اطالیہ کی نشاۃ ثانیہ کا بھی سبب ہو جائے گی۔ دوسرے ملکوں نے کوشش کی (اور وہ کوشش رائگاں گئی) کہ ایسے رہنماؤں کی زیر ہدایت اپنے عقدے حل کرلیں جو کلیسا سے خصومت رکھتے تھے اور جنھوں نے حقوق عوام کو مذہبی عقائد سے بالکل جدا شے بنایا تھا۔ لیکن اطالیہ کو روحانی اقتدار کا ممتاز مرتبہ حاصل تھا اور یہ احساس صدیوں کے جمود کے بعد تازہ ہوا اور قلوب انسانی میں اسی طرح گہرا اُتر رہا تھا جیسا کہ عہد گزشتہ میں کبھی اترا ہوگا لہٰذا قوی امید تھی کہ اسی کی بدولت ایک پربہار مستقبل کے دروازے کھل جائیں گے۔ اہل سازش لاکھ سر دھنیں اور اہل سیاست کتنی ہی پخت و پز کریں، اطالیہ کی نئی زندگی کا اصلی آغاز تو اسی دن ہوگا جب کلیسا کا صدر نشیں، ریاست ہائے اطالیہ کی متحدہ جماعت کا سالار قافلہ بن کر قومی حقوق اور آزادی کا علم بلند کرے اور عوام و خواص سب بلا استثنیٰ اس کی ولولہ انگیز صدا پر لبیک کہیں۔

ایک ایسا راہب جس کی معلومات چلے کے تکیوں کی روایات تک محدود تھی، جو تاریک خیال اور تعدی پسند آدمی اور اپنی خانگی زندگی میں تنبد زندہ دل، یادریوں اور ایک

گیسی حجام کا ندیم تھا، آیندہ عروج کلیسا کا کچھ بہت دلکش نمونہ پیش نہ کر سکتا تھا لیکن ۱۸۴۶ء میں گریگوری شانز دہم نے وفات پائی جو گذشتہ پانچ سال میں اہل سازش واصلاح اور باغیوں سے مسلسل کشمکش کرتا رہا تھا اور جس کے قید خانے اپنی رعایا کے بہترین افراد سے بھرے ہوئے تھے[1] اس کی جگہ کا وہ امید وار جس کی آسٹریہ نے حمایت کی تھی مطلوبہ تعداد میں رائیں نہ حاصل کر سکا لہٰذا اموالا کا اسقف مستائی فرتی پائیس یازدہم کے لقب سے پاپا منتخب ہو گیا (۱۷ جون) اس ہر دلعزیز اور نیک مزاج خطیب کا انتخاب کسی حد تک

پائیس یازدہم کا انتخاب جون ۱۸۴۶ء

اہل اطالیہ کے جذبات کا لحاظ رکھکر عمل میں آیا تھا اور آیندہ اٹھارہ مہینے تک تو ایسا معلوم ہوتا رہا کہ گویا فی الواقع اپنے عہد کا رازداں جیوبرتی ہی تھا۔ کیونکہ نئے پاپا کا سب سے پہلا کام عفو عام کا اعلان کرنا تھا کہ جو لوگ سیاسی مجرم تھے وہ بلا استثنیٰ رہا کر دئے جائیں۔ اس کے علاقے کے سارے قید خانے کھول دئے گئے اور وہ لوگ جنھیں عمر قید کی سزائیں دی گئی تھیں شاداں وفرحاں اپنے گھروں کو آئے۔ اس کارروائی کا تمام اطالیہ میں بڑا گہرا اثر ہوا اور پائیس کے ہر خوش طبعی کے فقرے سے یہ مطلب نکالا جانے لگا کہ بڑے بڑے تغیرات عمل میں آنے والے ہیں۔ شہر رومہ میں جوش کا طوفان سا بپا ہو گیا۔ نئے صدر دیں اور ملنے والی آزادی کے خیر مقدم میں شہر والوں نے بڑی دھوم کا جشن منایا۔ مگر ہوا کچھ بھی نہیں۔ اور فی الواقع بہت کچھ وعدے بھی نہیں کئے گئے تھے۔ ہاں لوگوں نے از خود سبھی کچھ باور کر لیا تھا۔ "حزب اساقفہ" کے پہلو بہ پہلو ایک جدید مجلس شوریٰ قائم ہوی۔ اسے لوگوں نے آیندہ نیابتی حکومت کی تمہید سمجھا۔ ایک زیادہ قابل لحاظ رعایت یہ کی گئی کہ پہلے شہر رومہ اور بعد میں بیرونجات والوں کو فوج کے شہری دستے مرتب کرنے کی اجازت عطا ہوی۔ ایک موقع پر جب وسطی اطالیہ میں شوریدہ سری کا زور ہوتے دیکھکر آسٹریہ نے ایک اندیشہ ناک کارروائی کی اور پاپائی سرکار نے اپنے اس سابق مربی کے خلاف احتجاج کیا تو اس وقت تو

لوگوں کی امیدیں پائیس سے

---

[1] فارینی۔ اول ۱۵۳۔ ازگلیو "مکاتیب سیاسی" صفحہ ۲۴ "کاسی دی اروماگنا" صفحہ ۴۷۔

اہلِ اطالیہ کا جوش انتہا کو پہنچ گیا۔ اصل یہ ہے کہ معاہدات وی آنا کی رو سے حکومت آسٹریہ کو فرارا کے بالاحصار میں اپنی چھاونی رکھنے کا حق حاصل ہو گیا تھا مگر یہ شہر پاپائی علاقے ہی میں داخل تھا۔ اب حکومت آسٹریہ نے معاہدوں کی عبارت کے ایک نئے معنی لگا کے اس بستی پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس کارروائی کو عام طور پر یہی سمجھا گیا کہ یہ ۱۸۳۱ء کی طرح پاپائی اقطاع پر دوبارہ قبضہ کرنے کا پیش خیمہ ہے

قضیۂ فرارا جون ۱۸۴۷ء

اور پاپا نے جو اس کے خلاف چیخ پکار مچائی تو یہ مناقشہ ایک یورپی قضیہ بن گیا۔ انگلستان اور فرانس کے جنگی جہاز نیپلز آ پہنچے۔ شاہ سارڈنیہ نے علانیہ کہنا شروع کیا کہ لڑائی چھڑی تو میں آسٹریہ سے لڑنے نہ نکلوں گا۔ آخر غیر جانب دار سلطنتوں کی سعی سے قبضۂ فرارا کے متعلق فریقین میں مصالحت کی صورت نکل آئی۔ بایں ہمہ دلوں میں جو بخار بھر گئے تھے وہ اُبال کھاتے رہے اور پاپا عوام الناس کے تخیل میں، آسٹریہ کے مقابلے میں اطالیہ کی پشت پناہ اور نیز آئینی حکومت اور حقوق عوام کا حامی بنا رہا۔

ادھر وہ جوش جو شہر رومہ میں پیدا ہوا تھا، اطالیہ کے شمال و جنوب میں پھیلتا ہوا آبنائے صقالیہ کے پار جا پہنچا۔ دسمبر ۱۸۴۶ء میں اہل آسٹریہ کے جنیوا سے اخراج کی صد سالہ یادگار ساری وسطی اطالیہ میں جس دھوم دھام سے منائی گئی اس نے آسٹریہ کو آنے والے طوفان سے خبردار کر دیا۔ مگر جنوب میں، لوگوں کو ہیجان میں لانے کے لئے قومی آزادی کی بعید امید سے زیادہ کارگر شئے اپنے گھر کا جور و تعدی تھی۔ اصل یہ ہے کہ

پلرمو کی بغاوت جنوری ۱۸۴۸ء

اہل صقالیہ اُن جداگانہ حقوق کو جن سے وہ متمتع ہوتے رہے، اور اس آئین کو جو ۱۸۱۲ء میں انھیں انگلستان کی زیر سرپرستی ملا تھا، بھولے نہ تھے۔ اندرون اطالیہ میں خاندان بوربن کے دشمنوں اور صقالیہ کے سرغنوں میں رسل و رسائل ہوتے رہے اور ۱۸۴۷ء کے موسم خزاں میں بوقت واحد، علاقۂ کلابریہ اور شہر مسینا میں ہنگامے برپا ہوئے۔ انھیں بلادقت فرو کر لیا گیا لیکن آگ دُور دُور تک سلگتی رہی اور ۱۲ جنوری ۱۸۴۸ء کے دن پلرمو کی آبادی بغاوت پر اُٹھ کھڑی ہوئی نیپلز کی سپاہ اور شہر والوں میں چودہ روز تک جنگ ہوتی رہی۔ شہر پر گولہ باری کی گئی مگر آخر میں فتح شہر والوں کی ہوئی اور بغاوت کے سرغنوں نے ایک ہنگامی حکومت

قایم کرلی۔ صدر مقام کی تقلید، یکے بعد دیگرے دوسرے صقالوی شہروں نے بھی کی اور نیپلز کی فوجوں کو اپنی چھاونیوں سے نکال باہر کیا جب خود نیپلز میں انقلاب کا اندیشہ پیدا ہوا تو شاہ فرڈی نینڈ ثانی نے جو ۱۸۳۰ء کے استبدادی فرماں رواکا پوتا تھا، اپنے پیش رو کی نقل کی اور آئینی حکومت دئے جانے کی منادی کرادی۔ آزاد خیال افراد کی وزارت بھی مرتب ہوگئی مگر صقالیہ جس مقامی آزادی کا مطالبہ کر رہا تھا اور جس کا اطالیہ کے قومی سرگروہ بھی بظاہر اقرار کر چکے تھے، اس کے متعلق کوئی ذکر نہ آیا۔ چنانچہ اس کامیابی پر جو ہیجان پیدا ہوا تھا وہ فرو ہوا تو صاف ظاہر ہو گیا کہ صقالیہ والے نیپلز کے نئے ارباب بست وکشاد سے بھی اتنا ہی اختلاف عظیم رکھتے تھے جتنا معزول کردہ حکومت سے۔

پلرمو کی بغاوت نے اطالیہ بھر کی قومی تحریکات میں نئی جان ڈال دی اور ان میں انقلاب انگیزی کا زیادہ شوخ رنگ بھر دیا پیڈ مونٹ اور ٹسکنی میں بھی آئینی حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ آسٹروی صوبوں میں اجانب کی حکومت سے مخالفت کا

اطالیہ کے آسٹروی صوبوں میں ہیجان

جوش روز بروز مخدوش ہوتا گیا۔ آسٹریہ کے پیہ سالار راڈیٹ زیکی نے آیندہ جد وجہد کو بہت پہلے سے تاڑ لیا تھا اور اپنی اس رائے کو عمائد سلطنت کے ذہن نشین کرنے کی کوشش بھی کی تھی جس میں وہ جزءً کامیاب ہوا کہ ورونہ کو ایک وسیع و مستحکم سلسلۂ قلاع کا مرکز بنا دیا گیا۔ راڈیٹ زیکی کے ماتحت سپاہ میں معقول اضافہ بھی ہوا باایں ہمہ میٹرنک کو آخر وقت تک یہ امید باقی رہی کہ وہ ان سب مشکلات پر اپنے پرانے کو توالی اور جاسوسی کے نظام کی مدد سے غالب آجائے گا اور اسی لئے اس نے ان صوبوں میں علانیہ جنگی حکومت قائم کرنے کی بھی بہت آخر میں اجازت دی۔ شمالی اطالیہ کی وطنی انجمنوں نے آسٹریہ کے ذرائع آمدنی کو نقصان پہنچانے کی غرض سے ایک تجویز یہ نکالی تھی کہ تمباکو کے استعمال سے احتراز کیا جائے جس سے حکومت کو اپنے مداخل کا بہت معقول حصہ وصول ہوا کرتا تھا ۱۸۴۸ء کے پہلے اتوار کے دن آسٹریہ کے فوجی سرداروں پر جو میلان کے بازاروں میں تمباکو پی رہے تھے، لوگوں نے حملہ کیا۔ فوج کو مسلح ہونے کا حکم دیا گیا۔ لڑائی کی نوبت آئی اور اتنا خون ضرور بہ گیا کہ اس بلوے کو خاصی طرح شورش و فساد کی اہمیت حاصل ہوگئی۔ پڈوا اور بعض دوسرے مقامات میں بھی اسی قسم کے ہنگامے ہوئے راڈیٹ زیکی نے

ایک عام حکم شائع کیا جس میں بیان کیا گیا تھا کہ اعلیٰحضرت بادشاہ سلامت اپنے اطالوی ممالک کو اندرونی اور بیرونی ہر طرح کے دشمنوں سے بچانے کا قصد مصمم رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ جنگی قانون نافذ کر دیا گیا اور گو اول اول تو ایسا نظر آیا کہ پیڈ مونٹ اطالوی تحریک میں اپنے آپ کو شریک کیا چاہتا ہے۔ لیکن آسٹریہ کی جنگی قوت کے رعب نے ابھرتے ہوئے تلاطم کو فرو کر دیا۔ البتہ چند ہفتے اور گزرے تھے کہ ایک متحیر دنیا پر یہ راز فاش ہو گیا کہ دولت آسٹریہ جو دوست دشمن سب کو ایسی زبردست اور وسیع نظر آتی تھی، خود شکستگی اور بربادی کے کنارے پر کھڑی ہے۔

خاندان ہیپس برگ کے ماتحت، اٹھارویں صدی میں، وہ مختلف اقوام و ممالک، جنھیں فتوحات، ازدواج اور معاہدوں نے ان بادشاہوں کا محکوم بنایا تھا، شیرازہ بندرہے

آسٹریہ

تو اس کا سبب حکومت کی کوئی خاص قوت جاذبہ یا نظم و نسق کی اعلیٰ قابلیت نہ تھی بلکہ اس کا باعث لوگوں میں جوش انگیز سیاسی زندگی کا نقدان تھا۔ اہل ہنگری کے جامد جذبات کو پہلی مرتبہ شہنشاہ جوزف کی زیادتی نے بیدار کیا کہ اس فرماں روا نے صوبوں کے جملہ حقوق پر بڑی شد و مد سے حملہ کیا تھا لیکن اس زمانے کی قومی تحریک، طرح طرح کی امیدیں اور خوف و ہراس پیدا کرنے کے بعد ایسی بجھی کہ پھر عرصۂ دراز تک کامل بجھی چھائی رہی اور محاربات نپولین کے زمانے میں حکومت آسٹریہ نے پہلے سے بھی زیادہ علانیہ طور پر اپنا مسلمہ اصول یہ قرار دے لیا کہ ہر ایسی تحریک کو جو صریحاً قومی جذبات کو برانگیختہ کرنے کی شان رکھتی ہو جبراً دبا دیا جائے۔ ۱۸۱۲ء میں ہنگری کی مجلس اضلاع نے حکومت کی مالی تجاویز کی مخالفت

حالات ہنگری

کی تھی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ گو ازروے قانون مجلس کا ہر تیسرے سال اجلاس ہونا ضروری تھا لیکن ۱۸۲۵ء تک اس کا کوئی جلسہ ہی نہ کیا گیا اور اس مدت میں رسوم و محاصل کی وصول یابی فرامین شاہی کے ذریعے ہوتی رہی۔ ہنگری کے روسا اس طرح آئینی نیابت سے محروم ہوئے تو انھوں نے بادشاہی دست درازیوں کی مخالفت اضلاع کی پنچایتوں میں شروع کی۔ ان پنچایتوں میں جس کی مثل برّاعظم یورپ کے مغربی اور ترقی یافتہ ممالک میں کوئی مجلس نہ تھی، کثیر التعداد امرا کے طبقے کا ہر مقامی زمیندار بولنے اور رائے دینے کا حق رکھتا تھا۔ آزادی سے مباحثے

اور عرض معروض کرنے کے حق کے علاوہ ہنگری کی ان مجالس اضلاع کو مقامی عمال مقرر کرنے اور نظم و نسق کے عملی کاموں میں بھی بہت کافی اختیار حاصل تھا، اور قرن ہائے دراز سے ایک دیہاتی آزاد روی اہل مجلس کے خمیر میں پڑی تھی لہذا یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ ممالک یورپ کی بڑی بڑی شخصی سلطنتوں میں ہنگری کی یہ مجلسیں حکومت خود اختیاری کی سب سے سخت جان یادگار تھیں۔ مگیار امرا کا عام طبقہ جاہل، عادات و آداب کے اعتبار سے بالعموم بے تمیز کاشتکاروں کے حق میں جابر اور حسب نسب کی نخوت سے سرشار تو تھا لیکن جس طرح اٹھارویں صدی کے انسانیت آموز اثرات کا اس پر کوئی رنگ نہ جما اسی طرح شخصی بادشاہی کی فہمائشوں سے بھی وہ نہ پسیجا مجلس اضلاع میں دوسرا شعبہ میگ ناتوں یعنی اول درجے کے امرا پر مشتمل تھا اور یہ لوگ کسی حد تک قومیت کے دائرے سے خارج ہو چکے تھے وہ تعلیم و تہذیب کے اعتبار سے جہاں زیادہ یورپی ہوئے وہیں دربار آسٹریہ کے بھی زیادہ مطیع و فرمان بردار بن گئے تھے لیکن حکومت آسٹریہ نے مجلس اضلاع سے سیاسی مباحثوں کو اضلاع کی پنچایتوں میں منتقل کر کے الٹا صوبہ پرستی کے جوش کو جسے حکومت مٹانا چاہتی تھی، اور تیز کر دیا۔ ہنگری کے یہ چھوٹے چھوٹے رئیس تعداد میں اتنے زیادہ تھے کہ ذاتی اغراض کا لالچ دے کر انھیں توڑا نہ جا سکتا تھا اور ان بادشاہی اثرات سے بھی وہ بہت دور تھے جن کا دار العماید (Chamber of magnates) پر بخوبی جادو چل گیا تھا۔ پس یہ لوگ اس عہد استبداد میں سیاسی مسائل کے چرچے اپنے گھروں میں پھیلاتے رہتے اور سرکار کے ماتحت اہل کاروں کو ہر قسم کی امداد و اطلاع دینے سے بچنا سیکھ گئے جس سے بادشاہی حکومت پریشان ہو ہو جاتی تھی ضلع کی ہر پنچایت چھوٹی سی پارلیمنٹ اور بادشاہی دست درازیوں کے مقابلے میں دفاعی مورچہ بن گئی۔ بلا آئین و قانون شخصی حکومت کے خلاف اس کشمکش سے جذبۂ وطنیت کو جو تحریک پہنچی اس کا اندازہ اُن زبردست حملوں سے ہو سکتا تھا جو ۱۸۲۵ء میں مجلس اضلاع کے دوبارہ انعقاد کے بعد سرکار پر کئے گئے اور نیز اس مطالبے سے کہ آیندہ لاطینی کی بجائے جو اس وقت تک رائج رہی مجلس کی تمام کارروائیاں مگیاری زبان میں قلمبند ہوا کریں اور مجلس کے ادنیٰ اور اعلیٰ شعبے کے درمیان یہی زبان ذریعۂ رسل و رسائل رہے۔

ملکی زبان رائج کرانے کا یہ مطالبہ، ملک کی مختلف قوموں کے تصادم و تخالف کا ایسا تخم تھا جس کا خود مطالبہ کرنے والوں کو سب سے کم اندازہ ہوا تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ہنگری کی جغرافی حدود میں کروشیہ کی اسلافی ریاست کے علاوہ بڑے بڑے خطے اسلافی یا رومانی نسل کے باشندوں کے موجود تھے جہاں مگیار محض بڑے زمینداروں کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ علاقہ جس کی آبادی بیشتر مگیار نسل سے تھی، کل مملکت ہنگری کے نصف سے زیادہ نہ تھا۔ ہنگری کی ان دوسری قوموں کی نسبت جن کی تعداد غالباً ان سے بڑھ گئی تھی، مگیاروں کے دل میں سخت حقارت جاگزیں تھی۔ وہ انھیں وحشیوں کی خصائل سے متصف بتاتے اور ان میں کسی قومیت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ایسے ملک میں جہاں آبادی کے اتنے مختلف عناصر ہوں اور ان میں اتنا کم ربط و اختلاط ہوا ہو اور وہ سب وی آنا کی جرمن حکومت کے زیر حکومت ہوں، سرکاری کاروبار کے واسطے لاطینی زبان خاصی طرح موزوں رہی کیونکہ وہ کسی ایک قوم کی زبان نہ تھی اور مذہبی اور کچھ عرصے پہلے تک بین الاقوامی زبان ہونے کی بھی خصوصیت رکھتی تھی ورنہ ہنگری کی مجلس اضلاع میں ممکن تھا کہ کروشیہ کے نائب مگیاری نہ بول سکتے ہوں علی ہذا مگیار ارکان کروشیہ کی بولی سمجھنے سے قاصر تھے۔ البتہ اس وضع کی لاطینی جو وی آنا اور پریس برگ میں چلتی تھی، اسے یہ دونوں بلا کسی خاص تکلف کے بول سکتے اور سمجھ لیتے تھے۔ بایں ہمہ بول چال کی آزادی ایک مردہ زبان کو زندہ اور رائج الوقت نہ کر سکتی تھی لہذا جس وقت وطن اور قدیم حقوق کی محبت مگیاروں میں غالب آئی تو یہ قدرتی بات تھی کہ اظہار خیال کے لئے وہ بگڑی ہوی لاطینی کی نسبت کوئی بہتر اور زیادہ بے تکلف ذریعۂ گفتگو تلاش کریں۔ چنانچہ گو اسی مجلس میں جس میں اس سوال پر بحث چھڑی، کوئی قانون مرتب نہیں ہوا تاہم ۱۸۳۲ء کی مجلس میں تقریر کرنے والے اپنی مادری زبان سے کام لیتے رہے اور جب حکومت وی آنا نے ان مباحث کو چھاپنے کی ممانعت کر دی تو کوسوت نے سب اطلاعیں قلمی لکھوا کے ملک بھر میں پھیلا دیں۔ کوسوت مجلس کا ایک نوخیز رکن تھا اور ۱۸۳۶ء میں مجلس برخاست ہوی تو اسے بادشاہ کی نافرمانی کے جرم میں تین سال کی سزاے قید دی گئی۔

معلوم ہوتا تھا کہ اب ہنگری میں ایک تیز و ہمہ گیر قومی ترقی کا دور آگیا ہے۔ وہ رکاوٹیں جنھوں نے اسے مغربی دنیا سے جدا کر رکھا تھا دُور ہوتی جاتی تھیں اس کی فرسودہ معاشرت میں مغربی یورپ کے خیالات، تحریریں اور ایجادیں دخل پا رہی تھیں اور اس تحریک کو جو ابتدا میں محض قدامت و امارت کی حامی تھی نہایت جامع ترقی اور اصلاح کی شکل میں بدل رہی تھیں

ہنگری ۱۸۳۰ء کے بعد

تمام ممالک یورپ میں استبداد کی مخالفت کرنے والوں میں صرف مگیار ہی ایسی قوم سے تھے جو اپنی مخالفت کی بنا آئینی حق، تحریر اور قدیم مسلّمہ رواج پر رکھتی تھی۔ اور ۱۸۱۲ء سے ۱۸۲۵ء تک بادشاہ سے جو کشمکش ہوتی رہی اس میں قانون بادشاہ کے ساتھ نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ تھا جنھیں بادشاہ زبردستی دبانے کی کوشش کر رہا تھا ان تمام سنین میں ہنگری کے سربرآوردہ اشخاص نے بڑی عقلمندی کی کہ کسی نئی اصلاح کا مطالبہ نہیں کیا اور ایسی حکومت کے مقابلے میں جو آسٹریہ کی طرح سارے یورپ کے سامنے اپنے آپ کو قانونی حقوق کی حمایت کا پابند بنا چکی ہو، فائدہ اسی میں تھا کہ ان کی حیثیت مدعاعلیہ کی سی رہے اور اس فائدے کو یہ لوگ بخوبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان کی حکمت عملی کا منشا پورا ہو گیا۔ تیرہ برس تک ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد بادشاہ آسٹریہ کو چار و ناچار مجلس اضلاع کا انعقاد کرنا اور اس امید سے ہاتھ اٹھانا پڑا کہ جس کام کو اس کا چچا جوزف ثانی نہ کرسکا تھا اسے وہ انجام کو پہنچا سکے گا۔ لیکن جب آئین کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو پھر ایک طرفہ اور محدود حقوق کا وہ مجموعہ جس کے لئے ہنگری کے رؤسا جد و جہد کر رہے تھے زمانے کی تہذیب اور ضروریات دونوں کے لئے غیر تشفی بخش[1] نکلا۔ لوگوں کی

[1]۔ ۱۸۲۷ء تک نہ صرف تمام اراضی جو امرا کی موروثی مِلک ہوں محاصل مالگزاری سے مستثنیٰ ہوتی تھیں بلکہ کسی لگان والی زمین کو بھی اگر کوئی امیر خرید لے تو اس کا لگان معاف ہو جاتا تھا۔ اس آخری بیجا رعایت کو حکومت نے منسوخ کرنا چاہا تو ۱۸۲۵ء کی مجلس اضلاع میں سخت ناراضی پیدا ہوئی اور اس سے بھی زیادہ اضلاع کی پنچایتوں میں جس میں سے بعض یہاں تک بڑھیں کہ باضابطہ یہ طے کر لیا کہ اگر مجلس اضلاع ایسا کوئی قانون نافذ کرے تو وہ ناجائز اور کالعدم ہوگا۔

آزاد سرعت سے آگے دوڑ رہی تھیں۔ قصبات و دیہات کی آبادی کے دعوے کانوں میں گونجنے لگے تھے۔ بوربن خاندان کے زوال ۱۸۳۰ء کے سلسلے میں جو ہل چل مچی وہ ہنگری تک بھی پہنچی اور اس کو لانے والے اتنے فرانسیسی اثرات نہ تھے جس قدر کہ پولینڈ والوں کی جنگ آزادی اس کا سبب ہوی۔ کیونکہ اس میں مگیاروں کو کسی حد تک اپنی جد وجہد کی سی نوعیت نظر آتی تھیں اور جب تک جنگ رہی اس وقت تک وہ پولینڈ کی فوجوں کی ہواخواہی کا دم بھرتے رہے اور جب لڑائی ختم ہوئی تو ان جلا وطنوں کے ساتھ جو ہنگری آئے انھوں نے سچی ہمدردی کا حق ادا کیا۔ غرض حسب نسب کے پرانے حامیوں کے دوش بدوش ایک گروہ ان لوگوں کا بھی تیار ہو گیا جو جدید آزاد خیالی کے نشے میں سرشار تھا۔ چنانچہ ۱۸۳۲ء کی مجلس اصلاع نے

مجلس اصلاع ۱۸۳۲ء تا ۳۶ء

مالکان زمین اور کاشتکاروں کے حقوق و فرائض کے قوانین کی تجدید میں وہ آزاد خیالی دکھائی کہ حکومت آسٹریہ نے جو پہلے اس معاملے میں ہنگری کے اہل الرائے سے بہت آگے تھی، اب ان کی بعض تجاویز قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ قوانین بھی وہ تھے جو ماریہ تھریسا کے زمانے سے اب تک قریب قریب بجنسہ چلے آ رہے تھے۔ اسی طرح ان سنین میں لوگوں کی تمدنی اور مالی اصلاح کی بڑی بڑی تجویزیں مرتب کی گئیں جن سے اہل ملک کی امیدیں اور حوصلے بلند ہوے۔ بہتر دل و دماغ والوں کو متمدن یورپ کے مقابلے میں اہل ہنگری کی اصلی زندگی، یعنی ان کے افلاس، جمود اور ناشائستگی کا

سے کے نیئی

ادراک ہوا۔ قوم کو آگے بڑھانے کے کام میں ایک امیر کونٹ سے کے نیئی نے غیر معمولی سرگرمی دکھائی جس کے تخیل پر اپنے ملک کی بے حسی اور اس کے مقابلے میں برطانیہ کلاں کی صنعتی مصروفیت اور وہاں کے اعلیٰ طبقوں کے مفید مشاغل دیکھکر بڑا اثر پڑا تھا۔ اسی شخص کی کوشش سے ہنگری کے دوہرے صدر مقام میں پسٹ پر پل تیار ہوا اور اسی کے طفیل اہل یورپ کو ڈینیوب میں بے روک جہاز رانی کی آسانی حاصل ہوی کیونکہ اسی نے ان چٹانوں کو جو ارسوا میں "در آہن" کے نام سے مشہور تھیں تڑوا کر سب سے پہلے جہازوں کی آمد و رفت کو ممکن بنایا۔ سے کے نیئی کے دل میں امیدیں اور حب وطن کا جوش

بھرا ہوا تھا۔ وہ خود بہت فیاض اور دریا دل امیر تھا اور اب اُس نے اپنے ہم رتبہ صاحبان ثروت اور ذی اقتدار امیروں میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی کہ سرداران قوم ہونے کی حیثیت سے قوم کی صنعتی ترقی میں حصّہ لینا ان کا بڑا فرض ہے۔ وہ کوئی انقلاب پسند یا آسٹریہ کا دشمن نہ تھا بلکہ اس کے اس منصوبے کے واسطے کہ ہنگری بڑھتے بڑھتے اقوام یورپ میں اپنی مناسب جگہ حاصل کرلے، ملک میں عرصے تک سیاسی امن وسکون کی ضرورت تھی لیکن مفید ترقی کی اس تحریک نے ایسی ناگوار سیاسی مخاصمت کی صورت اختیار کرلی جس کا انجام خانہ جنگی ہوا، تو اس کا الزام دوسرے اسباب کے علاوہ، خود وزارت آسٹریہ کے طرز عمل پر ہے جہاں کہیں آئینی حقوق کا وجود تھا، وہاں آسٹریہ کو اپنے طبعی دشمن نظر آتے تھے۔ ٹرین سل وینیہ

ٹرین سل وینیہ

کے صوبے میں، مگیار، جرمن اور رومانی قوم کے باشندے ملے جلے رہتے تھے اور ہنگری کی طرح اس کی الگ مجلس اضلاع بھی تھی جس کا ہر سال اجلاس ہونا چاہئے تھا۔ لیکن ۱۸۱۱ء سے ۱۸۳۴ء تک ایک مرتبہ بھی حکومت نے اس کا انعقاد نہ کیا۔ اس آئینی حق بھلا دینے کی بدولت جو شورش ہوی اس میں مگیار قوم کے لوگ قدرتاً پیش پیش تھے اور اس لئے ان کو وہاں کامل غلبہ حاصل ہوگیا تھا۔ ۱۸۳۴ء میں جب مجلس اضلاع کا جلسہ ہوا تو اس کے لب ولہجہ اور طرز عمل میں حکومت سے سخت پرخاش کا رنگ تھا لہذا اسے بہ عجلت فسخ کر دیا گیا مگر اس کی کارروائی سے جو فضیحت ہوی وہ بستر مرگ پر بھی بادشاہ فرانسس کے لئے موجب خلش بن گئی جس نے ۱۸۳۵ء میں وفات پائی اور اپنے بیٹے فرڈی نینڈ کو سلطنت کا وارث چھوڑا جو مریض تھا اور کوئی محنت کا کام کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ تھوڑے ہی دن میں ظاہر ہوگیا کہ سلطنت آسٹریہ کے اصول میں کوئی فرق نہیں پڑا اور نئے بادشاہ کے زمانے میں کسی آزاد تر نظام حکومت کے قائم ہونے کی کچھ امیدیں پیدا بھی ہوی تھیں تو وہ سب سراب آسا ثابت ہوئیں۔ ٹرین سل وینیہ میں ایک ہنگری ہی کا امیر، کونٹ ویس لینئی، فریق اختلاف کا سرگروہ تھا اور مجلس اضلاع فسخ ہوی تو اس نے اضلاع ہنگری کی پنچائتوں کے جلسوں میں گشت لگایا اور بادشاہ کے خلاف تقریریں کرتا پھرا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے اسے گرفتار کرکے بغاوت کا

الزام قائم کیا۔ ہنگری کی مجلس اضلاع نے اس بنا پر کہ اس معاملے میں مقامی مجالس کے حقوق کا تعلق ہے کوؤنٹ کی طرفداری کی لیکن (رکنیت مجلس کے) امتیازی حق کی تاویل کارگر نہ ہوئی اور ویس لینئ کو جلا وطنی کی سزا سنادی گئی جس نے بادشاہ اور مگیار امرا کے درمیان ایک نئی وجہ مخاصمت پیدا کردی۔[۱]

حکومت سے خصومت اب حصولِ ہر دلعزیزی کا بہت خاصا وثیقہ بن گئی ۱۸۴۱ء میں ایک عام معافی کے سلسلے میں کوسوت نے قید سے رہائی پائی اور پسٹ کے ایک مگیاری اخبار کو اپنے ہاتھ میں لیا جس کا آناً فاناً سارے ملک میں اثر پھیل گیا۔ نئی نسل کے وکیل کی حیثیت سے کوسوت نے جن افکار و آرا کی اشاعت کی وہ ہنگری کے قدیم العقیدہ حامیان آئین سے بالکل مختلف تھے۔ کیوں کہ جہاں یہ لوگ لکیر کے فقیر اور امارت پسند تھے۔ وہاں کوسوت انقلاب کا حامی تھا۔ ان کے ہتھیار ہنگری کے مجموعۂ قوانین کے احکام تھے اور کوسوت کو مغربی یورپ کی آزاد خیالی سے فیضان پہنچتا تھا۔ اس طرح قوم پرست فریق میں بھی کئی گروہ تیار ہو گئے جن کی باہمی خصومت کم و بیش نمایاں تھی گو ہنگری سے محبت و شیفتگی میں وہ سب متحد تھے اور سب اس کے بہتر مستقبل کا حد سے زیادہ اعتقاد رکھتے تھے۔ سے کے نئی اور اس کے ساتھ والے جو سیاسی مقاصد کو مالی اور مادی ترقی کے ماتحت رکھتے تھے، کوسوت کو خطرناک نظریہ پرست آدمی سمجھتے تھے۔ ان زیادہ پرجوش اور زیادہ محتاط اصلاح کرنے والوں کے بین بین مجلس کے مسلّمہ آزاد خیال سرگروہ تھے جن میں دیاک اپنی اعلیٰ درجے کی سیاسی قابلیت کا ثبوت بھی دے چکا تھا۔ کوسوت کے اخبار میں ملک کے مسائل حاضرہ پر مخالف و موافق سب ہی بحثیں کرتے تھے اشاعت عام سے اختلاف آرا کا جہاں دائرہ وسیع ہوتا تھا وہیں اس میں جوش و زور بھی زیادہ آجاتا تھا چنانچہ

مگیاروں کے سیاسی فرقے

---

[۱] ہوروات "Funfundzwauging Jahre" اول ۴۰۸ ؛ ہولہ سپرنگر، اول، ۴۶۶۔ گرانڈو: اسپرے پبلیک" ۳، ۱۔ کوسوت: "گسالٹ ورک اول، ۲۹۔

۳۹ Beschwerden und Khagen der slaven in Ungarm

۱۸۴۳ء کی مجلس اضلاع

حوصلہ مندی کی ان تجویزوں سے جو ۱۸۴۳ء کی مجلس اضلاع میں زیر غور و بحث رہیں اندازہ ہوتا تھا کہ ان سنین میں خیالات نے کس تیزی سے وسعت حاصل کر لی ہے۔ قوانین انتخاب و بلدیات کی اصلاح، مجموعۂ تعزیرات کی توضیح و تدوین، تحقیقات عدالت میں جوری کے طریقے کا رواج، امرا کے محاصل سے استثنیٰ کی منسوخی، اور اسی قسم کی اور قوانین کی تجویزیں اس زمانے کی گرمجوشی اور اسی کے ساتھ اہل ہنگری کے خیالات میں مغربی یورپ کے اثر سے انقلاب ہو جانے کی دلیل تھیں۔ اُس وقت تک اضلاع کی ترپیسٹھ رایوں کے مقابلے میں تینتالیس آزاد شہروں کو مجلس اضلاع میں صرف ایک رائے کا حق حاصل تھا۔ اب عام طور پر تسلیم کیا جانے لگا کہ یہ بے اصولی زیادہ دن جاری نہیں رہ سکتی لیکن چونکہ خود شہری حقوق پر خاص خاص اور محدود مگر قوی اثر طبقوں کا قبضہ تھا لہٰذا آئینی اصلاح کا مسئلہ بلدیات کی اصلاح سے وابستہ تھا۔ گویا ہنگری کے سامنے قدیم اور ممتاز طبقوں کے نظام نیابت کو بدل کر صحیح معنی میں ساری قوم کی نیابت کا نظام بنانے کا کام تھا۔ یوں تو یہ کام ہر زمانے اور ہر ملک میں سخت دشوار ثابت ہوا ہے لیکن ہنگری میں متعدد مشکلات نے اس کو قریب قریب لاینحل عقدہ بنا دیا تھا۔ یعنی اول تو اس کا آسٹریہ کی شخصی یا وشاہی سے قوی تعلق ہونا۔ دوسرے ادنیٰ طبقے کے امیروں کی کثرت جو تعداد میں دو لاکھ تھے اور اگرچہ وہ حبِ وطن کا پورا جوش رکھتے تھے مگر ان کے معافیٔ محاصل کے حق پر زد پڑی تو نہایت برہم ہوئے۔ پھر سب سے بڑھ کر پیچیدگی اختلاف اقوام اور مگیاروں کے طرز عمل سے پیش آئی جو بالادست قوم بن کر وہ اپنے ہمسایہ اسلافیوں کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ اور جس نسبت سے قومی کاموں میں ان کی گرمجوشی اور کامیابی کا یقین بڑھا اسی نسبت سے وہ مملکت ہنگری میں سوائے اپنے دوسری قوموں کے حقوق کو زیادہ حقیر و لغو سمجھنے لگے۔ ۱۸۴۳ء کی مجلس اضلاع کے شعبۂ ادنیٰ میں یہ قرارداد کی گئی کہ مجلس کی بحث و گفتگو میں مگیاری زبان کے سوا اور کسی زبان کی اجازت نہ دی جائے اور دس سال کے آخر میں ہر شخص جو مگیاری زبان نہیں بول سکتا تمام سرکاری ملازمتوں سے محروم کر دیا جائے۔

دارالعمائد نے اس دوسری شق کو اس حد تک نرم کر دیا کہ اسلافی اضلاع میں صرف مقامی اہلکاروں کو مذکورۂ بالا شرط سے مستثنیٰ رہنے دیا۔ لیکن کروشیہ والوں نے لاطینی کی ممانعت کے خلاف بادشاہ سے فریاد کی اور ویَانا سے قرارداد کی تنسیخ کا شاہی پروانہ آگیا۔ اس پروانے پر خود مجلس کے اندر وہ طوفان برپا ہوا اور باہر قومی رہنماؤں نے ایسے غیظ و غضب کا اظہار کیا کہ کچھ وقفے کے بعد وزرا نے فساد کے ڈر سے پہلا فیصلہ منسوخ کر کے یہ بین بین حکم جاری کیا کہ مملکت ہنگری کی سرکاری زبان مگیاری رہے اور اہل کروشیہ کے مدارس میں بھی اس کی تعلیم دی جائے لیکن چھ سال تک مجلس میں لاطینی کی اجازت ہو۔ اس عرصے میں مجلس کے اندر تو ہر مقرر کو جس نے لاطینی کے مقررہ کلمات سے تقریر شروع کی ارکان نے ہنگامہ مچا کے خاموش کر دیا اور باہر کروشیہ کے صدر مقام اگرام میں مگیاری گروہ اور وہاں کے کروشی باشندوں میں سر پھٹول کی نوبت آئی ؛

پیرس برگ میں اس بات کی کوشش کی گئی کہ ایک قوم کے سوا دوسری سب قوموں کے دعاوی منسوخ کر دیئے جائیں۔ لیکن یہ بے سود ثابت ہوئی۔ وہی حرارت جس نے مگیار قوم میں ایک نئی روح پھونک دی تھی، ممالک آسٹریہ کی اسلافی قوم کی قریب و بعید کی سب شاخوں میں بھی سرائت کر گئی تھی۔ بوہیمیہ میں زیکی زبان اور علم و ادب سے

اسلافیوں کی قومی تحریک

از سر نو دلچسپی ۱۸۲۰ء کے قریب شروع ہوئی اور آئندہ دس سال میں اس نے بداہتہً ایک سیاسی رنگ اختیار کر لیا۔ وہ انجمنیں جو ابتدا میں یا کہنے کے لئے ادبی مقاصد کے واسطے قائم ہوئی تھیں، حقوق عوام کی ایک نئی تحریک کے مرکز بن گئیں اور منشا اس تحریک کا یہ تھا کہ بوہیمیہ کے زیکی باشندوں کو جرمنوں کی ماتحتی سے آزاد کیا جائے اور ملک کے آئین حکومت میں کسی حد تک از سر نو قومیت کا رنگ بھرا جائے۔ جنوب کے اسلافیوں میں، جس سے ہنگری کو براہ راست سابقہ زیادہ تھا، قومیت کی تحریک ذرا تاخیر سے رونما ہوئی یہاں بھی اس کا شروع شروع میں ظہور بوہیمیہ کی طرح ادبی یا لسانی پیرائے میں ہوا۔ کچھ عرصے تک اسلافی اہل علم اس قسم کی تجویزوں کی دھن میں رہے کہ الی ری کے نام سے ایک

مشترک زبان تیار کی جائے جو اڈریاٹک اور بحر اسود کے درمیان کی تمام اسلافی آبادیوں کو ایک نقطے پر متحد کر دے۔ لیکن تجویز میں اولوالعزمی کا وہ جز جس سے حکومت عثمانیہ نے کسی قدر پیچ وتاب کھایا تھا وی آنا کی ہدایت کے مطابق ترک کر دیا گیا۔ اور جب اس تحریک کا دائرہ ہنگری کے اسلافی اور کروشی اضلاع تک محدود کر لیا گیا تو اس نے سیاسی اہمیت حاصل کر لی اور اس کا منشا صاف طور پر یہ ہو گیا کہ مگیاری کے زبردستی سرکاری زبان بنائے جانے کی مخالفت کی جائے۔ پریس برگ کی ملکی مجلس میں نائب بھیجنے کے علاوہ، کروشیہ کے زمینداروں کی اپنے صوبے کی علیحدہ مجلس اگرام میں بھی اور یہ نہ صرف متحدہ کارروائی کا مرکز تھی بلکہ بادشاہی حکام سے رسل و رسائل کا بھی بہت اچھا ذریعہ تھی۔ اور کروشیہ والوں کو مگیاروں کے بیجا دعاوی کے خلاف جدوجہد کرنے میں ان بادشاہی حکام سے کسی قدر مدد بھی ملی۔ بعد کے واقعات نے عام طور پر یہ باور کرا دیا تھا کہ ہنگری کی مختلف قوموں کی اس خنگ آرائی کو دربار آسٹریہ نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے جان کر بھڑکایا۔ لیکن میٹرنک کی حکمرانی کا سارا اصول اور مزاج یہ تھا کہ قومی جذبات، جس کسی قوم میں بھی نشو ونما پائیں انھیں روکا جائے لہذا کروشیہ والوں کی جو سرپرستی بظاہر ان دنوں وی آنا میں ہوئی وہ غالباً محض قدامت پسندی کی بنا پر ایک بلا ارادہ فعل تھا کہ مختلف قوموں کے حقوق کا توازن قائم رہے اگر کوئی تغیر کرنا ہی پڑے تو وہ تنگ سے تنگ حدود میں محدود ہو جائے۔

تمام اہم اصلاحی تجاویز میں جو ۱۸۴۳ء کی مجلس ہنگری کے سامنے پیش ہوئیں، صرف ایک کو قانون کا مرتبہ حاصل ہوا۔ باقی ماندہ شعبۂ ماتحت میں منظور ہو کر یا تو دار العمائد سے مسترد ہو گئیں اور یا کثرت رائے کے ساتھ ہونے کے باوجود خود مجلس ماتحت نے انھیں اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ اضلاع کی پنچایتوں سے تحکمانہ ہدایتیں پریس برگ پہنچ گئی تھیں۔ ہنگری کے کسی حلقے کا نائب اپنی مرضی سے رائے دینے کا مختار نہ تھا۔ وہ دراصل اس جماعت امرا کا نائب ہوتا تھا جو اسے ملکی مجلس میں بھیجتے تھے اور قانوناً وہ پابند تھا کہ ان ہدایتوں کے مطابق جو اس جماعت کی طرف سے وقتاً فوقتاً

۱۸۴۳ء کے بعد کی شورش

اسے ملیں، رائے دے۔ پس مجلس وضع قوانین خود کتنی ہی مشتاقِ اصلاح کیوں نہ ہو۔ جہاں کوئی ایسا مسئلہ چھڑا جس کا طبقۂ امرا کے امتیازی حقوق پر اثر پڑتا ہو، تو بیرونی دباؤ ڈال کر مجلس کو بالکل معطّل کیا جا سکتا تھا۔ ان معاملات میں یہ صورت خاص کر پیش آتی تھی جن میں سرکاری مالگزاری کے خرچ کرنے کا تعلق ہو۔ جب تک امرا اپنے حصّے کے محاصل کا بار برداشت نہ کریں یہ غیر ممکن تھا کہ ہنگری اپنی تہی دستی کی رسوائی سے نجات حاصل کرے۔ بااین ہمہ، مجلس اضلاع کا میلان کچھ ہی ہو اگرے وہ اضلاع کے ان ضدّی زمینداروں یا رئیسوں کے پنجے کے نیچے دبی ہوئی تھی جو اپنے اختیارات کو خوب سمجھتے تھے اور کمال استقلال سے ہر ایسی تجویز کے منظور کرنے کی ممانعت کر دیتے تھے جس کی وجہ سے سرکاری محاصل کا کوئی بار ان پر عائد ہوتا ہو۔ ایسی حالت میں اصلاح کا محال ہونا، ۱۸۴۳ء کی ناکامیوں سے بخوبی آشکار ہو گیا۔ اس رکاوٹ کو جو عمائد اور اضلاع کی پنچائتوں کی طرف سے ہوتی تھی، دور کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ عام اہل ملک سے فیصلہ چاہا جائے اور لوگوں کی التفات کو اس طرح منعطف کیا جائے کہ ان کی قوت اس گروہ بندی کو بھی مغلوب کر لے جو مخصوص حقوق والوں نے کر رکھی تھی اور ایسے نئے قوانین کو بھی عرصۂ وجود میں لے آئے جس سے یہ مخصوص حقوق آیندہ ایک ایسے ہمہ گیر نظام کا جزو بن جائیں جو صحیح معنی میں قومی ہو۔ آزاد خیال فریقِ اختلاف نے اب اسی کام کو مقصودِ سعی بنایا اور ہر چند خود اس فریق کے اندر بڑے اختلاف موجود تھے اور کوسوت جس نے اخبار نویسی چھوڑ کر تقریر و خطابت کا کام اختیار کر لیا تھا، اپنی کارروائی میں ساتھ والوں کی آرا کا ذرا پابند نہ رہتا تھا، بایں ہمہ کوشش کا عام نتیجہ منصوبہ باندھنے والوں کی امیدوں کے خلاف نہ ہوا۔ ملک میں سیاسی مجالس اور انجمنوں نے مضبوطی سے جڑ پکڑ لی۔ کوسوت کی جادو بیانی جس نے سُنی وہ اگر زیادہ دانش مند نہ ہو گیا تو زیادہ محبِّ وطن ضرور ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے قومی فوائد کے جذبۂ غالبہ نے انفرادی اغراض کو پس پشت ڈال دیا۔

کورانِ مطلق کے سوا اب ہر شخص پر عیاں ہو گیا کہ اہم تغیرات کا ہونا ناگزیر ہے۔ ہنگری کے قدامت پسندوں کے کہنے سے حکومت نے بھی ارادہ کر لیا کہ اصلاح کا علم ہاتھ میں لے کر میدان میں اُتر آئے اور بن پڑے تو ان کا منصبِ قیادت چھین لے

حکومت کی اصلاح کی حکمت عملی

جو قوم کے کار فرما بنے جاتے تھے۔ مجلسِ اضلاع میں غلبہ آرا اپنے موافق بنانے کی غرض سے یہ مناسب سمجھا گیا کہ حکومت سب سے پہلے اضلاع کی مجلسوں پر اپنا رسوخ جمالے۔ اس کی تمہید یوں ڈالی گئی کہ اضلاع کے اکثر ولاۃ اپنے عہدوں سے ہٹا دیئے گئے اور ان کی جگہ تنخواہ دار عمال حکومت کی طرف سے مقرر ہوے۔ حالانکہ ان ولاۃ کے اعلیٰ عہدوں سے کوئی خاص کام متعلق نہ تھا۔ وزارت کا صدر کونٹ اپونئی کو مقرر کیا گیا جو قدامت پسند امرائے خاندانی کے طبقے میں سب سے زور دار مصلح تھا۔ پھر وقت مناسب پر حکومت کی تجویزیں شائع کر دی گئیں۔ یہ امراسے محاصل، بلدیات کی اصلاح، قواعد بند وبست میں ترمیم، اور مختلف اقتصادی تدابیر پر مشتمل تھیں جن سے براہ راست ملک کی فلاح وبہبود کو ترقی دینا مقصود تھا۔ یہ آخری تدابیر ایک حد تک انھیں بنیادوں پر مبنی تھیں جو سے کے نئی ڈال چکا تھا اور خود اسی امیر نے کوسوت سے نہایت بیزار ہو کر اب سرکاری عہدہ قبول کر لیا اور اپنے نام کی شہرت وعظمت سے حکومت کو قوت پہنچائی۔ حکومت کی تجاویز شائع ہو چکیں تو فریق اختلاف کو جواب میں اپنی تجویزیں ملک کے سامنے پیش کرنا ضروری ہوا۔ اندرونی اختلافات تہ کر دیئے گئے اور ایک اعلان کے ذریعے جس کا مسودہ دیاک نے مرتب کیا تھا، قومی سرگروہوں کے مقاصد کا مدبرانہ طریقہ پر اظہار کیا گیا۔ ان تمام مدوں کے علاوہ جن کا حکومت نے بیڑا اٹھایا تھا، اس اعلان میں مزید دفعات ان مسائل کے متعلق بھی تھیں جن کا ذکر کرنے کی حکومت نے جرأت نہ کی تھی اور

فریق اختلاف کے مقاصد

شاہی اہل کاروں کی مرتب کردہ انتظامی اصلاح کی تجویز کے مقابلے میں، مجموعی طور پر یہ اعلان اُن قومی حقوق کا عرضی دعویٰ معلوم ہوتا تھا جنھیں قوم خود چھین لینے پر تلی ہوئی تھی۔ چنانچہ جہاں اُمراسے محاصل وصول کرنے کی تجویز تھی وہیں اس اعلان میں یہ مطالبہ بھی تھا کہ مجلس اضلاع کو قومی مصارف کے جملہ شعبوں پر نگرانی کا اختیار دیا جائے۔ اخبارات کے واسطے اور زیادہ آزادی اور سیاسی مجامع کے متعلق ہر قسم کی بندشوں کی منسوخی کا حق طلب کیا گیا تھا اور

آخر میں، بادشاہی اسے اتحاد وابستگی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے ساتھ ساتھ خواہش کی گئی تھی کہ حکومت ہنگری بلا واسطہ مجلس اضلاع کے قومی نائبین کی مرضی پر چلے اور دربار آسٹریہ کی جو ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ اس مملکت کو بھی اسی مرتبے پر رکھے جو بادشاہ کے دوسرے غیر آئینی صوبوں کا تھا، اسے ترک کر دیا جائے۔

الغرض حکومت اور فریق اختلاف کی بالمقابل تجاویز ملک کے سامنے تھیں جب کہ ۱۸۴۷ء کا جدید انتخاب شروع ہوا۔ ہر فریق کا جوش و خروش اور امیدیں بڑھی ہوئی تھیں۔ اور سال کے اواخر میں نئی مجلس کا، جس سے بڑے بڑے کاموں کی توقع تھی اور جو چند ہی روز کی شورش و انقلاب مدت میں ہنگری کے قدیم نظام معاشرت کے رخصت ہونے کا مشاہدہ کرنے والی تھی، انعقاد ہوا۔

آئین حکومت کے واضح مسائل جن سے پریس برگ کی مجلس اضلاع کو سابقہ ہونا تھا، ہنگری سے مخصوص تھے اور سلطنت آسٹریہ کے دوسرے اقطاع میں ان کا وجود نہ تھا۔ بایں ہمہ بعض اور تمدنی مسائل ایسے بھی تھے جو ہنگری ہو یا آئینی حقوق سے محروم رہنے والے دوسرے صوبے سب جگہ توجہ کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔

آسٹریہ کا دیہاتی نظام

ان میں سب سے اہم مسئلہ مزارعین کا تھا۔ کہ اگرچہ ممالک آسٹریہ کے اکثر حصوں سے دیہاتی غلامی (Serfage) مدتوں پہلے منسوخ کی جا چکی تھی لیکن دیہات کی معاشرت ابھی تک زمیندار و رعایا کے اصول پر مبنی تھی۔ یعنی مزارع پر سال کے چند مقررہ ایام میں مالک زمین کی اراضی میں کام کرنا اور بعض اسی طرح کی معہود خدمات انجام دینا لازمی تھا۔ نواح کے سرکاری اہلکاروں کی روک تھام کے باوجود جاگیروں کی عدالتوں کے اختیارات بھی مسدود و موقوف نہ ہوئے تھے اور جاگیر کے کارندے بارہا کوتوالی کے فرائض خود انجام دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جاگیر کے نام نہاد تعلق کو قطع کر دینے کی تجویز، اور نیم آزاد کاشتکار کو رستگاری دلانے کے واسطے بعض اضلاع میں نئے عمّال کا تقرر اور کم درجے کے مقامی اختیارات کی از سر نو عام تنظیم ضروری تھی تاکہ یا تو کسان صرف لگان کی مقررہ رقم ادا کرنے کے پابند ہوں اور یا اپنے قبضے کی زمین کا کچھ حصہ دے کر انھیں تمام ذمہ داریوں سے آزادی دے دی جائے۔ اس کام کے کرنے سے

حکومت آسٹریہ محض سُستی کی وجہ سے جان چراتی تھی اور ۱۸۳۵ء میں اس نے پہلو تہی کی جب کہ خود مالکان زمین کی طرف سے نظام وہی میں ردّ و بدل کی تحریک ہوئی تھی۔ غرض جس کام کا آغاز میریہ تھریسیا اور جوزف نے کیا تھا وہ بے ہاتھ لگائے پڑا رہا حالانکہ تیس برس کے امن و امان میں اس کی تکمیل کر لینے کا بہت کافی موقع میسّر تھا اور ۱۸۱۰ء میں ہارڈن برگ کے نئے قوانین وضع کرنے سے ایسی نظیریں بھی ہاتھ آگئی تھیں جو اس مسئلے کے کم سے کم چند پہلوؤں پر تو ضرور حاوی تھیں۔

آخر کار ایسے واقعات رونما ہوئے جنھوں نے وی آنا کے سب سے بیہوش سونے والوں کو بھی خواب خرگوش سے بیدار کر دیا۔ پیرس میں پولینڈ کے پناہ گزینوں کی اس جماعت نے جو کچھ کر گزرنے کی حامی تھی، فیصلہ کر لیا کہ آزادیٔ وطن کے لئے ایک ضرب اور لگائی جائے مگر اس مرتبہ وارسا میں دوبارہ ہنگامہ بپا کرنے کی بجائے انھوں نے یہ انتظام کیا کہ بغاوت پولینڈ کے اُن اضلاع میں ہو جو آسٹریہ اور پروشیہ کے علاقے میں داخل تھے، اور ۱۸۴۶ء کو آغاز بغاوت کا زمانہ مقرّر کیا۔ لیکن پروشیہ میں تو حکومت نے اہل سازش کا وار چلانے سے پیشتر ہی قلع قمع کر ڈالا۔ البتہ آسٹریہ میں، پوری طرح خبردار کر دیئے جانے کے باوجود احتیاطی تدابیر کی گئیں وہ کافی نہ ہوئیں۔ جنرل کولن نے گراکو کے آزاد شہر پر قبضہ تو کیا کہ انقلابی جماعت کا مستقر یہیں تھا لیکن اس کے ماتحت فوجیں اتنی ناکافی تھیں کہ اسے بہت جلد پسا ہوتا اور کمک پہنچنے کا انتظار کرنا پڑا۔ اس اثنا میں شمالی گلیشیہ کے ضلع ٹارنو کے زمینداروں نے سرکشی کا جھنڈا بلند کیا اور باشندوں کو مسلح کر کے لڑانے کی فکر کی یا یں ہمہ روتھینیہ کے کسان جن کے درمیان یہ سرکشی کرنے والے زمیندار آباد تھے، پولینڈ کی خود مختاری کو کمال نفرت سے یاد کرتے تھے اور انھیں اپنی حالت زار میں جو کچھ راحت و اطمینان کی شکل نظر آتی تھی وہ سب آسٹریہ کے شاہی عمّال کی بدولت تھی۔ پس اپنے جھانوں کے ساتھ میدان جنگ میں نکلنے کی بجائے انھوں نے باغی زمینداروں کی نقل و حرکت کی مخبری کی اور آسٹروی عمّال سے جو ان کے قریب ترین تھے، اپنے لئے حکم احکام طلب کئے۔ انھیں حکم مل گیا کہ جو شخص بغاوت پر آمادہ کرے اسی کو پکڑ کر شہروں میں حکّام کے پاس لے آئیں۔

گلیشیہ کی بغاوت۔ فروری ۱۸۴۶ء

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسی وقت سے کسانوں کی جاگیرداروں سے لڑائی چھڑ گئی۔ پول امرا
اس قابل شرم حقیقت کا اعتراف کرنے پر تو آمادہ نہ تھے کہ خود ان کے مزارع ان کی
جان کے دشمن ہیں، لہٰذا انھوں نے حکومت آسٹریہ پر الزام لگایا کہ وہ کسانوں کو
اشتراکیت کی حمایت میں فساد پر اُبھارتی اور ہمارے سروں کی قیمت، لگا رہی ہے۔
میٹرنک کی اس سے بڑھکر فضیحت کیا ہو سکتی تھی کہ اُس کے آس پاس گنواروں کی
گھار چل رہی ہو اور بظاہر خود حکومت ان کی سرپرست ہو۔ چنانچہ یورپ کی سرکاروں کو
اس نے ایک گشتی مراسلے میں شدّ و مد کے ساتھ مطلع کیا کہ کسانوں کی اپنی جاگیرداروں پر
یورش از خود اور ناگہانی طور پر ہوی اور اس کا سبب یہ ہوا ہے کہ بعض دیہاتیوں کو جبراً
باغیوں کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن سرکاری اہلکاروں کی
جس حد تک بھی اس ہنگامے میں شرکت ہو، اس میں تو کوئی شک نہیں کہ گلیشیہ میں
مزارعین کی بغاوت بڑے زور شور سے پھوٹ پڑی تھی اور زیادہ مدت نہ گزری تھی
کہ اس کے اثرات سلطنت آسٹریہ کے دوسرے حصوں میں بھی محسوس ہونے لگے۔
دیہاتی آبادی کی جس قدامت پسندانہ قناعت اور خوش دلی پر آسٹریہ کو ناز تھا اور
جس پر ایک حد تک اس کی حقیقی قوت کا مدار تھا وہ قصۂ ماضی ہو گئی جب حکومت پر منکشف
ہو گیا کہ جس مسئلہ سے وہ اب تک گریز کرتی رہی ہے اب اس سے اعراض کسی طرح ممکن نہیں تو
وی آنا کے ارباب حل و عقد آمادہ ہوئے کہ نئے قوانین کے ذریعہ تمام ممالک آسٹریہ میں کاشتکاری
کے مسائل سلجھائے جائیں لیکن اس دشواری کو پوری طرح حل کرنے کے لئے جس ہمت کی ضرورت
تھی سرکاری دنیا میں اس کا فقدان تھا، اور وہ شاہی فرمان جس میں حکومت کی جانب سے
انتہائی کارروائی درج تھی، صرف چند فقرات پر مشتمل تھا کہ کاشتکاروں اور مالکان زمین
کے از خود تصفیہ کر لینے میں سہولت پیدا ہو جائے۔ اس دستاویز کی نوعیت ہی دربار

زرعی فرمان۔ دسمبر ۱۸۴۶ء

وی آنا کی کمزوری کا پتہ دیتی تھی دون ہمّتی کے جو پرانے رواج چلے آتے
تھے، ان کو مٹا دینے کا موقع از خود حکومت کے ہاتھ آ گیا تھا جسے اس نے
ضایع کر دیا۔ انقلاب دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ اور دیہاتی آبادی کی حق رسی کو ادھورا چھوڑنے کے
معنی یہ تھے کہ حکومت نے اپنے دشمنوں کو سب سے کارگر ہتھیار بہم پہنچا دیا۔[1]

[1] Das Polen-Attental بابتہ ۱۸۴۶ء صفحہ ۲۰۳ Verhallnessein galizien

سلطنت بھر میں رہی سہی خوشدلی کہیں ایڑیاں رگڑ رہی تھی تو وہ آسٹریہ کے جرمانی صوبوں میں پائی جاتی تھی۔ لیکن ان میں بھی جن اضلاع تک دارالسلطنت کے اثرات پہنچے، ان کی حالت ایسی نہ تھی۔ قریب زمانے میں

دارالسلطنت وی آنا

وی آنا اپنی پرانی بے پروائی کی شان چھوڑ کر نیا چولا بدل رہا تھا سابق میں وہاں کے باشندے عیش پسندی، خوش طبعی اور ملکی معاملات سے بے خبری میں بدنام تھے۔ لیکن اب ان میں دوسرا اور سنجیدگی کا رنگ آگیا۔ اس عام تغیر کا بادشاہ فرانسس کی وفات سے بھی کچھ نہ کچھ تعلق تھا کیونکہ یہ بادشاہ اتنے عرصے تک زندہ رہا کہ وی آنا کی پچھلی نسل، ڈین یوب کی طرح اُسے بھی آئین و تمدن حاضرہ سے لازم ملزوم سمجھنے لگی تھی۔ دوسرے جب تک وہ جیتا رہا، ملکی معاملات میں کسی کا غور و فکر کرنا گویا اپنا وقت ضایع کرنا تھا۔ اس کی وفات سے سلطنت کو قابو میں رکھنے والی وہ آخری قوت ناپید ہوگئی جو اگرچہ سُست و بے رنگ تھی لیکن کام کی مہارت اور کمال استقامت رکھتی تھی یہ نقصان صرف سلطنت آسٹریہ ہی کو نہ ہوا بلکہ اس کا احساس تمام دنیا نے کیا، اور فرانسس کے مرنے سے جو جگہ خالی ہوئی تھی وہ عام طور پر اسی طرح خالی خالی اور بے بھری نظر کو کھٹکتی رہی۔ نئے بادشاہ فرڈی نینڈ کو ہر شخص اپاہج سمجھتا تھا۔ میٹرنک اور اس پورے نظام کی، جو معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ذات میں مجسّم ہوگیا ہے، رسم پرستی بالکل خشک اور فرسودہ شئے ہوگئی تھی اور اس نے سرکار کو عام تضحیک بلکہ بعض حلقوں میں سخت حقارت کا نشانہ بنا رکھا تھا جس نسبت سے پائے تخت والوں کی تعلیم و تربیت دوسرے شہروں کے باشندوں سے زیادہ تھی اسی قدر زیادہ انھیں غلامی کے مجموعی سلسلے کا وہ حصہ خاص طور پر ناگوار گزرتا تھا جس کا منشا آزادیٔ افکار کو مقید کرنا تھا۔ احتساب کا عمل تمسخر انگیز حماقت کے ساتھ جاری تھا اور ابھی تک حکومت کا مقصد یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کے اجتہادات و آراء سے آسٹریہ کو الگ تھلگ رکھا جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ (۵) صفحہ ۵۷ Brief eines Polnischen Edelmavnes.
صفحہ ۳۱ - میٹرنک: ہفتم ۱۹۶: شہر کراکو موتمر وی آنا میں ایک آزاد جمہوریت بنا یا گیا تھا۔ اب آسٹریہ نے اس کا انگلستان و فرانس کی مخالفت کے باوجود پروشیہ اور روس کی رضامندی سے الحاق کرلیا۔

اور پرانے خیالات کے مطابق ایک منتظم ملک کے افراد کی جو شان ہونی چاہیئے۔ شہنشاہ آسٹریہ کی رعایا کے خیالات کی دنیا بھی ٹھیک وہی رہے، اور اس میں اسلاف سے سرمو کوئی فرق و تغیر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ جس شہر میں کرور گیری کے اہل کار اور منڈی کے داروغہ قانون نافذ کرنا چاہتے وہاں شعر و سخن کی کتابوں میں لارڈ بائرن کی کتابیں شائع نہ ہوسکتی تھیں۔ تاریخ اور سیاسی تصانیف میں، دور جدید کے سربرآوردہ مصنفین کی کتابوں کی بھی یہی قدغن تھی خود ملکی تصانیف کی اس سے زیادہ کارگر طریقے پر نگرانی رکھی جاتی تھی۔ جو شخص اخباروں میں مضمون لکھتا، جامعات میں کوئی تقریر کرتا یا خیالی مضامین کی کوئی کتاب تصنیف کرتا تو اسے کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہنی پڑتی جو حکام وقت کی خوشنودی کا موجب ہو ورنہ اس کی دہن دوزی کردی جاتی۔ یہ ایسی ذلت تھی، کہ گو دیؔ آنا دماغی سرگرمی میں شمالی جرمانیہ سے بہت پیچھے رہ گیا تھا، تاہم اپنی بہترین افراد پر اس قسم کی گلا گھونٹنے والی قیود لوگوں کو بہت ناگوار گزریں اور وہ اس شرمناک سلوک سے سخت ناراض تھے غالباً یہاں جور و جبر کی کسی علانیہ کارروائی نے حکومت کے خلاف قریب قریب تمام تعلیمیافتہ طبقوں کو اس طرح صف آرا نہیں کیا تھا جس طرح کہ دماغی آزادی پر اس ٹھیس پہنچانے والے جہاد نے کردیا۔ اہل حکومت سے پائے تخت والوں کے رو داد کا خاتمہ ہوگیا۔ طبقۂ متوسط کی ان غیر مرتب صفوں کے علاوہ، بعض سیاسی انجمنیں، طلبہ کی منڈلیاں، یہودیوں کا ایک جاندار گروہ اور حسب دستور اہل حرفہ کی ایک جماعت بھی تھی، جو ہر بڑے شہر میں افلاس و پریشان خاطری کی بدولت مرتب ہو جاتی ہے اور یہ سب کے سب اگرچہ ابھی تک گردن ڈالے ہوے تھے لیکن تیار تھے کہ جب موقع آئے حکومت کے خلاف متحد ہو جائیں۔ فوجی قوت کی جو پائے تخت کو قابو میں رکھ سکے کمی نہ تھی لیکن اہل اقتدار میں سے کوئی شخص اس دور اندیشی اور قوت سے متصف نہ تھا جو انقلاب کے پہلے حملے کو سنبھال لینے کے واسطے ضروری ہے۔

اُدھر پروشیہ کے پائے تخت میں پہلے ہی پروشوی استبداد کی جڑیں متزلزل ہوگئی تھیں۔ شاہ فریڈرک ولیم ثالث کا طویل عہد حکومت سنہ ۱۸۴۰ء میں

پروشیہ

ختم ہوا۔ لوگوں سے نپولین کے زوال کے زمانے میں جن آزادیوں کے دینے کا اقرار صالح کیا گیا تھا اور وہ وعدے پورے نہیں ہوئے تھے، اب تک قوم اس محرومی پر کچھ تو ملال اور کچھ حسن عقیدت کی وجہ سے، خاموش اور صبر کئے رہی تھی۔ نئے بادشاہ فریڈرک ولیم رابع کی تخت نشینی کے وقت لوگوں کو بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ اپنے باپ کے مقابلے میں

فریڈرک ولیم رابع از ۱۸۴۰ء

جو اپنے آپ کو بہت لئے دیئے رہتا تھا، نئے بادشاہ کی طبیعت کے تپاک اور گرمجوشی ہی سے لوگوں نے اول اول اس کی نسبت بہت اچھی رائے قائم کر لی تھی۔ اوصاف ذاتی کے اعتبار سے بھی وہ اپنے قریبی رشتہ داروں میں سب سے کہیں زیادہ ممتاز تھا۔ فنون لطیفہ اور ادبیات سے اس کا اُنس، طبیعت کی صلاحیت اور برجستہ تقریر سب ایسی علامتیں تھیں کہ وہ پوری طرح عہد جدید کا آدمی نظر آتا تھا۔ اور گو شہزادگی کے زمانے میں عہد وسطیٰ کے اوہام اور استبدادی نظریات محیط رہے اور وہ ان کے سامنے سر جھکائے رہا لیکن زمام حکمرانی ہاتھ میں آنے کے بعد امید تھی کہ زمانہ شناسی سے کام لیکر وہ پروشیہ کو آزادی کے آئین عطا کرے گا جن کی قوم طالب تھی۔ نئے بادشاہ کے شروع شروع کے احکام بھی فراخ حوصلگی کی دلیل تھے۔ سیاسی مجرمین کو فیاضی کے ساتھ معافیاں دی گئیں۔ جن لوگوں کو محض آزادی زمانے کی وجہ سے نقصان اٹھانے پڑے تھے، انھیں جامعات یا سرکاری ملازمت میں اپنے سابقہ عہدوں پر بحال کر دیا گیا یا ترقی کے لئے منتخب کیا گیا۔ یہ سب کچھ تو ہوا لیکن جس وقت بادشاہ نے آئینی مسائل کا رُخ کیا تو اس کی گفتگو قابل اطمینان نہ رہی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ کسی حد تک اصلاح کا مؤید تھا مگر کسی حقیقی قومی نیابت کا خیال اسے پسند نہ تھا بلکہ معلوم ہوتا ہے اس کی مذمت کے موقع ڈھونڈا کرتا تھا۔ مستقبل کے متعلق بعض اور بُرے آثار بھی نظر آ سکتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے تنگدل اہل مذہب حکومت کا رشتہ اتحاد جوڑا اور آزاد طبیعت کے لوگوں کو ناخوش کیا اور پرشوی نظم و نسق کے بہترین دستور کی خلاف ورزی کی۔ غرض نئے عہد کی عزت و عقیدت تھوڑے ہی دن کی مہمان رہی۔ وہ لوگ جو

ولیم رابع کی غیر معمولی فطانت کے معتقد تھے، چند روز بعد اسے شیخی خورا، مغرور کجرو کے الفاظ سے یاد کرنے لگے۔ اس کی گرمجوشی کا، معلوم ہوا کہ کوئی خاص مقصود نہ تھا اور اس کی عامیانہ لسانی دوسری مرتبہ کی تقریر میں بے اثر ہو کے رہ جاتی تھی۔ نہ صرف پروشیہ میں بلکہ جرمانیہ کی چھوٹی ریاستوں میں بھی، جہاں کے باشندے توقع رکھتے تھے کہ آزادی کی شاہراہ پر اُن کی آیندہ رہنما ریاست پروشیہ ہوگی، یہ خیال بہت جلد شایع ہو گیا کہ بادشاہ فریڈرک ولیم رابع کو اس نیک مقصد (یعنی حصول آزادی) کے حامیوں میں نہیں بلکہ معاندین میں شمار کرنا پڑے گا۔

پروشیہ کے متوفی بادشاہ نے جن فرامین میں اپنی رعایا کو آئینی حکومت دینے کا وعدہ کیا، اُن میں قرار دیا گیا تھا کہ قوم کے نائب صوبوں کے طبقات رعایا کی مجلسوں سے منتخب ہوا کریں گے اور وضع قوانین میں محض اہل شوریٰ کے فرائض ادا کرنے کے علاوہ ان مبعوثین کو سرکاری قرضوں اور اضافہ محاصل کی تجاویز منظور کرنے کے حقیقی اختیارات دیئے جائیں گے۔ ملکی مجلس کو ان صوبوں کی مجلسوں پر منحصر کر دینے سے اُسی وقت لوگ اندیشہ کرنے لگے تھے کہ ہارڈن برگ کا مجوّزہ آئین کامیاب نہ ہو سکے گا۔ لیکن اسی چیز کو فریڈرک ولیم رابع نے اب اپنی آئینی حکمت عملی کا مرکز بنا لیا۔ وہ عہد قدیم کا والہ و شیفتہ تھا اور گو یہ صوبوں کی مجلسیں موجودہ شکل میں صرف ۱۸۲۳ء سے معرض وجود میں آئی تھیں مگر ولیم ان کا اس طرح تذکرہ کرنے لگا کہ گویا وہ کوئی بڑا قومی اور تاریخی آئین ہیں اور صدیوں سے بجنسہ چلی آتی ہیں۔ چنانچہ اس کا پہلا تجربہ تو یہ تھا کہ اپنی مجلسوں سے ایک جماعت خاص کو طلب کیا کہ وہ مالیات کی چند تجاویز پر غور و بحث کرے جو اُن دنوں حکومت مرتّب کر رہی تھی۔ جماعت خاص نے اس موقع پر جو محنت و کارگزاری دکھائی وہ کچھ بھی وقعت کے قابل نہ تھی اور نہ حقیقت میں بادشاہی وزیروں نے اس جماعت کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس میں کوئی خاص اعتنا کی شان تھی۔ بایں ہمہ فریڈرک ولیم اپنی مجوّزہ تدابیر پر غور و بحث کرتا رہا اور مجلس وزرا نے اس کے ایما سے ان تدابیر کو مرتّب کر لیا تو اس نے تجویز کو جانچنے کے واسطے ماہرین کی

متحدہ مجلس کا انعقاد برلن میں۔ ۳ فروری ۱۸۴۷ء

ایک جماعت مقرر کردی۔ ادھر تعلیم یافتہ طبقوں میں نیابتی حکومت کے لئے برابر شورش بڑھ رہی تھی اور آخر کار بادشاہ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اپنے باپ کے مواعید کو پورا کرے اور برلن میں ایک مجلس عامہ کا انعقاد کردیا جائے۔ اگرچہ اس کے بھائی ولی عہد سلطنت نے جو آئندہ شہنشاہ جرمانیہ ہوا اس ارادے کی مخالفت بھی کی تھی۔ غرض ۳ فروری ۱۸۴۷ء کو ایک شاہی منشور شائع ہوا کہ تمام صوبوں کی مجلسیں پائے تخت میں مجتمع ہوں اور ایک متحدہ مجلس ملک کی خدمت انجام دیں۔ مجلس کے دو حصے کردیئے گئے ایک شعبۂ اعلیٰ جس میں شاہی خاندان کے افراد اور امرائے کبار داخل تھے اور دوسرا شعبۂ ادنیٰ جس میں طبقۂ شرفا، اہل شہر اور مزارعین کے وکیل شامل ہوتے تھے۔ مجلس کو وضع قوانین کا تو حق عطا نہیں کیا گیا تھا تاہم اندرونی معاملات میں وہ عرضداشت پیش کرنے کی مجاز تھی۔ زمانۂ امن میں اس کے مشورے کے بغیر حکومت کوئی سرکاری قرضہ یا زائد محصول نہ لے سکتی تھی مجلس کے آیندہ اجلاسوں کے متعلق کوئی باقاعدہ وقت مقرر نہیں کیا گیا تھا اور دوسرے ضوابط نے اس کے مالی اختیارات میں بھی فی الجملہ تخفیف کردی تھی کیونکہ ان ضوابط کے ذریعے صوبوں کی مجلسوں سے ایک مشترکہ ذیلی مجلس بنائی جانے والی تھی کہ خاص خاص اغراض کے لئے ہر چوتھے سال اجلاس کرتی رہے، نیز قومی قرضے کے جملہ معاملات داد و ستد کے لئے ایک علیحدہ جماعت قائم مقاماں مرتب کردی گئی تھی کہ سالانہ جمع ہوا کرے[1]

غرض منشور شاہی نے جس قسم کی مجلس عامہ قائم کی، اس کو جو اختیارات دیئے اور آئندہ نیابتی حکومت ملنے کے متعلق جیسی ضمانت پیش کی، وہ قومی مطالبات سے اس قدر کم مناسبت رکھتی تھی کہ آزاد خیال حلقوں میں فوراً یہ سوال پیدا ہوگیا کہ بادشاہ نے جو رعایات کی ہیں انہیں قبول کرنا مناسب ہوگا یا مسترد کردیا جائے لوگوں کو اپنے فرماں روا کے میلان طبیعت کی نسبت جو شبہ تھا اُسے افتتاح مجلس کی شاہی تقریر سے اور تقویت پہنچی۔ (۱۱ اپریل) اس تقریب پر فریڈرک ولیم نے آدھ گھنٹے تک ایک دھواں دھار

شاہ فریڈرک ولیم اور مجلس متحدہ

[1] millelm IV Roden ..... صفحہ ۱۷ ۔ رینکے کا مضمون Allg. Deutsche Biog
F. W. IV میں ۔ بیڈرمین جلد اول صفحہ ۱۰۶ Dreissig Jahre

تقریر کی جس میں جہاں بہت سی باتیں مناسب وقت کہیں وہیں انقلاب انگیزی کے جذبات پر جو پروشیہ کے اخباروں میں کام کر رہے تھے، بہت کچھ لے دے کی اور اِل مجلس کو متنبہ کیا کہ وہ سیاسی نظریوں کی وکالت کے واسطے نہیں طلب کئے گئے ہیں بلکہ اس لئے کہ اپنے اپنے طبقے کے حقوق کی حفاظت کریں۔ نیز صاف طور پر انھیں سنا دیا کہ دنیا کی کوئی قوت مجھے آمادہ نہیں کر سکتی کہ رعایا کے ساتھ جو قدرتی تعلق ہے اسے آئینی تعلق کی صورت میں بدل دوں اور اس امر کو جائز رکھوں کہ کاغذ کی ایک دو ورقی، خدا اور پروشیہ کے درمیان فرمانِ قضا بن جائے جس میں کوئی مجال ردّ و بدل باقی نہ رہے۔

بادشاہ کی تقریر میں وہ حرارت اور لب و لہجہ ایسا غیر مصالحانہ تھا کہ اسی وقت ایک نج کی مشاورت میں تجویز کی گئی کہ مجلس کے تمام اراکین یکبارگی برکن سے رخصت ہو جائیں۔ لیکن اس انتہائی تدبیر پر عمل نہیں ہوا بلکہ اس کی بجائے طے پایا کہ بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جائے اور مودبانہ الفاظ میں ۳ ہر فروری کے منشور شاہی کے اسقام ظاہر کر دئے جائیں۔ اسی عرضداشت پر جو مباحثہ ہوا وہ پروشیہ کی مجلسی تاریخ کا سر آغاز ہے۔ مجلس کے شعبۂ ادنیٰ میں آزاد خیالوں کی اکثریت تھی اور ان کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ اپنے دعوے کو کسی مسلم قانون پر مبنی کریں چنانچہ انھوں نے فریڈرک ولیم ثالث کے فرامین کو جن میں آیندہ مجلس نیابت کے حقوق بیان کئے گئے تھے، ملک کے مسلّمہ قوانین فرض کر لیا حالانکہ بادشاہ سابق نے فی الواقع کوئی مجلس نیابت قایم نہیں کی تھی۔ بہر حال، اس دلیل سے وہ سب اختیارات جو ذیلی اور خاص خاص مجلسوں کو دئیے جا رہے تھے، مجلس ملکی کی حق تلفی ہو جاتے تھے اس کے جواب میں حکومت کی حجت یہ تھی کہ مجلس کو جو ۳ ہر فروری کے منشور کی بنا پر وجود میں آئی ہے سوائے ان حقوق کے جو اس منشور میں عطا کئے گئے ہیں اور کوئی حق اور دعویٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ بادشاہ نے مجلس کی عرضداشت کے پیش ہوتے وقت یہ خواہش تو ظاہر کی کہ وہ آئینی حکومت کی مزید تکمیل و ترقی چاہتا ہے لیکن اس کے وزیروں نے جو اصول قرار دیا تھا اسی کو دہرا دیا اور اِن ذمہ داریوں کے سوا جو خود اُس نے عاید کی تھیں، کسی نئی جوابدہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

آخر جب اختلافی مسائل پر بہت سی بحثوں کے بعد، مجلس کا باضابطہ اجلاس شروع ہوا تو حکومت اور مجلس کے تعلقات بہتر ہونے کی بجائے پہلے سے بھی بدتر ہو گئے۔ دو بڑی تجویزیں جو مجلس میں پیش ہوئیں یہ تھیں کہ ایک تو بعض زراعتی

مجلس کی کارروائی اور انفساخ

ساہوکاری کوٹھیوں کی نسبت سرکاری ضمانت دی جائے جن کے قائم کرنے کا منشا یہ تھا کہ مزارعین سے ان کی ملکیت پر جو لگان لیا جاتا تھا، وہ اڑا دیا جائے۔ اور دوسری تجویز ایک سرکاری ریل بنانے کے لئے قرض لینے کے متعلق تھی۔ یہ کہہ کر کہ پہلی کارروائی کا کسی محصول لگانے سے براہ راست تعلق نہیں ہے، وزیروں نے اسے پیش کرتے وقت صاف صاف کہہ دیا کہ یہ تجویز محض رائے لینے کی غرض سے ہے ورنہ اس بارے میں فیصلہ کرنے کا مجلس کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ یہ گویا مجلس کے ساتھ لڑائی مول لینی تھی چنانچہ اس نے اپنے حقوق ثابت کرنے کے لئے نہ صرف مذکورۂ بالا ضمانت دیئے جانے سے انکار کر دیا بلکہ مجوزہ ریل کے قرض پر بھی قلم تنسیخ چلا دی۔ سب کو اعتراف تھا کہ دونوں تجویزیں بجائے خود ملک کے حق میں مفید ہیں۔ لیکن ان کے استرداد سے مجلس اپنے وہ آئینی اختیارات منوا دینے چاہتی تھی جن کے ماننے میں حکومت کو تامل تھا۔ غرض مخالفت روز بروز بڑھتی اور ناگوار ہوگئی اور جب مجلس کو فسخ کرنے کی غرض سے بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے اراکین پہلے اُن ذیلی مجالس اور قائم مقاموں کی جماعت کا انتخاب شروع کریں جو ۳ر فروری کے منشور کی رو سے مرتب ہونے والی تھیں، تو مجلس کے ایک نوی اثر گروہ نے انتخاب میں حصہ لینے سے انکار کر دیا یا یہ لوگ رضامند ہوئے تو خاص خاص شرطوں کے ساتھ، اور اس کی وجہ یہ قرار دی کہ مالیات پر نگرانی رکھنے کا اختیار جسے بادشاہ دوسری جماعتوں کے تفویض کر رہا ہے، قانوناً صرف مجلس متحدہ کو حاصل ہے۔ اس معارضے پر بادشاہ بہت ناخوش ہوا اور انتخاب کے موقع پر خود شریک نہ ہوا جس سے مجلس کا اجلاس ختم ہو گیا۔ (۲۶ر جون) عام ناراضی اور ناگواری کے ساتھ مجلس برخاست ہوئی۔ اس کے انعقاد سے بجز اس کے کوئی نتیجہ نہ نکلا کہ

قوم کے قائم مقاموں اور فرماں روائے ملک کے مقاصد میں جو باہمی تضاد و تخالف تھا وہ آشکارا ہوگیا۔ بادشاہ کی طرف سے جن اصول کی تلقین کی گئی تھی انھوں نے اعتدال پسند افراد کو بھی منحرف کر دیا اور اس تجربے کا انجام یہ ہوا کہ بادشاہی رسوا اور اپنے سخت ترین دشمنوں کے حملے کی زد میں آگئی حالانکہ اسی کام کو اگر زیادہ مصلحت اندیشی سے چلایا جاتا تو عجب نہ تھا کہ عین آخری وقت پر وہ تمام جرمانیہ کو انقلاب کی مصیبت سے بچا لیتا۔

اب وسطی یورپ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک سلسلہ مکمل اور مسالا تیار تھا اور یہاں سے وہاں تک آگ بھڑک اٹھنے کے لئے صرف پیرس میں ایک تیلی دکھانے کی ضرورت تھی۔ یہ خیال کہ وہ تخت جسے لوئی فلیپ نے ایک عام بلوے کے صدقے میں حاصل کیا تھا کسی دوسرے بلوے میں چھینا بھی جاسکتا ہے اسکی ابتدائی سنین

لوئی فلیپ

حکومت میں نہ صرف بادشاہ بلکہ ممالک خارجہ کے مبصرین کے ذہن میں برابر موجود رہا۔ لیکن ۱۸۳۰ء کی جمہوری موجوں کے بعد نسبتہً امن وسکون کا زمانہ گزرا اور مجلسی نظام جس شد و مد کے ساتھ کام کرتا رہا نیز حصول ثروت کی جیسی پیہم اور کامیاب دھن لوگوں کو لگی رہی کہ معلوم ہوتا تھا وہ اہل فرانس کی تمام دوسری خواہشوں پر غالب آگئی ہے، ان سب حالات کی بناپر مذکورۂ بالا خطرات دلوں سے محو ہوگئے تھے۔ خاندان اورلیان کی بادشاہی یورپ کی ایک معتبر سرکار شمار ہونے لگی تھی صدر خاندان کبر سنی کے باوجود قوی الحواس تھا اور اپنی اولاد کے مستقبل کو پیش نظر رکھکر اس جوڑ توڑ میں مصروف تھا کہ ان کی بادشاہی کی حدود یا کم سے کم اثر کو ملک فرانس کی سرحدوں سے آگے تک پھیلا دے۔ ایک زمانے میں تو لوئی فلیپ کو یہ امید رہی کہ دربار وی آنا یا برلن سے اپنے خاندان کا ازدواجی تعلق قائم کرے گا لیکن اس تجویز کی کچھ تائید نہ ہوئی لہذا وہ اور بھی زیادہ اشتیاق سے دوسرے رخ یہ موقع تلاش کرنے لگا کہ فرانس و اسپین کے شاہی خاندانوں میں دہی رشتہ پھر قائم کر دیا جائے جیسا کہ لوئی چہاردہم نے قائم کیا تھا اور جس نے خاندان بوربن کے انقراض حکومت تک یورپ کی تاریخ پر ایسا کچھ اثر ڈالا تھا۔ اس وقت ہسپانیہ کے تاج کی وارث ایک نوجوان لڑکی تھی اور اس کے بعد وراثت اس لڑکی کی چھوٹی بہن کو پہنچتی تھی۔ ان حالات میں

ایک ایسے بادشاہ اور وزیر کو جو شرافت اور عہد کی پاسداری کو اپنی اغراض پر سے قربان کر دینے پر آمادہ ہوں یہ کچھ ناممکن بات نظر آتی تھی کہ خاندانِ اورلیان کا ہیڈ رڈ میں بھی اسی طرح طوطی بولے جس طرح پیرس میں بول رہا تھا۔

کارسی جنگ کے دوران ہی لارڈ پامرسٹن کو موثق طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ لوی فلیپ اگر بن پڑے تو اپنے کسی بیٹے کی شادی ملکہ ازابلا سے کرنے کی فکر میں ہے۔ چند سال بعد اس تجویز کا گوی زو نے غیر سرکاری طور پر اس انگریز مدبر سے تذکرہ بھی کیا اور اس نے فوراً گوزو کو جتا دیا کہ انگلستان اس پیوند کا ہونا جائز نہ رکھے گا۔ اس منصوبے کو چھوڑ کر پھر لوی فلیپ نے معاہدۂ یوٹریکٹ کی یہ غلط تاویل کی کہ ملکۂ اپنے شوہر کا انتخاب ہسپانیہ یا نیپلز کے بوربن خاندان کے باہر نہیں کر سکتی۔ انگلستان میں ۱۸۴۱ء میں لارڈ ابرڈین وزیر خارجہ ہوا تھا، فلیپ کے مذکورہ دعوٰی کی تصدیق کرنے سے تو اس نے بھی انکار کر دیا۔ البتہ بیان کیا کہ اگر خود میڈرڈ کے اہل الرّائے اسی خاندان بوربن میں رشتہ کرنے کو پسند کریں تو انگلستان کو اس سے کچھ پرخاش نہ ہوگی اس پر لوی فلیپ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کے سب سے چھوٹے بیٹے ڈیوک اوف مونت پن سیئر کی شادی ملکہ ہسپانیہ کی چھوٹی بہن ولیۂ عہد فرنانڈا کے ساتھ ہو جائے اس تجویز کو انگریز وزرا نے قبول کر لیا مگر صراحتًہ یہ مفاہمت ہو گئی کہ مذکورۂ بالا تجویز عقد خود ملکہ کی شادی سے قبل عمل میں نہ لائی جائے گی۔ نیز دونوں حکومتوں کو اعتراف تھا کہ اس تصفیئے کی جان یہ شرط ہے کہ یہ شادیاں وقتِ واحد میں نہ کی جائیں کیونکہ ملکہ کی شادی سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو اس کی بہن یا بہن کی اولاد تخت بادشاہی کی وارث ہو جائیگی۔

ہسپانوی شادیاں اکتوبر ۱۸۴۶ء

اس بات کا لوی فلیپ اور اس کے وزیر گوئی زو نے خط کتابت میں جو کئی سال تک سرکار برطانیہ سے جاری رہی، بار بار اقرار کیا۔ بایں ہمہ، ۱۸۴۶ء میں میڈرڈ کے فرانسیسی سفیر نے ملکہ کی ماں ماریہ کریسچیانا کے اتفاق رائے سے ایک ایسا منصوبہ تیار کر لیا جس سے وہ تمام شرطیں باطل ہو گئیں جو لندن میں پیش ہوئیں اور پیرس میں تسلیم کی گئی تھیں۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ ملکہ کے ہسپانوی بنو اعمام میں ڈون فرانسس کو نامی ایک شہزادے کی نسبت معلوم تھا کہ صحت جسمانی کے اعتبار سے وہ شادی کے

ناقابل ہے۔ اب ماریہ کرسچیانا اور فرانسیسی سفیر نے تہیہ کر لیا کہ نوجوان ازابلا کو اسی شخص سے بیاہ دیا جائے اور ساتھ کے ساتھ اس کی بہن کی شادی ڈیوک مونت اس ین سیر سے کر دی جائے۔ یہ فیصلہ ان مواعید کی جو دربار پیرس نے کئے تھے ایسی کھلی ہوی خلاف ورزی تھا کہ جب اس کی اطلاع پیرس آئی تو لوئی فلیپ نے اول اول بڑی ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ سفیر کا یہ فعل علانیہ تردید اور تذلیل کے لائق ہے لیکن گوی زو کا دل اپنے آقا سے زیادہ مضبوط تھا۔ اس نے صبر و توقف کی رائے دی۔ عین خلفشار کے وقت انگلستان میں لارڈ پامرسٹن دوبارہ عہدۂ وزارت پر فائز ہوا اور اس نے ضمناً شہزادہ سیکس کوبرگ کا تذکرہ کیا کہ ملکۂ ہسپانیہ کے لئے ایک وہ بھی بر ہو سکتا ہے۔ اس بات سے گوی زو کو یہ کہنے کا حیلہ مل گیا کہ خاندان بوربن کے متعلق جو عہد کیا گیا تھا، اب شہزادہ کوبرگ کی حمایت کر کے برطانیہ اس عہد سے پھر گیا۔ حالانکہ درحقیقت حکومت برطانیہ نے نہ صرف اس شہزادے کو امیدوار بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ براہ راست اس کی مخالفت کی تھی۔ مگر اس کہنے سننے کا پیرس کے قصر شاہی میں کوئی اثر نہ ہوا۔ ابتدا میں لوئی فلیپ اور گوی زو کے ارادے کچھ ہی کیوں نہ رہے ہوں اب تو تخت ہسپانیہ کے ہاتھ آنے کی امید ایسا لالچ تھا کہ اس سے دست بردار ہونا محال تھا۔ چنانچہ اس رشتے کے مبادیات کمال عجلت سے طے کر لئے گئے اور ۱۰ اکتوبر ۱۸۴۶ء کے دن ملکہ ازابلا اور اس کی بہن کا فرانسیسی سفیر اور بڑی ملکہ کی تجویز کے مطابق ایک ساتھ میڈرڈ میں نکاح پڑھ دیا گیا[۱]

ان ہسپانوی شادیوں سے بڑھکر قابل شرم ریشہ دوانیاں بھی کم ہوی ہوں گی اور نتیجے کے اعتبار سے تو یہ سب سے زیادہ بے سود ثابت ہوئیں۔ ان کی تہ میں جو اغراض تھیں، آیندہ تاریخی واقعات نے انھیں لغو و مضحکہ انگیز بنا دیا، اور اوران کا فوری نتیجہ خاندان اورلیان کے حق میں سراسر مضر نکلا۔ اول تو وہ دوستانہ مفاہمت جس کی بنا ۱۸۴۰ء کے اختلافات کے بعد انگلستان اور فرانس کے درمیان

[۱] "گوی زو" ہشتم ۱۰۱۔ "پامرسٹن" سوم ۱۹۴۔ دستاویزات پارلیمنٹ ۱۸۴۷ء۔ مارٹن: "شہزادہ زوج ملکہ" جلد اول ۳۴۱۔

لوئی فلیپ اور گوی زو ۱۸۴۶ء

دوبارہ تجدید ہوئی تھی، حتمی طور پر غارت ہو گئی اور دوسرے گوی زو جیسے متین و متقی وزیر کو ان الزاموں کی جوابدہی کرنی پڑی جو دنیا کے بدترین سیاہ کار کے لئے بھی موجب شرم و رسوائی ہوتے۔

پھر جب خود اور لیانی بادشاہی کی اخلاقی فضیلت کا جبہ اُتر گیا اور وہ تدین اور حب وطن سے بلا تامل عاری قرار دی گئی تو اسی حال میں اُسے عوام الناس کے اس طوفان غیظ و غضب کا مقابلہ کرنا پڑا جو فرانس اور آس پاس کے ملکوں میں جوش کھا رہا تھا۔ انگلستان سے رشتۂ دوستی گسستہ ہونے کے بعد ضروری ہوا کہ اس کے عوض میں ممالک یورپ کی کسی دوسری قوت کی تائید حاصل کی جائے چنانچہ گوی زو نے دربار ویانا کی استبدادی حکمت عملی کو تمام و کمال قبول کر کے ایک سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی جس سے انگلستان اسی طرح خارج کیا جا سکے جس طرح ۱۸۴۰ء میں فرانس الگ کر دیا گیا تھا۔ اور اس تدبیر کے چل جانے کے بعض اسباب بھی پیدا ہو گئے تھے۔ کیونکہ لارڈ پامرسٹن نے جس شد و مد اور بیباکی کے ساتھ آزاد خیالی کی تحریکوں کا ساتھ دیا جو اطالیہ میں نہایت خطرناک بنتی جاتی تھیں، اُس نے یورپ کی ہر مطلق العنان حکومت کو پامرسٹن کا دشمن بنا دیا تھا۔ اور اگر کافی مہلت مل جاتی تو ممکن تھا کہ مطلق العنان حکومتیں انگریز وزیر کے مقابلے میں فرانس کے ساتھ کوئی خفیہ یا علانیہ اتحاد کر لیتیں۔ لیکن موقع بساعت شماری کا آگیا تھا اور اس سے قبل کہ مجوزہ اتحاد خارج میں کوئی صورت اختیار کرنے پائے، وہ جھگڑا آگیا جس کے زور نے سب سے پہلے لوی فلیپ اور اس کے وزیر کے پاؤں اکھاڑ دیئے۔

مجلسی اصلاح کا مطالبہ

۱۸۴۶ء میں جب مشرقی معاملات بہت نازک ہو گئے اور گوی زو کو وزارت عظمیٰ تفویض کی جا رہی تھی، تو اسی زمانے میں فرانس کے آئینی نظام کی اصلاح کا مطالبہ ہوا تھا۔ لیکن اس وقت جماعت عاملہ نے ہر تدبیر سے جو اس کے اختیار میں تھی اس مطالبے کو جبراً دبا یا اور خاموش کر دیا کیونکہ شاہ لوی فلیپ کو پورا یقین تھا کہ اگر مجلس میں زیادہ جمہوریت کا عنصر داخل ہوا تو اس کی امن و صلح کی حکمت عملی ہرگز نہ چل سکے گی۔

مگر اب وہی مطالبہ کہیں زیادہ شد ومد سے شروع ہوا۔ واضح رہے کہ گو انقلاب جولائی کے بعد رائے دہندگی کی شرائط کو نرم کر دیا گیا تھا پھر بھی وہ اتنی سخت تھیں کہ ہر ایک سو پچاس باشندوں میں سے فقط ایک شخص رائے دینے کا حق رکھتا تھا اور خود مبعوثین پر ملکیت کی جو قیود عائد کر دی گئی تھیں ان کی وجہ سے مجلس میں سوائے بہت کافی دولت والوں کے اور کسی کو بار نہ مل سکتا تھا مزید برآں کوئی قانون ایسا نہیں تھا جو انتظامی عہدہ داروں کے رکن مجلس بننے میں مانع ہو۔ اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک تہائی ارکان مجلس ایسے عہدہ دار تھے جو انتخاب میں کامیاب ہوے، یا انتخاب میں آنے کے بعد انھوں نے کوئی چھوٹا بڑا سرکاری عہدہ قبول کر لیا۔ اس طرح گو مجلسی کاروبار کے سلیقے کی کچھ کمی نہ تھی لیکن وہ مجلس جس کے اجزائے ترکیبی ایسے ہوں، کسی طرح پوری قوم کی نمایندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ حق رائے کی حد بندی اور خود مبعوثین کی دولتمندی نے ہر مسئلے میں جس کا عوام الناس کی معاشرت سے تعلق ہو، مجلس کو محض اہل ثروت بے فکروں کی بزم احباب بنا دیا تھا۔ عہدے دینے کی طاقت سے حکومت جو کام لیتی تھی، اس نے ان لوگوں کو جنھیں اس کا نگران کار ہونا چاہیے تھا، الٹا اس کا دست نگر کر دیا خاص کر اس لئے بھی کہ حکومت کی یہ نوازشیں ان کی نسبت جو علانیہ حکومت کے ہوا خواہ تھے ان افراد کے ساتھ زیادہ دریا دلی سے روا رکھی جاتی تھیں جو کہنے کو حکومت کے مخالف ہوتے تھے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ لوی فلیپ کے مقابلے میں مجلس کا فریق اختلاف اپنی رائے اور مرضی کا مالک نہیں رہا تھا۔ وہ اہل دول کا اور کسی حد تک فرانس کے ذی ہوش طبقے کا نمایندہ ضرور تھا لیکن تمام نزاعی مسائل حاضرہ میں، وہ محض دوسرے نام سے حکومت عاملہ ہی کی نمایندگی کرتا تھا غرض لوی فلپ کے آخری سنین حکومت میں اہل ملک کو مجلس سے اس درجہ بے اعتمادی اور ناامیدی ہو گئی تھی کہ مجلس کے انتخابات بھی کسی خاص جوش و دلچسپی کا موجب نہ ہوتے تھے۔ ادھر اس عام یقین کی کہ عہدہ داروں میں بد دیانتی پھیلی ہوئی ہے روز تازہ شہادتیں ملتی رہتی تھیں۔ پے در پے سرکاری مقدمات نے عیاں کر دیا کہ نظم و نسق کے ہر شعبے میں انتہا درجے کا تغلب ہو رہا ہے۔ نیز یہ ثابت ہو گیا کہ سیاسی رسوخ سے عادتاً مالی فوائد حاصل کرنے کا کام لیا جاتا ہے۔ بایں ہمہ جب

وزیر اعظم کی گرفت کی گئی کہ وہ ایسے نظام کاروادار رہا جو سر سے پاؤں تک خرابی ہی خرابی بن گیا ہے تو اسے سوائے اس کے کچھ نہ بن پڑا کہ مجلس میں اپنے ہی نامزد کردہ ارکان کی طرف پلٹا اور پوچھنے لگا کہ آپ بتائیے کیا آپ نے اپنے حلقے میں کوئی تغلب وبد دیانتی دیکھی؟ پھر جب درخواست کی گئی کہ کسی حد تک تو وہ اصلاح مجلس کی تجویز پر غور کرے، تو اس نے کمال تبختر سے ضد اور مخالفت کا طرز عمل اختیار کیا۔ غرض فریق اختلاف کو اس بات کی تو مطلق امید نہ رہی کہ حکومت یا خود مجلس میں ان کی کوئی شنوائی ہوگی لہٰذا ان کے سرگروہوں نے ۱۸۴۷ء میں طے کر لیا کہ خود اہل ملک سے استغاثہ کیا جائے۔ پھر ان وسائل سے جو اوکونل نے آئرلینڈ میں اختیار کئے تھے فرانس کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھی چند ہی روز کے اندر مجلسی نظام کی اصلاح کے لئے شورش برپا ہو گئی۔

مگر ان کے علاوہ جن سے مجلس مبعوثین کے اہل الرّائے آشنا تھے بعض اور خیالات اور قوتیں بھی پیرس کے مزدور پیشہ طبقے میں مصروف عمل تھیں۔ "اشتراکیت" کا نظریہ جس کی واقفیت لوئی فلیپ کے اوائل عہد میں معدودے چند اہل فکر یا ذی علم افراد سے مخصوص تھی اب عامۃ الناس کے دلوں میں بہت گہرا اتر گیا اور ایک موٹی قابل فہم سیدھی سادی بات کی صورت میں غریبوں کا مسلمہ عقیدہ بن گیا تھا۔ زوال نپولین کے بعد جب سے، کہ اہل فرانس کو دوبارہ عقل آئی اور حواس درست ہوئے اور کہنا چاہئے کہ سپاہی کی آنکھیں میدان سے ہٹ کر اپنے گھر پر پڑیں تو انسانی مدنیت کی بنیاد کے متعلق وہی سوالات دوبارہ دلوں میں پیدا ہونے اور زبانوں تک آنے لگے جو ایک گذشتہ دور میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن گو مسائل وہی اٹھارویں صدی کے تھے، ان کا جواب بعد کی نسل کا دماغ دے رہا تھا۔ ملوک و امرا اور مذہبی پیشوا کا تو استیصال ہوا مگر دنیا اسی طرح فلاکت میں مبتلا رہی تجدید بادشاہی کے دور میں سان سائمون کی تعلیم نے مذہبی تخیلات کو صنعت و حرفت کے ایک عظیم الشان منصوبے سے آمیختہ کر دیا۔ اسی نتیجہ خیز دور میں فوریئر کی "خیالی مملکت" شائع ہوی اور اشتراک عمل کے تمام بیش بہا ثمرات اسی کتاب کی رہنمائی سے میسر آسے۔ دوسرے ان مسائل کی

اشتراکیت۔

تبئین و تشریح کوئی حکیم کرتا یا فیلسوف یا زمانہ ساز فریبی، ہر تحریر میں خاص خاص مطالب وہی ہوتے تھے یعنی فرد کا دوسروں سے الگ رہ کر، محتاج ہونا، سارے تمدن کا صنعت و حرفت پر مبنی ہونا اور کاسبین کی تنظیم پوری قوم یا قوم کے اعلیٰ حکام کا فریضہ ہونا۔ ایک نئے نظام تمدن کا جو تصور پیرس کے کارخانوں کے مزدوروں کے ذہن میں جاگزیں ہوا اس کی صورت قدرتی طور پر کچھ بہت پیچیدہ اور بعید الفہم نہ تھی۔ مزدوروں کے حقوق اور سلطنت کے اس فرض پر کہ اسے تمام اہل ملک کے واسطے کام مہیا کرنا چاہیئے، سب سے تازہ مصنف اور صاف و واضح لکھنے والا معلم لوی بلانک تھا جس کی کتابیں یہ مزدور پڑھتے اور اس کے مطالب کی حقیقت اور معقولیت ان کے بخوبی دلنشیں ہو جاتی تھی۔ حتیٰ کہ موقع آئے تو وہ ان حقوق کے واسطے لڑنے مرنے پر بھی آمادہ تھے۔ مگر وہ اس پر تیار نہ تھے کہ طبقۂ متوسط کے چند اور افراد کو حق رائے دلوانے کے لئے یا مناصب و منافع کو جاہ طلبوں کے ایک گروہ سے لے کر دوسرے گروہ کے حوالے کرنے کی غرض سے جاں فشانی کریں۔ یہ تو ممکن تھا کہ حکومت کرنے والے وزیر کی دشمنی میں مجلس کے مصلحین اور بازار کے اشتراکیین تھوڑی دیر کے واسطے اپنی قوتیں متحد کر لیں لیکن خود ان کے مقاصد میں باہم کوئی آشتی نہ تھی اور یہ شدنی امر تھا کہ جو لوگ آج حلیف تھے کل ایک دوسرے کے حریف ہوں۔

انقلاب فروری ۱۸۴۸ء

۱۸۴۷ء کے اواخر میں اورلیانی بادشاہ کی آخری ملکی مجلس کا انعقاد ہوا۔ شاہی تقریر خود لوی فلیپ نے آکر کی اور اس میں اصلاح کی چیخ پکار کی بہت منحت الفاظ میں مذمت و نفضیحت کی۔ حالانکہ یہ شورش حقیقت میں مجموعی طور پر ان لوگوں کا کام تھی جو طریق انتخاب کی اصلاح کے ساتھ بادشاہی کے سچے وفادار تھے اور کہنے کو بھی "شاہ پسند فریق اختلاف" کہلاتے تھے۔ بہرحال، بادشاہی کلمات گویا جنگ کی دعوت تھی اور اس کے جواب کے متعلق جو مباحثہ شروع ہوا اس میں مجلس کے شاہ پسند آزاد خیال، اور قلیل التعداد جمہوریت پسند، دونوں گروہ کے جملہ افراد مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حکومت اپنی اکثریت پر مطمئن تھی۔ لیکن شاہی تقریر کے جواب کے مسئلے میں جب فریق اختلاف کو

شکست ہوئی تو اس نے حکومت سے اظہار ناراضی کی یہ تدبیر سوچی کہ مغربی پیرس کے اصلاح طلب گروہ کی دعوت میں شریک ہونے کا ارادہ کرلیا جو ۲۲ ہر فروری کو کامپ الی سئی میں ہونے والی تھی۔ حکومت نے اس جلسۂ ضیافت کو خلاف قانون قرار دیا تھا لہٰذا بعض ارکان کی خواہش یہ تھی کہ حکام سے دوستانہ طور پر تصفیہ کرلیا جائے کہ کسی مار دھاڑ کی نوبت پہنچنے کا امکان باقی نہ رہے۔ مگر اس میں وہ غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ آخر میں حکومت نے دعوت کی حتماً ممانعت کردی۔ اور ہنگامہ و فساد کا فوجی قوت سے سدباب کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔ مبعوثین کو اس بات کا بہت خیال تھا کہ مزاحمت کے صرف قانونی ذرائع سے کام لیا جائے، بس یہ رنگ دیکھکے انھوں نے ارادہ کرلیا کہ دعوت میں شریک نہ ہوں۔ مگر ان کے برخلاف جمہوریت پسند اور اشتراکی سرگروہ خوش ہوئے کہ بغاوت کرا دینے کا موقع ہاتھ آیا۔

۲۲ ہر فروری

۲۲ ہر فروری کی صبح مزدوروں کے محلّے سے لوگوں کے جم غفیر مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ سارے دن شہر میں افراتفری مچی رہی۔ جابجا باڑیں اور مورچے بنائے جانے لگے۔ بازاروں میں جنگی پہرہ قائم کردیا گیا۔ بایں ہمہ اس روز کسی طرف سے کوئی قابل ذکر حملہ نہیں ہوا اور رات ہوئی تو ہر طرف سکون چھا گیا۔

دوسری صبح کو پیرس کے "قشون قومی" کو مسلح ہونے کا حکم ملا۔ لوئی فلیپ کے ابتدائی عہد حکومت میں پیرس کے باشندوں کی جیسی کشمکش بادشاہ سے ہوئی اس میں یہ فوج جس میں بیشتر تجارت پیشہ لوگ بھرتی تھے، برابر بادشاہ کی وفاداری میں ثابت قدم رہی۔ لیکن اب وہ مجلس کے آزاد خیال فریق اختلاف کی ہم آہنگ تھی اور بہ آواز بلند وزیروں کی برطرفی کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اس کے بعض دستے تو

۲۳ ہر فروری

عوام الناس اور فوج باقاعدہ میں بیچ بچاؤ کرتے رہے لیکن چند دستے اصلاح کی درخواستیں لئے ہوئے ایوان مجلس کی طرف روانہ ہوئے۔ لوئی فلیپ اب تک تو اپنے انکار پر اڑا ہوا تھا کہ اصلاح طلب گروہ کو کسی قسم کی مراعات نہ دی جائیں مگر جب سنا کہ قشون قومی کے منحرف ہوجانے کا اندیشہ ہے تو آخر کار اسے بھی یقین ہوگیا کہ اب مزاحمت کرنا غیر ممکن ہے۔

اس نے گوی زو کا استعفا قبول کر لیا اور مجلس نے خود معزول وزیر کی زبان سے سنا کہ وہ اپنے عہدے سے الگ ہو چکا ہے۔ فریق اختلاف کا مسلمہ سرگروہ تا ئیر تھا اور گو بادشاہ نئی وزارت مرتب کرنے کا کام اس کے تفویض کرنے سے کچھ دیر تک انکار کرتا رہا، لیکن اب سب سمجھ رہے تھے کہ اصلاحات کا مطالبہ قبول کرنے میں جو کچھ مزاحمت ہو رہی تھی، گوئزو کی علیحدگی کے ساتھ ہی اس کا زور ٹوٹ گیا۔ ادھر مجلس کا فریق اختلاف اور پیرس کا طبقۂ متوسط بھی یہی چاہتا تھا اور جب اس کے منوا لینے میں وہ کامیاب ہو گیا تو ظاہرا ساری نزاع اور پیچیدگی رفع دفع ہو گئی۔ شہر کے مغربی حصے میں ایک دوسرے کو مبارکباد دی جانے لگی اور فساد کے خوف و پریشانی کی جگہ لوگ مزاح و خوش طبعی کرنے لگے۔ باقاعدہ فوج کے سپاہی قشون قومی اور عام شہر والوں کے ساتھ بھائی چارے کی باتیں کرنے لگے اور جب رات ہوئی تو شہر کی چاروں طرف میں چراغاں کیا گیا جیسے قومی تہوار منایا جاتا ہو۔

لیکن ادھر تو خوشیاں منائی جا رہی تھیں، اور انقلاب پسند انجمنوں کے سرگروہ بھی ڈر رہے تھے کہ بادشاہی پر حملہ کرنے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا تاہم عوام کو جوش دلا رہے تھے کہ ابھی اپنے بازار کے مورچوں پر جمے رہیں، کہ اتنے میں وزارت خارجہ کے دفتر کے سامنے جو سپاہی پہرے پر تھے ان سے مزدوروں کے ایک گروہ کی اتفاقیہ طور پر یا ارادۃً ٹکر ہو گئی۔ فوج والوں نے بندوق کی باڑ ماری جس سے اسی آدمی مقتول یا مجروح ہوئے بغاوت پسند سرگروہوں نے انھی لاشوں کو ایک ٹھیلے پر لادا اور مشعل کی روشنی میں مزدوروں کے محلے کی گلیوں میں گشت کر کر کے لوگوں کو ہتھیار سنبھال لینے پر آمادہ کیا ساری رات گھڑیال بجا کیا اور دوسری صبح کو مخلوق کا پرا توی لری (= شاہی محلسرا) کی جانب چل پڑا۔ وزارت کی معزولی اور بادشاہ سے لوگوں کی مصالحت ہو جانے کے گمان پر جو فوجی پہرے چوکی کا انتظام شروع ہوا تھا وہ بھی اٹھا دیا گیا تھا۔ کہیں کہیں سپاہی بہت بہادری سے لڑے بھی لیکن مدافعت کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ لوئی فلیپ کو گذشتہ چند روز کی فکر و محنت نے بالکل خستہ و مضمحل کر دیا تھا اور جب وہ سوار ہو کر قشون قومی میں

۲۴ فروری۔

آیا توان کی سرد مہری دیکھکر بھی اسے سخت قلق ہوا۔ چنانچہ گو اپنی طویل زندگی کے ہر مرحلے میں عین خطرات کے وقت اس نے کمال دلیری کا ثبوت دیا تھا مگر اس وقت بادشاہ کی ساری ہمت اور کام کرنے کی قابلیت مفقود ہو گئی۔ اس نے اپنے پوتے کونٹ آف پیرس کے حق میں تخت سے دست برداری کی دستاویز پر دستخط کر دیئے اور خود فرار ہو گیا۔ اس کے پیچھے پیچھے فتحمند عوام شاہی محلسرا میں گھس پڑے اور تہ خانے سے اوپر کی چھت تک سارے محل کو تاراج و غارت کر دیا۔ وضع قوانین کے ایوان میں کونٹ آوف پیرس کی بادشاہی کی منادی کرا دینے کی کوشش کی گئی تھی، سو اب شہر کی سرپھری مخلوق ادھر پلٹ پڑی پھر سخت ہنگامے اور شور و غوغا کے درمیان ایک ہنگامی حکومت ایوان شہر (ہوٹل دویل) میں قائم کر دی گئی اور روز آخر ہونے سے پہلے پہلے سارے یورپ میں پیام دوڑ گئے کہ خاندان اورلیان کا خاتمہ اور جمہوری حکومت کا اعلان ہو گیا۔ پھر یہ کہ انقلاب کا یہ سیلاب فرانس ہی پر نہیں آیا بلکہ اب تمام ممالک یورپ پر امنڈ رہا تھا۔

تمت
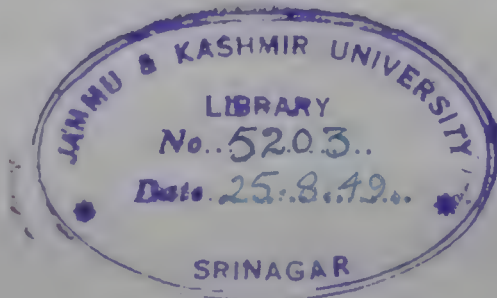
صحت نامہ

یورپ کا عصر جدید

جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۵۷	۱۷	رلئے وہی	رائے دی
۶۵	۵	ہوئی	ہوتی
۶۷	۱۱	بتقید	بے قید
″	۲۰	گڈّارائے نے	گڈّائے نے
۶۸	۴	گروہ	نگروہ
۷۲	۱۳	جیکوین	جیکوبن
۷۴	۶	″	″
″	۱۱	فرسیس	فرنیسس
″	۱۲	مسٹرٹنک	مسٹرہانک
″	۱۶	″	″
″	حاشیہ سطر ۱	″	″
۷۶	۲۲	نیلپز	نیپلز
۷۷	۷	اس قسم	اسی قسم
″	حاشیہ سطر ۱	میں	مین
″	″ سطر ۵	مرنہ صقالیہ	ء صقالیہ
۷۸	۲	حامی او ہوئڈ	حامی اور ہوئیڈ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۷۸	۶	انگریزکی	انگریزی
۷۸	حاشیہ سطر ۱	ریوک بس	ریلوک بن
۷۹	۸	سقا کی	سفنا کی
″	۱۲	بن ٹنک	بن ہانگ
″	۲۱		دربار میں
۸۰	۴	پورپ	یورپ
″	حاشیہ سطر ۶	دے جامیں	دیئے جائیں
۸۲	۲۱	عرض	غرض
۸۴	۷	اپنی	اپنے
″	″	اوگ ناں	ہوک ناں
″	۱۰	اپنا	اپنے
۸۵	۲۱	دیگاترے	دکاترے
۸۸	۵	کائنیٹس	کامیین
″	۶	بنادے گئی	بنادی گئی
″	۷	پدرکشی	پدرکشی
″	۱۱	کائیٹیں	کامئیین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
"	۱۲	جیکوبن	جیکوبن
"	"	کانبیلٹس	کانبیین
۸۹	۱	ڈجس	ڈچیس
۹۲	۸	کر	کی
۹۵	۱	اپنی	اپنے
"	۲۱	"	"
۹۶	۷۵	بیجے	بھیجے
۱۰۸	۷	واٹربو	واٹرلو
۱۱۴	۲	ہیبس	ہیس
۱۲۵	۱۴	سکے	کے
۱۶۴	۱۳	دی چکا	دے چکا
۱۶۶	"	کسی قانوناً	کسی کو قانوناً
۱۶۹	۱۶	کھے	کہے
"	۲۱	اپنی ۱۸۱۵ء	اپنے ۱۸۱۵ء
۱۷۳	۱۲	یہ مسئلہ کی کسی اور	یہ مسئلہ کسی اور
"	۲۴	اپنی	اپنے
۱۷۷	۲۲	تاویل	تاویل
۱۸۷	۵	ترقی کہ گئی	ترقی کر گئی
۱۹۴	حاشیہ سطر ۲	کر ۔	کرے
۱۹۵	۱۶	ملکنا ۔	ملکنا مے
"	۲۰	شبیلیہ	اشبیلیہ
۲۰۱	۱۹	ایلس	ایک
۲۰۶	۱۷	بورمبوں	بوربنوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۲۰۷	۱۱	راستوا	راستوں
۲۲۲	۱۴	دائرا	دائرہ
۲۲۵	۷	انشاپرداز	انشاپرواز
۲۳۱	۱۸	سلہ	سلہ
۲۳۵	۷	ربہی	وہی
۲۴۳	۱۴	متقل .	متثل
۲۵۷	۳	کئے	کئی
"	۱۳	تنا	اتنا
۲۵۹	۲۳	پربادی	بربادی
۲۶۵	۲۳	ڈعے	دیئے
۲۶۶	۱۲	گھر گیا گیا	گھبرایا گیا
۲۶۷	۱۴	نرعہ	نرغہ
۲۶۸	۱	امنڈاپڑا	امنڈ پڑا
۲۷۲	۱۲	حاے	جائے
۲۹۰	۶	سلستربا	سلستریا
"	۲۳	لاقیئت	لافیئت
۳۱۹	۴	بوربہن میا	بوربن میں
۳۲۲	۲	دست براویاں	دست برداریاں
"	۶	ساہی	شاہی
"	۱۰	بہ	یہ
۳۲۴	۱۰	آزرو	آرزو
۳۳۰	۵	نگسمبرگ	لکسمبرگ
"	۱۸	حلے	چلے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۳۳۳	۴	پیدار	بیدار
"	۲۴	نیولین	نپولین
۳۳۴	۸	شورس سے	شورش نے
۳۳۶	۱	تجاویز	تجاوز
۳۳۷	۸	سارباز	سازباز
"	۹	کھدیئے	رکھدیئے
"	۸	ور	دو
۳۴۱	۶	محفی	مخفی
"	۲۴	لمع قمع	قلع قمع
۳۵۴	۷	حو	جو
"	۱۵	پرپا	برپا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴
۳۵۴	۲۵	تنا	آتنا
۳۵۶	عنوان	باب چہارم	باب ششم
۳۵۶	۳	انتحاد اربعه	اتحاد اربعه
۳۵۷	۱۹	کینینگ	کیننگ
۳۶۵	۷	می	کی
۳۶۷	۱۹	بنا	بنتا
۳۷۲	۱۹		Orontes
۳۸۰	۴	بازار ہے	باز رہے
۴۲۱	۱۳	بورنن	بوربن
۴۲۲	۱۵	دست بردور	دست بردار